سوانح حیات شمس المعارف

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

مع مختصر انتخاب دیوان شمس تبریز

از مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

مؤلفہ:

راجہ طارق محمود نعمانی

سوانح حیات شمس المعارف
حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

نہ اُٹھا پھر کوئی رُومیؒ عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گِلِ ایراں وہی تبریز ہے ساقی

(بالِ جبریل، اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

سوانح حیات شمس المعارف
حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ
مع مختصر انتخاب دیوان شمس تبریز
از مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ
مؤلفہ:
راجہ طارق محمود نعمانی
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)
بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری
بک سٹریٹ جہلم پاکستان
فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882
Join us on facebook: www.facebook.com/bookcornershowroom

اشاعت اوّل	:	2008ء
اشاعت دوم	:	2011ء
اشاعت سوم	:	2012ء
نام کتاب		سوانح حیات حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ مع مختصر انتخاب دیوانِ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ
مؤلفہ	:	راجہ طارق محمود نعمانی
نظر ثانی	:	رفیق احمد ساقی (مؤلفہ: ''جامع فارسی اُردو لغت'')
تزئین واہتمام	:	شاہد حمید۔ ولی اللہ
پکچرز ایڈیٹنگ	:	گگن شاہد۔ امر شاہد
پروف ریڈنگ	:	حافظ ناصر محمود
سرورق	:	ابو امامہ
مطبع	:	زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

اِلتماس: اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی تصنیف، پروف ریڈنگ، پکچرز ایڈیٹنگ، طباعت، تصحیح اور جلد بندی میں انتہائی احتیاط کی گئی ہے۔ تاہم غلطی کا احتمال بہرحال باقی رہتا ہے۔ بشر ہونے کے ناطے اگر سہواً غلطی رہ گئی ہو یا صفحات درست نہ ہوں تو ناشر، پروف ریڈرز اور طابع ہر قسم کے سہو پر اللہ غفور الرحیم سے عفو و کرم کے خواست گار ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ کتاب میں اگر کہیں بھی غلطی یا خامی نظر آئے تو ازراہِ کرم مطلع فرما دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درستگی عمل میں لائی جا سکے۔ ادارہ ''بک کارنر جہلم'' کے متعلقین اپنے کرم فرماؤں کے تعاون کیلئے بے حد شکر گزار ہیں۔ (ناشر)

بُک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بُک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977
فون نمبر 0544-621953
موبائل 0323-5777931
موبائل 0321-5440882

پرنٹرز۔ پبلشرز۔ کمپوزرز۔ ڈیزائنرز۔ بُک سیلرز۔ ہول سیلرز اینڈ لائبریری آرڈر سپلائیرز

IQBAL AND RUMI
ہدیہ عقیدت
میں اپنی اس کاوش کو
شاعر مشرق، حکیم الامت، ترجمانِ حقیقت،
علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ
اور ان کے روحانی پیر
حکیم الاسلام و متکلم سلطان المشائخ، رئیس العارفین،
حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ
کے اسمائے گرامی قدر کے ساتھ معنون کرتا ہوں!
"گر قبول افتد زہے عزو شرف"!
راجہ طارق محمود نعمانی

اقبال بحضور شمس و رومی

(رحمہم اللہ)

مطرب غزلے، بیتے از مرشدِ رُوم آور
تا غوطہ زنم جانم در آتشِ تبریزے

(پیامِ مشرق، اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

مطربا! کوئی غزل یا شعرِ پیرِ رُوم کا
تا میری جاں غوطہ زن ہو آتشِ تبریز میں

(ترجمہ: رفیق احمد ساقی)

اگرچہ زادۂ ہندم فروغِ چشمِ من است
زخاکِ پاکِ بخارا و کابل و تبریز

(پیامِ مشرق، اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

ہوا ہوں ہند میں لیکن مرا فروغِ نظر
سببِ خاکِ بخارا و کابل و تبریز

(ترجمہ: رفیق احمد ساقی)

مرا بنگر کہ در ہندوستاں دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے رُوم و تبریز است

(زبورِ عجم۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

مجھی کو دیکھ لے گر قحط ہے ہندوستاں بھر میں
برہمن زاد ہو کر رازدانِ شمسؒ و رُومیؒ ہوں

(ترجمہ: رفیق احمد ساقی)

مولوی ہرگز نشُد "مولائے رُوم"
تا غلامِ شمس تبریزؒ نشد
مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ
مولوی بنتا تھا کب مولائے رُومؒ
گر غلامِ شمسؒ نہ ہوتا کبھی
ترجمہ: رفیق احمد ساقی

"کلیات شمس تبریزی" (فارسی)
کے طبع شدہ جدید نسخے کا سرورق

اسلامی جمہوریہ ایران کا ۲۲۰۰ ریال کا جاری کیا جانے والا یادگاری ٹکٹ
جس پر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی تصویر منقش ہے

A valuable Divan-i-Kebir from 1366
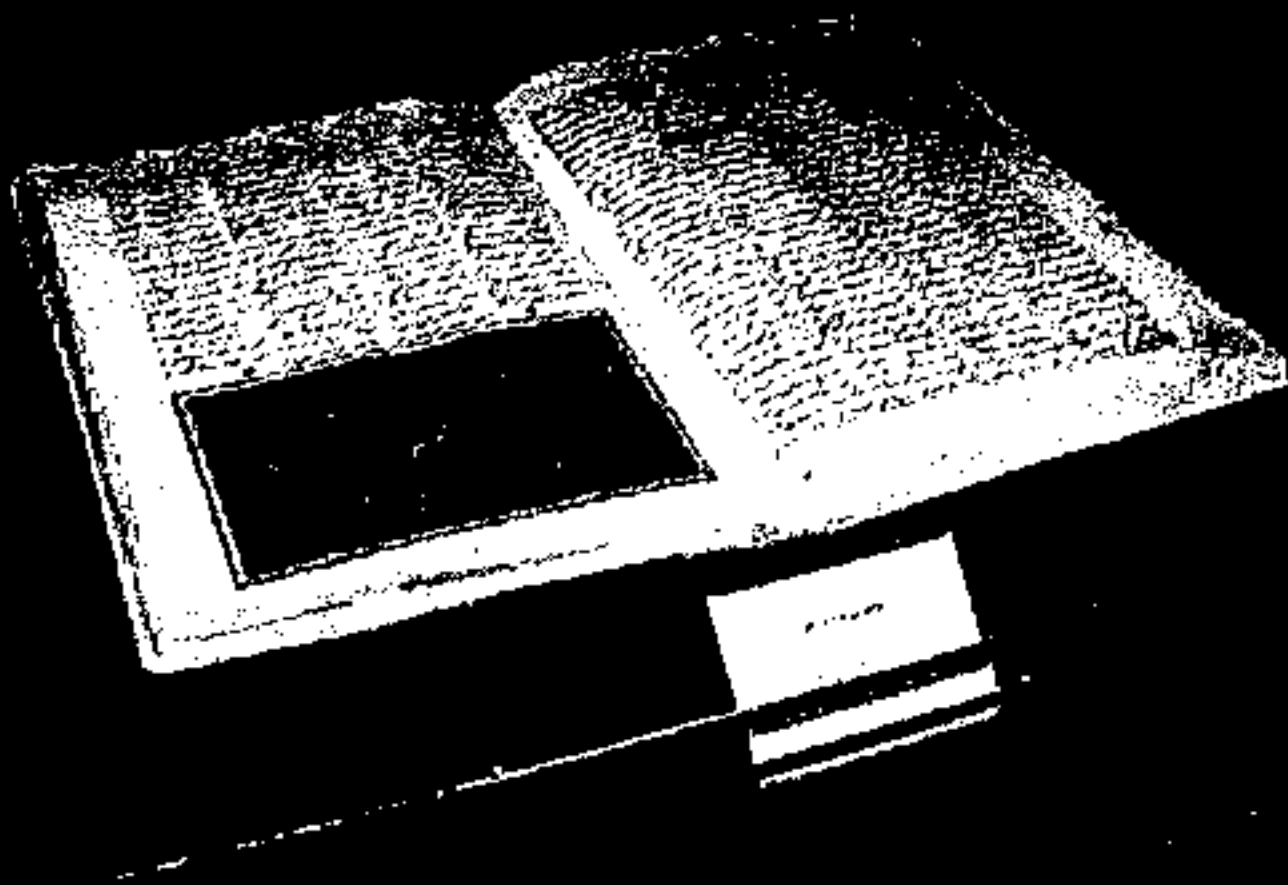
دیوانِ کبیر (المعروف بہ "دیوانِ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ") کا وہ نسخہ
جس کی عکس بندی رچویل ہال، مولانا میوزیم، قونیہ، ترکی میں کی گئی

دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قدیم عکس، جس میں حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی علمی، دینی و روحانی کیفیات کی جھلک نمایاں ہے

حضرت شمس تبریز اور مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہم کی ملاقات
مشہور مصور محمد طاہر سہروردی کی منظر کشی

قونیہ (ترکی) میں حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کا بیرونی منظر

قونیہ (ترکی) میں مزارِ شمس تبریز ؒ کا داخلی دروازہ

قونیہ (ترکی) میں حضرت شمس تبریز ؒ کی قبر مبارک کا منظر
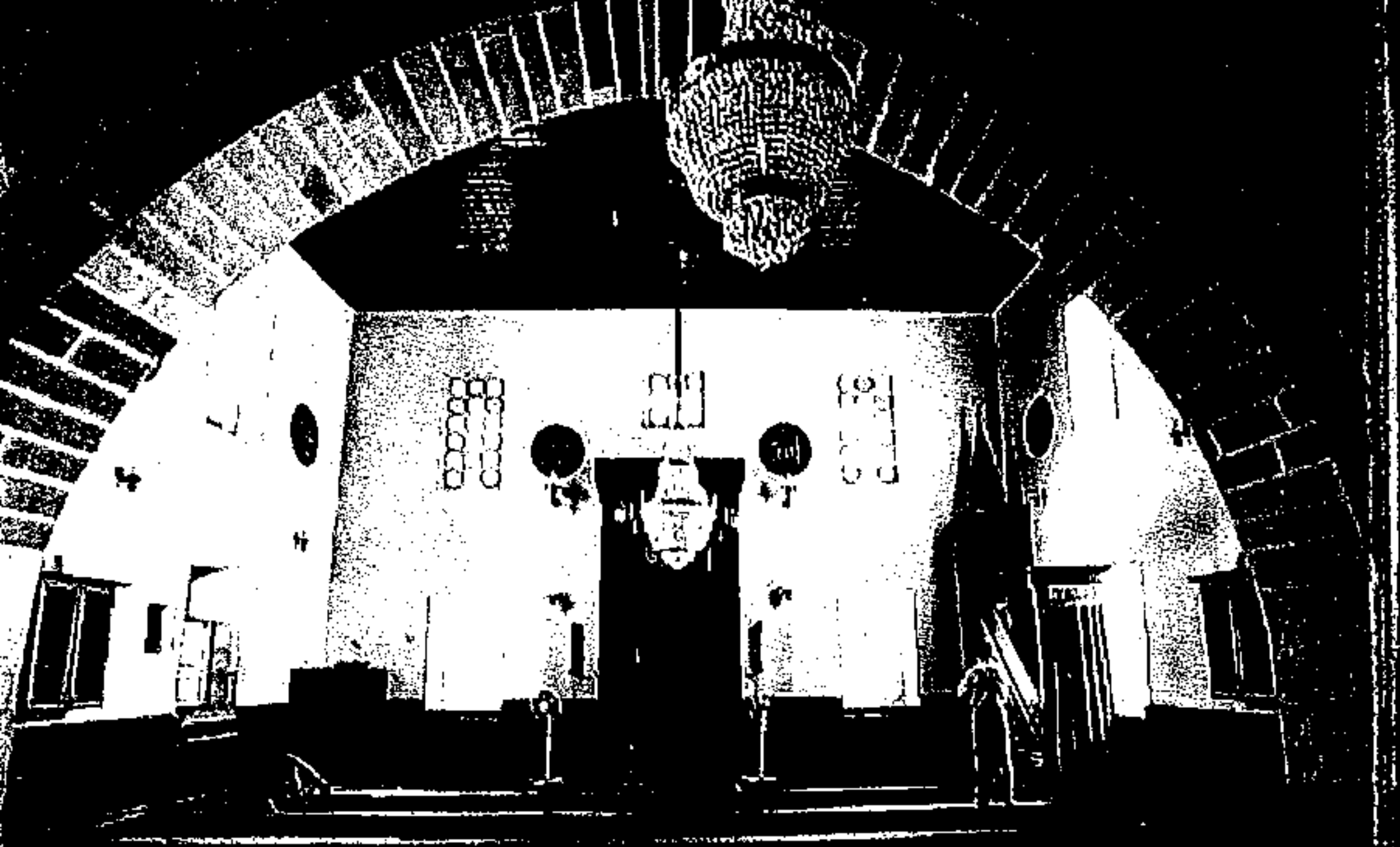
قونیہ (ترکی) میں حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے اندرونی مناظر
جہاں روزانہ دنیا بھر سے آئے ہوئے زائرین کا ہجوم رہتا ہے
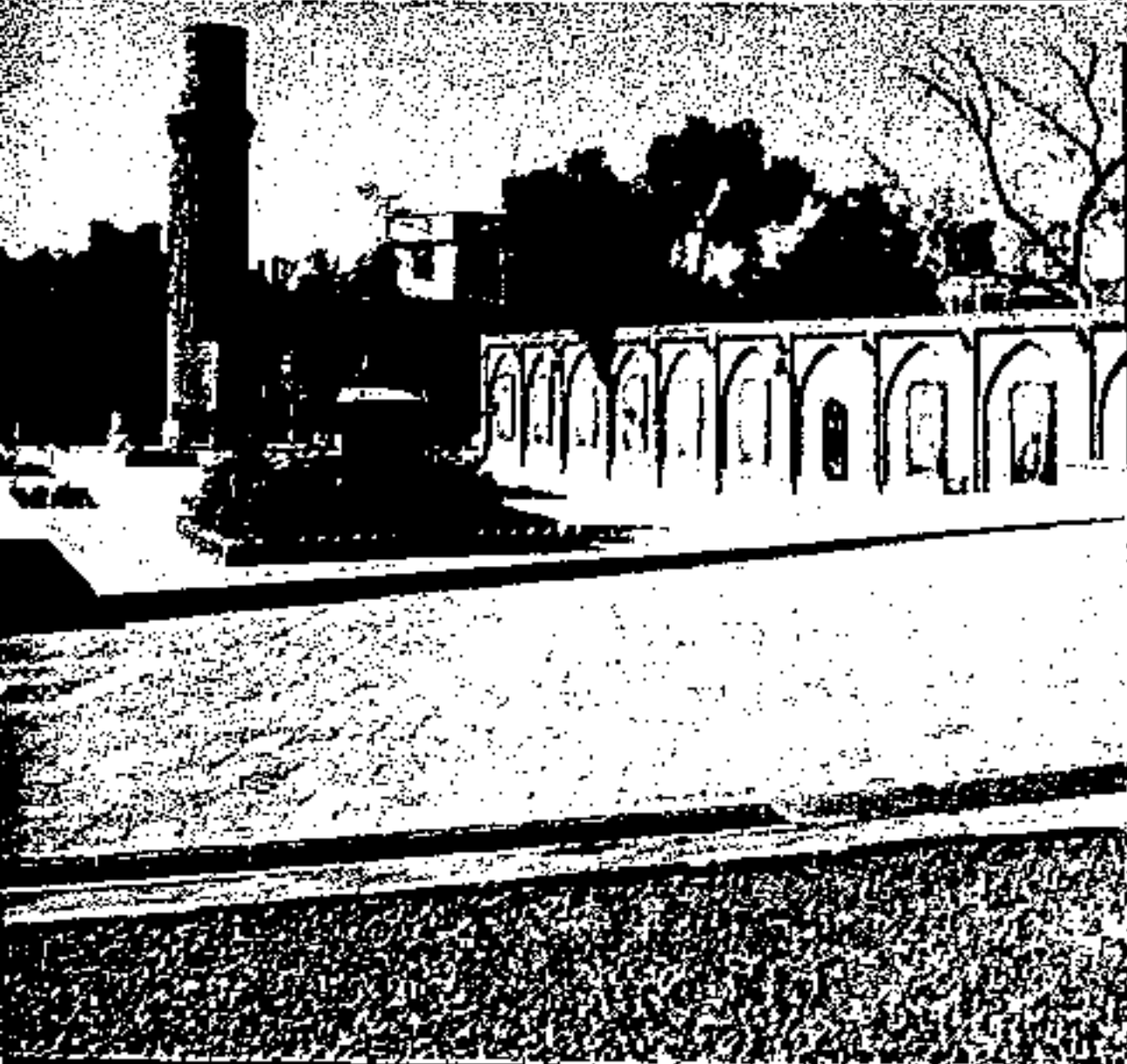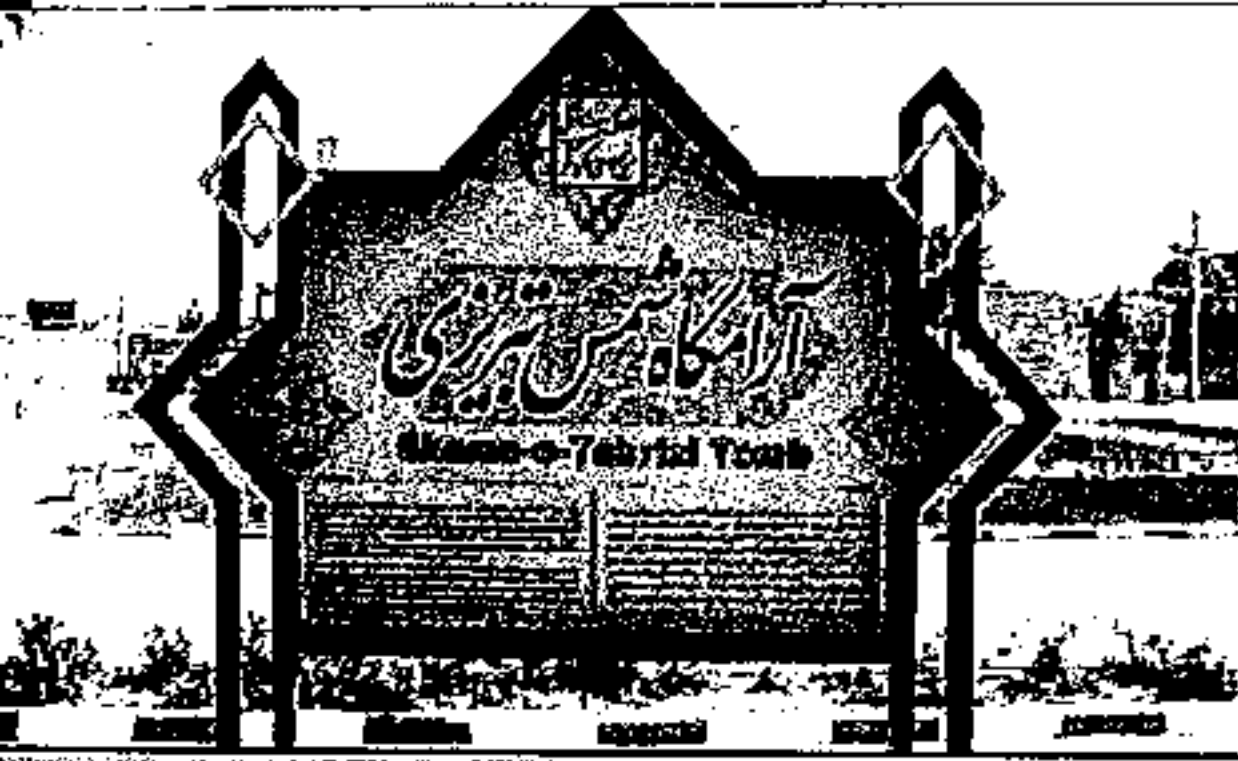
خوی (ایران) میں حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے بیرونی مناظر
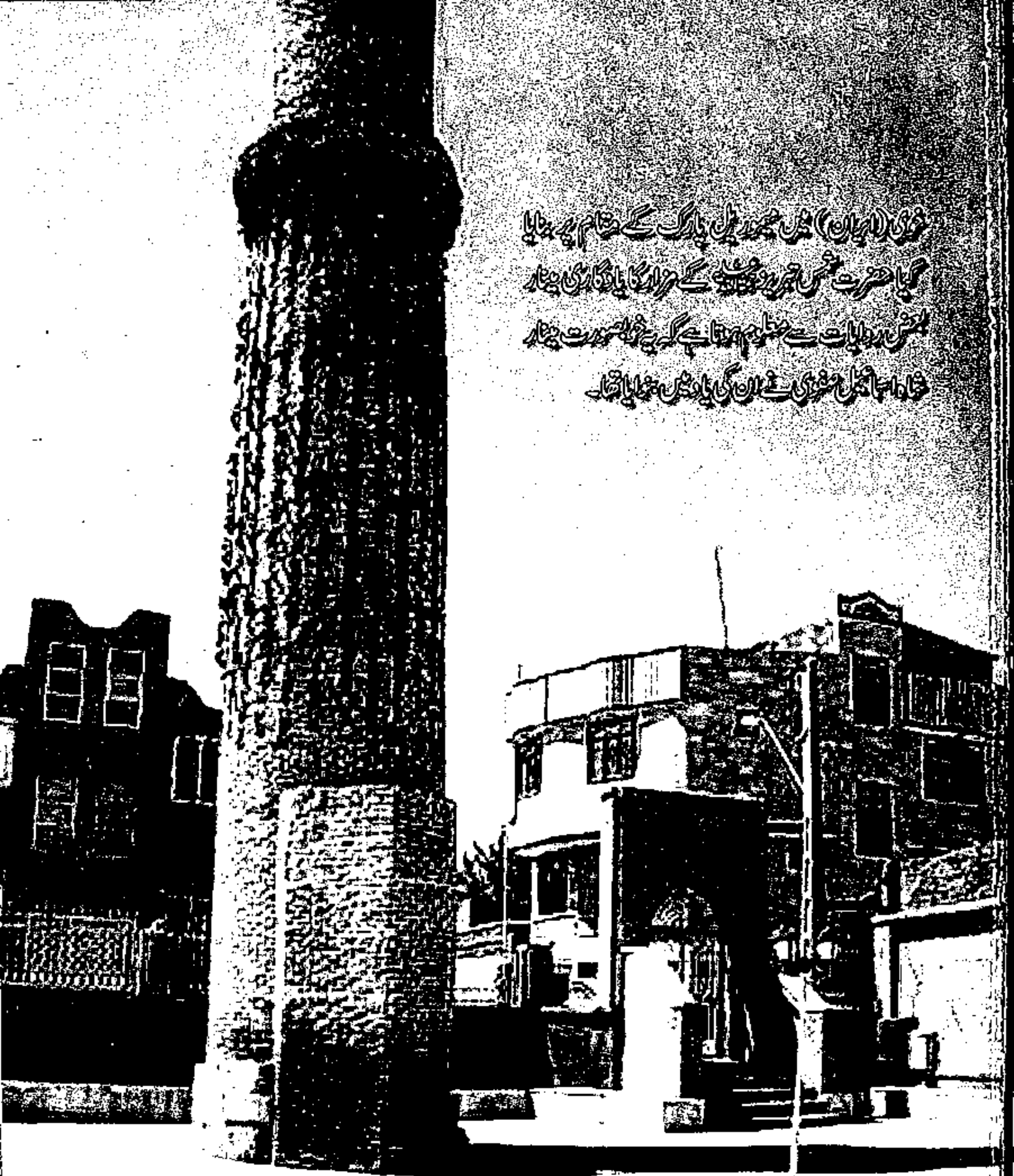
قبر مبارک حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ بمقام خوی (ایران)
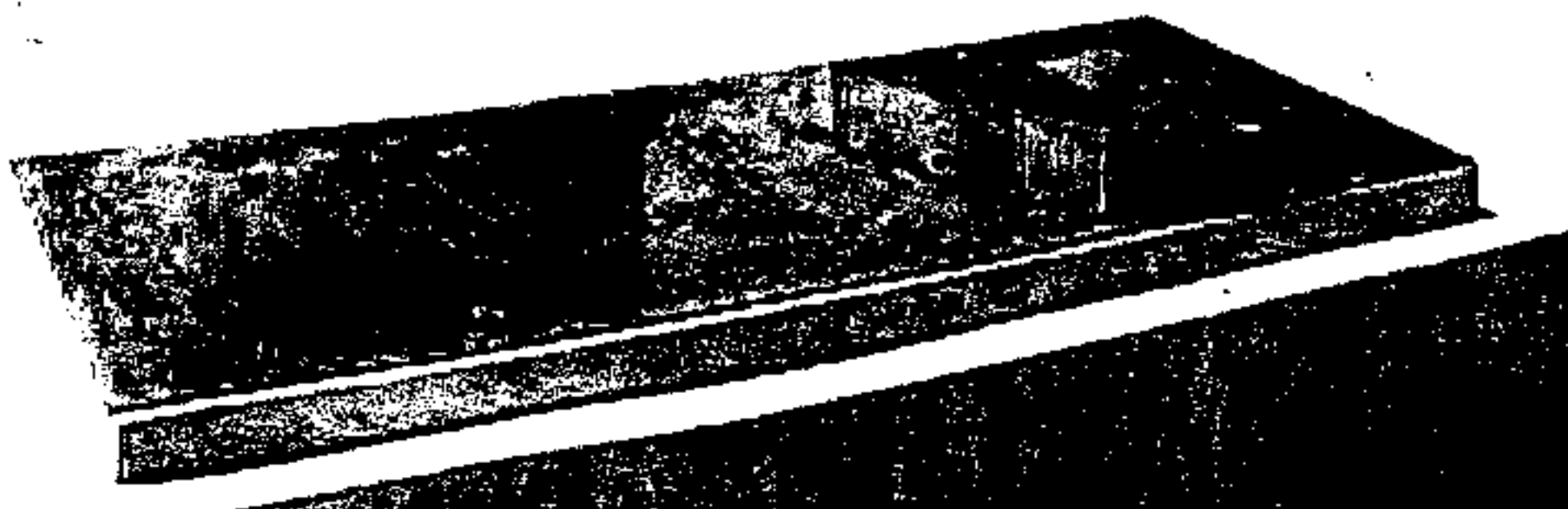
حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے اندرونی مناظر، بمقام قونیہ ترکی

مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاندار پورٹریٹ
جو قونیہ (ترکی) میں اُن کے مزار میں آویزاں ہے

فہرست

حصہ دوم

ایران (فارس) عہد اسلام کے بعد، اسلامی حکومتوں کا مختصر جائزہ، اسلامی علوم وفنون اور ایران، اسلامی علوم وفنون وتصوف کے میدان میں اسلامی ایران کا موثر علمی وعملی پہلو، تصوف وسلوک اور اسلامی ایران کے حضرات صوفیاء کرام کا علمی، دینی وروحانی پہلو، حضرات صوفیاء کرام کی تصانیف کا مختصر تذکرہ وغیرہ۔

حصہ سوم

''شاہانِ خوارزم'' تبریز، مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ معرفت،
حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا اسم اور خاندان، آپ کے سلسلہ کے بعد حضرات مشائخ کرام
اور ان کا مختصر تعارف، ذریعۂ معاش، حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ
کی ملاقات اور تعارف کا حال، حضرت شیخ شمس الدین کی مراجعت، شادی،
غیوبت یا شہادت، وغیرہ وغیرہ دلچسپ حالات وواقعات سے مزین ہے۔

حصہ چہارم

سوانح حیات حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ

''صوبہ خراسان'' اور بلخ کے تاریخ وجغرافیہ، حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے والد، شیخ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب، سلاطین روم، قونیہ، حضرت شیخ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت، آپ کی تعلیم وتربیت، جناب شیخ برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ، حضرت شمس المعارف خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات۔

حصہ پنجم

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری، شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ
سے آپ کی مجالست اور صحبت، شیخ حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ،
حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی علالت اور وفات،
آپ کی اولاد و امجاد آپ کی تصنیفات، مثنوی وغیرہ وغیرہ۔

حصہ ششم

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات

''دیوان''، ''مثنوی مولوی معنوی''، ''ملفوظات''، ''فیہ مافیہ'' وغیرہ وغیرہ پر مختصر تبصرہ

حصہ ہفتم

مختصر انتخابِ دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف عناوین پر مشتمل غزلیات کا اُردو ترجمہ نیز متصوفانہ تشریحات مع فارسی متن!

مقدمہ

حامداً ومصلیاً، فَاَمّا بعد بقول شاعر:

مشکل حکایتیست کہ ہر ذرہ عینِ اُوست
اَمّا نمی تواں کہ اشارات بہ اُوکنند

ترجمہ: یہ کہ ایک مشکل حکایت ہے کہ (کائنات کا) ذرہ اُس کا عین نفسہ شے ہے، مگر (ہمیں) اس کی مجال نہیں ہے کہ تمہیں اُن کے حوالہ سے (متعارف) کریں۔

جناب حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۷۲ھ) بعنوان: (دلیل اور مشاہدہ) فرماتے ہیں کہ:

یہ جو کہتے ہیں: اِنَّ الْقُلُوْبُ عَلَی الْقُلُوْبِ شَوَاہِدٌ (بے شک دل، دلوں کے گواہ ہوتے ہیں۔ کہاوت اور ایک بات ہے)۔ جو لوگ کہتے ہیں حکایت ہے جس کی حقیقت اُن پر منکشف نہیں ہوئی۔ ورنہ سخن کی کیا حاجت تھی۔

جب دل گواہی دے تو زُبان کی گواہی کی کیا ضرورت؟

امیر نائب نے کہا کہ:

بیشک دل گواہی دیتا ہے۔ لیکن دل کو مزا جدا، آتا ہے۔ کان کو جُدا، آنکھ کو جُدا اور زبان کو جُدا لُطف آتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو ایک احتیاج ہے۔ تا کہ فائدہ زیادہ سے زیادہ ہو۔

مولانا قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا کہ:

اگر دل کو استغراق ہو تو بہت اس میں محو ہو جاتے ہیں۔ زُبان کے محتاج نہیں رہتے۔ آخر لیلیٰ کا حُسن رحمانی نہ تھا۔ وہ جسمانی اور نفسی تھا۔

اور وہ آب وگل سے تھا۔

اس کے عشق کو اتنا استغراق تھا کہ: مجنوں کو اُس نے کچھ اس طرح پکڑا اور غرق کیا کہ اُسے لیلیٰ کو ظاہر آنکھ سے دیکھنے کی احتیاج نہ تھی اور نہ ہی اس کے کان کو لیلیٰ کی بات سُننے کی حاجت تھی۔ کیونکہ وہ لیلیٰ کو اپنے آپ سے جُدا نہیں دیکھتا تھا۔

شعر:

تیری روشنی میری آنکھ میں ہے
تیرا نام میرے مُنہ میں
تیرا ذکر میرے دل میں
پس! تُو مجھ سے دور کیسے ہُوا۔

(ملفوظات رُومی ترجمہ فِیہِ مَا فِیہِ) از جناب مولانا جلال الدین رُومی صاحب اُردو ترجمہ: بعنوان: (دلیل اور مشاہدہ) بر صفحہ ۷۸ تا صفحہ ۷۹) وغیرہ

پس! تو یوں سمجھئے کہ: جناب حضرت مولانا جلال الدین رُومی (م ۶۷۲ھ) اور شمس المعارف، جناب حضرت شمس تبریز علیہ الرحمتہ کے مابین از راہ دلیل و مشاہدہ باہمی عشق و محبت اور مصاحبت و مجالست کی تھی، بقول شاعر:

ترجمہ: تیری روشنی میری آنکھ میں ہے۔ تیرا نام میرے مُنہ میں۔ تیرا ذکر میرے دل میں۔ پس، تُو مجھ سے دُور کیسے ہُوا؟

حضرت خواجہ شمس تبریز صاحب (م ۶۶۵ھ) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ہماری موجودہ کتاب شمس العلماء علامہ محمد شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) رقمطراز ہیں کہ:

شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ تھا وہ بزرگ خاندان سے تھے جو فرقہ اسماعیلیہ کا امام تھا، لیکن اُنھوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا۔

حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ نے تبریز میں علم ظاہری کی تحصیل کی۔ پھر بابا کمال الدین خجندی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید ہوئے لیکن عام صوفیوں کی طرح پیری مُریدی اور بیعت و ارادت کا طریقہ نہیں اختیار کیا۔

سوداگروں کی وضع میں شہروں کی سیاحت کرتے رہتے۔ جہاں جاتے کارواں سرا میں اُترتے اور حُجرے کا دروازہ بند کر کے مراقبے میں مصروف ہوتے۔

معاش کا یہ طریقہ رکھا تھا کہ کبھی کبھی ازار بند بُن لیتے اور اس کو بیچ کر کفاف مہیا کرتے۔ایک دفعہ مناجات کے وقت دُعا مانگی کہ الٰہی کوئی ایسا بندہ خاص ملتا جو میری صحبت کا متحمل ہو سکتا۔

عالم غیب سے اشارہ ہُوا کہ رُوم جاؤ۔اُسی وقت چل کھڑے ہوئے قُونیہ پُہنچے تو رات کا وقت تھا برنج فروشوں کی سرائے میں اُترے۔سرائے کے دروازے پر ایک بلند چبوترہ تھا۔اکثر اُمراء اور عمائد تفریح کے لیے وہاں آبیٹھتے تھے۔شمس بھی اسی چبوترے پر بیٹھا کرتے تھے۔

مولانا کو اُن کے آنے کا حال معلوم ہوا تو اُن کی ملاقات کو چلے راہ میں لوگ قدم بوس ہوتے جاتے تھے۔اسی شان سے سرائے کے دروازے پر پہنچے۔شمس رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھا کہ یہی شخص ہے۔جس کی نسبت بشارت ہوئی ہے۔دونوں بزرگوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور دیر تک زبانِ حال میں باتیں ہوتی رہیں۔

(ملخصا)

(سوانح مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ)از جناب علامہ محمد شبلی نعمانی صاحب

بر صفحہ ۱۷،صفحہ ۱۸)وغیرہ

تو بات باہمی دلیل و مشاہدہ کی تھی۔

جناب مولانا جلال الدین رُومی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

جب معشوقِ جسمانی میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ اس کا عشق عاشق کو اسی حالت تک پہنچا دے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے جدا نہ دیکھے۔اس کی ہر حس مکمل طور پر معشوق میں غرق ہو جاتی ہے۔یہاں تک کہ وہ آنکھ،کان،ناک،غرضیکہ کسی عُضو سے کسی دوسرے حظ کا طلبگار نہیں ہوتا۔وہ سب کو اکٹھے دیکھتا ہے اور حاضر سمجھتا ہے۔

ان اعضاء میں سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ایک عُضو بھی مکمل حظ اُٹھاتا ہے۔تو وہ سب کے سب اس ذوق میں غرق ہو جاتے ہیں اور وہ دوسرے حظ کے طلبگار نہیں ہوتے۔

وہ دوسری حس کی طلب کو اس امر کی دلیل سمجھتا ہے کہ اس ایک عُضو نے کما حقہ پُورا حظ نہیں اُٹھایا۔اُس نے حظ نہیں اُٹھایا مگر ناقص،وہ اس حظ میں غرق نہیں ہُوا۔اس لیے دُوسری حس حظ کی طلبگار ہے۔وہ دشمن کی طلبگار ہے۔

ہر حس ایک مختلف حظ اُٹھاتی ہے۔معنی کے اعتبار سے حواس جمع ہیں۔صُورت کے لحاظ سے وہ متفرق ہیں۔جب ایک عُضو کو استغراق حاصل ہوتا ہے۔تو سارے اعضاء اس میں غرق ہو جاتے ہیں۔

جیسے مکھی اُوپر اُوپر اُڑتی ہے۔وہ پروں کو ہلاتی ہے۔سر کو ہلاتی ہے اور اس کے سب

اجزاء کو حرکت ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ شہد میں غرق ہوتی ہے۔ تو سب اجزاء یکساں ساکن ہو جاتے ہیں۔ ان میں کوئی جزو حرکت نہیں کرتا۔

استغراق وہ ہوتا ہے کہ غرق ہونے والا خود موجود نہیں رہتا اور نہ وہ جدوجہد کرتا ہے۔ نہ اُس سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے۔ نہ وہ حرکت کرتا ہے۔ وہ اس پانی میں غرق ہوتا ہے۔ اس حالت میں جو فعل اُس سے سرزد ہوتا ہے۔ وہ اس کا فعل نہیں ہوتا۔ وہ پانی کا فعل ہوتا ہے۔ اگر وہ پانی میں ابھی ہاتھ پاؤں مارتا ہے تو اُسے غرق ہونا نہیں کہتے، یا اگر وہ چلاّ تا ہے کہ ہائے میں غرق ہو گیا تو اسے بھی استغراق نہیں کہتے۔

آخر منصور کا یہ اَنَا الْحَقُّ (میں خُدا ہوں) کہنا بھی یہی معنی رکھتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اَنَا الْحَقُّ کہنا بہت بڑا دعویٰ ہے۔ بڑا دعویٰ تو اَنَا الْعَبْدُ (میں بندہ ہوں) کہنا ہے۔ اَنَا الْحَقُ بہت بڑی عاجزی ہے۔ کیونکہ جو شخص یہ کہتا ہے۔ میں خدا کا بندہ ہوں۔

وہ دو (۲) ہستیوں کو ثابت کرتا ہے۔ ایک اپنے آپ کو اور دوسرے خُدا کو۔ لیکن جو اَنَا الْحَقُ کہتا ہے وہ اپنے آپ کو معدوم کرتا ہے۔ فنا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے اَنَا الْحَقُ یعنی میں نہیں ہوں۔ سب وہی ہے۔

خدا کے سوا کوئی ہستی نہیں۔ میں کُلی طور پر عدم محض ہوں اور کچھ بھی نہیں۔ اس میں بے حد عاجزی ہے۔ مگر یہ بات لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔

وہ شخص کہ جو خُدا کی بندگی کرتا ہے آخر اس کی بندگی درمیان میں موجود ہے خواہ وہ خُدا کے لیے ہی ہے۔ وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور خُدا کو دیکھتا ہے۔

وہ پانی میں غرق نہیں ہوتا۔ غرق شدہ وہ آدمی ہوتا جس سے کوئی فعل یا حرکت سرزد نہیں ہوتی۔ لیکن اس کی حرکتیں پانی کی حرکتیں ہوتی ہیں۔

ایک شیر نے ہرن کا پیچھا کیا۔ ہرن بھاگ کھڑا ہوا۔ اس وقت دو (۲) ہستیاں تھیں۔ ایک شیر اور دوسرے ہرن۔ لیکن جب شیر نے اُسے جالیا اور وہ شیر کے پنجہ قہر میں آ گیا اور شیر کی ہیبت نے اُسے بے ہوش کر دیا اور وہ بے خود شیر کے سامنے گر گیا۔ تو اس گھڑی اکیلے شیر ہی کی ہستی باقی رہی۔ ہرن محو ہو گیا اور باقی نہ رہا۔

استغراق کیا ہوتا ہے؟

جناب حضرت مولانا جلال الدین رُومی صاحب فرماتے ہیں کہ:

استغراق یہ ہوتا ہے کہ خُداوندِ تعالیٰ شیر، چیتے اور ظالم کا خوف جو عام لوگوں پر طاری ہوتا ہے۔ اس پر طاری نہیں کرتا بلکہ اُسے خود خُداوند تعالیٰ خائف کرتا ہے۔

اوراس پر یہ حقیقت کھول دیتا ہے۔ کہ یہ خوف خاص اُسکی اپنی طرف سے ہے اور خُدا ہی اسے امن، عیش، طرب اور خواب وخورش کی صُورت دکھاتا ہے۔

وہ بیداری کے عالم میں اپنی کھلی آنکھوں سے شیر، چیتے یا آگ کو دیکھتا ہے اور اُنہیں محسوس کرتا ہے۔ اسے اس حالت میں معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ شیر، چیتے، یا آگ کی وہ صورت درحقیقت اس دُنیا سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ یہ غیب کی صُورت ہے۔ جس کی یوُں تصویر کھنچ گئی ہے اور خُداوند تعالیٰ اس طریق پر انتہائی حُسن و جمال کے پرتو سے اپنی صورت دکھاتا ہے کہ مستغرق کو نہایت پُر فضا باغات نظر آتے ہیں۔ ان باغوں میں انوار، نہریں، حُوریں، محلات۔ قسم قسم کے کھانے، مشروبات، خلعتیں، کئی بُراق، مختلف شہر، منزلیں اور گوناگوں عجائبات ہوتے ہیں۔

وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ چیزیں اس دُنیا سے نہیں۔ یہ سب چیزیں اُسے خُداوند تعالیٰ اپنی نظر سے دکھاتا اور منظر کشی کرتا ہے۔ پس یقینی ہو جاتا ہے کہ خوف اُسے خُدا کی طرف سے ہے۔ اسی طرح اُس کی ہر اُمید، راحت اور مشاہدہ کا تعلق خُدا ہی سے ہوتا ہے۔

اب اُس کا یہ خوف دُنیا کا خوف نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ مشاہدہ ہے۔ دلیل کی بناء پر نہیں۔ یہ خُدا کا معین کردہ ہے، کیونکہ ہر چیز کا ظہور خُداوند تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

فلسفی بھی اسے جانتا ہے، لیکن دلیل پائیدار نہیں ہوتی اور وہ خوشی جو صرف دلیل سے حاصل ہو اس کی عمر لمبی نہیں ہوتی۔ جونہی دلیل کا ذکر ختم ہوا اس کی گرمی اور خوشی جاتی رہی۔

جیسے دلیل سے آدمی جانتا ہے کہ اس گھر کو بنانے والا کوئی معمار ہے اور دلیل ہی سے وہ جانتا ہے کہ معمار آنکھوں والا ہے اندھا نہیں۔ اُسے قُدرت حاصل ہے۔ وہ عاجز نہیں۔ وہ موجود تھا معدوم نہیں تھا ہے۔

اور دلیل پائیدار نہیں ہوتی۔ جلدی فراموش ہو جاتی ہے۔ لیکن جب عارفوں نے خدمتیں کیں۔ تو معمار کو پہچان لیا اور اُسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لیا اور نان اُنہوں نے باہم کھایا اور اختلاط کیا۔ اُن کے تصور اور اُن کی نظر سے گھر کی بنیاد کبھی اوجھل نہیں ہوتی۔

پس، اس قسم کا آدمی خُداوند تعالیٰ میں فنا ہوتا ہے اور اس کے حق میں نہ گناہ گناہ ہوتا ہے اور نہ جرم جرم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ پانی کا مغلوب اور مہلک ہے۔

(ملخصاً)

(ملفوظاتِ رُومی/ ترجمہ فِیہِ مَا فِیہِ) از جناب حضرت مولانا جلال الدین رومی صاحب رحمۃ اللہ علیہ
اُردو ترجمہ بعنوان: (دلیل اور مشاہدہ) بر صفحہ ۷۹ تا صفحہ ۸۲) وغیرہ، بشکریہ

مختصر یہ کہ: دلیل اور مشاہدہ اور پھر استغراق یہی سہ (۳) مراتب یا مراتب سہ (۳) نہ تھے کہ جن کے باوصف جناب حضرت خواجہ شمس تبریز اور جناب مولانا جلال الدین رُومی صاحب

کے مابین تعارف کا آغاز ہوا اور پھر تا وصال یہی احوال و آثار ہر دو شخصیات کے قائم رہے۔

جذب وشوق:

مناقب العارفین کی روایت میں جزئی اختلافات کے ساتھ تصریح ہے کہ یہ ۶۴۲ھ کا واقعہ ہے۔ اس بناء پر مولانا کی مسند نشینی فقر کی تاریخ اسی سال سے شروع ہوتی ہے۔

سپہ سالار، کا بیان ہے کہ چھ (۶) مہینے تک برابر دونوں بزرگ صلاح الدین زرکوب کے حُجرے میں چلہ کش رہے۔ اس مُدت میں آب و غذا قطعاً متروک تھی اور بجز صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اور کسی کو حُجرے میں آمدورفت کی مجال نہ تھی۔

مناقب العارفین میں اس مُدت کو نصف کر دیا ہے۔ اس زمانے سے مولانا کی حالت میں ایک نمایاں تغیر جو پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ اب تک سماع سے محترز تھے۔ اب اس کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ چونکہ مولانا نے درس و تدریس اور وعظ و پند کے مشاغل دفعتاً چھوڑ دیئے اور حضرت شمس کی خدمت سے دم بھر جُدا نہیں ہوتے تھے۔

(ملخصاً)

(سوانح مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ) از جناب علامہ شبلی نعمانی صاحب

بر صفحہ ۱۸ تا صفحہ ۱۹) وغیرہ، بشکریہ

حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو تصوف و سلوک اور حقیقت و معرفت ربانی میں جو مقام حاصل تھا۔ اُس کے بارے میں حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

مولوی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے القاب میں یہ لکھا ہے المولی الاعز الداعی الی الخیر خلاصۃ الارواح سر المشکوٰۃ والمصباح شمس الحق والدین نُور اللہ فی الاوّلین والآخرین۔

یعنی وہ مولانا عزیز تر خیر کی طرف بلانے والے ارواح کا خلاصہ طاق اور شیشہ کے اُوپر چراغ کے بھید ہیں۔ حق اور دین کے آفتاب اولین و آخرین میں خُدا کے نُور ہیں۔

(نفحات الانس) از حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی صاحب

اردو ترجمہ: بعنوان: (۴۹۲...... مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داؤد التبریزی رحمۃ اللہ علیہ

(بر صفحہ ۴۸۹ وغیرہ)

بشکریہ

جناب شہزادہ دارالشکوہ حنفی قادری صاحب بعنوان ''حضرت مولانا شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ'' تحریر کرتے ہیں کہ:

نام محمد بن علی بن ملک داد ہے۔

فرمایا بلوغ سے قبل میں ابھی مکتب میں تھا۔ میری حالت یہ تھی کہ سیرۃ محمدی ﷺ کے عشق میں چالیس (۴۰) چالیس (۴۰) دن تک مجھے کھانے کی خواہش نہیں ہوئی تھی۔ اگر کوئی کھانے کے لیے کہتا تو میں سر اور ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیتا۔

آپ شیخ ابوبکر سلہ باف تبریزی کے مرید ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بابا خجندی کے مُرید ہیں اور بعض شیخ رکن الدین سنجاسی کا مُرید بتاتے ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

ممکن ہے کہ آپ کو سب کی صحبت اور خدمت کی سعادت حاصل ہوئی اور سب سے اکتسابِ فیض اور تربیت حاصل کی ہو۔ مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کے ساتھ کمالِ تعلق اور انتہائی خلوص تھا۔ ہمیشہ آپ کی صحبت میں حاضر رہتے تھے۔ آپ کے اشعار میں ہر جگہ آپ کی تعریف موجود ہے اور رات و دن جلوت و خلوت اور صوم و صلوٰۃ کی حالت میں اکثر صحبت میں حاضر رہتے تھے۔

آپ کی وفات ۶۴۵ھ کو ہوئی۔

۱۔ (سفینۃ الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ) از جناب شہزادہ دارا شکوہ حنفی قادری صاحب اُردو ترجمہ: بعنوان: (حضرت مولانا شمس الدین تبریزی) بر صفحہ ۲۲۷)

۲۔ (نفحات الانس) از جناب حضرت شیخ مولانا عبدالرحمٰن جامی صاحب بعنوان: (۴۹۲......مولانا شمس الدین محمد بن علی ملک داؤ دالتبریزی رحمۃ اللہ علیہ)

(بر صفحہ ۴۸۹ وغیرہ)

بشکریہ

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے خاندانی شجرہ میں اختلاف

حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے خاندانی شجرہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

آپ کے خاندانی شجرہ میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد خاندان علاؤالدین کی اولاد سے تھے۔

مولانا علاؤالدین موصوف اپنے آبائی مذہب سے بیزار ہو گئے اور خاندانی غیر اسلامی کُتب و رسائل نذرِ آتش کر کے ان مقامات کا رُخ کیا۔ جہاں سخت کُفر و الحاد تھا اور تبلیغ اسلام کے لیے سلسلہ وعظ و پند شروع فرمایا اور خواجہ شمس الدین کو جو اس وقت نہایت حسین و جمیل نوجوان لڑکے تھے تبریز بھیج دیا۔

بعض کا قول ہے کہ خواجہ شمس الدین تبریز میں پیدا ہوئے تھے۔ جہاں آپ کے والد

کپڑے کا بیوپار کرتے تھے۔

آپ حضرت بابا کمالِ خجندی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے۔ یا حضرت ابوبکر سلمہ باف اور حضرت رُکن الدین سنجاسی رحمۃ اللہ علیہ سے تحصیل علوم کی۔

(سوانح حیات حضرت شمس تبریز صاحب رحمۃ اللہ علیہ) از جناب مولانا پیر غلام دستگیر صاحب نامی بعنوان "حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا نام اور خاندان" بر صفحہ ۴)

شجرۂ معرفت:

حضرت خواجہ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ معرفت جناب سیدنا حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے خلیفہ اوّل جناب سیدنا حضرت اُبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور دوسری جانب خلیفہ رابع جناب سیدنا امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب تک منتہی ہوتا ہے اور یہ شجرہ معرفت حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے جا ملتا ہے اور بعد ازاں جناب فخر دو عالم سید الکونین آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک منتہی ہوتا ہے۔

آپ کے روحانی سلسلہ کے بزرگان میں درج ذیل فخر روزگار حضرت اولیائے کاملین عمدۃ الواصلین کے اسمائے گرامی قدر ہمیں نظر آتے ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ ابُو علی رود باری رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ حضرت شیخ ابُو علی کاتب رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ حضرت شیخ ابُو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ حضرت شیخ ابُو القاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ حضرت شیخ ابُو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ حضرت شیخ ابُو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ
۷۔ حضرت مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ
۸۔ حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ
۹۔ حضرت شیخ ابُو بکر نسان طوسی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۔ حضرت شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

جناب علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بیان کے مطابق حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کیا بُزرگ خاندان سے نہ تھے۔ چنانچہ بدیں الفاظ رقمطراز ہیں کہ:

دیباچہ مثنوی نغمات میں لکھا ہے کہ شمس کا کیا بزرگ کے خاندان سے ہونا غلط۔

سوانح مولونا رُوم رحمۃ اللہ علیہ از جناب علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ...... (بر حاشیہ صفحہ ۱۷) مطبوعہ: سجاد پبلشرز لاہور بشکریہ

حضرت شیخ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ مرشدِ مولانا رُوم اور حضرت شیخ شمس الدین سبزواری رحمۃ اللہ علیہ کے مابین امتیاز

یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت خواجہ شیخ شمس الدّین تبریز رحمۃ اللہ علیہ (مرشدِ مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ) اور حضرت شیخ شمس الدّین سبزواری ملتانی رحمۃ اللہ علیہ ایک ہی شخصیت ہیں۔ تو واضح رہے کہ ہر دو (۲) علیحدہ علیحدہ شخصیات تھیں۔ اُوپر ہم نے حضرت خواجہ شمس الدّین تبریز رحمۃ اللہ علیہ (مرشدِ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ) کا مختصر تعارف دیا ہے۔ اب ہم یہاں پر حضرت شیخ شمس الدّین سبزواری ملتانی کا مختصر اً تعارف پیش کرتے ہیں۔

حضرت شیخ شمس الدین سبزواری رحمۃ اللہ علیہ (شمس تبریز):

ولادت...... سبزوار (عراق) ۵۶۰ھ

وفات...... ملتان: (۶۴۵ھ)

شمس الفقراء حضرت شیخ شمس الدین سبزواری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے کاملین میں سے تھے۔ آپ کے والد ماجد کا اسمِ گرامی سید صلاح الدّین تھا، آپ کی پیدائش ۵۶۰ھ غزنی کے ایک شہر، سبزواری میں ہوئی۔ اس وقت عراق پر محمد یار مرزا کی حکومت تھی۔

حضرت شمس الدین سبزواری کا سلسلہ نسب حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے اس طرح ملتا ہے:

سلسلہ نسب:

محمد سبزواری بن صلاح الدین بن سید علی ملقب اسلام الدین بن سید عبدالمومن بادشاہ افریقہ بن سید علی خالد الدّین بن سید محمد محب الدین بن سید محمود سبزواری بن سید محمد بن ہاشم علی بن سید احمد ہادی بن سید محمد منتظر باللہ بن سید عبدالمجید بن سید غالب الدّین بن سید محمد منصور بن اسماعیل ثانی بن سید محمد ملفی بن سید اسماعیل المراج اکبر بن حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ۔

ملاحظہ کیجیے: ۱۔ (تذکرہ اولیائے ملتان) از جناب امتیاز حسین شاہ صاحب
بعنوان: (حضرت شمس الدین سبزواری رحمۃ اللہ علیہ) بر صفحہ ۴۹) بشکریہ
۲۔ (انوار اصفیاء) مرتبہ ادارہ (تصنیف و تالیف)
بعنوان: (حضرت شمس الدین محمد تبریزی سبزواری رحمۃ اللہ علیہ) بر صفحہ ۱۷۶)۔ مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ بشکریہ

مشہور غلط روایات:

جناب امتیاز حسین شاہ صاحب رقمطراز ہیں کہ:

آپ کا نام شمس تبریزی غلط مشہور ہو گیا ہے۔آپ سبزواری ہیں۔محمد دین فوق مولف شمس تبریز مطبوعہ ۱۹۱۰ء صفحہ ۵ پر تحریر کرتے ہیں:

مولانا شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے والد بزرگ وار کا نام علاؤ الدین تھا اور ملتان والے سبزواری ہیں۔ان کا شمس تبریزی نام غلط مشہور ہو گیا ہے۔دراصل ان کا نام مخدوم شمس الدین محمد سبزواری تھا سبزواری سبزوار (علاقہ غزنی) میں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے لڑکے امام اسماعیل کی اولاد سے ۵۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور ملتان میں ان کی آمد ۵۷۴ھ ہے۔

''تذکرہ اولیائے ملتان'' بر صفحہ ۷۳، بشکریہ

اختلافی بیانات:

نواب معشوق جنگ بہادر رقمطراز ہیں کہ:

شیخ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام علی بن ملک داؤد تبریزی تھا اور تبریز میں کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔اس کے برعکس مولوی غلام سرور لاہوری آپ کے والد بزرگوار کا نام محمد بن ملک داد بتاتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں، آپ شیخ ابو بکر سلہ باف تبریزی کے مُرید تھے۔بعض آپ کو بابا کمال جندی کا اور بعض رُکن الدین سنجاسی رحمۃ اللہ علیہ کا مُرید بتاتے ہیں۔

صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ:

شمس الدین تبریزی نے شیخ سلہ باف، بابا کمال جندی اور شیخ رُکن الدین سنجاسی تینوں سے استفادہ کیا۔

(ملخصاً)

۱۔ملاحظہ کیجیے: (اخبار الصالحین) بر صفحہ ۲۸۱)

۲۔(خزینۃ الاصفیاء) جلد دوم بر صفحہ ۲۶۸/صفحہ ۲۶۹)

۳۔(جواہر مضیہ)

۴۔(انوار اصفیاء) مرتبہ ادارہ تصنیف و تالیف: شیخ غلام علی اینڈ سنز......لاہور بعنوان: (حضرت شمس الدین محمد تبریزی) بر صفحہ ۷۰ وغیرہ

جناب پیر غلام دستگیر صاحب نامی بعنوان: (شیخ شمس الدین تبریزی کے ہمنام ملتانی

بزرگ) تحریر فرماتے ہیں کہ:

مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ کی جس بزرگ شیخ شمس الدین سے عقیدت تھی وہ کبھی ہندوسندھ تشریف نہیں لائے۔ ملتان میں شمس الدین مدفون ہیں اور وہیں اُن کی اولاد شمسی کہلاتی ہے اور لاہور وغیرہ میں موجود ہے۔

اُنہیں میں میرے ایک کلاس فیلو ابراہیم نامی تھے ہم دونوں نے انجمنِ حمایتِ اسلام کے ہائی سکول واقع شیرانوالہ دروازہ ۳-۱۹۰۲ء میں تعلیم پائی تھی۔ نارووال سے آئے تھے اور میں نے اُنھیں درگاہ جدنا حضرت عبدالجلیل چوہڑ شاہ بندگی عظمہ اللہ تعالیٰ میں اپنے والد بزرگوار کے تعمیر کردہ حجرہ متصل چاہ و مسجد سکونت کے لیے دے دیا تھا۔

میں تو انٹرنس پاس کر کے رہ گیا اور وہ بی اے ایل ایل بی وکیل ہو گئے۔ اور ملتان میں پریکٹس شروع کر دی۔ میں ایک دفعہ ملتان گیا تو اُن سے ملا۔

مجھے درگاہ شمسی میں لے گئے۔ میں نے وہاں ایک کتبہ نصب دیکھا۔ مشتمل بر نام چار یار: ابوبکر و عمر، عثمان و حیدر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

شمسی صاحب سے دریافت کیا کہ:

کیا صاحب درگاہ سنی تھے؟...... نہیں شیعہ تھے!

تمہارا سوال میں سجادہ نشین صاحب سے پوچھ چکا ہوں۔ اُنہوں نے جواب دیا تھا کہ بزرگ سب کے مشترک ہوتے ہیں۔ یہ کتبہ سنیوں کے لیے نصب چلا آتا ہے۔

مجھے ان کا رواداری رویہ پسند آیا۔ معلوم نہیں وہ پتھر مزین بنام چہار یار نبی المختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہے کہ اُتار دیا گیا۔ بات یہ ہے کہ سب بزرگ اہل سنت ہی سے تھے۔ بعد میں لوگوں نے اپنی غرض کے لیے اُنہیں کچھ کا کچھ بنا دیا۔

آگے رقمطراز ہیں کہ:

تاریخ اقوام پنجاب (انگریزی) میں مسٹر روز آئی سی ایس لکھتے ہیں کہ:

"شمسی فرقہ کا مستقر ملتان ہے۔ وہ شیعہ ہیں اور اپنے آپ کو شمس تبریز ملتانی کی اولاد بتاتے ہیں۔ جن کی خانقاہ ۱۷۸۰ء میں بنائی گئی۔ شمس (سورج) نام ملتان جیسے گرم ترین مقام کے لیے موزوں ہے۔"

(ملخصاً)

(سوانح حیات حضرت شمس تبریز صاحب) از جناب پیر غلام دستگیر صاحب نامی۔ بعنوان: (شیخ شمس الدین تبریزی کے ہمنام ملتانی بزرگ) بر صفحہ ۲۶ تا صفحہ ۲۷) وغیرہ

جناب مولانا پیر غلام دستگیر صاحب نامی، آگے رقمطراز ہیں کہ:

درگاہ شمسی کے شیعہ متولی کا کہنا ہے کہ نام ''شمس تبریز'' غلط ہے۔ اصل نام ''شمس تپ ریز'' ہے (بمعنی تمازت رساں۔ بحوالہ ملتان گزیٹر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۵۰)۔ اسی طرح مہرولی دہلی میں حوضِ شمسی (ساختہ سلطان شمس الدین التمش) کے کنارے تعمیر شدہ عمدہ عمارت جہاز محل مشہور ہے۔ گو وہ ہم شکلِ جہاز نہیں۔

جناب پیر صاحب مزید رقمطراز ہیں کہ:

نوٹ:

بعض محققین نے بیان کیا ہے کہ:

شمس الدین مدفونِ ملتان، موضع تروِیز علاقہ سبزوار (ایران) کے رہنے والے تھے۔ تروِیزی سے لوگوں نے تبریزی بنالیا۔

مرزا محمد سعید صاحب دہلوی نے کتاب ''تہذیب اور باطنی تعلیم'' میں لکھا ہے کہ شمس الدین ملتانی بقول یورپین مؤرخین اسماعیلیہ فرقہ (باطنی) کے داعی تھے۔ واللہ اعلم!

(سوانح حیات حضرت شمس تبریز صاحب

از جناب مولانا پیر غلام دستگیر صاحب نامی

بعنوان: (شیخ شمس الدین تبریزی کے ہمنام ملتانی بزرگ)

بر صفحہ ۲۸) بشکریہ

ہم نے موجودہ کتاب میں بھی مناسب مقام پر جناب مولانا پیر غلام دستگیر نامی صاحب کے مذکورہ بالا حوالہ کو نقل کیا ہے۔ یہاں پر ہم نے مقدمہ کتاب میں اس موضوع کو خاص طور پر بیان کردیا ہے کہ:

حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ (مرشد مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ) کا تعلق مذہباً اہلسنت والجماعت سے تھا اور وہ مسلک کے لحاظ سے حنفی المذہب، حضرت مولانا رُوم بذاتِ خود خاندانی سلسلہ نسب کے لحاظ سے صدیقی النسل تھے اور حنفی المذہب تھے۔

تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کے مُرشد حق پرست اثناعشریہ یا اسماعیل شیعہ مذہب سے متعلق ہوں۔ حالانکہ مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق کبھی بھی شیعہ مذہب سے نہیں رہا ہے۔

آپ کا تعلق آباء واجداد سے اہلسنت والجماعت سے چلا آتا تھا اور آپ اہلسنت و الجماعت کے حنفی المذہب عظیم سکالر اور مجتہد تھے اور اپنے دَور کی عظیم اور نمایاں اعلیٰ شخصیات میں

سے تھے۔

شمس المعارف، جناب حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۴۵ھ) کی شخصیت زبان پارسی کے علم وادب میں گراں قدر اضافہ اور اسلامی تصوف وسلوک میں گراں قدر لٹریچر میں پیش ورفت کا باعث بنی مثلاً آپ کے حوالے سے زبان پارسی اور اسلامی تصوف کو چار (۴) گراں حیثیات ملیں۔ مثلاً:

ا۔ حضرت جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت مرشدِ رُومی یعنی مولانائے رُومی کی شخصیت کو متعارف شخصیت یہ امر اظہر کالشمس ہے کہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی و باطنی فیض نے حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر و باطن میں ایک ہلچل ڈال دی تھی اور ان کی کیفیات باطنی میں حقیقت ومعرفتِ ربانی کی آگ کو تیز تر کر دیا تھا۔

حضرت مولانا خواجہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم ومغفور تحریر فرماتے ہیں کہ:

اس وقت جبکہ مولانا شمس الدین، بابا کمال خجندی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں تھے۔ شیخ فخر الدین بھی شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق وہیں رہتے تھے، جو فتح کشف، شیخ فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی ہوتی تھی۔ اس کو نظم ونثر کے لباس میں ظاہر کرتے تھے اور بابا کمال خجندی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں گزارتے تھے۔ شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ اظہار نہ کرتے تھے۔

ایک دن بابا کمال نے ان سے کہا:

اے فرزند شمس الدین! جو اسرار وحقائق کہ فرزند فخر الدین عراقی ظاہر کرتا ہے۔ تجھ پر اُن میں سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا؟

کہا: اس سے بڑھ کر مشاہدہ ہوتا ہے لیکن اس وجہ سے کہ وہ بعض اصطلاحات اختیار کرتا ہے۔ وہ ایسا کرسکتا ہے کہ اُن کو اچھے لباس میں جلوہ دے۔ لیکن مجھے اس کی طاقت نہیں۔

مصاحبی کی دُعا اور بشارت

بابا کمال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ تم کو مصاحبی نصیب کرے کہ اوّلین و آخرین کے معارف وحقائق تمہارے نام پر ظاہر کر دے اور حکمت کے چشمے جو اس کے دل سے زبان پر جاری ہوتے ہیں اور حرف اور آواز کے لباس میں آتے ہیں۔ اس لباس کا نقش تیرے نام

پر ہو۔

(ملخصاً)

(نفحات الانس) از حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی صاحب

اُردو ترجمہ: بعنوان: (۴۹۲۔ مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داؤد التبریزی رحمۃ اللہ علیہ) بر صفحہ ۴۸۹) وغیرہ

جناب علامہ محمد شبلی نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۱۴ء) حضرت خواجہ شمس تبریز کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

شمس نے تبریز میں علم ظاہری کی تحصیل کی۔ پھر بابا کمال الدین جُندی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ لیکن عام صُوفیوں کی طرح پیری مُریدی اور بیعت وارادت کا طریقہ نہیں اختیار کیا۔ سوداگروں کی وضع میں شہروں کی سیاحت کرتے رہتے۔

جہاں جاتے کارواں سرا میں اُترتے اور حُجرے کا دروازہ بند کر کے مُراقبے میں مصروف ہو جاتے۔

معاش کا یہ طریقہ رکھا تھا کہ کبھی کبھی ازار بند بُن لیے اور اسی کو بیچ کر کفاف مہیا کرتے۔ ایک دفعہ مناجات کے وقت دُعا مانگی کہ:

الٰہی! کوئی ایسا بندہ خاص ملتا جو میری صحبت کا متحمل ہو سکتا۔

عالمِ غیب سے اشارہ ہوا کہ: رُوم کو جاؤ!

(ملخصاً)

(سوانح مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ)

از جناب علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

(بر صفحہ ۱۷)

مطبوعہ: سجاد پبلشرز......لاہور

جناب علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ آگے رقمطراز ہیں کہ:

مناقب العارفین کی روایت میں جُزئی اختلافات کے ساتھ تصریح ہے کہ یہ ۶۴۲ھ کا واقعہ ہے۔ اس بناء پر مولانا کی مسند نشینی فقر کی تاریخ اسی سال شروع ہوتی ہے۔

سپہ سالار کا بیان ہے کہ:

چھ (۶) مہینے تک برابر دونوں بزرگ، صلاح الدین زرکوب کے حُجرے میں چلہ کش رہے۔ اس مُدت میں آب وغذا قطعاً متروک تھی بجز صلاح الدین کے اور کسی کو حُجرے میں آمد ورفت کی مجال نہ تھی۔

مناقب العارفین میں اس مُدت کو نصف کر دیا ہے۔ اس زمانے میں مولانا کی حالت

میں نمایاں تغیر جو پیدا ہُوا وہ یہ تھا کہ اب تک سماع سے محترز تھے۔ اب اس کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔

(ملخصاً)

(سوانح مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ) از جناب علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

(بر صفحہ ۱۸ تا صفحہ ۱۹)

بشکریہ

اس ملاقات کے واقعہ سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رفاقت کا دور بسال ۶۴۲ھ سے بسال ۶۴۵ھ تک کے عرصہ تک مُحیط ہے یعنی تقریباً چار (۴) سال کی مُدت۔

حضرت خواجہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے مابین روحانی مجالست اور مصاحبت کا یہ سلسلہ نہایت شفتگی اور وبستگی لیے ہوئے تھا۔

حضرت مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ کے پُر اثر اشعار سے حضرت خواجہ شمس الدین تبریز کے ساتھ جس قدر روحانی تعلق اور محبت کے تاثر کا اظہار ہوتا ہے۔ اس سے واضح طور پر یہ امر واضح ہو جاتا ہے حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے رُوحانی اور باطنی پہلو کی بدرجہ اتم تکمیل فرمادی اور اُنھیں مولانا جلال الدین رُومی سے مُرشدِ رومی مقام عطا فرمایا۔

بقول حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ:

مولوی هر گز نه شُد مولائے رُوم
تا غُلام شمسِ تبریزی نه شُد

۲۔ فِیْہِ مَا فِیْہِ (ملفوظاتِ رُومی رحمۃ اللہ علیہ) مشہور مستشرق پروفیسر نِکلسن اپنے انگریزی مقدمہ انتخاب دیوانِ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ کیمبرج میں بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نثر کے بھی ایک رسالہ کے مصنف ہیں۔ جس کا نام فِیْہِ مَا فِیْہِ ہے یہ رسالہ تین ہزار (۳۰۰۰) شعروں پر مشتمل ہے۔ اس میں زیادہ تر معین الدین پروانہ سے رُومی کا خطاب۔ اس رسالہ کے قلمی نسخے نایاب ہیں۔

(انگریزی مقدمہ انتخاب دیوانِ شمس تبریز) از جناب مستشرق پروفیسر نکلسن صاحب مطبوعہ کیمبرج / بر صفحہ ۱۷۰) بشکریہ

جناب عبدالرشید تبسم صاحب رقمطراز ہیں کہ:

فِیْہِ مَا فِیْہِ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں۔ یہ دراصل مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ آپ کے تبحر علمی کی شہرت آپ کے حینِ حیات ہی میں دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ نزدیک و دُور سے اہلِ علم آپ کی مجلس میں کھنچے آتے اور اپنے اپنے مسائل پیش کرتے۔

مولانا ان مسائل پر روشنی ڈالتے جن سے نہ صرف سائل ہی مطمئن ہوتا بلکہ دوسرے حاضرین مجلس بھی بہت کچھ استفادہ کرتے۔ ان علمی مجالس میں مولانا جو ارشادات فرماتے۔ آپ کے صاحبزادہ سلطان بہاء الدین اُنھیں محفوظ کر لیتے۔ فِیْہِ مَا فِیْہِ اُنہی ارشاداتِ گرامی کا مجموعہ ہے۔

ان ملفوظات میں مولانا کا تخاطب زیادہ تر آپ کے خاص مرید معین الدین پروانہ ہے۔ جو وزیر سلطنت تھے۔ لیکن ان کے علاوہ دوسروں کی طرف بھی رُوئے سخن ہے۔

(ملفوظاتِ رُومی اردو ترجمہ فِیْہِ مَا فِیْہِ) از جناب عبدالرشید تبسم صاحب
پیش لفظ بر صفحہ ۱۴ وغیرہ

بہرکیف فِیْہِ مَا فِیْہِ کے مضامین کا مطالعہ کرنے سے بخوبی طور پر علم ہوتا ہے کہ اس رسالہ کے مضامین میں کس قدر معیت ہے؟ اور پھر حضرت مولانا جلال الدین رُومی نے حضرت خواجہ شمس الدین تبریز کی مصاحبت اور مجالست سے کہاں تک روحانی و باطنی فیض اُٹھایا تھا۔

چنانچہ ''فِیْہِ مَا فِیْہِ'' کے حوالہ سے حضرت خواجہ شمس الدین تبریز نے فارسی زُبان و ادب اور اسلامی تصوف و سلوک کو یہ دوسری گراں قدر حیثیت عطا ہوئی۔

۳)۔ دیوان: (دیوانِ شمس تبریز): جناب علامہ محمد شبلی نعمانی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

اس میں تقریباً پچاس ہزار اشعار ہیں۔ چونکہ غزلوں کے قطع میں عموماً شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے۔ اس لیے عوام اس کو شمس تبریز ہی کا دیوان سمجھتے ہیں۔ چنانچہ دیوانِ مطبوعہ کی لوح پر شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ ہی کا نام لکھا ہے، لیکن یہ نہایت ہی فاش غلطی ہے۔

اولاً: تو شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا نام تمام غزلوں میں اس حیثیت سے آیا ہے کہ مُرید اپنے پیر سے خطاب کر رہا ہے، یا غائبانہ اس کے اوصاف بیان کرتا ہے۔

دوسرے: ریاض العارفین وغیرہ میں تصریح کی ہے کہ مولانا نے شمسِ تبریز کے نام سے یہ دیوان لکھا۔ اس کے علاوہ اکثر شعراء نے مولانا کی غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں اور مقطع میں تصریح کی ہے کہ:

یہ غزل مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی غزل کے جواب میں ہے۔ اس کے ساتھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی غزل

کا پُورا مصرعہ یا کوئی ٹکڑا اپنی غزل میں لے لیا ہے۔ یہ وہی غزلیں ہیں۔ جو مولانا کے اسی دیوان میں ملتی ہیں۔ جو شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے۔
مثلاً علی حزیں کہتے ہیں۔

این جواب غزل مرشدِ روم است که گفت
من ببوئے تو خوشم ناقه تاتا رفگیر.

دوسرا مصرعہ مولانا کا ہے۔ چنانچہ پورا شعر یہ ہے:

من به کوئے تو خوشم خانه من ویران کن
من ببوئے تو خوشم ناقه تاتا رمیگر

حزیں کی ایک اور غزل کا شعر ہے:

مُطرِبؑ زِنَوائے عارف روم
این پرده بزن. که یار دیدم

(سوانح مولوی رُوم) از جناب علامہ محمد شبلی نعمانی صاحب
حصہ دوم/تصنیفات، بعنوان: (دیوان)
بر صفحہ ۴۷/صفحہ ۴۸ وغیرہ بشکریہ

تو دیوان شمس تبریز کے حوالہ سے حضرت خواجہ شمس تبریز نے حضرت مولانائے روم کے توسط سے فارسی زبان وادب واصنافِ سخن تیز اسلامی تصوف تیسری حیثیت عطا کی۔ یہ اُنہیں کے فیضانِ باطنی وروحانی، اور مجالست کا عظیم تاثر تھا۔

۴۔ مثنوی (مثنوی مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ) جناب علامہ محمد شبلی نعمانی صاحب رقمطراز ہیں کہ:

یہی کتاب ہے جس نے مولانا کے نام کو آج تک زندہ رکھا ہے اور جس کی شہرت، اور مقبولیت نے ایران کی تمام تصنیفات کو دبا دیا ہے۔
اس کے اشعار کی مجموعی تعداد جیسا کہ کشف الظنون میں ہے۔ (۲۶۶۶) ہے۔
مشہور یہ ہے کہ مولانا نے چھٹا (۶) دفتر ناتمام چھوڑا تھا اور فرما دیا تھا کہ:

باقی این گفته آید بے گُماں
در دل ہر کس که باشد نُورِ جان !

اس پیشن گوئی کے مصداق بننے کے لیے اکثروں نے کوششیں کیں اور مولانا سے جو حصہ باقی رہ گیا تھا۔ اس کو پورا کیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے بیماری سے نجات پا کر خود اس حصے کو پُورا کیا تھا اور ساتواں دفتر لکھا تھا۔ جس کا مطلع یہ ہے:

اے ضیاء الحق حسام الدین سعید!
دولت پائندہ عمرت بر مزید!

شیخ اسمعیل قیصری جنہوں نے مثنوی کی بڑی ضخیم شرح لکھی ہے اُن کو اس دفتر کا ایک نسخہ ۸۱۴ھ کا لکھا ہُوا ہاتھ آیا۔ اُنہوں نے تحقیق اور تنقید کی تو ثابت ہُوا کہ:
خود مولانا کی تصنیف ہے۔ چنانچہ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کیا۔
اس پر تمام اربابِ طریقت نے مخالفت کی اور اس کی صحت پر بہت سے شبہات وارد کیے۔ اسمعیل نے ان تمام اعتراضات کا تفصیلی جواب لکھا۔
صاحب دیباچہ نے لکھا ہے کہ اب تمام شام اور رُوم میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہ یہ دفتر بھی مولانا ہی کے نتائج طبع سے ہے۔
غرض، مولانا کے تصنیفات میں سے آج جو کچھ موجود ہے۔ وہ دیوان، اور مثنوی ہے۔
(ملخصاً)

(سوانح مولوی رُوم) از جناب علامہ محمد شبلی نعمانی صاحب
حصہ دوم/تصنیفات بعنوان: (مثنوی) بر صفحہ ۴۸، صفحہ ۴۹) بشکریہ

مثنوی کے مطالعہ سے حضرت مولانائے جلال الدّین رومی کی علومِ عقلیہ ونقلیہ میں مہارتِ تامہ نہایت واضح طور پر قاری کے سامنے آجاتی ہے:
چنانچہ درج ذیل عنوانات کے حوالے سے ہمیں اس بات کا بخوبی طور پر اندازہ ہوسکتا ہے:

۱)۔ علم کلام۔
۲)۔ الٰہیات۔
۳)۔ معجزہ۔
۴)۔ رُوح۔
۵)۔ معاد۔
۶)۔ جبر وقدر۔
۷)۔ تصوف۔
۸)۔ توحید۔
۹)۔ وحدۃ الوجود۔
۱۰)۔ مقاماتِ سلوک وفنا۔
۱۱)۔ عبادات۔

۱۲)۔ نماز۔

۱۳)۔ روزہ۔

۱۴)۔ حج۔

۱۵)۔ فلسفہ وسائنس۔

۱۶)۔ تجاذبِ اجسام۔

۱۷)۔ تجاذبِ ذرات۔

۱۸)۔ تجدیدِ امثال۔

۱۹)۔ مسئلہ ارتقاء۔ وغیرہ وغیرہ

مثنوی کے مطالعہ مضامین سے یہ امر بخوبی طور پر واضح ہو جاتا ہے۔

کہ حضرت خواجہ شمس تبریز کی مصاحبت ومجالست رُوحانی سے حضرت مولانا جلال الدین رُومی نے بہت کچھ دینی وعلمی وروحانی کسبِ کمال کیا تھا۔ یہ حضرت خواجہ شمس تبریز ہی کا فیض نظر تھا کہ مثنوی جیسی علمی انسائیکلوپیڈیائی کتاب ترتیب پاسکی۔

ملاحظہ کیجیے: (کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون) رحاجی خلیفہ ومکاتب چلپی المجلد الثانی/ (ز۔ی) بعنوان: (مثنویات ترکی) تحت (مثنوی) برصفحہ ۱۵۸۷ تا صفحہ ۱۵۸۹)

غرضیکہ مثنوی مولانائے روم کے حوالہ سے حضرت خواجہ شمس تبریز نے حضرت مولانائے جلال الدین رومی کے توسط سے فارسی زبان وعلم وادب نیز اصنافِ سخن اور اسلامی تصوف وسلوک کے حوالہ سے چوتھی حیثیت عطا فرمائی۔

درحقیقت ان چار (۴) مذکورہ بالا حیثیات کے پس منظر میں حضرت خواجہ شمس تبریز ہی کا فیضِ نظر پنہاں ہے، مگر پنہاں ہو کر بھی ظاہر وباہر وآشکار ہے۔

۱۔ مثنوی معنوی (از روی نسخہ) رینلڈ نکلسن
از مولانا جلال الدین محمد بلخی بعنوان: (نقد وتحقیق) از عزیز اللہ کاسب
برصفحہ ۵ تا صفحہ ۲۸) بشکریہ مطبوعہ: ایران

۲۔ (کلیاتِ دیوان شمس تبریزی) از مولانا جلال الدین محمد بلخی مولوی
بزبان پارسی بعنوان: (مقدمہ) از جناب محمد عباسی صاحب (ایران) برصفحہ ۱ تا صفحہ ۱۲......بشکریہ

سماع کیا ہے؟

حضرت خواجہ شمس الدین تبریز اور حضرت مولانا جلال الدین رُومی کے ہاں مجالست ومصاحبت ذکر میں سماع اور مجلس سماع کا ذکر عموماً دیکھنے میں آتا ہے۔ تو یہاں پر یہ سوال قلوب

واذہان میں اُٹھتا ہے کہ سماع کی حقیقت کیا؟ اور ازروئے شریعتِ مطہرہ سماع کی حیثیت کیا ہے؟ تو آیئے ہم اس موضوع کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔

جناب حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری لاہوری صاحب بعنوان: (ثبوت سماع) تحریر فرماتے ہیں کہ:

جاننا چاہیے کہ حصول علم کے اسباب پانچ (۵) ہیں۔

اوّل: سننا۔

دوم: دیکھنا۔

سوم: چکھنا۔

چہارم: سونگھنا۔

پنجم: چھونا۔

اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کے لیے یہ پانچ (۵) دروازے پیدا کر دیئے ہیں اور ایک قسم کا علم ان میں سے کسی ایک سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ آوازوں اور خبروں کا علم سننے سے متعلق ہے اور رنگوں اور جسموں کا علم دیکھنے سے اور میٹھے و کڑوے ذائقوں کا چکھنے سے اور اچھی بُری بُو کا علم سونگھنے سے۔ اور سختی و نرمی کا چھونے سے۔

اور ان پانچ (۵) حواس میں چار (۴) کو خاص محل میں رکھا ہے اور ایک کو سارے اعضاء میں پھیلا دیا ہے۔ یعنی سننے کا محل کان، دیکھنے کا محل آنکھ، چکھنے تالو، اور سونگھنے کا ناک سے متعلق کیا ہے اور چھونے کو تمام اعضاء میں جاری کر دیا ہے۔ کیونکہ آدمی آنکھ کے سوا دیکھ نہیں سکتے اور نہ کان کے بغیر سن سکتے ہیں اور نہ ناک کے بغیر سونگھ سکتے ہیں اور نہ تالو کے بغیر مزہ معلوم کر سکتے ہیں۔

لیکن سارا جسم چھونے سے نرم کو سخت سے اور گرم کو سرد سے تمیز کرتا ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو ان حواس میں سے ہر حس کا اپنے مخصوص محل کے سوا کسی اور محل میں اطلاق و استعمال صحیح نہیں، لیکن حس لمس سے اُن کا قول رد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے کوئی خاص محل نہیں ہے۔

اور جب ان پانچوں حواس میں سے ایک حس یعنی لمس کا محل مخصوص نہیں ہے اور اس کا اس صفت سے موصوف ہونا روا ہے۔ تو دوسرے حواس کا بھی اس صفت سے موصوف ہونا روا ہو سکتا ہے۔ گویا ہمارا مقصود یہاں یہ بیان کرنا نہیں، لیکن معنی کی تحقیق کے لیے اتنا بیان کر دینے کے سوا چارہ نہ تھا۔

پس! چار (۴) حواس میں سے جن کا اُوپر ذکر ہو چکا ہے۔ پانچویں حس کو چھوڑ کر جو سنتا ہے۔ ایک حس دیکھتی ہے اور دوسری سونگھتی ہے اور تیسری چکھتی ہے اور چوتھی چھوتی ہے۔

اور یہ بات روا ہے کہ اس عجیب عالم کے دیکھنے عمدہ اشیاء کے سونگھنے۔ عمدہ نعمتوں کے چکھنے اور نرم چیزوں کے چھونے میں عقل کے لیے دلیل ہو اور وہ دلیل خُداوند تعالیٰ کی طرف اس کی رہنمائی کرے کیونکہ ان حواس کے ذریعہ سے ہی عقل معلوم کر لیتی ہے کہ عالم حادث ہے۔ کیونکہ وہ تغیر کا محل ہے اور جو چیز بھی تغیر قبول کرتی ہے وہ حادث ہوتی ہے۔

اور یہ کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا بھی ضرور موجود ہے جو اس عالم کی جنس میں سے نہیں ہے کیونکہ یہ عالم مکون (پیدا کیا گیا ہے۔) اور اس کا پیدا کرنے والا مکوِن (خالق) ہے اور یہ کہ عالم جسم رکھتا ہے اور خالق جسم دینے والا اور خالق، قدیم اور عالم حادث ہے اور یہ کہ خالق لامتناہی اور عالم متناہی ہے۔

اور یہ کہ خالق سب چیزوں پر قادر اور طاقت والا ہے اور سب معلومات کا جاننے والا ہے۔ ہر جگہ اسی کا تصرف ہے جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ اُس نے سچی دلیلیں دے کر رسول بھیجے لیکن اس کے رسولوں پر ایمان لانا اُس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک کہ انسان معرفتِ الٰہی کا واجب ہونا اور ان باتوں کو جو موجبِ شرع و دین ہیں، رسول سے سُن کر معلوم نہ کرے اور یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اس دنیا میں سننے کو دیکھنے پر ترجیح دیتے ہیں اور اگر کوئی خطا کار یوں کہے کہ سننا خبر کا محل ہے اور دیکھنا نظر کا محل ہے۔

اور اللہ کا دیکھنا اس کے کلام سننے سے افضل ہے۔ اس لیے دیکھنا سننے سے افضل ہے۔ تو ہم پیغمبر سے سن کر یہ جانتے ہیں کہ بہشت میں مومنوں کے لیے دیدار الٰہی جائز ہے اور عقل سے دیدار جائز ہونے میں جو حجاب ہے۔ وہ کشف سے بہتر نہیں کیونکہ ہم نے رسول کے خبر دینے سے معلوم کر لیا ہے کہ حق تعالیٰ مومنوں کو دیدار دے گا اور اُن کی آنکھوں پر سے حجاب اُٹھالے گا، کہ خُدا تعالیٰ کو وہ دیکھ لیں۔

پس! سننا دیکھنے سے افضل ہے اور نیز احکامِ شریعت سُننے پر مبنی ہیں کیونکہ اگر سننا نہ ہوتا تو ان احکام کا ثبوت محال ہوتا اور انبیاء علیہم السلام جو آئے تو پہلے اُنہوں نے معجزے دکھائے اور معجزہ کے دیکھنے کی بھی تاکید سُننے سے ہی ہوئی۔

پس! ان دلائل کے باوجود سننے سے انکار کرتا ہے۔ وہ بالکلیہ، شریعت کا انکار کرتا ہے اور اس کا حکم جان بوجھ کر پوشیدہ کرتا ہے۔

(ملخصاً)

(کشف المحجوب) از جناب حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری

اُردو ترجمہ: باب ۲۴/فصل نمبر ا بعنوان: (گیارھویں پردے کا کھولنا) تحتی عنوان: (ثبوت سماع)

بر صفحہ ۵۷۶ تا صفحہ ۵۷۸)

ثبوت سماع کے سلسلہ میں جناب حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری صاحب نے درج عناوین اور فصول قائم کی ہیں:

سَماع میں رقص و سُرود

جناب حضرت مخدوم شیخ علی ہجویری بعنوان: (سماع میں رقص) تحریر فرماتے ہیں کہ:

اور جاننا چاہیے کہ شریعت اور طریقت میں رقص کی کوئی سند موجود نہیں۔ کیونکہ وہ عقلمندوں کے اتفاق سے جب اچھی طرح کیا جائے تو لہو ہوتا ہے اور جب بے ہُودہ طور پر کیا جائے۔لغو ہوتا ہے۔

اور مشائخ میں سے کسی بزرگ نے بھی اس کی تعریف نہیں کی اور نہ اس میں مبالغہ کیا ہے اور اہلِ حشو جو دلائل اس کے بیان کرتے ہیں۔وہ سب باطل ہیں اور چونکہ وجد کی حرکتیں اور

اہلِ تواجد کے کام اس کی مانند ہیں۔

اس لیے فضول لوگوں کے ایک گروہ نے اس رقص کی تقلید کی ہے اور اس میں مبالغہ کرنے لگے ہیں اور اس کو اپنا مذہب بنالیا ہے۔

اور میں نے عوام کا ایک گروہ دیکھا جو یہ خیال کرتے ہیں کہ:

تصوف کا مذہب اس کے سوا اور کچھ نہیں اور انہوں نے اسے اختیار کرلیا ہے اور ایک گروہ اس کے اصل کے ہی منکر ہیں۔

الغرض، ناچنا شرعاً اور عقلاً سب کے نزدیک بُرا اور قبیح ہے اور محال ہے کہ جو لوگوں میں افضل ہیں۔ وہ ایسی حرکتیں کریں۔

لیکن جب سبکی دل میں پیدا ہوتی ہے اور ایک خفقان سر پر غلبہ پالیتا ہے اور وقت قوی ہوجاتا ہے۔ تو حال اپنی بے چینی پیدا کردیتا ہے اور رسوم کی ترتیب اُٹھ جاتی ہے اور وہ اضطراب جو پیدا ہوتا ہے۔ نہ وہ رقص ہے۔ اور نہ ناچنا ہے۔ نہ طبیعت کی پرورش کرتا ہے۔ بلکہ وہ تو جان گدازی ہے۔

اور جو شخص اس کو رقص کہتا ہے وہ طریقِ حق سے بہت دور ہے۔

دراصل ایک حال ہے۔ جس کو زبان سے بیان نہیں کرسکتے۔

وَ مَنْ لَّمْ یَذُقْ لَا یَدْرِیْ النَّظْرَ فِیْ الْاَحْدَاثِ (اور جس نے چکھا نہیں، وہ نوجوانوں میں نظر کرنا نہیں جانتا)۔

فی الجملہ، جوانوں میں نظارہ کرنا اور اُن کے ساتھ صحبت رکھنا ممنوع ہے۔ اس کا جائز سمجھنے والا کافر ہے اور جو اس بارے میں دلیل لاتے ہیں وہ باطل اور جہالت کی وجہ سے ہے۔

میں نے جاہلوں کا ایک گروہ دیکھا ہے جو اس کی تُہمت کی وجہ سے اہلِ طریقت کا انکار کرتے ہیں اور میں نے دیکھا ہے کہ اُنہوں نے اسے ایک نیا مذہب بنالیا ہے۔

مشائخ رحمہم اللہ نے ان سب باتوں کو آفت سمجھا ہے اور یہ حلولی لوگوں کا مذہب ہے۔

اللہ تعالیٰ اُن پر لعنت کرے۔

واللہ اعلم بالصواب!

(کشف المحجوب) از جناب حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری صاحب

اُردو ترجمہ: باب ۲۴/فصل نمبر ۱۲

بعنوان: (سماع میں رقص) بر صفحہ ۶۱۱ تا صفحہ ۶۱۲)

بشکریہ

جناب حضرت شیخ ابو نصر سراج، بعنوان: (۶۷۔ سماع) تحریر فرماتے ہیں کہ:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ﴾

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ) بڑھاتا ہے آفرینش میں جو چاہے۔

(سورۃ الفاطر، آیت:1)

مفسرین کے مطابق اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو اخلاقِ حسنہ سے سنوارتا اور حُسنِ آواز کی نعمت سے آراستہ فرماتا ہے۔

اس ضمن میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات، ملاحظہ ہوں:

آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی خوش آوازی کے سوا آواز کو زیادہ توجہ سے نہیں سنتا۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص اپنی خوش گلو کنیز کو اس قدر توجہ سے نہیں سنتا جس قدر اللہ جل جلالہٗ ایک خوش الحان قاری قُرآن کی قرات کو سماعت فرماتا ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت داوٗد علیہ السلام کو اتنی شیریں آواز عطا کی گئی تھی کہ زبور پڑھتے وقت اُن کے گرد اُن کی اُمت بنی اسرائیل، جنات، جنگل کے درندے اور پرندے اکٹھے ہو جایا کرتے تھے اور اُن کی مجلس سے چار چار سو (۴۰۰) جنازے اٹھتے تھے۔

ایک روایت ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لحنِ داوٗدی سے نوازا گیا ہے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ فتحِ مکہ کے موقعہ پر آنحضرت ﷺ نے تلاوت فرمائی، اور مد کو لمبا کھینچ کر آواز کو ترجیع دی۔

(قاری کا آواز کو بالتکرار گھماتے رہنا ترجیع کہلاتا ہے)

ایک موقعہ پر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ آپ ﷺ میری قرأت سن رہے ہیں۔ تو میں اچھی طرح بنا سنوار کر قرات کرتا۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے: قُرآن کو اپنی آوازوں سے آراستہ کرو۔

میرے نزدیک اس قولِ نبوی ﷺ کے دو (۲) مفہوم ہیں:

پہلا یہ کہ قرآن غیر مخلوق ہے، لہٰذا یہ تو ممکن نہیں کہ قرآن کو آراستہ کیا جائے لہٰذا اس سے شارع علیہ السلام کی مُراد یہ ہے کہ اپنی آوازوں کو قرآن کی قرأت سے آراستہ کرو! گویا ان میں سوز، نغمگی اور ترنم پیدا کرو تا کہ جب تلاوت کرنے قُرآن کے قریب جاؤ تو اچھی آواز لے کر جاؤ۔

یہ مفہوم (حضرت) رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں قاعدہ تقدیم وتاخیر کو پیشِ نظر رکھ کر اخذ کیا گیا۔

یعنی قولِ (حضرت) رسول اللہ ﷺ کو یوں پڑھا جائے گا:

اپنی آوازوں کو قرآن سے آراستہ کرو!

اور اسی طرح کی مثالیں قرآن میں جابجا ملتی ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّهٗ عِوَجًا ○

(سورۃ الکہف:۱)

ترجمہ: سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب اُتاری اور اس میں کجی نہ رکھی۔

اس آیت قیّما کا معنی عوجا سے پہلے کیا گیا ہے یعنی تقدیم وتاخیر ہے۔

ایک مقام پر قرآن کریم میں خدائے بزرگ وبرتر نے بھدی آوازوں کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اَنۡكَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ○

(سورۃ لقمان:۱۹)

ترجمہ: بے شک! سب آوازوں میں بُری آواز گدھے کی ہے۔

اللہ کا بھدی آوازوں کو بُرا قرار دینا اس حکمت کا حامل ہے کہ اس کی جانب سے بھدی آوازوں کی مذمت دراصل اچھی آوازوں کی تعریف ہے۔

اہلِ دانش، وبینش نے کائنات میں موجود خوبصورت آوازوں اور دلکش نغموں کے کیا کیا مفہومات بیان کیے ہیں۔ چند ایک یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

ذوالنون مصری کا قول ہے:

وہ تمام ارشادات وخطابات جو اللہ نے ہر پاکیزہ سیرت مرد وعورت کو عطا فرمائے ہیں۔ حُسنِ آواز کے دائرے میں آتے ہیں۔

یحیٰی بن معاذ فرماتے ہیں:

اچھی آواز، عشقِ الٰہی سے معمور دلوں کے لیے سرمایہ راحت ہے۔

کسی اہلِ دل کا قول ہے۔ خوش نغمگی، اللہ کی جانب سے ملنے والی وہ نعمت ہے۔ جس کے ذریعے عشقِ حقیقی کے شعلوں میں جلنے والے قلوب ٹھنڈک اور سکون پاتے ہیں۔

میں نے احمد بن علی الوجیھی سے اور اُنہوں نے اُبوعلی رودباری کو یہ کہتے سُنا کہ ابو عبداللہ حارث بن اسدمحاسبی فرمایا کرتے تھے: تین چیزیں ہیں جو باعث منفعت ہیں:

۱۔ خوش آوازی مگر دیانت کے ساتھ۔

۲۔ حُسنِ صُورت مگر کردار کے ساتھ۔

۳۔ حُسنِ اخوت مگر وفا کے ساتھ۔

بندار بن حسین فرمایا کرتے تھے:

خوبصورت آواز، گداز لہجے اور لطیف زُبان کی صُورت میں ایک حاضر جواب دانائی اور کارآمد اوزار کے جیسی ہے اور یہ وہ خوبی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوتی ہے۔

حُسنِ صوت کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ گہوارے میں پڑا بے چین روتا ہُوا بچہ جب نرم و گداز آواز سنتا ہے تو خاموشی سے سو جاتا ہے۔

قدیم لوگوں کا یہ دستور تھا کہ سودا کے مریض کا علاج خوب صُورت آوازوں کے ذریعے کرتے اور مریض شفایاب ہو جاتے تھے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ خوبصورت اور دلکش آوازوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک خُوبی یہ بھی رکھی ہے کہ جب وادیوں میں چلنے والے اُونٹ تھک کر بیٹھ جاتے ہیں تو حُدی خوان کی ایک سُریلی تان پر وہ کس تیزی سے متوجہ ہو کر مستی کے عالم میں چل پڑتے ہیں اور اس قدر تیز چلتے ہیں کہ محملیں گرنے لگتی ہیں۔

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ جب حُدی خوان کی آواز رُک جاتی ہے تو بوجھ، تھکاوٹ اور نغمہ بار صدا کی مستی میں حد سے زیادہ تیز رفتاری ان کے لیے جان لیوا بھی ثابت ہوتی ہے۔

(ملخصا)

(کتاب اللمع) از جناب حضرت شیخ ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ

اُردو ترجمہ: بعنوان: (سماع) تحتی عنوان: (حُسنِ آواز، سَماع اور مستمعین کے مختلف درجات)

بر صفحہ ۴۴۴ تا صفحہ ۴۴۷) وغیرہ

بشکریہ

سَماع کا مفہوم اور حضرات صُوفیائے کرام کا موٗقف اُن کے اقوال کی روشنی میں

جناب حضرت شیخ ابو نصر سراج رحمۃ اللہ علیہ: (م ۳۷۸ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:

ذوالنون مصری علیہ الرحمتہ نے سماع کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

سَماع، اللہ کی جانب سے قلب پر وارد ہونے والے معانی ہیں۔ جو حق کی طرف

رہنمائی کرتے ہیں۔ اگر کوئی حق کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے قلب پر وارد ہونے والے معانی کو پالیا اور جس نے نفسانی خواہشات کے زیر اثر اس کی طرف توجہ کی وہ زندقہ میں مُبتلا ہو گیا۔

احمد بن ابی الحوری علیہ الرحمتہ نے ابُو سلیمان دارانی علیہ الرحمتہ سے سماع اور خوش الحانی سے گائے جانے والے اشعار سُننے کے بارے میں دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا:

میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ بات یہی ہے کہ گانے والے دو (۲) ہوں۔

ابُو یعقوب نہر جوری علیہ الرحمتہ کہتے ہیں:

سَماع ایک ایسی حالت کو کہتے ہیں جس کے دوران دِل میں سوز و گداز کی آگ بھڑکتی ہے اور اس کے نتیجے میں راز کھلتے ہیں۔

بعض صوفیا کا قول ہے کہ:

سَماع اہلِ معرفت کو غذا روحانی کے لطف سے شاد کام کرتا ہے، کیونکہ سَماع کا یہ وصف ہے کہ وہ حد درجہ لطیف ہوتا ہے۔ اس سے فقط لطافت و رقت طبع کے ساتھ ہی استفاضہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ خود لطیف ہے اور اس سے فقط لطافتِ طبع اور صفائے قلب کے ساتھ ہی اس کے اہلِ لوگ استفاضہ کر سکتے ہیں کیونکہ سَماع خود لطیف اور پاک وشفاف ہے۔

ابو الحسین دراج فرماتے ہیں:

سَماع مجھے روشنی ونور کے میدانوں میں سے ایک میدان میں لے آیا ہے اور اس نے عطا و بخشش کی چوکھٹ پر مجھے وجودِ حق سے ہمکنار کر دیا اور اس نے مجھے مے صنعا کے جام پلائے جس کی سروری ستیوں سے سرشار ہو کر میں رضا کی منزلوں کا ادراک پا گیا اور اسی کے ذریعے میں حقیقت کی پاکیزہ فضاؤں اور گلستانوں کی طرف آ نکلا۔

ایک مرتبہ ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو اُنہوں نے فرمایا:

سَماع بظاہر فتنہ اور بباطن عبرت ہے۔ جس نے باطنی اشارے کو پالیا اس کے لیے عبرت کو سُننا جائز ٹھہرا اور ظاہر استماع کرنے والے نے فتنے کو دعوت دی اور مصیبت سے دو چار ہوا۔

جُنید بغدادی علیہ الرحمتہ کا کہنا ہے کہ:

سَماع کے لیے تین (۳) شرائط کا ہونا ضروری ہے اگر یہ نہ ہوں تو سَماع اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

پوچھا گیا کہ وہ تین (۳) شرائط کیا ہیں؟

تو فرمایا:

۱۔ زمان۔

۲۔ مکان۔اور......

۳۔ مشرب ساتھی۔

کہتے ہیں کہ جس نے پاکیزہ رنگ کے سماع کو پسند نہیں کیا۔اس کی وجہ سے اس کے قلب میں پیدا ہو جانے والا وہ نقص اور دنیوی مشغولیت ہے جس نے اُسے اس جانب سے دور رکھا۔

جعفر بن محمد خلدی کا بیان ہے کہ: جُنید بن محمد علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں:

فقراء پر تین (۳) مواقع پر رحمتِ خُداوندی کا نزول ہوتا ہے۔

۱۔ ایک بوقتِ سماع کیونکہ وہ راست اور جائز انداز سے سماع کرتے ہیں اور وجد ہی کی حالت میں قیام کرتے ہیں۔

۲۔ دوسرے اس وقت جب وہ علمی گفتگو کرتے ہیں کیونکہ ان کا موضوع اولیاء وصدیقین کے احوال وآثار ہی ہوتے ہیں۔

۳۔ تیسرے اُس وقت جب کہ وہ کھانا تناول کرتے ہیں کیونکہ وہ فاقے ہی کی صورت میں کھاتے ہیں۔

ابوعلی رودباری علیہ الرحمتہ نے سماع سے متعلق کہا تھا:

کاش! ہم اس سے کلیتاً چھٹکارا پالیتے۔

ابوالحسین نوری علیہ الرحمتہ کا قول ہے کہ:

صُوفی وہ ہے جو سماع سُنے اس کے اسباب کو پسند کرے۔

میں نے ابوطیب احمد بن مقاتل عکی کو یہ کہتے سُنا کہ: ابوالقاسم جُنید کے مریدین میں سے ابوالحسین بن زیری ایک فاضل شیخ تھے ان کا دستور تھا کہ اکثر و بیشتر سماع کی محفلوں میں حاضر ہوتے اور سماع اچھا لگتا تو چادر بچھا کر بیٹھ رہتے اور کہتے کہ:

صُوفی اپنے دل کے ساتھ رہتا ہے جہاں دل آ گیا بیٹھ گیا اور دل نے حامی نہ بھری تو وہاں سے یہ کہتے کہ سماع، اہلِ قلوب کے لیے ہے، چل دیتے۔

میں نے ابوالحسن حصری کو ایک بار کہتے سنا کہ:

میں ایسے سماع کا ذکر کیا کروں کہ جو سماع برپا کرنے والے کے سماع کو منقطع کرنے پر ختم ہو جائے۔چاہیے تو یہ کہ سماع مسلسل جاری رہے۔

اور اُنہیں سے سماع کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:

چاہیے کہ پیاس بھی دائمی ہو، اور پینا بھی دائمی، کیونکہ جس قدر زیادہ پیا جائے

گا۔ پیاس بھی اُسی قدر بڑھے گی۔

(کتاب اللمع) از جناب حضرت شیخ ابُو نصر سراج

اُردو ترجمہ بعنوان: (سَماع اور اس کے مفہوم سے متعلق صوفیہ کے مختلف اقوال)

برصفحہ ۴۴۹ تا صفحہ ۴۵۱)

بشکریہ

نیز درج ذیل عناوین ملاحظہ کیجیے:

۱)۔ (۶۹.....عوام الناس کے لیے جوازِ سَماع کی شرائط) برصفحہ ۴۵۲ تا صفحہ ۴۵۹)

۲)۔ (سَماع اور بعض فقہاء وعلماء) برصفحہ ۴۵۹ تا صفحہ ۴۶۰)

۳)۔ (۷۰.....سَماع خواص اور اُن کے درجات) برصفحہ ۴۶۱ تا صفحہ ۴۶۴)

۴)۔ (۷۱.....طبقاتِ اہلِ سَماع) برصفحہ ۴۶۵ تا صفحہ ۴۷۱)

۵)۔ (۷۲.....سَماع قصائد واشعار) برصفحہ ۴۷۲ تا صفحہ ۴۷۸)

۶)۔ (۷۳.....سالکین اور مبتدئین کے احوالِ سَماع) برصفحہ ۴۷۵ تا صفحہ ۴۷۸)

۷)۔ (۷۴.....موسط درجے کے شیوخ کا سَماع) برصفحہ ۴۷۹ تا صفحہ ۴۸۴)

۸)۔ (۷۵.....سَماع کے بارے میں مخصوص اہلِ کمال صُوفیاء کا طرزِ عمل) برصفحہ ۴۸۵ تا صفحہ ۴۸۸)

۹)۔ (۷۶.....ذکر وعظ اور اقوال سُننے کا بیان) برصفحہ ۴۸۹ تا صفحہ ۴۹۰)

۱۰)۔ (۷۷.....سَماع سے متعلق کچھ اور باتیں) برصفحہ ۴۹۱ تا صفحہ ۴۹۴)

۱۱)۔ (۷۸..... وہ صُوفیاء جو سَماع، قرآن کو کھانے کے انداز میں پڑھنے، اشعار و...... قصائد اور وجد ورقص کو صحیح نہیں سمجھتے۔) برصفحہ ۴۹۵ تا صفحہ ۴۹۷) وغیرہ وغیرہ بشکریہ!

بہرکیف جناب حضرت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۸ھ) کے دور تک۔ سَماع اور اس کی مختلف حیثیات زیر بحث آ چکی تھیں۔

جناب حضرت عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی صاحب بعنوان: (وجد وسَماع کی حقیقت) تحریر فرماتے ہیں کہ:

یہ ذہن نشین رہے کہ وجد کے ذریعے کسی کھوئی ہوئی چیز کا احساس ہوتا ہے لہٰذا اگر گمشدگی کی کیفیت نہ ہو تو وجد کی کیفیت بھی نہ ہو۔ گمشدگی کی کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب بندہ خُدا وجود اپنی صفات اور ان کے باقی ماندہ اشیاء سے متصادم ہو۔ لہٰذا جو خالص بندگی اختیار کرے وہ ہر چیز سے آزاد ہو کر وجد اور حال کے پھندے سے نکل جاتا ہے۔ کیونکہ وجد کا پھندا اس کی باقی صفات کا شکار کرتا ہے۔ جو عنایات ازلی کے پیچھے رہنے سے موجود ہوتی ہیں۔

آگے بعنوان: (وجد کے اثرات) تحریر فرماتے ہیں کہ:

شیخ حصری کا قول ہے۔ اس شخص کی حالت کتنی پست ہے جو محرکات کا محتاج ہو۔

اس لحاظ سے سماع کا وجد ایک حق پرست پر بھی ویسا ہی اثر کرتا ہے جیسا باطل پرست پر، دونوں قسم کے اشخاص۔ باطنی طور پر وجد سے متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی ظاہری حالت پر بھی اس کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ جس سے اُن کے جذبات و کیفیات بھی تبدیل ہوتے ہیں۔

البتہ حق پرست اور اہلِ باطل کی کیفیات میں فرق یہ ہے کہ اہلِ باطل نفسانی خواہش کی بناء پر وجد میں آتا ہے اور حق پرست قلبی ارادہ کی وجہ سے متاثر ہوتا ہے۔

اس وجہ سے کہا گیا ہے:

سَماع خاص قلب پر کوئی اثر نہیں کرتا ہے۔ وہ تو فقط اس چیز کو جنبش دیتا ہے جو دل میں ہو۔ لہٰذا جس کا باطن غیر اللہ سے وابستہ ہو۔ سَماع اُس کو بھی متاثر کرتا ہے اور نفسانی خواہش کی بناء پر وجد میں آتا ہے اور جس کا باطن خُدا سے وابستہ ہو وہ بھی ارادہ قلب کے ساتھ وجد کرتا ہے۔

باطل پرست نفس کے حجابات میں محدود ہے اور حق پرست قلب کے حجابات میں مقید ہوتا ہے۔ نفس کا حجاب ارضی اور تاریک ہے اور قلب کا حجاب نورانی اور آسمانی مگر جو شخص شہودِ حق کی دائمی تجلیات کی وجہ سے کھوئے جانے سے محفوظ رہے اور وجود کے دامن سے لغزش نہ کھائے وہ نہ سَماع سنتا ہے۔ اور نہ وجد میں آتا ہے۔

آگے بعنوان: (وجد کا رُوحانی تعلق) تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت ممشاد دینوری ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرے جن کے پاس قوال تھا۔ جب اُنہوں نے آپ کو دیکھا تو وہ خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا۔

جو کر رہے ہو وہ کرتے رہو! خُدا کی قسم! اگر دُنیا کے تمام تماشے میرے کان میں بھر دیئے جائیں تو وہ میرے کام میں رخنہ انداز نہیں ہو سکتے اور نہ میری بیماری کو دور کر سکتے ہیں۔

وجد رُوح کی چیخ و پکار ہے۔ اگر وہ باطل پرست ہے۔ تو گرفتار نفس ہے اور اگر حق پرست ہے تو گرفتارِ قلب ہے۔ بہر صورت دونوں کے وجد و حال کا سر چشمہ روحانی روح ہے۔

وجد کبھی معانی کے سمجھنے سے ظاہر ہوتا ہے اور کبھی صرف نغموں اور سُروں سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر معانی کے ذریعے سے پیدا ہو تو باطل پرست کا نفس رُوح کے ساتھ سَماع میں شریک ہوتا ہے۔

اور حق پرست کا دل، رُوح کے ساتھ شریک ہوگا۔ مگر وہ سَماع جو محض نغموں پر مشتمل ہو۔ اس میں صرف رُوح سَماع میں شریک ہوتی ہے۔ البتہ، باطل پرست کا نفس اور حق پرست کا

دل چوری سے اسے سُنتا ہے۔

(ملخصاً)

ملاحظہ کیجیے: عوارف المعارف) از جناب حضرت عمر بن شہاب الدین سہروردی صاحب اُردو ترجمہ: بعنوان: (وجد وسماع کی حقیقت) برصفحہ ۲۲۷۔ صفحہ ۲۲۶ وغیرہ باب ۱۴)

نیز درج ذیل ابواب وعناوین ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ باب ۲۲/ بمع عناوین: برصفحہ ۲۰۷ تا صفحہ ۲۲۰)

۲۔ باب ۲۳/ بمع عناوین: برصفحہ ۲۲۰ تا صفحہ ۲۲۴)

۳۔ باب ۲۵/ بمع عناوین: برصفحہ ۲۳۲ تا صفحہ ۲۳۶) بشکریہ

وَجدوحال (سَماع) اورشریعتِ مطہرہ جناب حضرت امامِ ربّانی مجددالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نقطہ نظر سے

یہ کہ اُوپر ہم نے وجد وحال (سَماع) کی مختلف حیثیات کو حضرات صُوفیائے کرام کی تشریحات وتوضیحات کو نقل کیا ہے۔ لیکن ابھی وہ سوال اپنی جگہ پر قائم وباقی ہے کہ شریعتِ مطہرہ کے نقطہ نظر سے وجد وحال (سَماع) کی حیثیت کیا ہے؟ اور وہ کن کن حدود وقیود کے ساتھ وابستہ ہے؟

تو آیئے ہم اصولی طور پر وجد وحال (سَماع) کی حیثیت کا جائزہ جناب حضرت امامِ ربانی مجددالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نقطہ نظر سے لیتے ہیں:

اے بھائی! آدمی کو چرب اور لذیذ کھانوں اور نفیس اور عجیب کپڑوں کے لیے دُنیا میں نہیں لائے اور عیش وعشرت اور کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ انسان کے پیدا کرنے سے مقصود اس کی ذلت وانکسار اور عجز ومحتاجی ہے۔

جو بندگی کی حقیقت ہے۔ لیکن وہ انکسار واحتیاج جس کا شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے حکم فرمایا ہے۔

کیونکہ باطل لوگوں کی وہ ریاضتیں اور مجاہدے تو شریعت روشن کے موافق نہیں ہیں۔ سوائے خسارہ کے کچھ فائدہ نہیں دیتی اور ان سے سوائے حسرت اور ندامت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

چاہیے کہ اہلِ سنت وجماعت شکر اللہ تعالیٰ کے عقائد کے موافق احکامِ شرعیہ سے عملی اور اعتقادی طور پر اپنے ظاہر کو آراستہ اور پیراستہ کرنے کے بعد اپنے باطن کو ذکر الٰہی سے آباد

رکھیں۔

اور وہ سبق جو طریق علیہ نقشبندیہ قدس سرہم میں اخذ کیا ہے۔ اس کا تکرار کریں۔ کیونکہ ان بزرگواروں کے طریق میں انتہاء ابتداء میں درج ہے اور ان کی نسبت سب نسبتوں سے اعلیٰ ہے۔ کوتاہ اندیش ان باتوں کا یقین کریں یا نہ کریں۔ فقیر کا مقصود دوستوں، کو رغبت اور شوق دلانا ہے۔ مخالف اس بحث سے خارج ہیں:

یہ کہ افسانہ بخو اند افسانہ ایست
ہر کہ نقدش دید خود مردانہ ایست

ترجمہ: جس نے افسانہ کہا، فسانہ ہے۔ جس نے دیکھا نقد وہ مردانہ ہے۔

غرضیکہ عاقبت کی بہتری ذکر پر وابستہ ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

اس مطلب پر گواہ ہے۔ پس ذکر کثیر کو برقرار رکھنا چاہیے اور جو کچھ اس دولت کے نا مناسب ہے۔ اس کو دشمن جاننا چاہیے۔ نجات کا علاج یہی ہے:

ذکر گو ذکر، تا تُرا جان است
پا گئے دل زذکر رحمان ہے

ترجمہ: ذکر کر ذکر! جب تک جان ہے دل کا جینا یہ ذکر رحمان ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ قاصد کا کام حکم پہنچا دینا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ خبردار! اللہ کے ذکر سے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

نَصِّ قَاطِع ہے۔ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ اس پر ثابت اور برقرار رہنے کی توفیق عطا فرمادے۔ کیونکہ اصل مقصود یہی ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَالْتَزَمَ مُتَابَعَةَ الْمُصْطَفٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَ اَكْمَلُهَا اور سلام ہو اس شخص پر جس نے ہدایت اختیار کی اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑا۔

(ملخصا)......ملاحظہ کیجیے: (مکتوبات امام ربانی)

دفتر اوّل/ اردو ترجمہ

بعنوان: (دُنیا اور اُس کے ناز و نعمت میں گرفتار ہونے کی بُرائی میں) مکتوب نمبر ۲۰۶

جناب مُلا عبد الغفور سمرقندی کی طرف لکھا ہے اُردو ترجمہ دفتر اوّل بر صفحہ ۳۳۷/صفحہ ۳۳۸)

وَجدوحال:

آگے ملاحظہ کیجیے: مکتوب نمبر ۲۰۷

اس بیان میں کہ بدنوں کے قُرب کو دلوں کے قُرب میں بڑی تاثیر ہے اور اس بیان میں کہ وَجد وحال کو جب تک شرع کی میزان پر نہ تولیں نیم جیتل کے برابر نہیں لیتے میرزا حسام الدین احمد کی طرف لکھا ہے:

جناب حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمتہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اس بات پر بلکہ تمام نعمتوں پر اور خاص کر اسلام اور حضرت سید الانام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس کا احسان ہے، کیونکہ اصلی مقصود یہی ہے اور نجات اسی پر ہے اور دُنیا وآخرت کی سعادت کا پانا اسی پر وابستہ ہے۔

ثَبَّتَاللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ عَلٰى ذٰلِكَ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَ عَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ اَتَمُّهَا وَ اَكْمَلُهَا ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو سید المرسلین ﷺ کی طفیل اس متابعت پر ثابت قدم رکھے:

کار ایں غیر زیں همه هیچ

صُوفیوں کی بے ہُودہ باتوں سے کیا حاصل ہوتا ہے اور ان کے احوال سے کیا بڑھتا ہے۔ وہاں وَجد وحال کو جب تک شرع کی میزان پر تولیں۔ نیم چیتل سے نہیں خریدتے اور کشف اور الہاموں کو جب تک کتاب وسُنت ﷺ کی کسوٹی پر نہ پرکھ لیں۔ نیم جو کے برابر بھی پسند نہیں کرتے۔

طریق صُوفیہ پر سلوک کرنے سے مقصود یہ ہے کہ معتقدات شرعیہ جو ایمان کی حقیقت ہیں۔ زیادہ یقین حاصل ہو جائے۔ فقہی احکام کے ادا کرنے میں آسانی مُیسر ہو۔ نہ کہ اس کے سوا کچھ اور امر۔ کیونکہ رُویت کا وعدہ آخرت میں ہے اور دُنیا میں البتہ واقع نہیں ہے۔ وہ مشاہدات اور تجلیات جن کے ساتھ صوفیاء خوش ہیں۔ وہ صرف ظلال سے آرام پانا اور شبہ و مثال سے تسلی حاصل کرنا ہے۔ حق تعالیٰ وراء الوراء ہے

عجب کاروبار ہے کہ اگر اُن کے مشاہدات اور تجلیات کی حقیقت پوری پوری بیان کی جائے۔ تو یہ ڈر لگتا ہے کہ اس راہ کے مُبتلایوں کی طلب میں فُتور اور اُن کے شوق میں قصور پڑ جائیگا اور ساتھ ہی اس بات کا بھی ڈر ہے۔ کہ اگر باوجود علم کے کچھ بھی نہ کہے۔ تو حق، باطل کے ساتھ ملا رہے گا۔

يَا دَلِيلَ الْمُتَحَيِّرِينَ دُلَّنِي بِحُرْمَةِ مَنْ جَعَلْتَهُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَاتُ.

اے سرگشتہ اور حیرانوں کے راہ دکھانے والے ہم کو اُس وُجودِ پاک ﷺ کی حُرمت سے سیدھی راہ کی ہدایت کر جس کو تُو نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔

(ملخصاً)

مکتوب نمبر ۲۰۷۔ بر صفحہ ۳۳۹ تا صفحہ ۳۴۰)

بنام حسام الدین احمد صاحب......بشکریہ

مقصودِ سَماع

جناب حضرت امام الشاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی صاحب فرماتے ہیں کہ:
سَماع اور بے خودی سے مقصود بشریت کی عاداتِ مذموم کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ نہ کہ ان کے ذریعے محض عقل و ہوش کو مغلوب کرنا۔ جیسا کہ غواض کا اصل مقصد موتیوں کا حصول ہوتا ہے نہ کہ مُنہ اور ناک میں پانی داخل کرنا۔

(انفاس العارفین)

از جناب حضرت امام الشاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی

اُردو ترجمہ بعنوان: (مقصودِ سَماع) وغیرہ

......بشکریہ

سیدالطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرِ مکی رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر

سیدالطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی بعنوان: (تیسرا مسئلہ عروس وسَماع کا) تحریر فرماتے ہیں کہ:

لفظ عروس ماخوذ اس حدیث سے ہے: نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ (یعنی بندہ صالح سے کہا جاتا ہے کہ عروس کی طرح آرام کر کیونکہ موت مقبولانِ الٰہی کے حق میں وصالِ محبوب حقیقی ہے۔ اس سے بڑھ کر کون سی عروسی ہوگی۔ چونکہ ایصالِ ثواب بُروحِ اموات مستحسن ہے۔ خصوصاً جن بزرگوں سے فیوض و برکات حاصل ہوئے ہیں۔ اُن کا زیادہ حق ہے اور اور پھر اپنے بھائیوں سے ملنا موجبِ ازدیادِ محبت و حزائد برکات ہے اور نیز طالبوں کا یہ فائدہ ہے کہ پیر کی تلاش میں مُشقت نہیں ہوتی۔

بہت سے مشائخ رونق افروز ہوتے ہیں اس میں جس سے عقیدت ہو اُسکی غلامی

اختیار کرے۔ اس لیے مقصود ایجادِ رسمِ عُرس سے یہ تھا کہ سب سلسلہ کے لوگ ایک تاریخ میں جمع ہو جائیں باہم ملاقات بھی ہو جائے اور صاحبِ روح کی قبر کو قرآن و طعام کا ثواب بھی پہنچایا جاوے۔ یہ مصلحت ہے تعینِ یوم میں۔ رہا خاص یومِ وفات کو مقرر کرنا اس میں اسرارِ مخفیہ ہیں۔ اُن کا اظہار ضرور نہیں۔

چونکہ بعض طریقوں میں سَماع کی عادت ہے۔ اسلیئے تجدیدِ حال اور ازدیادِ ذوق و شوق کے لیے کچھ سَماع بھی ہونے لگا۔ پس! اصل عُرس کی اس قدر ہے اور اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔

بعض علماء نے بعض حدیثوں سے بھی اس کا استنباط کیا ہے۔ رہ گیا شبہ حدیث ﷺ لَاتَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا. کا سواسکے صحیح معنی یہ ہیں کہ:

قبر پر میلا لگانا، اور خوشیاں کرنا اور زینت، آراستگی و دھوم دھام کا اہتمام یہ ممنوع ہے کیونکہ زیارتِ مقابر و اسطے عبرت و تذکرہ آخرت کے ہے نہ عقلت اور نہ زینت کے لیے۔ اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا واسطے زیارتِ روضہ اقدس ﷺ کے بھی ہونی بالخصوص۔

حق یہ ہے کہ زیارتِ مقابر انفراداً و اجتماعاً دونوں طرح جائز اور ایصالِ ثواب قرات مطعام بھی جائز اور تعین بھی بہ مصلحت جائز سب مل کر بھی جائز۔

رہا یہ شبہ کہ وہاں پکار کر سب قرآن شریف پڑھتے ہیں اور آئیہ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کی مخالفت ہوتی ہے۔

سو اوّلاً: تو علماء نے یہ لکھا ہے کہ خارج نماز کے یہ امر استحباب کے لیے ہے ترکِ مُستحباتِ پر اتنا شور و غل نامناسب ہے ورنہ لوگوں کا مکاتب میں پڑھنا ممنوع ہوگا۔

دوسرے: اگر کسی کو یہی تحقیق ہو کہ یہ وجُوبِ عام ہے۔ تو اصل کرنے سے یہ بہتر ہے کہ امر تعلیم کر دیا جائے۔ یہی جواب ہے۔

سوم: قرآن پکار کر پڑھنے کا البتہ جس مجلس میں اُمورِ منکرہ مثل رقصِ مرجہ وسجدہ قبور وغیرہ ہوں۔ اس میں شریک نہ ہونا چاہیے۔

رہا مسئلہ سَماع کا یہ بحث ازبس طویل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اگر شرائطِ جواز مجتمع ہوں اور عوارضِ مانعہ مرتفع ہوں تو جائز ورنہ ناجائز کہا۔

فَصَّلَهُ الامام الغزالی رحمۃ اللہ علیہ!

اور سَماع بالآلات میں بھی اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے احادیث منع کی تاویلیں کی ہیں اور نظائرِ فقہیہ پیش کئے ہیں۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ سَماع میں

اس کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر آدابِ شرائط کا ہونا باجماع ضروری ہے جو اُسوقت کثرتِ مجالس میں مفقود ہے مگرتاہم!

خُدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

بہرحال وہ احادیث فرو واحد ہیں اور محتمل تاویل گو تاویل بعید ہے اور غلبہ حال کا بھی احتمال موجود ہے۔ ایسی حالت میں کسی پر اعتراض کرنا ازبس دُشوار ہے۔

مشربِ فقیر کا اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر مُرشد کی رُوح مبارک کو ایصالِ ثواب کرتا ہوں اوّل قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وُسعت ہوئی تو مولود پڑھا جاتا ہے۔ پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔

اور زوائد اُمور فقیر کی عادت نہیں نہ کبھی سَماع کا اتفاق ہُوا نہ خالی بالات مگر دل سے اہلِ حال پر کبھی اعتراض نہ کیا ہاں جو محض ریا کار و مُدعی ہو وہ بُرا مگر تعین اُسکی کہ فلاں شخص ریا کار ہے۔ بلا حُجتِ شرعیہ نادرست ہے۔ اس میں بھی عملدرآمد فریقین کا یہی ہونا چاہیے۔ جو اُوپر مذکور ہوا کہ جولوگ نہ کریں ان کو کمالِ اتباعِ سنت کا مشائق سمجھیں جو کریں ان کو اہلِ محبت میں سے جانیں اور ایک دوسرے پر انکار نہ کریں جو عوام کے غلو ہوں، ان کا لُطف اور نرمی سے انسداد کریں۔

ملاحظہ کیجیے:

(کلیات امدادیہ)

ازحضرت سید الطائفہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی

رسالہ ہفت مسئلہ شمولہ

(کلیاتِ امدادیہ)

برصفحہ ۸۲ تا صفحہ ۸۳)

مختصر یہ کہ سَماع اور وجد و حال کے عنوانات علمی و عملی طور پر ابتدائی صدیوں میں ہی موضوعِ بحث بن چکے تھے اور قدماء حضرات صُوفیہ اور حضراتِ علماء کرام نے ان موضوعات پر بیش از بیش خامہ فرسائی فرمائی ہے کہ جس کے لیے مجلدات درکار ہیں۔

جیسا کہ ہم نے اُوپر تحریر کیا ہے کہ دینِ اسلام کی رُو سے درحقیقت متابعت و پیروی قرآن وسنت کی لازم ہے۔ اگر ہمارا کوئی فعل یا عمل یا قول شریعت مطہرہ کی متابعت میں نہ ہوگا تو وہ محض سمع خراشی اور قیمتی اوقات کو فضول ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ہاں نہ تو ایسے اعمال مقبول ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اجر و ثواب اُخروی میں اُن اعمال وافعال واقوال کا کچھ بھی اجر و ثواب ہوگا۔

سوانح حیات، شمس المعارف، حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت خواجہ شمس تبریز، کہ جو حضرت جلال الدین رُومی کے پیرو مُرشد تھے زمانہ ابتداء سے لے کر آج تک اُن کی علمی وروحانی حیثیت پر اثر و مسلمہ چلی آتی ہے۔ آپ کی رُوحانی عظمت و جلالت سے کون انکار کرنے کی مجال کرسکتا ہے۔

مگر باعث افسوس امر تو یہ ہے کہ حضرت خواجہ شمس تبریز کے حالات نہایت کم دستیاب ہوتے ہیں اور قدیم کُتب میں تذکرہ نگاران نے آپ کے قرار واقعی حالات ترتیب دینے میں نہایت سہل انگاری سے کام لیا ہے اور اگر آپ کے کچھ حالات تحریر کیے بھی ہیں تو حضرت شیخ مولانا جلال الدین رومی کے حالات میں ضمنی طور پر بیان کیے ہیں۔

لیکن حضرت مولانا جلال الدین رومی کے پیرو مُرشد ہونے کے سبب سے آپ کی جلالتِ علمی اور روحانی و باطنی قدر و منزلت اور مقامات کا بخوبی طور پر ہمیں اندازہ ہوسکتا ہے۔

اور پھر آپ کے بارے میں معلومات کے فقدان کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ۔ آپ کے سنِ ولادت کا باوجود تلاش و تفحص کا پتہ نہ چل سکا اور مورخین نے آپ کی عمر کا بھی ذکر نہ کیا ہے کہ اس طور پر اندازے سے آپ کا سنِ ولادت کسی قدر معلوم ہوسکے۔

جن لوگوں نے آپ کا سنِ ولادت تحریر کیا ہے اور سنِ ولادت ۵۶۰ھ قرار دیا ہے تو درحقیقت اُنہوں نے حضرت خواجہ شمس تبریز (مرشدِ رُومی) کی شخصیت اور حضرت شمس الدّین سبزواری رحمۃ اللہ علیہ ملتانی ہر دو (۲) کو اسماء کے حوالے سے ایک ہی شخصیت قرار دے کر محض مغالطہ آرائی سے حضرت خواجہ شمس تبریز کے سنِ ولادت کو بھی ۵۶۰ھ قرار دیا ہے۔ سنِ ولادت ۵۶۰ھ ہونے کے بارے میں کسی قدر ظن و تخمین سے کام لے کر البتہ ۵۶۰ھ کی ولادت کا سال حضرت خواجہ شمس تبریز کا بھی محض اندازے سے قرار دیا جاسکتا ہے۔ وگرنہ آپ کے حالات وواقعات میں سنِ ولادت ۵۶۰ھ مذکور نہیں ہے اور یہ ہر دو (۲) شخصیات علیحدہ علیحدہ ہیں جیسا کہ ہم ابھی گذشتہ صفحات میں آپ کے حالات میں تحریر کرچکے مگر یہ بات قرین قیاس بھی ہوسکتی ہے کہ سنِ ولادت ۵۶۰ھ آپ ہی کا ہو؟

مگر حضرت خواجہ شمس تبریز کا سالِ شہادت یا سالِ وفات مؤرخین اور سوانح نگاران کے ہاں ۶۴۲ھ اور ۶۴۵ھ کے مابین تحریر ہے۔

نفحات الانس میں حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی صاحب نے، حضرت خواجہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا واقعہ ۶۴۵ھ تحریر فرمایا ہے۔

ہماری یہ کتاب "سوانح حیات شمس المعارف حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ" ماشاء اللہ تعالیٰ

سات حصوں پر مشتمل ہے کہ جن کی تفصیل تو فہرست کتاب ملاحظہ کرنے کے بعد بخوبی طور پر ہوسکتی ہے، لیکن ہم یہاں پر اجمالی خاکہ کتاب ہذا پیش کرتے ہیں:

۱)۔ حصہ اوّل: مشتمل بر باب ۱ تا باب ۱۰:

مشتمل بر عنوانات: (ایران۔ جغرافیہ و تاریخ) داراسوم تک قدیم ادوار کی تاریخ قدیم ایرانی مذاہب۔ (حملہ اسلام) تک!

۲)۔ حصہ دوم، مشتمل بر باب ۱۱ تا باب ۱۶)

مشتمل بر عنوانات: ایران (فارس) عہدِ اسلام کے بعد۔ اسلامی حکومتوں کا مختصر جائزہ۔

اسلامی علوم وفنون اور ایران۔ اسلامی علوم وفنون کے میدان میں اسلامی ایران کا موثر علمی وعملی پہلو۔ تصوف وسلوک اور اسلامی ایران کے حضراتِ صُوفیا کرام کا علمی، دینی و رُوحانی۔ پہلو۔ حضرات صُوفیا کرام کی تصانیف کا مختصر تذکرہ وغیرہ

۳)۔ حصہ سوم، مشتمل بر باب ۱۷ تا باب ۲۰)

مشتمل بر عنوانات: (تمہید) صُوبہ خراسان اور بلخ کی تاریخ وجغرافیہ۔ حضرت مولانا جلال الدّین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے والد، شیخ بہاؤ الدین کا سلسلہ نسب۔ سلاطین رُوم سے۔ قُونیہ۔ حضرت شیخ مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت۔ آپ کی تعلیم وتربیت۔ جناب شیخ بُرہان الدّین سے استفادہ۔ حضرت شمس المعارف خواجہ شمس الدّین تبریز سے ملاقات۔

۵)۔ حصہ پنجم: مشتمل بر: باب ۲۴)

مشتمل بر عناوین (تمہید) حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری۔ شیخ صلاح الدین زرکوب سے آپ کی مجالست اور مصاحبت۔ شیخ حسام الدّین چلپی۔ حضرت مولانا شیخ جلال الدّین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی علالت اور وفات۔ آپ کی اولاد وامجاد آپ کی تصنیفات وغیرہ وغیرہ

۶)۔ حصہ ششم: مشتمل بر باب ۲۵)

مشتمل بر عنوانات: حضرت مولانا شیخ جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات

۱۔ دیوان۔ ۲۔ مثنوی مولوی معنوی۔ ۳۔ ملفوظات فِیہِ مَا فِیہِ وغیرہ وغیرہ پر مختصر تبصرہ

۷)۔ حصہ ہفتم: مشتمل بر: باب ۲۶)

مشتمل بر عنوانات: مختصر انتخاب دیوانِ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ بمعہ اُردو ترجمہ!

حضرت خواجہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا موضوع ایک نازک موضوع تھا اور جس قدر نازک تھا اسی قدر معلومات عنقا تھیں۔ آپ کے قلمی چہرہ کی تصویر کشی ایک مشکل کام تھا۔ امتدادِ زمانہ سے آپ کی شخصیت حالات وواقعات کے حوالے سے اوجھل ہو چکی ہے۔

ہم نے بقول شخصے:

همت بقدرِ خویش کو شیدم

آپ کے قلمی چہرہ کی تصویر کشی کرنے کی کوشش کی ہے مگر وہ کہاں تک کامیاب ہے یہ پروردگار عالم ہی بہتر جانتے ہیں۔

بہر کیف، کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا ہی بہتر ہے۔

ہمیں یہ خوشی و مسرت ہے کہ کل تک حضرت مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے جناب حضرت علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۱۴ھ) کی بہترین قلمی و علمی کاوش سوانح مولوی رُوم کے حوالے سے متعارف اور موجود تھی اور اُردو زبان میں بہترین اور عمدہ کاوش تھی۔

اور آج اُردو زبان میں بحمد اللہ تعالیٰ اسی سلسلہ کی دوسری شخصیت جناب حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے سوانح حیات شمس المعارف حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ بھی ماشاء اللہ تعالیٰ العزیز زیورِ طبع آراستہ و پیراستہ ہو کر قارئین کرام کے بے تاب ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے، والحمد اللہ علیٰ ذٰلک۔

اعتذار:

آخر میں ہم اُن حضرات مصنفین و مولفین کا نہایت خلوصِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ہم نے اُن قیمتی نگارشات سے بیش از بیش فائدہ اٹھایا ہے اور نہایت دیانت و امانت سے اُن کی کتب کے اسماء بقید صفحات نقل کر دیئے ہیں۔

اے کاش! ہم ان بزرگوں کی خدمت میں بالمشافہ حاضر ہو کر نقل حوالہ جات کی اجازت حاصل کر سکتے مگر اپنی ذاتی اشد مصروفیات کی بناء پر ایسا نہ کر سکے۔ مگر ان بزرگوں کی کتب کے حوالہ جات اُن کی کتب کی نئی اشاعت کا سبب ضرور بن سکیں گے۔ آخر جو کچھ نگارشات اُن بزرگوں نے اپنے رشحاتِ قلم سے پیش فرمائی تھیں وہ تو ہمیشہ کے لیے اُنھیں کی ہیں محض حوالہ جات نقل کر دینے سے قلمی افادہ و استفادہ کا عمل مقصود ہے نہ کہ کسی کی دل آزاری۔

آخر علمی و قلمی، افادہ اور استفادہ کے لحاظ سے وہ بھی تو اس روش پر چلے آتے ہیں۔

بدیں سبب ہمارا یہ اعتذار اُن کی خدمت میں اسی سبب سے ہے اور ہمیں اُمید واثق ہے کہ تمام بزرگ ہماری عذر خواہی کو بنظر استحسان پر محمول فرمائیں گے۔ بصد شکریہ!

آخر میں مَیں برادرِ محترم جناب شاہد حمید صاحب اور اُن کے ہر دو صاحبزادگان گگن شاہد اور امر شاہد سلمہا کا نہایت مشکور ہوں کہ جن کی توجہ اور کوشش و لگن سے یہ کتاب منصۂ شہود پر آ کر رہی۔ اللہ تعالیٰ ربُّ العزت ان تمام دوستوں کو دُنیا و عاقبت میں اجرِ جزیل عطا فرمائے اور

قارئین کتاب کو بھی اس اجر میں شامل فرمائے۔

یہ بندۂ عاجز پروردگار عالم کے حضور میں نہایت شکر گزار ہے کہ جس کی ذاتِ والا صفات نے جناب ختمی مرتبت آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے توسل سے اس عظیم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائی۔ نیز کتاب ہذا کو اس بندہ کے لیے بھی اجر جزیل بنا دے۔ آمین!

شادم از زندگی خویش، کہ کارے کر دم!

آپ کا مخلص

ہیچمدان

راجہ طارق محمود نعمانی

ایڈووکیٹ (ہائیکورٹ)

سوانح حیات شمس المعارف

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

(مرشد حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

(حصہ اوّل)

مشتمل بر عناوین:

ایران، جغرافیہ و تاریخ (دارا سوم تک)، قدیم اَدوار کی تاریخ،
قدیم ایرانی مذاہب، حملہ اسلام تک وغیرہ

باب ا۔

ایران

جغرافیہ وتاریخ

(دارا سوم تک)

متکلم امت، مرشد روم حضرت مولانا الشیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وواقعات نیز میدان تصوف وسلوک وحقائق ومعرفت میں آپ کے کلام پر Review کرنے سے پہلے ہم آپ کے آبائی وطن سرزمین ''تبریز'' (ایران) کے حوالہ سے سرزمین ''ایران'' کے جغرافیہ وتاریخ کا تفصیل واجمال سے جائزہ لیتے ہیں تاکہ قارئین کرام بخوبی طور پر جان سکیں کہ جس سرزمین کے خمیر سے حضرت شیخ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی اٹھان ہوئی اُس سرزمین کی کیفیت زمانہ قدیم سے عصر حاضر تک کیا ہے۔

تو آیئے ہم مذکورہ بالا موضوع کے حوالے سے خامہ فرسائی کرتے ہیں:

جغرافیہ وتاریخ:

مشہور انگریز مستشرق جناب ولیم ایل لینگر صاحب بعنوان ''ایران دارا سوم تک'' رقمطراز ہیں کہ:

> ''ایران ایک سطح مرتفع ہے جو دریائے دجلہ کے مشرق سے شروع ہو کر وادی سندھ تک چلی جاتی ہے۔ یہ ملک دراصل خلیج فارس (Persian Gulf) اور بحیرۂ ہند (Indian Ocean) سے بحر قزوین اور دریائے جیحون تک پھیلا ہوا ہے۔
>
> اس سطح مرتفع میں سے مادہ (دارالحکومت اکبتانا (Ecbatana)) اور

رغائی (Rhagae) عیلام (دارالحکومت ''سوس'' ایران) دارالحکومت پرسی پولس Persepolis) ''بمعنی لفظی شہر فارس'' جو مغرب میں واقع ہیں تاریخ میں انتہائی اہمیت کے مالک سمجھے گئے ہیں۔ ان کے برعکس مشرقی علاقوں یعنی ''سغد یاناSogdiana'' باختر، آریاAria، درنگیانا Drangiana اور ''اراکوسیا Arachosia'' کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ اس سطح مرتفع کے شمالی ومغربی حصے میں پارتھیوں نے اتنا اقتدار حاصل کرلیا کہ مشرق قریب میں ''رومہ ROME'' کے حریف بن گئے۔''

(ملخصاً)

(انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم)

(تاریخ عمومی) جلد دوم

از جناب ولیم ایل لینگر صاحب

اردو ترجمہ وتہذیب جناب مولانا غلام رسول مہر صاحب

بعنوان ''ایران''

دارا سوم تک

بر صفحات نمبر ۷۰/۷۱

جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب (شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج لاہور) بعنوان (ایران) جغرافیہ بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''کورش کبیر (۵۵۹۔۵۲۹ق۔م) کے عہد میں ایران کی حدود مشرق میں دریائے سندھ، شمال میں دریائے سیحون، بحیرہ خزر، بحیرہ اسود اور کوہستان قفقاز، جنوب میں بحر ہند اور خلیج فارس اور مغرب میں بحیرہ ایجین (Egean) تک پھیلی ہوئی تھیں۔ کورش نے انتظامی سہولیات کے لئے اس کو چھوٹے چھوٹے صوبوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں، نقشہ سے ان کا محل وقوع واضح ہو جائے گا:

۱۔ لیدی ۲۔ اُینی ۳۔ کاری ۴۔ میزی ۵۔ فریژی ۶۔ کاپاوس ۷۔ پافلاگنی ۸۔ تھینی ۹۔ لیسی، پامفیلی پزیدی اور سیلسی ۱۰۔ سوریہ ۱۱۔ مُرپتامی ۱۲۔ بابیلنی ۱۳۔ آرمی نیا ۱۴۔ آشور ۱۵۔ پرس (فارس) ۱۶۔ سوزیانا ۱۷۔ مادی ۱۸۔ آریایا، یاہرتو ۱۹۔ ہیرکانی (استرآباد) ۲۰۔ پارت

۲۱۔ باختریان ۲۲۔ سُغد یان ۲۳۔ کارامانی یا کرمان ۲۴۔ گدرُزی۔"

(ملخصاً)

(ایران شناسی)

از جناب پروفیسر ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب

بعنوان (ایران۔ جغرافیہ)

بر صفحہ نمبر ا

بحوالہ (جغرافیائی مفصل ایران)

ج/۲ مسعود گیہان، ایران باستان، حسن پیرنیا

Iran, Past and Present Donald Princeton, 195.

آگے تحریر کرتے ہیں کہ:

مندرجہ بالا نام یونانی مؤرخوں اور جغرافیہ دانوں نے لکھے ہیں:

"داریوش" نے "نقش رستم" کے کتبہ میں اپنے ان مفتوحہ علاقوں کے جو نام لکھوائے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں کیونکہ ایرانی زبان وادب کی تاریخ میں ان ناموں کا ذکر آتا ہے۔ اس لئے ان سے آشنائی ضروری ہے۔ ہم نے ان کے مقابل میں تحقیقی اور تخمینی طور پر موجودہ نام بھی لکھ دیئے ہیں۔"

مفتوحہ علاقوں کے نام:

۱۔ پارس۔ فارس

۲۔ اووج یا خودج یعنی خوزستان۔ وہی عیلامی سلطنت تھی جس میں "شوش" واقع تھا۔

۳۔ بابیروس، بابل، کلدہ۔

۴۔ آثورا، آسوریا، آشور۔

۵۔ اربای، عربستان۔

۶۔ مودرایہ، مصر

۷۔ یؤنہ: ایشیائے کوچک کا کچھ حصہ جس کے باشندے یونانی تھے۔

۸۔ سپرو: لیدی اور اشیائے کوچک کا کچھ حصہ جس کے باشندے یونانی تھے۔

۹۔ ماد: مدی

۱۰۔ ارمین: ارمنستان۔

۱۱۔ کت پتک: ایشیائے کوچک کا مرکزی حصہ۔

۱۲۔ پرثو: خراسان اور استر آباد کا کچھ حصہ۔

۱۳۔ زرنگ: سکستان یا سیستان۔

۱۴۔ ہرائیو: ہرات۔

۱۵۔ اووارزمیا یا خوارزمیش، خوارزم۔

۱۶۔ باختریش: باختر جس میں بلخ شامل ہے۔

۱۷۔ سوغد: سغد جس میں بخارا و سمرقند شامل ہیں۔

۱۸۔ گاندارا: کابل و پشاور۔

۱۹۔ ساکا: تاتارستان کے میدان سے چین کی سرحد تک اور مغرب مین بحیرہ خزر کے پار تک۔

۲۱۔ ثاتا گوش: دریائے ہلمند کی بالائی وادی (حوضہ)

۲۲۔ ھاراواوَواتیش، رُخج۔

۲۳۔ ھیندوس: وادی سندھ (حوضہ)

۲۴۔ سکاتی یاتر دریا: سمندر کے اس پار کے سکا۔

۲۵۔ ماکا: تنگہ ہرمز کا نزدیکی حصہ۔

۲۶۔ سکودرا: مقدونیہ۔

۲۷۔ پالوناتک برا: یونان کا ایک حصہ۔

۲۸۔ یوتی یا: عدن اور اس کے قرب وجوار۔

۲۹۔ کوشیا: حبشہ۔

۳۰۔ کرخا: کارتاژ۔

۱۳۔ بحیرہ روم کے بعض جزیرے۔

(ایران شناسی)

از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب
بر صفحہ۲/صفحہ۱۳!

آگے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''داریوش کے آغاز سلطنت میں صرف تئیس صوبے تھے بعد میں آخر عہد تک ان میں اضافہ ہوتا رہا۔ سکندر نے ہخامنشوں کی سلطنت کو تہہ و بالا کر دیا لیکن جب اشکانیوں نے ایرانی سلطنت کو پھر اپنے قدموں

میں کھڑا کیا تو اسکی سرحد مغرب میں دریائے فرات تک سمٹ آئی تھی۔ ساسانیوں کے عہد حکومت میں تقریباً یہی حدود رہیں رومیوں کے ساتھ مسلسل جنگوں میں مغربی سرحد میں ردو بدل ہوتا رہا آخری سرحد صحرائے شام تک رہی۔نوشیرواں کے زمانہ میں یمن بھی جزو سلطنت بن گیا تھا اور مشرق میں دہلی تک تصرف ہو چکا تھا۔عربوں نے ایران فتح کیا تو ان کی حدود سلطنت مغرب میں شمالی افریقہ اور اسپین تک جا پہنچیں اور مشرق میں سندھ تک ان کا اقتدار حکومت رہا۔

اندرون ایران میں خود مختار سلطنتیں وجود میں آئیں تو ان کی حدود موجودہ ایران کے اندر اندر رہیں۔البتہ ساسانیوں (۹۷۴۔۹۹۹) نے ماوراء النہر اور ترکستان کو اپنے قبضے میں کر لیا۔

سلطان محمود غزنوی نے عراق، عجم اور ہندوستان کے کچھ حصے بھی اپنے تصرف میں کر لئے پھر سلجوقیوں، چنگیزیوں اور تیموریوں کے زمانوں میں حدود بڑھتی گھٹتی رہیں۔صفویوں نے جب اپنی حکومت کو مستحکم کیا تو اس وقت ایران کی حدود شمال میں دریائے جیحوں، بحیرہ خزر اور کوہ قفقاز تک اور مغرب میں بین النہرین اور مشرق میں دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی تھیں۔نادر شاہ افشار نے پنجاب اور دہلی کو بھی اپنے مقبوضات میں شامل کر لیا۔"

(ایران شناسی)

از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب

بر صفحہ ۳ تا ۴!

آبادی:

جناب مستشرق ولیم ایل لینگر صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:

"ایران کی آبادی قدیم زمانے سے شروع ہو گئی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے چار یا پانچ ہزار سال قبل "سوس" میں ایسے لوگ آباد تھے جو تانبے کا استعمال جانتے تھے اور مٹی کے برتنوں پر جانوروں کی ایسی تصویریں بناتے تھے جو اصل سے بالکل مشابہ ہوتی تھیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام سے تین ہزار سال قبل عیلا میوں کو اقتدار
حاصل ہوا۔ سولہویں صدی قبل مسیح کسّی عروج پا گئے اور تقریباً چار سو سال
تک بابل پر حکمران رہے۔ پھر آریاؤں کا دور شروع ہوا جن کے اسلاف
ایک طرف یورپ اور دوسری طرف ایران و ہندوستان میں پہنچے۔"

(انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم) تاریخ عمومی

جلد دوم

از جناب ولیم ایل لینگر صاحب اردو ترجمہ

صفحہ نمبر ۱۷

جغرافیائی حدود:

جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:
"ایران کی موجودہ حدود سمٹ کر بہت مختصر رہ گئی ہیں۔ مغرب
میں عراق، ترکی شمال میں قفقاز، روسی ترکستان اور مشرق میں افغانستان
اور پاکستان واقع ہیں۔
شمالاً جنوباً ایران کی حدود بحیرہ خزر سے بحیرہ عمان اور خلیج فارس
تک پھیلی ہوئی ہیں نقشے سے اندازہ ہو سکے گا۔"

(ایران شناسی)

از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب

صفحہ ۴

ہم یہاں پر ایران کے پہاڑوں، دریاؤں، جھیلوں، بحیرہ خزر، خلیج فارس نیز صحراؤں اور بیابانوں، آب و ہوا، زرعی پیداوار، حیوانات، معدنیات کے تذکرہ کو بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

ایران کی سیاسی تقسیم:

جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:
"انتظامی سہولت کیلئے موجودہ ایران دس صوبوں میں منقسم
ہے ہر حصے کو استان کہتے ہیں استان شہرستانوں، بخشوں میں اور بخش
دھستانوں میں منقسم ہے۔ بخش ہمارے ہاں کی تحصیل کے برابر سمجھا جا سکتا
ہے۔ ان علاقوں کے سب سے بڑے حاکم کو بالترتیب استاندار، فرماندار،

بخشداراور دهدار کہتے ہیں۔''

دس اُستان مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اُستان یکم: اسکا مرکز دشت ہے اور شہرستان، زنجان، لاہیجان، اراک، خمسہ اور بندر پہلوی ہیں۔

۲۔ اُستان دوم: مرکز ساری، شہرستان، شہسوار، کاشان، سمنان، دامغان، شاہرود، گرگان۔

۳۔ اُستان سوم: مرکز تبریز، شہرستان، میانہ، سراب، اهر، اردبیل، مراغہ، مرند۔

۴۔ اُستان چہارم: مرکز رضائیہ، شہرستان، خوی، مہاباد، ماکو۔

۵۔ اُستان پنجم: مرکز کرمانشاہان، شہرستان، شاہ آباد، قصر شیریں، ایلام، ہمدان، ملایر، نہاوند، تویسرکان۔ سترج۔

۶۔ اُستان ششم: مرکز اہواز، شہرستان، خرم آباد، بروجرد، وزفول، خرمشہر، آبادان، بہبہان۔

۷۔ اُستان ہفتم: مرکز شیراز، شہرستان، کازرون، بوشہر، آبادہ، جہرم، لارستان۔

۸۔ اُستان ہشتم: مرکز کرمان، شہرستان، سیرجان، رفسنجان، بم، جیرفت، زاہدان، خاش، زابل، بندرعباس۔

۹۔ اُستان نہم: مرکز مشہد، شہرستان، بیرجند، کاشمر، نیشاپور، قوچان، بجنورد، فردوس، درجز۔

۱۰۔ اُستان دہم: مرکز اصفہان، اردستان، شرکرد، شہرخما، یزد، نائین۔

جدید دارالخلافہ:

ایران کا دارالسلطنت تہران ہے۔ تہران اوراس کے گردونواح کو ملا جلا کر ایک اُستان قرار دیا گیا ہے اوراس کا ایک اُستاندار اور ایک فرماندار مقرر ہے۔

پرانی تقسیم:

پرانی تقسیم کے مطابق بڑے بڑے صوبوں کے نام حسب ذیل تھے:

۱۔ خوزستان ۲۔ آذربائیجان ۳۔ گیلان، مازندران، گرگان ۴۔ خراسان و سیستان ۵۔ کرمان و بلوچستان ۶۔ فارس ۷۔ لرستان، کرمانشاہان، کردستان۔''

(ایران شناسی)

از جناب ڈاکٹر ظہورالدین احمد صاحب صفحہ ۱۱/۱۲

ایران کی آبادی ۱۹۵۸ء تک:

۱۹۵۸ تک ایران کی آبادی ایک کروڑ اکانوے لاکھ انتالیس ہزار پانچسو تہتر (۱۹۱۳۹۵۷۳) افراد پر مشتمل تھی جس میں (۹۴۵۳۰۷۳) مرد اور (۹۶۸۶۴۹۰) خواتین تھیں۔

ہم انہیں سطور پر باب نمبر ا کو ختم کرتے ہیں اس سلسلہ سے متعلق دیگر عناوین کو باب ۲ میں ملاحظہ فرمایئے!!

(نعمانی)

باب ۲

ایران

قدیم اَدوار کی تاریخ، قدیم ایرانی مذاہب

ہم ایک مرتبہ پھر ایران کے قدیم تاریخی پس منظر کی جانب رجوع کرتے ہوئے اس کے قدیم ادوار کی تاریخ اور قدیم ایرانی مذاہب کا اجمالاً ذکر کریں گے۔ انشاءاللہ!!

ایران کا قدیم تاریخی پس منظر:

بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے پروفیسر وصدر جناب ڈاکٹر امرت لعل عشرت صاحب بعنوان ''تاریخی پس منظر'' خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

لفظ ایران کا لغوی مفہوم:

ایران، اُران یا ایر یا اُر کی جمع ہے اور یہ لفظ ''آریہ'' سے مشتق ہے جس کا مطلب سنسکرت اور اوستا میں آزاد اور پاک نژاد ہے۔

ایران کے قدیم نام ''ایران کشیتر'' اور ایران شہر ہیں اور یہ دونوں ہخامنشی کتبوہ اور پہلوی تصنیفات میں ہر جگہ ملتے ہیں۔

(ایران صدیوں کے آئینے میں) از جناب ڈاکٹر امرت لعل عشرت صاحب
فصل اول بعنوان (عہد قدیم سے حملہ اسلام تک) تاریخی پس منظر، صفحہ ۱

آگے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> ''ایران کی جغرافیائی حیثیت کو ہمیشہ سے بہت اہمیت حاصل رہی ہے اور اسی لئے ایشیا کے تمام اجتماعی اور سیاسی انقلابات میں ایرانیوں کا رول بہت موثر رہا ہے۔ اپنے محل وقوع سے استفادہ کر کے

اہل ایران نے ایک طرف تو سامی اقوام مثلاً مصریوں، فینیقیوں، آسوریوں، اور بابلیوں سے اپنے تعلقات قائم کر لیے تھے اور دوسری جانب ہندوستان، یونانیوں، رومیوں، چینیوں اور ترکوں سے میل جول بڑھالیا تھا۔ اس کا خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سرزمین ہمیشہ مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کا سنگھم بنی رہی اور رنگارنگ تہذیبوں کے امتزاج سے یہاں ایک مخصوص تہذیب وتمدن کا ظہور ہوا جس کو دنیا والوں نے کم نظیر تسلیم کیا۔"

(ایران صدیوں کے آئینے میں) از جناب ڈاکٹر امرلعل عشرت صاحب
فصل اول بعنوان "عہد قدیم سے حملہ اسلام تک" تحتی عنوان تاریخی پس منظر
صفحہ ا مطبوعہ لکھنو (بشکریہ)

آگے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"ایرانی سطح مرتفع کو شمال میں دریائے مازندران اور جنوب میں خلیج فارس نے محصور کر رکھا ہے۔ خلیج فارس دنیا کے گرم ترین حصوں میں سے ہے اور جزیرہ نمائے عربستان کو ایران سے جدا کرتی ہے۔ ایران کو سمندری راستوں سے دنیا کے ساتھ متصل کرنے میں خلیج فارس کی اہمیت مسلّم ہے اسی طرح ایران کے بری راستے مشرقی اور مغربی ایشیا کو ملانے کے لئے ہمیشہ ایک پل کا کام دیتے رہے ہیں۔

طبیعی شرائط کے پیش نظر ایران کے بہت سے حصے سکونت بشر کے لئے موزوں نہیں اس لئے شروع شروع میں انسان نے اس سر زمین کے شاداب دروں اور سرسبز سمندری کناروں کو اپنا مسکن بنایا اور رفتہ رفتہ مرکزی ایران تک رسائی حاصل کر لی۔

پانی کی کمی اور ہوا کی خشکی کے سبب ایرانی آریوں کو بہت زیادہ تکلیف اٹھا کر مصنوعی آبپاشی سے کھیتی باڑی کرنا پڑی تھی۔ آہستہ آہستہ جفاکشی اور زحمت برداری کا درس دیا جانے لگا ہندوستانی اور ایرانی آریوں میں مذہبی اور ثقافتی اختلافات پیدا ہونے کا سب سے بڑا سبب غالباً دونوں ملکوں کے جغرافیائی ماحول کا فرق تھا۔"

(ایران صدیوں کے آئینے میں
از جناب ڈاکٹر امرت لعل عشرت صاحب
فصل اوّل صفحہ ۲ (بشکریہ)

ایران کے ہندوستانی اور ایرانی آریاؤں کا باہمی اتصال اور انقطاع:

سرزمین ہندوستان اور سرزمین ایران کے آریاؤں کے باہمی روابط و اتصال اور قدیم رشتہ و تعلق اور اس میں تسلسل کا ذکر کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر امرت لعل عشرت صاحب رقمطراز ہیں کہ:

''مستند مؤرخوں کے قول کے مطابق ہندوستانی اور ایرانی آریوں نے وسط ایشیا میں باہم زندگی بسر کرنے کے بعد ماوراء النہر اور قفقاز کے راستوں سے ایران میں اقامت اختیار کی تھی لیکن کچھ دیر بعد نامعلوم اسباب کی بناء پر ان آریوں میں ایک بہت بڑا گروہ کوہ ہندوکش اور دریائے کابل کے دروں کو عبور کر کے ایران کی طرف بڑھا۔

ایرانی آریوں نے جنوب اور مغرب کی طرف بڑھ کر رفتہ رفتہ ساری ایرانی سطح مرتفع پر قبضہ جما لیا اور اپنے نئے مسکن کو ایران کشتیر کا نام دیا جو مرورِ ایام کے ساتھ پہلے ایران شہر ہوا اور بعد میں لفظ ''ایران'' رہ گیا۔ اگرچہ ہندوستانیوں اور ایرانیوں کے جدا ہونے کی تاریخ دقیقاً معلوم نہیں لیکن ایک عام اندازے کے مطابق اس زمانہ کو تین ہزار سال قبل از مسیح کے لگ بھگ خیال کیا جاتا ہے۔''

(ایران صدیوں کے آئینے میں) از ڈاکٹر امرت لعل عشرت صاحب۔ فصل اوّل صفحہ ۲ تا ۳

آریوں کی اقامت ایران:

''آریوں کے ایران میں مقیم ہونے کے اسباب کاملاً روشن نہیں اوستا میں ان کے حقیقی وطن کا نام ''آریاں واج'' لکھا گیا ہے۔ جس کا مطلب آریاؤں کا دیش ہے۔ اس مقدس کتاب کی روایت کے مطابق اس دیش کی آب و ہوا بہت خوشگوار تھی اور اسکی زمین زراعت کے لئے بہت موزوں خیال کی جاتی تھی لیکن ''خبیث روحوں'' نے ناگہانی طور پر اس سرزمین کو سرد کر دیا اور آریاؤں کو ہجرت پر مجبور ہونا پڑا۔

بہر حال عام خیال یہی ہے کہ یہ ہجرت آبادی کی کثرت اور آب و ہوا کے ناخوشگوار تغیرات کی وجہ سے اختیار کی گئی۔''

(ایضاً) صفحہ ۳

آریوں کے ورود ایران کا زمانہ اور ان کا استیلاء:

''آریوں کے ایران میں وارد ہونے کے بارے میں پہلے مؤرخوں کا نظریہ یہ تھا کہ یہ لوگ لگ بھگ دو ہزار سال قبل از مسیح میں یہاں آئے لیکن جدید خیال یہ ہے کہ یہ ہجرت چودھویں صدی ق م سے لے کر آٹھویں صدی ق م تک مسلسل ہوتی رہی۔

ایران میں داخل ہو کر آریوں کو مغرب میں کاسوسو قوم اور گیلان میں کادوسیوں، مازندران میں تپوریوں اور جنوب مغربی حصوں میں عیلامیوں سے ٹکر لینا پڑی لیکن رفتہ رفتہ اپنی دانش مندی اور بہتر جنگی طریقوں سے وہ ان تمام اقوام پر غالب آگئے۔

ایران میں داخل ہوتے وقت آریہ لوگ بہت سے دستوں میں منقسم ہو گئے تھے بعد میں ان مختلف دستوں نے اپنے اپنے طور پر ایرانی سطح مرتفع کے مختلف حصوں کو اپنے تسلط میں لانے کی کوششیں شروع کر دیں اور چھٹی صدی ق۔م تک بہت سی قدیم سلطنتوں کو خاک میں ملا کر سومریوں، آسوریوں، فینیقیوں اور مصریوں کے تمدن کے وارث اور جانشین بن گئے۔''

(ایضاً) از جناب ڈاکٹر امرت لعل صاحب
فصل اول صفحہ ۲، ۳

ایران اور اس کے قدیم معاصر:

قدیم آریاؤں کے حوالے سے:

یہ کہ قدیم آریاؤں نے ایران کے قدیم تاریخی ادوار کے حوالے سے دنیا کی تاریخی روداد مرتب کرنے میں یقیناً ایک اہم، مؤثر اور نمایاں حصہ لیا ہے تو سنئے!

مشہور انگریز مستشرق جناب پروفیسر اے جے آربری صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ آریاؤں نے دنیا کی تاریخی روداد مرتب کرنے میں کتنا نمایاں حصہ لیا ہے تو یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ خود ہم لوگ جو بدون تردید اس قوم کی اولاد میں سے ہیں ان امور سے بھی کم

آشنائی رکھتے ہیں کہ آریاؤں کی اصل کیا تھی اور اس قوم کا اصلی وطن کہاں تھا۔

جہاں تک عبرانی، یونانی اور رومن تہذیب کا تعلق ہے مغرب کے باشندے اس کا جوہر گویا ماں کے دودھ کے ساتھ پیتے ہیں لیکن ایران کے شاندار کارناموں سے جو ہمارے آباؤ اجداد سے مربوط ہیں، ہم بالکل ناآشنا ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اکثریت کو یہ علم نہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد نے اسی دیس میں فروغ پایا اور یہیں تہذیب کی بنیاد رکھی۔

آریاؤں سے ہماری دلچسپی کے مواقع ایک تو کم ہیں دوسرے آریائی تاریخ سے ہم اسی حد تک آگاہ ہیں جس حد تک دلچسپی رکھتے ہیں مثلاً ہم یہودیوں کے اخراج کے افسانے، ماراتھان اور تھرموپلی کی داستانیں، دس ہزار سپاہیوں کی یورش کا ذکر اور سکندر کے حیرت انگیز عروج و زوال کے قصے بڑی دلچسپی سے سنتے ہیں۔

ان واقعات سے کچھ حوادثات اور بھی مربوط ہیں لیکن ہم ان سے ضمناً آگاہی حاصل کرتے ہیں۔ مثلاً احسویریس کی سلطنت کی حدود، کوروش کے فرمان کا پس منظر، دارا کی تخت نشینی اور اس کی حیرت انگیز قوت عمل، مزدیسنا یا زرتشت کے مذہب کا فروغ، جزواً ہماری لاعلمی کی وجہ یہ ہے کہ کسی ایرانی مؤرخ نے یہ واقعات بیان نہیں کیے یا تو کوئی ہیرو ڈوٹس یا زینوفین پیدا ہی نہیں ہوا اور اگر ہوا ہے تو اس کی تحریریں ہم تک نہیں پہنچیں۔

یہی وجہ ہے کہ تاریخی واقعات میں مؤرخ پلڑا یونان کی طرف جھکائے رکھتے ہیں۔

یوں کہنا چاہیے کہ ہماری معلومات بہت کم ہیں۔ بیشتر یہودی اور یونانی مؤلفوں کی تحریروں پر مبنی ہیں جو ایران کے قومی دشمن تھے۔ یہ ایرانیوں کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ ہے اس مرحلے پر ایران کے نقطہ نظر کی وضاحت کرنا خواہ مخواہ کا روگ پالنا ہے۔

قانون کی اصطلاح میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایرانیوں کا مقدمہ عدم پیروی میں خارج ہو گیا۔ اس کے باوجود ہمیں تاریخ لکھنی مقصود ہے تو ہمیں دوسرا پہلو ضرور دیکھنا پڑے گا۔ اس باب میں ہماری

یہی کوشش ہوگی۔

تاریخی ادب اور دستاویزات کی عدم موجودگی میں ہم یہی کر سکتے ہیں کہ حقائق کا جو انبار لگا ہوا ہے ان میں سے کچھ اس طرح پیش کریں کہ صداقت کا چہرہ بے نقاب ہو جائے ممکن ہے کہ حقائق کا یہ انتخاب ہیروڈوٹس کے رنگینی بیان کا بھی مقابلہ کر لے اور جو بے پرواہانہ خاموشی اختیار کی گئی ہے اس کا بھی ازالہ ہو جائے لیکن ان تاریخی حقائق سے تعرض کرنے سے پہلے ہمیں بہت پرانے زمانوں کی طرف لوٹنا پڑے گا یعنی ہم اس دور کی بات کریں گے جب یہ سرزمین ہمارے لئے اہم ہو گئی۔"

(میراث ایران) از جناب پروفیسر اے جے آربری صاحب
مترجم سید عابد علی عابد صاحب باب اول صفحات نمبر ۱ تا ۳

جناب پروفیسر اے جے آربری صاحب آگے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"ہزار سال قبلِ مسیح کی بات ہے کہ بحیرہ خزر کے مشرق اور شمال کی طرف خانہ بدوش قوموں کے جو طویل وعریض مساکن ہیں وہاں سے آریاؤں کا ایک سیلاب اٹھا اور سطح مرتفع ایران پر چھا گیا۔ انہیں دنوں مشرقی دنیا میں کلمۂ پرشیا یا فارس کا استعمال شروع ہوا۔ پہلے فارس کہہ کر وہ علاقہ مراد لیا جاتا تھا جو موجودہ ایران کے جنوب مغرب کی طرف واقع ہے اور خلیج فارس سے محدود ہے اس میں وہ علاقے بھی شامل تھے جو بعد میں ایرانی مقبوضات کے اہم ترین جزو قرار پائے۔ پاسارگاد اور پرسی پولس جیسے شہر بھی اسی علاقے میں شامل تھے یونانی اسے پارس کہتے تھے۔ عرب بعد میں فارس کہنے لگے۔

داریوش کے زمانے میں فارس محض ایک صوبہ تھا لیکن ہخا منشیوں کے دودمان کا مسکن ہونے کی وجہ سے اسے محترم گردانا گیا اور پوری سلطنت کو یہی نام دے دیا گیا۔ موجودہ زمانے میں رضا شاہ پہلوی کے عہد حکومت میں کلمۂ "ایران" کو ترجیح دی گئی جس کا دائرہ نفوذ زیادہ ہے۔ وجہ یہ تھی کہ ان دنوں حکومت کو یہ منظور تھا کہ ہخامنشی اور آریائی روایات عظمت کو اجاگر کیا جائے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے فارس کی سلطنت بھی ایتھنا کی طرح کسی معجزے کے نتیجے کے طور پر وجود میں آگئی

(ایتھنا کا مسلح ہونا بھی مسلم ہے) کوروش سے پہلے فارس کی تاریخ ضمیات اور روایات کا پریشان کن امتزاج ہے۔ پچھلے سالوں میں البتہ ''آثار قدیمہ'' کے انکشافات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس ملک کی ثقافتی تاریخ کی اہمیت کیا تھی۔

اگر چہ اس بارے میں ہماری معلومات ناقص ہیں لیکن بہر حال ایران قدیم کی ایک تصویر ضرور آنکھوں کے سامنے اُبھرتی ہے۔

آثار قدیمہ کی شہادت دو قسم کی ہے:

(۱) ظروف

(۲) چکنی مٹی کی تختیوں پر وہ تحریریں جو خط میخی میں لکھی گئی ہیں۔

مقدم الذکر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ چار ہزار سال قبل مسیح سے پہلے بھی پرسی پالس (اصطخر) میں ایک قدیم تہذیب قائم تھی اس کے حلقے میں جو جو نقوش ہم تک پہنچے ہیں وہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ عہد حجری (متاخر) سے متعلق تھی لیکن بتدریج عصر برنجی کی تہذیب میں تبدیل ہو گئی اور شام کے ساحلوں سے لے کر سندھ تک پھیل گئی۔ اس تہذیب میں مختلف عناصر گھل مل کر شیر و شکر ہو گئے تھے۔

مؤخر الذکر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ایرانی ثقافت کا سیاسی اور نسلی پس منظر کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جن علاقوں سے یہ تہذیب مربوط تھی ان میں اناطولیہ سے لے کر ایران کی سطح مرتفع تک شامل تھے۔ دوسری طرف جنوب میں سیراب وادیاں اور میدان تھے۔ یہ علاقے صحرائے شام اور عراق تک چلے گئے تھے۔

ایران اصلاً سطح مرتفع کے علاقوں سے متعلق ہے لیکن اس کے روابط وادیوں اور میدانوں سے بھی قائم تھے۔ عیلام، جس کا دارالخلافہ ''سوسا'' یا ''شوش'' تھا۔ دراصل عراق کے میدانوں کا ایک جزو ہے جو سطح مرتفع میں داخل ہوتا چلا گیا ہے۔ ان دنوں پہاڑی علاقوں پر آریاؤں کا یا ہندی اروپائی نسل کا قبضہ تھا۔

پچھلے تیس سالوں میں جو اثری انکشافات ہوئے ہیں اور جن کی ابتداء ''سوسا'' کی کھدائی سے ہوئی ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑی علاقوں میں جو تہذیب قائم تھی وہ ''ہند و اروپائی'' نہ تھی۔

مستند شہادت کی عدم موجودگی میں یہ قیاس آرائی کرنا کہ اس تہذیب کے موسس نسلاً کون تھے بے ثمر ہے تاہم ان لوگوں کو سردست کا کیشین یا خزری کہا گیا ہے۔'' (ملخصاً)

(میراث ایران) از جناب پروفیسر اے جے آربری صاحب
اردو ترجمہ سید عابد علی عابد صاحب باب اول بعنوان ''ایران اور دنیائے قدیم''
بر صفحات نمبر ۳ نمبر ۴

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''پہاڑی علاقوں اور سمیر کے دلدلی میدانوں میں جو ثقافتی مشابہتیں پائی جاتی ہیں ان پر ہمیں تعجب نہ ہونا چاہیے پہاڑوں میں دھاتیں دستیاب ہوتی تھیں اور میدانوں کے رہنے والے جو عمرانی طور پر زیادہ ارتقاء یافتہ تھے انہیں استعمال کرتے تھے اور یوں تجارت کا بازار گرم رہتا تھا۔

ایران سمیر سے سو ۱۰۰ میل کے فاصلے پر ہے گویا اسے سمیر کا ایک صوبہ کہنا چاہیے۔ ایشیا کے معبر ارضی یعنی ایران سے لے کر ان زرخیز علاقوں تک جنہیں اصطلاحاً ہلال زرخیز کہتے ہیں۔ لوگوں کے باہمی ثقافتی اور تجارتی روابط اتنے گہرے تھے کہ شام کے ساحلی علاقوں میں وہاں کے میدانوں میں اور پھر عراق، ایران اور سندھ کے ساحلی علاقوں میں جو ظروف برآمد کیے گئے ہیں ان میں حیرت انگیز مشابہت پائی جاتی ہے۔

نینوا، سامرہ، تل حلاف، العبید، عرٗوق اور جمدیت نصر کے ظروف کا یہی عالم ہے۔ ان مختلف علاقوں میں آباد نسلوں کے تنوع سے قطع نظر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسل و رسائل کے ذرائع طبعی تھے انہیں کی بدولت ثقافتی تحریکات بھی منتشر ہوتی تھیں۔''

(ایضاً) باب اول اردو ترجمہ صفحہ ۴ صفحہ ۵

ایران کے تجارتی راستے:

جناب پروفیسر اے جے آربری صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''تجارتی راستے جنوب میں ہندوستان اور مشرق میں چین

تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان تمام کا نقطہ اتصال ایران تھا۔ چار ہزار سال قبل مسیح سے لے کر ہزار سال قبل مسیح تک ایرانی تہذیب نے فنون لطیفہ کے جو نمونے تخلیق کئے ہیں ان میں سب سے پہلے ان حسین منقش ظروف کا ذکر کرنا چاہیے جو پہلے ہمیں ''سوسا'' میں ملے اور جواب تک اسی شہر کی نسبت سے معروف ہیں۔ صنعت گری کے اعتبار سے یہ ظروف دنیا کے بہترین ظروف کا مقابلہ کرتے ہیں پھر بے شمار مہریں اور ٹھپے ہیں جن میں اسطوانی مہر کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

دو ہزار سال قبل مسیح میں فنکاروں نے حیوانی اور ہیبت ناک انسانی شکلیں بنانے میں برنج کا استعمال کیا۔

یہ تخلیقی نمونے آج کل لرستانی برنج کہلاتے ہیں۔

(اصطخر) میں عہد حجری (متاخر) کا جو گاؤں موجود ہے وہاں اشکال حجری پر ''سواستیکا'' کا نشان ملتا ہے۔ غالباً یہ علامت پہلی بار یہیں استعمال کی گئی اگرچہ مقدر تھا کہ بعد میں اسے یوں استعمال کیا جائے کہ بدنام ہو کر رہ جائے۔ ایران کے پہاڑی علاقوں میں اور بھی چیزیں پائی گئی ہیں۔

مثلاً: بیل کے سر کے سامنے کے رخ کی تصویر جو ایران قدیم میں آرائش کا ایک اہم جزو تصور کی جاتی تھی اس کے علاوہ خط عیلامی کے نمونے بھی ملے ہیں (جو اصلاً تصویریں ہیں۲)

معلوم ہوتا ہے کہ اس سطح مرتفع کے باشندے شروع ہی سے فنون آرائش کی طرف متوجہ رہے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس خطے کے مغربی جانب اور ایران کی وادیوں میں سب سے پہلے گندم کی کاشت کی گئی ہو اور یوں مغربی یا آریائی نسلوں کو یعنی ہم کو زندگی کا ایک اساسی جزو مہیا کیا گیا ہو۔'' (ملخصا)

(میراث ایران) از جناب پروفیسر اے جے آربری صاحب
اردو ترجمہ سید عابد علی عابد صاحب باب اول صفحہ ۵ صفحہ ۶
(بشکریہ)

ہم انہیں سطور پر باب ۲ کو ختم کرتے ہیں اس سلسلہ کے دیگر عناوین کیلئے باب ۳ ملاحظہ فرمایئے۔ [نعمانی]

باب ۳

ایران کی قدیم شہنشاہیاں، اُن کے اَدوار اور دیگر اقوام و ملل کے ساتھ آویزش

عہد اسلام سے قبل ایران کی قدیم شہنشاہیوں اور ان کے ادوار نیز ان کی دیگر اقوام اور ملل کے ساتھ آویزش کا ذکر نہایت اہم، ضروری اور ناگزیر ہے تا کہ قارئین کرام ایران کی قدیم تاریخ کو عہد اسلام کی مسلم تہذیب و تمدن نیز ثقافت و کلچر کو ممیز کر سکیں کہ قدیم ایران کی تہذیب و تمدن و ثقافت و کلچر نیز مذاہب و ملل کے ثمرات و نتائج کیا تھے؟

اور نفوذ اسلام کے بعد ایران کی تہذیب و تمدن و ثقافت و کلچر نیز دینی و علمی سطح پر علم و حکمت و تصوف و سلوک کے سوتے کیوں کر پھوٹے کہ جن کے باوصف خود سر زمین ایران کے مختلف خطوں میں بڑے بڑے آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ اور مجتہد صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس اور پاکیزہ نفوس صدیوں در صدیوں اس عالم آب و گل میں جنم لیتے چلے آئے تا آنکہ ہم یہ مشاہدہ کر سکیں کہ جوں ہی مسلم آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ اور صوفیائے عظام رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چھڑا معاسر زمین ایران کی مسلم عظمت رفتہ کے تہذیب و تمدن و ثقافت و کلچر کے انمٹ نقوش نہاں خانہ قلب و دماغ میں گویا پھر سے نمایاں ہوتے چلے جاتے ہیں تو آیئے ہم اصل موضوع کی جانب اپنی توجہات کو مبذول کرنے سے قبل قدیم ایران کے قیامت خیز انقلابی ادوار کا تفصیلی و اجمالی مؤثر جائزہ لیتے ہیں!

ایران کی قدیم شہنشاہیاں اور ان کے اَدوار
(قدیم سلطنتوں کے اَدوار)

۱۔ مادی سلطنت:

جناب ولیم ایل لینگر صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''مادی سلطنت کا آغاز ۸۳۵ ق۔م میں ہوا اور یہ ۷۰۵ ق۔م تک جاری رہی پھر مادہ آشوریوں کے زیر اثر آ گیا۔ ۶۲۵ ق۔م میں دوبارہ مادی سلطنت نے سنبھال لیا اور بابلیوں کے ساتھ مل کر نینوئی کو تباہ کیا۔''

(انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم)

تاریخ عمومی جلد دوئم

از جناب ولیم ایل لینگر صاحب

جناب پروفیسر امرت لعل عشرت صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''ایرانی آریوں میں سب سے پہلی شاندار حکومت ساتویں صدی ق۔م کے آغاز میں مادلوگوں نے قائم کی۔ یہ لوگ مغربی ایران سے اُٹھے تھے اور ان کی راجدھانی ہگمتانہ (ماڈرن ہمدان) تھی ان کا سب سے بڑا شجاع اور دانشمند سردار ''دیااکو'' تھا جس نے چھوٹے چھوٹے سرداروں کو متحد کر کے ایک وسیع سلطنت کی بنیاد رکھی۔''

(ایران صدیوں کے آئینے میں) از جناب پروفیسر امرت لعل عشرت صاحب

فصل اول، تحتی عنوان (زمانہ ماد) صفحہ ۳ صفحہ ۴

بقول ہیروڈوٹس ہووخ شتر کے بعد اس کا فرزند 'اژدھاک' یا 'آری دھاک' ۵۸۴ ق۔م سے ۵۵۰ ق۔م تک حکمران رہا۔ اس شہنشاہ کے زمانہ میں اس سلطنت کے اقبال کا سورج غروب ہو گیا۔

۲۔ ہخامنشی سلطنت:

جناب ولیم ایل لینگر صاحب رقمطراز ہیں کہ:

''ہخامنشی سلطنت کا آغاز سائرس اعظم سے ہوا جس نے ۵۵۰ ق۔م میں مادی بادشاہ استیاگس کو معزول کیا۔ ۵۴۶ ق۔م میں لیڈیا کو فتح کیا ۵۳۸ ق۔م میں بابل کو اس کے بعد مشرقی سمت میں اپنی سلطنت دریائے سندھ تک بڑھالی۔ ایشیا میں یہ پہلی بڑی شہنشاہی کا سراغ نہیں ملتا۔ ۵۳۰ ق۔م میں سائرس ترکستانی قبیلوں سے لڑتا ہوا میدان جنگ میں مارا گیا۔''

(انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم) جلد دوم از جناب ولیم ایل لینگر صاحب

(بشکریہ)! تاریخ عمومی بعنوان (ہخامنشی سلطنت) صفحہ ۴۷

○ عہد پارسی:

جناب پروفیسر امرت لعل عشرت صاحب بعنوان (عہد پارسی) خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''ایران کی تاریخ میں اہل پارس کا بروئے اقتدار آنا ایک اہم واقعہ ہے پارسیوں نے یونان کے کچھ علاقوں کو چھوڑ کر باقی تقریباً تمام دنیائے قدیم کو اپنے زیر تسلط کیا اور اپنے زوال کے بعد بھی تاریخ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوئے۔

مملکت گیری اور جہاں بانی میں یہ لوگ یکتائے روزگار تھے۔ عروج سے زوال اور زوال سے عروج ہمیشہ ان کا مقدر رہا لیکن زمانہ ان کا نقش بہت دیر تک صفحہ روزگار سے محو نہیں کرسکا چنانچہ آج بھی جریدہ عالم پر ان کا اِسم یاد دوام ثبت ہے۔

ایران کی تاریخ میں اہل پارس کی اہمیت کا اندازہ فقط اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ لفظ فارس یا پارس یا فرس پرس مختلف زبانوں میں عہد قدیم سے ہی لفظ ''ایران'' کا نعم البدل رہا ہے اور ایران کے اسی صوبے کے نام پر تمام ملک کو فارس پکارتے رہے ہیں۔ اسی فارس کی زبان تھی جو فارس کی زبان بنی اور ایک یائے نسبتی کے اضافے سے فارسی کہلائی۔

اس لحاظ سے اہل پارس کا مقابلہ انگلستان کے انگلیز قبائل سے کیا جاسکتا ہے یہ قبیلے سیکسن قبائل سے تعداد میں بہت کم تھے لیکن ان کی سیاسی اور اجتماعی اہمیت کے پیش نظر ملک کا نام انگلینڈ پڑ گیا یعنی ''انگلیز کی سرزمین'' اور انہیں قبائل کی نسبت سے ملک کی زبان انگلش کہلائی۔''

(ایران صدیوں کے آئینے میں) از جناب پروفیسر امرت لعل عشرت صاحب
فصل اول بعنوان (عہد پارسی) صفحہ ۵ صفحہ ۶

آگے بعنوان ہخامنشی خاندان رقمطراز ہیں کہ:

''قدیم سیاح ''ہیروڈوٹس'' کے قول کے مطابق اہل پارس چھ شہری اور دیہاتی طائفوں اور چار چادر نشین دستوں میں منقسم تھے ان میں سے پاسر گادی گروہ نے بہت ترقی کی اور اپنے ایک نامی سردار ہخامنشی کی

قیادت میں ولایت شوش (جس کو انشان یا اتران کہتے ہیں) کو فتح کر لیا۔
اس سردار کے جانشین چش پلیش نے شاہ انشان کا لقب اختیار کیا اور سرزمین پارس پر متصرف ہو گیا بادشاہ کو ایک قریبی رشتہ دار ''آریارمنا'' (جس نے پارس پر ۶۴۰ سے ۵۹۰ ق۔م تک حکومت کی) کے عہد کی ایک لوح زریں ہمدان میں کشف ہوئی ہے جس پر خط میخی کی ایک تحریر موجود ہے۔ خط میخی کے آثار میں اس تحریر کو قدیم ترین خیال کیا جاتا ہے۔''

(ایران صدیوں کے آئینے میں) فصل اول
ص ۱۶!

○ ہخامنشی خاندان کی دو شاخیں:

ہخامنشی خاندان کی دو شاخیں بہت دیر تک جدا جدا پارس اور شوش میں حکومت کرتی رہیں لیکن کمبوجیہ اول نے جب ''شاہ ماداز دھاک'' کی بیٹی سے عقد کر کے اپنا اقتدار بڑھا لیا تو رفتہ رفتہ پارس اور شوش کی دونوں حکومتیں اس کے زیر نگیں ہو گئیں۔ ماد اور پارس کے وصل سے ''کوروش بزرگ'' پیدا ہوا جو ۵۵۹ ق۔م میں اپنے ماں باپ کا جانشین بن کر تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔

○ ہخامنشی سلاطین:

(i) کوروش بزرگ:

زمانہ (۵۵۹ ق۔م سے ۵۲۹ ق۔م تک)
کوروش بزرگ ہی وہ شہنشاہ ہے کہ جس نے مملکت ماد پر قبضہ کیا تھا۔ یہ نہایت کامیاب اور فاتح حکمران تھا۔

(ii) داریوش بزرگ:

زمانہ (۵۲۲ ق۔م سے ۴۸۶ ق۔م تک)
''شمالی حملہ آور اقوام کو بھگانے کے بعد اس نے یورپ میں ترکیہ اور مقدونیہ کو مطیع کیا۔ مشرق میں اس نے پنجاب اور درہ سندھ کو بھی ایران میں ملا لیا۔

اسی شاہ کے دورِ حکومت میں دریائے نیل اور بحر احمر کو ملانے کے لئے ایک نہر تعمیر کی گئی اور اس طرح دریائے سندھ سے لے کر بحیرہ احمر تک تجارت کے لئے ایک اہم دریائی راستہ کھل گیا۔

داریوش بزرگ نے مفتوحہ ممالک کے نظم ونسق، ان کی ترقی، باہمی ارتباطات اور بہت سی شاہراہوں کی تعمیر وایجاد میں زائد الوصف کوششیں کیں۔

وہ حب الوطنی کے جذبے سے سرشار تھا۔ شوش اور قصر جمشید میں اس کے تخت آج بھی اس کی شان وشوکت کے افسانے دہرا رہے ہیں۔ کوہ بے ستون کے کتبے اس کی عظمت، علو افکار اور کامیابیوں کے بہترین مظاہر ہیں۔''

(ایران صدیوں کی تاریخ کے آئینے میں) فصل اول

صفحہ ۷ صفحہ ۸

(iii) خشایار شاہ:

یہ داریوش بزرگ کا فرزند تھا۔ یہی وہ شاہ ہے کہ جسنے یونان میں اہل یونان کی مرکزی حکومت پر حملہ کیا اور اہل ایتھنز کو سخت عبرتناک سزائیں دیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے ایرانی باغیوں کو پناہ دے رکھی تھی۔

(iv) اردشیر اول:

''یہ خشایار شاہ کا فرزند تھا۔ اردشیر اول کے زمانے میں ایران ویونان کے ثقافتی روابط میں بہت ترقی ہوئی۔ یونانی عالموں اور محققوں نے سرزمین ایران میں اقامت پذیر ہو کر ایران کے ادبی، علمی اور ہنری ذخیروں سے بہت استفادہ کیا اور مشرقی علوم اور تاریخ مذاہب میں تحقیق وتجسس کے بعد اپنی کتابوں میں ان موضوعات کو بہت تفصیل سے بیان کیا۔

مشہور یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس نے اپنی شہرہ آفاق تاریخ اسی عصر میں لکھی اور مشرقی محققین کی تحقیق سے بہت مستفید ہوا۔

اردشیر اول کے بعد تین ہخامنشی شہریار تخت نشین ہوئے۔ ان میں سے اردشیر سوم کے زمانے میں یعنی ۳۵۸ ق۔م میں ایران کی عظمت ایک بار پھر داریوش بزرگ کے عہد سلطنت کی یاد تازہ کرنے لگی۔ اردشیر سوم کا جانشین داریوش سوم ہے جو ۳۳۶ ق۔م میں تخت نشین ہوا۔

اسی بادشاہ کے زمانے میں اسکندر مقدونی نے ایران پر حملہ کیا اور ۳۳۱ ق۔م میں تختِ جمشید کے مشہور عالم ایوانوں کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اس بے مثال ام البلاد کو نذر آتش کر دیا۔ شاید متمدن دنیائے قدیم کا یہ افسوسناک ترین حادثہ تھا۔

ماڈرن شیراز سے پچاس کلومیٹر کی دوری پر اس عروس البلاد کے میلوں تک پھیلے ہوئے ایوان آتشکدے اور تالاء آپادانا کے ٹوٹے پھوٹے آثار اب بھی اسکندر کی وحشی گری اور بربریت کی داستانیں سنا رہے ہیں۔

یونانی جنہیں ہمیشہ سے دنیا کی مہذب ترین قوم ہونے کا فخر حاصل رہا ہے۔ تختِ جمشید کی ویرانی کے پردے میں ایک ایسی یادگار چھوڑ گئے ہیں جو سدا ان کی حیوانیت اور سفاکی کی یاد دلاتی رہے گی۔

۳۳۰ ق۔م سے یونانیوں کے ہاتھوں داریوش سوم کے قتل کے بعد سلسلہ ہخا منشی منقطع ہوگیا۔"

(ایران صدیوں کی تاریخ کے آئینے میں) از جناب پروفیسر امرت لعل عشرت صاحب فصل اول صفحہ ۸ تا صفحہ ۹ (بشکریہ)

۳۔ سلوکی عہد سلطنت:

زمانہ (۳۲۳ ق۔م سے ۲۵۰ ق۔م تک)

"تصرف ایران کے آٹھ سال بعد ۳۲۳ ق۔م میں بابل کے مقام پر اسکندر کا انتقال ہوگیا اور اس کے سرداروں میں سے ایک نامی سردار سلوکس نے اپنے یونانی رقیبوں سے ایک مدت تک جنگ وجدال کرنے کے بعد ایران کو اپنے زیرنگیں کرلیا۔

سلوکس نے دریائے دجلہ کے کنارے ایک نیا شہر سلوکیہ آباد کیا اور اسی شہر کو اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ اس کے جانشینوں نے لگ بھگ اسی (80) سال ایران کو اپنے تابع رکھا اور بعد میں دریائے روم کے کنارے انطاکیہ کو اپنا دارالخلافہ بنالیا۔ اسی خاندان کے دور میں مملکت باختر وجود میں آئی جو دریائے جیحوں کے جنوب میں اور موجودہ افغانستان کے شمالی علاقے میں واقع تھی۔

اسکندر نے شمالی قبائل کے حملوں کی روک تھام کے لئے تقریباً بیس ہزار سپاہی مذکورہ سرحد پر تعینات کر رکھے تھے۔

سلوکیوں کے زمانہ ضعف میں ان لوگوں نے دیوڈوٹس کی قیادت میں اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا۔ دیوڈوٹس کے جانشین نے ۲۲۵ ق۔م میں شاہ باختر کا لقب اختیار کیا تھا ارشکانیوں کے ساتھ میل جول بڑھایا۔

یہ حکومت تقریباً سو سال تک قائم رہی اور یونانی کلچر کو ہندوستان اور سنٹرل ایشیا میں پھیلانے میں بہت مؤثر ثابت ہوئی۔"

(ایران صدیوں کی تاریخ کے آئینے میں) فصل اول۔ صفحہ ۹

۴۔ اشکانی عہد سلطنت:

زمانہ (۲۵۰ق۔م سے ۲۲۶ق۔م تک)

''دریائے مازندران، سیستان اور صحرائے ترکستان کے درمیانی علاقوں میں آریوں کی ایک شاخ پارتھ یا پارت سکونت پذیر تھی جس کے افراد نے ۲۵۰ق۔م میں ارشک نامی سردار کی رہبری میں سلوکیوں کی اطاعت سے منہ پھیر لیا اور اپنے طویل وعریض مسکن میں سلسلہ اشکانی کی اساس رکھی۔ اسی سردار کے بھائی میرداد نے شاہ کا لقب اختیار کر کے اپنا پایہ تخت شہر صد دروازہ مقرر کیا اور بعد میں اقتدار حاصل کر کے پہلے ہمدان اور اس کے بعد تیسفون کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔''

مہرداد اول:

زمانہ (۱۳۸ق۔م سے ۱۷۱ق۔م تک)

''اس خاندان کا چھٹا بادشاہ مہرداد اول شجاعت، فضیلت اور انصاف پروری کے لحاظ سے کوروش بزرگ کا ثانی تھا۔ اس نے حدود ایران کو ہرات سے فرات تک وسعت دی اور شہنشاہ کہلایا۔

ایران میں مقیم یونانیوں کی خوشنودی کے لئے اس نے اپنے سکوں پر اپنے نام کے ساتھ دوستدار یونان لکھا۔ اس شاہ کے فرزند فرہاد نے ۱۲۹ق۔م میں سلوکیوں کے ساتویں حکمران 'آنیتوکس' کو شکست دے کر سلسلہ سلوکی کا ایران میں خاتمہ کر دیا۔''

مہرداد دوم:

زمانہ (۸۸ق۔م سے ۱۲۳ق۔م تک)

''اس شاہ کے زمانے میں آریوں کا ایک ''ساکا'' نامی گروہ اقوامِ زرد پوست سے شکست کھا کر ماوراء النہر سے خراسان اور موجودہ سیستان میں وارد ہوا۔

اشکانی حکمرانوں نے ان لوگوں کو اپنے حلقہ اطاعت میں لانے کی کوشش کی اور اس کشت وکشتار میں دو اشکانی شاہ مارے گئے آخر ۱۲۳ق۔م کے لگ بھگ مہرداد دوم نے ''ساکا'' لوگوں کو کسی حد تک مغلوب کر لیا۔

آریوں کا ایک دستہ ''کشاں'' اسی شاہ کے زمانہ سلطنت میں باختر اور جدید افغانستان کی یونانی سلطنت پر حملہ آور ہوا اور کامیابی سے دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں پر قابض ہو گیا بعد میں ان لوگوں نے ہندوستان میں ایک عظیم الشان حکومت کی بنیاد

رکھی۔

مہرداد دوم کے عہد سلطنت میں ہی چین کے شہنشاہ نے ۱۱۵ ق۔م میں ایرانی دربار میں اپنے سفیر بھیجے اور حکومت ایران سے تجارتی معاہدے کیے۔ ۹۲ ق۔م تک رومی سلطنت ایرانی حدود کے قریب تک آ پہنچی چنانچہ مہرداد دوم کے زمانے سے دونوں مملکتوں میں تنازعہ شروع ہو گیا اور ان کا باہمی نزاع رفتہ رفتہ سارے عالم قدیم کے لئے ایک اہم مسئلہ بن گیا۔"

(ایران صدیوں کی تاریخ کے آئینے میں) از جناب پروفیسر امرت لعل عشرت صاحب فصل اول صفحہ ۱۰ صفحہ ۱۱

۵۔ ایران و روم کے مابین آویزش:

زمانہ آغاز (۵۳ ق۔م)

"ایران اور روم میں باقاعدہ جنگ (۵۳ ق۔م) میں شروع ہوئی رومی سلطنت نے اپنی امپیریل پالیسی کے تحت ایک جرار لشکر رومی جرنیل کراسس کی کمانداری میں ایران، ہندوستان اور ایشیائے کوچک کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ ایرانی سپہبد سورن کے گھڑ سواروں نے رومیوں کو شمالی بین النہرین میں شکست فاش دی رومی جرنیل مارا گیا اور رومی لشکر منتشر ہو گیا۔

چند سال بعد فرہاد چہارم کے دور فرماں روائی میں رومی حکمران اسٹیو نے ایران سے دوستانہ تعلق قائم کر لئے جو تقریباً سو سال تک استوار رہے۔"

(ایران صدیوں کی تاریخ کے آئینے میں) فصل اول صفحہ ۱۱ بشکریہ!

ساسانی عہد سلطنت:

زمانہ (۲۲۶ ق۔م سے ۶۵۰ ق۔م تک)

"ساسان کی اولاد میں سے "پاپک" نامی سردار کو ۲۰۸ء میں فارس کا ناظم بنایا گیا تھا اس سردار کے دوسرے بیٹے اردشیر نے شاہ اشکانی اردوان پنجم سے منحرف ہو کر علم بغاوت بلند کیا اور خوزستان کے دشت ہرمزدگان میں تین زبردست لڑائیوں کے بعد شاہ اشکانی کو مقتول و مغلوب کر کے تیسفون پر تصرف کر لیا۔ ۲۲۶ء میں شاہانہ تاج گزاری کے بعد تمام مدعیان سلطنت کا قلع قمع کر کے اردشیر پاپکان ہرات سے فرات تک کا شاہ بن گیا۔

اس ساسانی بادشاہ نے اپنے زمانہ حکومت میں ایک لشکر جرار تیار کر کے چھوٹے چھوٹے سرداروں کو مطیع کیا اور اس طرح امور مملکت کو مرکزیت بخشی۔ بین النہرین کے شمال میں کارہ اور نصیبین کے قلعے رومیوں سے چھین کر ایرانی سپہبدوں کے حوالے کئے گئے اور نظام حکومت

کو مستحکم کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی۔"

(ایران صدیوں کے آئینے میں) از جناب پروفیسر امرت لعل عشرت صاحب
— فصل اول صفحہ ۱۳

ساسانی عہد حکومت کے مزید حالات آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیجیے!

۶۔ ساسانی عہد سلطنت پر طائرانہ نگاہ

زمانہ (۲۲۶ ق۔م سے ۶۵۰ ق۔م تک)

		(سنین بمطابق میلادعیسوی)
۱۔ پاپک: فارس کے ایک حصے میں حکومت رکھتا تھا۔		
۲۔ شاپور: فارس کا حاکم	ـــــــــــــ	۲۱۱۔۲۱۲ میلادعیسوی
۳۔ اردشیر اول پاپکان: فارس کا حکمران	ـــــــــــ	۲۱۲۔۲۲۶ میلادعیسوی
i	اردوان پنجم سے جنگ اور آخری شاہ اشکانی کا قتل ـــــــــــ	۲۲۴۔۲۲۶ میلادعیسوی
ii	شاہنشاہی ـــــــــــ	۲۲۶۔۲۴۱ میلادعیسوی
iii	روم سے جنگ ـــــــــــ	۲۲۸۔۲۳۲ میلادعیسوی
۴۔ شاہ پور اول: مدت سلطنت	ـــــــــــ	۲۴۱۔۲۷۱ میلادعیسوی
i	روم سے پہلی جنگ ـــــــــــ	۲۴۱۔۲۴۴ میلادعیسوی
ii	روم سے دوسری جنگ شہنشاہ روم ـــ والدین کی گرفتاری ـــــــــــ	۲۵۸۔۲۶۰ میلادعیسوی
iii	مانی مذہب کی تبلیغ ـــــــــــ	۲۴۲ میلادعیسوی
۵۔	ہرمزاول: مدت سلطنت ـــــــــــ	۲۷۱۔۲۷۲ میلادعیسوی
۶۔	بہرام اول: مدت سلطنت ـــــــــــ	۲۷۲۔۲۷۵ میلادعیسوی
۷۔	بہرام دوم: مدت سلطنت ـــــــــــ	۲۷۵۔۲۸۲ میلادعیسوی
۸۔	بہرام سوم: چار مہینے کی حکومت ـــــــــــ	۲۸۲ میلادعیسوی
۹۔	نرسی: مدت سلطنت ـــــــــــ	۲۸۲۔۳۰۱ میلادعیسوی
(i)	سالار روم کا بروس کی شکست ـــــــــــ	۲۹۶ میلادعیسوی
ii	روم سے دوسری جنگ۔ پانچ صوبے تصرف سے نکل گئے ـــــــــــ	۲۹۷ میلادعیسوی
۱۰۔	ہرمزدوم: مدت سلطنت ـــــــــــ	۳۰۱۔۳۱۰ میلادعیسوی

i عربوں کے ساتھ جنگ میں مارا گیا

II۔ آذرنرسی شاہ پور دوم ذوالاکتاف: مدت سلطنت ۳۱۰۔۳۷۹ میلادعیسوی

i روم سے پہلی جنگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۳۸۔۳۵۰ میلادعیسوی

ii ہونوں سے جنگ اور فتح۔۔۔۔۔۔۔ ۳۵۰۔۳۵۷ میلادعیسوی

iii روم سے دوسری جنگ اور فتح ایران۔۔ ۳۵۹۔۳۶۳ میلادعیسوی

iv رومیوں سے صلح اور پانچ صوبوں کی

واپسی جوزسی کے عہد سلطنت میں چھن گئے تھے۔۳۶۳۔ میلادعیسوی

v ارمنستان اور گرجستان کے بارے میں

روم سے جنگ اور معاہدہ عدم مخالفت۔۔ ۳۷۶۔ میلادعیسوی

۱۲۔ اردشیر دوم نیکوکردار: مدت سلطنت۔۔۔ ۳۷۹۔۳۸۲ میلادعیسوی

۱۳۔ شاہ پور سوم: مدت سلطنت۔۔۔۔۔۔۔ ۳۸۲۔۳۸۸ میلادعیسوی

i ایران اور روم میں ارمنستان کی تقسیم۔۔ ۳۸۴۔۳۹۰ میلادعیسوی

۱۴۔ بہرام چہارم: اس کا لقب کرمانشاہ تھا

مدت سلطنت۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۸۸۔۳۹۹ میلادعیسوی

۱۵۔ یزدگرد اول بزہ کار (گناہگار)

مدت سلطنت۔۔۔۔۔۔۔۔ ۳۹۹۔۴۲۰ میلادعیسوی

i شہنشاہ روم آرکادیوس نے اپنے ولی عہد

تھیوس کو اس کی سرپرستی میں دیا۔

۱۶۔ بہرام گور پنجم: مدت سلطنت۔۔۔۔۔۔ ۴۲۰۔۴۳۸ میلادعیسوی

(i) ہار جیت کے بغیر بیزانس کے ساتھ جنگ ۴۲۱۔ میلادعیسوی

(ii) روم کے ساتھ عہدنامہ صلح

(iii) ہیاطلہ سے جنگ اور ان کی شکست۔ ۴۲۵۔ میلادعیسوی

۱۷۔ یزدگرد دوم: مدت سلطنت۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۳۸۔۴۵۲ میلادعیسوی

۱۸۔ ہرمز سوم: مدت سلطنت۔۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۷۔۴۵۹ میلادعیسوی

۱۹۔ فیروز اول: مدت سلطنت۔۔۔۔۔۔۔ ۴۵۹۔۴۸۳ میلادعیسوی

ہیاطلہ سے جنگ میں مارا گیا

۲۰۔ بلاش: ہیاطلہ سے صلح ارمنستان اور گرجستان

کا سرکاری مذہب عیسائی مانا گیا

مدت سلطنت ---------------- ۴۸۳-۴۸۷

۲۱۔ قباد اول: مدت سلطنت ---------- ۴۸۷-۴۹۸ میلادعیسوی

(i) پہلی مرتبہ مزدک کا ظہور

(ii) قباد کی برطرفی قید خانے سے فرار

ہیاطلہ کے پاس پناہ گزین

۲۲۔ جاماسب: مدت سلطنت ---------- ۴۹۸-۵۰۲ میلادعیسوی

۲۳۔ قباد اول: مدت سلطنت دوسری مرتبہ ۵۰۱-۵۳۱ میلادعیسوی

(i) روم سے جنگ۔ (ii) دیار بکر کی فتح اور

بیزانس سے صلح ---------- ۵۰۳ میلادعیسوی

(iii) ہیاطلہ سے جنگ اور انکی شکست فاش ۵۰۳-۵۱۳ میلادعیسوی

(vi) شرقی روم سے دوسری جنگ (v) بیزانس نے

ہنوں کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ عہد نامہ استاتو کو

یعنی جنگ سے پہلے ہی طرفین واپس ہو گئے ۵۳۱ میلادعیسوی

۲۴۔ خسرو اول نوشیروان: مدت سلطنت ---------- ۵۳۱-۵۷۹ عیسوی

(i) مزدکیوں کی بربادی

(ii) سپاہ مالیات اور عدلیہ کی اصلاح

زراعت و تجارت کی ترویج اداروں کی نئی تقسیم اور اصلاح

(iii) جندیشاپور میں مدرسہ طب کا قیام

(iv) ترجمہ کتب فلسفہ یونان

کلیلہ و دمنہ

(V) شرقی روم سے معاہدہ صلح ---------- ۵۳۲ عیسوی

(vi) روم شرقی سے پہلی جنگ روم جنگ کے

تاوان کی ادائیگی کے لئے رضامند ہوا ---------- ۵۳۹-۵۴۰ میلادعیسوی

(vii) لازیکا کے بارے میں روم سے دوسری جنگ

(viii) بیزانس سے مقاطعہ جنگ

(ix) روم کے ساتھ پنجاہ سالہ صلح

(X) ہر سال روم ایک مقررہ رقم شاہ ایران کو

ادا کرے ---------- ۵۴۲-۵۵۷ عیسوی

(xi) ہیاطلہ سے جنگ اور ماوراء سیحون، ترکوں
اور ایرانیوں میں ان کی مملکت کی تقسیم ---- ۵۵۷ عیسوی

(xii) یمن کی طرف جنگی سفر اور وہاں سے
حبشیوں کا اخراج ---------- ۵۷۰ عیسوی

(xiii) ترکوں سے جنگ خاقان ترکستان کی
پسپائی ---------- ۵۷۱ عیسوی

(xiv) بیزانس سے تیسری جنگ
وفات نوشیرواں ---------- ۵۷۲-۵۷۹ عیسوی

۲۵۔ ہرمز چہارم: مدت سلطنت ---------- ۵۷۹-۵۹۰ عیسوی

بیزانس سے جنگ

(i) ترکوں سے جنگ اور سالار ایران ---- ۵۷۹-۵۹۰ عیسوی

(ii) بہرام چوبیں سے ان کی شکست

(iii) خاقان ترکستان کا قتل

(iv) اس کے بیٹے کی گرفتاری

(v) ترک ایران کے باجگزار ہوئے۔

۲۶۔ خسرو پرویز دوم: مدت سلطنت ---------- ۵۹۰-۶۲۷ عیسوی

(i) بہرام چوبیں کی بغاوت

(ii) خسرو روم میں گیا اور بیزانس کی فوجوں کے ساتھ
ایران میں آیا

(iii) رومیوں سے جنگیں، ایشیائے کوچک،
شام، فلسطین اور مصر کی فتوحات ---- ۶۰۳-۶۱۷ عیسوی

(iv) صلیب مسیح ایران میں لائی گئی

(v) ہرقل قیصر بیزانس کی ایران کی طرف حرکت
اور اس کی فتوحات ---- ۶۲۲-۶۲۷ عیسوی

(vi) سالار ایران شاہین کی وساطت سے
قسطنطنیہ کا محاصرہ، شاہین کی وفات، ہرقل کا حملہ ۶۲۶-۶۲۷ عیسوی

(vii) خسرو کی برطرفی اور اس کا قتل ---- ۶۲۷-۶۲۸ عیسوی

۲۷۔ قباد دوم: مدت سلطنت ---------- ۶۲۷-۶۲۹ عیسوی

شیرویہ: صلیب مسیح جو بیت المقدس سے

لائے تھے وہ رومیوں کو واپس کردی۔۔۔۔ ۶۲۹۔عیسوی

۲۸۔ اردشیر سوم: خسرو سوم، جوانشیر مدت سلطنت ۶۲۹۔عیسوی

۲۹۔ پورادخت: (i) روم سے صلح

(ii) نصیبین پر ایرانیوں کا قبضہ۔۔۔۔۔۔۔ ۶۳۰۔عیسوی

۳۰۔ گشتاسب: آزرمیدخت، ہرمز پنجم،

خسرو چہارم، فیروز دوم، خسرو پنجم۔۔۔۔ ۶۳۱۔عیسوی

۳۱۔ یزدگرد سوم:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶۳۲۔۶۵۲عیسوی

(i) مسلمانوں سے سرحدی جنگیں۔۔۔۔ ۶۳۴۔۶۳۶عیسوی

(ii) جنگ قادسیہ

(iii) مسلمانوں کی مدائن پر فتح۔۔۔۔ ۶۳۶۔عیسوی

(iv) جنگ جلولا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶۳۸۔عیسوی

(v) یزدگرد نے فغفور چین سے مدد مانگی۔ ۶۳۸۔عیسوی

(vi) جنگ نہاوند۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶۴۲۔عیسوی

(vii) یزدگرد کا قتل اور حکومت ساسانی کا

خاتمہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۶۵۲۔عیسوی

باب تین سے متعلق مزید معلومات کے لئے ملاحظہ کیجیے:

کتابیات:

۱۔ ایران شناسی از جناب ڈاکٹر ظہور احمد صاحب شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج لاہور۔

۲۔ انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم۔ از جناب ولیم ایل لینگر صاحب

جلد دوم تاریخ عمومی بعنوان (ایرانِ دارا سوم تک) صفحہ ۷۰ تا صفحہ ۷۴

۳۔ ایران صدیوں کے آئینے میں، از جناب پروفیسر ڈاکٹر امرت لعل عشرت صاحب

ایم۔اے (پنجاب) ڈی لٹ (طہران) ۱۹۶۷ء

پروفیسر صدر شعبہ فارسی بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس نمبر ۵

۴۔ تاریخ ساسانیان از جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر صاحب پنجاب یونیورسٹی

۵۔ ایران بعہد ساسانیان ڈاکٹر دار مسٹیٹر فرنچ مستشرق اردو ترجمہ شائع کردہ انجمن ترقی

اردو۔

۶۔ قدیم یونان کی تاریخ کیلئے ملاحظہ کیجیے!

تاریخ یونان قدیم از جناب ایڈولف ہولم صاحب (حصہ اول تا حصہ چہارم)

۷۔ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد دوم از جناب ولیم ایل لینگر صاحب
تاریخ عمومی بعنوان: یونان (جانشینانِ سکندر تک) صفحہ ۸۴ تا صفحہ ۱۰۷
اردو ترجمہ مولانا غلام رسول مہر صاحب

The civilization of greece By .francois chamoux.

۸۔ ایران قدیم از حسن پیرینا وغیرہ وغیرہ

۹۔ مروج الذہب ومعادن الجوہر للمسعودی جلد۔ العنوان اصل الفرس صفحہ ۲۲۷ عربی ایڈیشن

۱۰۔ الاخبار الطوال از ابو حنیفہ الدینوری ملوک فارس کے حالات

باب ۴

ایران کی قدیم تاریخ اور قدیم مسلم مؤرخین کی آراء

گزشتہ باب ۳ میں ہم نے بعنوان ایران کی قدیم شہنشاہیاں اور ان کے ادوار اور ان کی دیگر اقوام سے آویزش ایران کی قدیم تاریخ کا عمومی طور پر جائزہ لیا ہے اب ہم باب ۴ میں مذکورہ بالا عنوان کے تحت ایران کی قدیم تاریخ اور اس کی ثقافت کے حوالہ سے مسلم مؤرخین کی آراء ہدیہ قارئین کریں گے۔

عباسی عہد کے مشہور مؤرخ علامہ احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح الکاتب العباسی معروف بہ یعقوبی (المتوفی ۲۸۴ھ بمطابق ۸۹۷ء) بعنوان (ایران کے بادشاہ) بادشاہوں کے احوال و آثار کے استناد و ثقافت پر بدیں الفاظ نقد و تبصرہ کرتے ہوئے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

غیر مستند تاریخی واقعات:

''ایران اپنے بادشاہوں کے لئے خلقت کے اضافے کے لئے ایسے بہت سے امور کا دعویٰ کرتا ہے کہ ان جیسے امور کو قبول نہیں کیا جا سکتا حتیٰ کہ ایک بادشاہ کے متعدد منہ اور آنکھیں ہو جاتیں ہیں اور دوسرے کا چہرہ تانبے کا ہوتا ہے اور تیسرے کے دونوں کندھوں پر دو سانپ ہوتے ہیں جو مردوں کا دماغ کھاتے ہیں اور عمر کی طوالت اور لوگوں سے موت کو دور کرنا اور اس قسم کی باتیں جنہیں عقل دھکے دیتی ہے اور انہیں کھیل اور مذاق سمجھتی ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور ہمیشہ ہی سے عجم کے اصحاب عقل و معرفت اور جنہیں بلندی حاصل ہے اور ان کے ملوک و رؤسا سے اُونچے گھرانے والے اور مؤرخین اور ادیب اس کی تصدیق نہیں کرتے اور نہ اسے صحیح قرار دیتے ہیں اور نہ وہ یہ بات

کہتے ہیں۔''

(i) (تاریخ الیعقوبی) جلد اول اردو ترجمہ صفحہ ۲۳۰

(ii) (الاخبار الطوال) از ابو حنیفہ الدینوری اردو ترجمہ بعنوان (ضحاک) صفحہ ۸۵ ضحاک کے واقعات کہ جو غیر مستند معلوم ہوتے ہیں۔

علامہ یعقوبی آگے رقمطراز ہیں کہ:

''اور ہم نے انہیں دیکھا ہے کہ وہ اردشیر بابکان سے ایران کی بادشاہت کا شمار کرتے ہیں۔ پس ان کے ہاں اردشیر سے قبل ان کی مملکت اولی اور پہلے بادشاہ یہ تھے:

شیومرث نے ستر سال اور اوشہنج فیشداد نے چالیس سال، طہمورث نے تیس سال، جمشید نے سات سو سال، الضحاک نے ایک ہزار سال، افریدون نے پانچ سو سال، منوچہر نے ایک سو بیس سال ترکوں کے بادشاہ افراسیاب نے ایک سو بیس سال، زوطہماسپ نے پانچ سال، کیقباد نے ایک سو سال، کیکاوس نے ایک سو بیس سال، کیخسرو نے ساٹھ سال، کیلہراسپ نے ایک سو بیس سال، کیشتاسپ نے ایک سو بارہ سال، کیاردشیر نے ایک سو بارہ سال، خمانی بنت چہرزاد نے تیس سال، دارا بن چہرزاد نے بارہ سال حکومت کی پھر اسکندر ذوالقرنین نے اسے قتل کر دیا اور ایران کی حکومت منتشر ہو گئی اور ملوک الطوائف کی حکومت ہو گئی اور ان کی حکومت بلخ تھی۔''

(تاریخ الیعقوبی) جلد اول اردو ترجمہ بعنوان ایران کے بادشاہ صفحہ ۲۳۰۔ صفحہ ۲۳۱

قدیم ایرانی سلاطین وشاہان کے انساب:

علامہ احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح الکاتب العباسی معروف بہ یعقوبی، قدیم ایرانی سلاطین وشاہان کے انساب کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

''نسابوں کا خیال ہے کہ وہ غاموزا ابن یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور یہ صابیوں کے دین پر تھے۔ شمس، قمر، آگ اور نجوم سبعہ کی تعظیم کرتے تھے اور مجوسی نہیں تھے بلکہ وہ صابیوں کے قوانین کے پابند تھے اور ان کی زبان سریانی تھی اسے بولتے اور اسے ہی لکھتے

تھے اور یہ سریانی کا رسم الخط ہے۔ (اصل کتاب میں یہ رسم الخط موجود نہیں ہے)

اور ان کے واقعات نے ہماری رائے کو ثابت کر دیا ہے۔ اکثر لوگ ان کا انکار کرتے ہیں اور انہیں برا خیال کرتے ہیں پس ہم نے انہیں ترک کر دیا ہے کیونکہ ہمارا طریق تمام بری باتوں کو حذف کرنا ہے۔"

(تاریخ الیعقوبی) جلد اول اردو ترجمہ بعنوان (ایران کے بادشاہ) صفحہ ۲۳۶

رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ المغربی (۷۳۲ھ۔۸۰۸ھ) بعنوان (فارس) کے تحت عنوان (کیانیہ) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"اہل فارس دنیا کے قدیم ترین گروہ سے ہیں یہ اپنے معاصرین سے قوت وشوکت میں بڑھے ہوئے تھے ان کی دو حکومتیں نہایت عظیم الشان تھیں ایک کا نام کیانیہ ہے"۔

تواریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا ابتدائی زمانہ اور آغاز زمانہ تبابعہ اور بنی اسرائیل کا ایک زمانہ تھا اور یہ تینوں حکومتیں ایک دوسرے کی ہم عصر تھیں یہ دولت کیانیہ وہی ہے جس پر سکندر غالب آیا تھا۔

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ صفحہ ۲۳۷ باب ۱۸ جدید ایڈیشن

آگے بعنوان (ساسانیہ) رقمطراز ہیں کہ:

"اور دوسری سلطنت کو ساسانیہ کسرویہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ملوک ساسانیہ حکومت روم کی (جو شام میں تھی) ہمعصر تھی اور اسی پر مسلمانوں نے قبضہ کیا تھا۔ ان دونوں حکومتوں سے پہلے اور جو حکومتیں تھیں ان کے حالات نہایت مختلف اور ایک دوسرے کے متعارض ہیں۔"

ایضاً صفحہ ۲۳۷ باب ۱۸

اہل فارس کے انساب:

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ المغربی بعنوان (اہل فارس کا نسب) رقمطراز ہیں کہ:

"بلا اختلاف محققین اہل انساب اسی امر کے قائل ہیں کہ اہل فارس سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان کا جد اعلیٰ جس پر ان کا

سلسلہ نسب منتہیٰ ہوتا ہے وہ فرس ہے اور وہ ایران ابن اشوز ابن سام ابن نوح علیہ السلام کے لڑکوں میں سے ہے اور زمین ایران کو عربی میں عراق کہتے ہیں۔

اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اہل فارس ایران بن ایران بن اشوذ اور بخیال بعض غنیم بن سام کی طرف نسبتاً منسوب ہیں اور توریت میں شاہ اہواز کا تذکرہ بنی غنیم کے ذکر میں آیا ہے اور اہواز بلاد فارس سے ہے۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ اہل فارس کا نسب لاوذ بن ارم بن سام اور بروایت بعض امیم بن لاوذ اور بخیال بعض یوسف بن یعقوب بن اسحاق علیہم السلام سے ملتا ہے۔ اس میں بھی یہ تفریق کرتے ہیں کہ صرف ساسانیہ اسحاق علیہ السلام کے لڑکوں میں سے ہیں اور وہ ترک کے نام سے مشہور کیے جاتے ہیں اور ان کا جد اعلیٰ منوشہر بن منشحر بن فریس بن ترک ہے۔

ان اسماء کو مسعودی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی نقل کیا ہے اور جیسا کہ دیکھے جاتے ہیں غیر محفوظ اور نا قابل اعتبار ہیں۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ صفحہ ۲۳۷ باب ۱۸

(مروج الذہب ومعادن الجوہر) للمسعودی جلد اوّل ربعنوان (ذکر ملوک الفرس الاولیٰ وجمل من سیرہم واخبارہم) صفحہ ۲۲۷ عربی ایڈیشن مطبوعہ موسسۃ الاعلمی للمطبوعات (بیروت لبنان)

ایران بن افریدون:

رئیس المؤرخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ المغربی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ اہل فارس، ایران بن افریدون کی اولاد سے ہیں جس کا ذکر آئندہ آئے گا اور اس سے پہلے فارس کے نام سے موسوم نہیں کیے جاتے تھے اور پہلا وہ شخص جو بلاد فارس کا بادشاہ ہوا ہے 'ایران' ہے۔ اس کے بعد اس کی آئندہ نسلیں بادشاہت وراثتہً کرتی رہیں۔

اس کے بعد وہ خراسان کے مالک ہوئے اور حکومت نبط، جرامقہ پر قبضہ کر لیا اور ان کی حکومت اسکندریہ تک غرباً اور باب الابواب تک شمالاً وسیع ہو گئی۔ کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ زمین ایران وہی ہے جو

ہو مین ترک ہے۔

اور اسرائیل کا یہ خیال ہے کہ:

اہل فارس طیراس بن یافث کی اولاد سے ہیں اور ان کے نسبتی بھائی بنی ماذی ابن یافث ہیں اور یہ سب ایک ہی حکومت تھی۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء حصہ دوم اردو ترجمہ
جدید ایڈیشن بعنوان (ایران بن افریدون) صفحہ ۲۲۷ صفحہ ۲۲۸

فارس کے علماء تواریخ کی اپنی روایت

"علماء فارس اور ان کے اہل انساب ان تمام روایتوں کے مخالف ہیں اور وہ اہل فارس کو کیومرث کی طرف نسباً منسوب کرتے ہیں اور وہ انہیں اپنا منتہاء نسب کہتے ہیں اور کیومرث کے معنی "ابن الطین" (مٹی کا لڑکا) بتاتے ہیں۔

ابتداء یہ ارض فارس میں رہتے تھے اور یہ زمین انہیں کے نام سے موسوم ہوئی اور ان کے نسبتی بھائی اشوذ بن سام ان کے ہمسایہ رہے اور وہ بروایت بیہقی کرلہ، خرزہ، نبط، جرامقہ ہیں۔ اس کے بعد ان کی حکومت اسکندریہ تک بڑھ گئی۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام
حصہ دوم اردو ترجمہ
جدید ایڈیشن بعنوان (علماء فارس کی روایت) صفحہ ۲۲۸

شاہان فارس (ایران) کے طبقات

رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ المغربی بعنوان (ملوک شاہ فارس کے طبقات) بدیں الفاظ رقمطراز ہیں کہ:

"اس عظیم الشان گروہ کے چار طبقے بالاتفاق مورخین میں بیان کیے جاتے ہیں۔ پہلے طبقہ کو بیشدادیہ [فیشدادیہ] دوسرے کو کیانیہ تیسرے کو اشکانیہ (اشغانیہ) چوتھے کو ساسانیہ کہتے ہیں۔ ان کا زمانہ حکومت کیومرث (بادشاہ اول فارس) سے عہد حکومت یزدگرد (یزدجرد) آخری بادشاہ فارس تک جو زمانہ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں مارا گیا

چار ہزار دو سو اٹھاسی برس تک رہا۔

جیسا کہ ابن سعید نے کتاب تاریخ الامم تصنیف علی بن حمزہ رحمۃ اللہ علیہ اصفہانی سے نقل کیا ہے۔ اہل فارس کا یہ خیال ہے کہ کیومرث پہلا بادشاہ ہے جس نے ملکی انتظام کو مرتب کیا اور اس نے ہزار برس کی عمر پائی۔

مسعودی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بکاف اول قبل یاء مثناۃ (یعنی کیومرث) لکھا ہے اور سہیلی نے کاف کے بجائے جیم تحریر کیا ہے۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ جدید ایڈیشن بر صفحہ ۲۳۸

شاہان فارس (ایران) کا طبقہ اولیٰ:

"تمام علماء فارس اس امر پر اتفاق کرتے ہیں کہ کیومرث ہی آدم علیہ السلام ہیں اور ان کا لڑکا منشا نامی تھا اور منشا کا سیامک اور سیامک سے افراول پیدا ہوا اور سیامک افراول کے علاوہ چار لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں لیکن کیومرث کا نسلی سلسلہ صرف افراول سے چلا اور باقیوں کی اولاد ختم ہو گئی جن کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

افراول بن سیامک کی پشت سے اوشہنک پیشدار (ہوشنگ) پیدا ہوا۔ افراول کیومرث کے ملک کا وارث ہوا اور اس نے ساتوں اقلیموں پر حکومت کی۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ جدید ایڈیشن بر صفحہ ۲۳۸

اوشہنک بن عابر:

"طبری رحمۃ اللہ علیہ بر اویت ابن کلبی کہتا ہے کہ اوشہنک بن عابر ابن شالخ ہے اور پھر وہی کہتا ہے کہ اہل فارس کا یہ دعویٰ اور خیال ہے کہ اوشہنک آدم علیہ السلام کے دو برس بعد پیدا ہوا اور نوح علیہ السلام، آدم علیہ السلام کے دو سو برس بعد پیدا ہوئے۔ اسی بنا پر اہل فارس نے اوشہنک اور نوح علیہ السلام کو ایک شخص قرار دیا ہے لیکن اس نے اس سے اختلاف اور

انکار کیا ہے۔

کیونکہ اوشہنک کی شہرت اس غلط واقعہ کے مخالف ہے اور بعض علماء فارس یہ کہتے ہیں کہ اوشہنک، پیشدار مہلائل اور اس کا باپ افراول قینن ہے اور سیامک انوش اور منشاشیث اور کیومرث آدم علیہ السلام ہیں۔"

(تاریخ ابن خلدون) حصہ دوم تاریخ الانبیاء علیہم السلام اردو ترجمہ
جدید ایڈیشن بر صفحہ ۲۳۸

کیومرث کے متعلق دوسری روایت:

"اور بعض علماء فارس یہ بیان کرتے ہیں کہ کیومرث، کومر بن یافث بن نوح کو کہتے ہیں۔ یہ نہایت معمر اور بوڑھا تھا اپنے باپ سے علیحدہ ہو کر "جبل دماوند" (ملک طبرستان) میں آ کر مقیم ہوا اور اس کا مالک بن بیٹھا۔

اس کے بعد فارس پر قبضہ حاصل کیا اور ایک عظیم الشان بادشاہ ہوا۔ اس نے بحالت حیات اپنے لڑکوں کو اطراف و جوانب کی طرف بھیجا اور انہوں نے بابل پر قبضہ کر لیا۔ کیومرث ہی نے سب سے پہلے قلعے بنوائے اور گھوڑوں کو سواری کے لئے پسند کیا۔

یہ آدم علیہ السلام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس نے لوگوں کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ اسے اس نام سے پکاریں۔ اہل فارس اس کے لڑکے ماوائے کی اولاد سے ہیں۔ ابتدائے زمانہ سے اسی کی اولاد کی کیانیہ اور کسرویہ میں حکومت رہی یہاں تک کہ حکومت فارس کا خاتمہ ہوا۔"

(تاریخ ابن خلدون) حصہ دوم تاریخ الانبیاء علیہم السلام
اردو ترجمہ جدید ایڈیشن بر صفحہ ۲۳۸
(مروج الذھب و معادن الجوہر) للمسعودی جلد اول / عربی ایڈیشن
بر صفحات ۲۲۸/۲۲۹
مطبوعہ (موسسۃ الاعلمی) للمطبوعات:

طھمورث:

"طھمورث: اہل فارس یہ روایت کرتے ہیں کہ اوشہنک ہی مہلائیل ہے اور اس نے ہند پر قبضہ حاصل کیا تھا۔ اس کے بعد طھمورث بن انوجہان بن انکہد بن اسکہد بن اوشہنک بادشاہ ہوا۔ بعض نے اسکہد کے بدلے نیشداد لکھ دیا ہے اور درحقیقت یہ تمام عجمی نام ہیں اسی وجہ سے اور نیز اصولاً روایت منقطع ہونے کے سبب سے ہم اس کی صحت کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

ابن کلبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتا ہے کہ طھمورث بابل کا پہلا بادشاہ ہے اور اس نے ہفت اقلیم پر حکومت کی اور یہ اپنی حکومت میں نہایت نیک اور منصف تھا اسی کے سنہ جلوس میں بیوراسپ ظاہر ہوا اور اس نے مذہب صابئہ کی بناء ڈالی۔"

(تاریخ ابن خلدون) حصہ دوم تاریخ الانبیاء علیہم السلام جدید ایڈیشن اردو ترجمہ صفحہ ۲۳۹

مزید معلومات کے لئے ملاحظہ کیجیے!

(مروج الذہب ومعادن الجوہر) للمسعودی عربی ایڈیشن جلد ۱

بعنوان (اوشہنج، طھمورث، اول الصابئہ) برصفحہ ۲۳۰

(الکامل فی التاریخ) لابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ عربی ایڈیشن جلد ۱

بعنوان (ذکر ملک طھمورث) صفحہ ۶۱

(تاریخ للیعقوبی) جلد اول للیعقوبی اردو ترجمہ صفحہ ۲۳۰ بعنوان (ایران کے بادشاہ)

جمشید:

"علماء فارس کہتے ہیں کہ طھمورث کے بعد جمشید تخت نشین ہوا اس کے معنی ہیں شجاع یا شعاع شمس یہ طھمورث کا حقیقی بھائی تھا یہی ہفت اقلیم کا بادشاہ تھا اور نہایت نیک سیرت اور عادل تھا اور پھر کچھ عرصے کے بعد ظالم اور جابر ہو گیا اس کی موت سے ایک برس پہلے بیوراسپ نے اس پر خروج کیا اور گرفتار کر کے آرہ سے چیر ڈالا۔

اور بعض کہتے ہیں کہ جمشید نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اس وجہ سے اس پر پہلے اس کے بھائی استوبر نے خروج کیا لیکن ناکام رہا تب

بیوراسپ اٹھا اور اس نے جمشید کی حکومت کا قلع قمع کر دیا اور سات سو برس تک حکومت کرتا رہا۔ ابن کلبی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔''

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہ السلام حصہ دوم اردو ترجمہ جدید ایڈیشن بعنوان (جمشید) صفحہ ۲۳۹

(تاریخ الیعقوبی) للیعقوبی جلد اول اردو ترجمہ بعنوان (ایران کے بادشاہ) صفحہ ۲۳۰

(الکامل فی التاریخ) لابن الاثیر جلد اعربی ایڈیشن صفحہ ۱۴ صفحہ ۶۵ صفحہ ۶۶ بعنوان (ذکر ملک جمشید)

ضحاک:

''طبری کہتا ہے کہ بیوراسپ ہی کو اژدہاک کہتے ہیں جس کو عرب ضحاک کہتے ہیں۔ یہ وہی شخص ہے جس کا ذکر ابونواس کے شعر میں ہے:

''وَكَانَ مِنَّا الضَّحَّاكُ تَعْبُدُهُ الْجَامِلُ وَالْجِنُّ فِي مَحَارِبِهَا''

اور پھر طبری ہی روایت کرتا ہے کہ عجم کا یہ خیال ہے کہ جمشید نے اپنی بہن کا عقد اپنے خاندان میں سے کسی کے ساتھ کر دیا تھا اور اسے یمن کا حاکم مقرر کیا تھا اس سے ضحاک پیدا ہوا۔

چنانچہ اہل یمن ضحاک کا نسب یوں بیان کرتے ہیں ضحاک بن علوان بن عبیدہ بن عویج اس نے اپنے بھائی سنان بن علوان کو مصر کا بادشاہ مقرر کر کے بھیجا تھا جو ابراہیم علیہ السلام کا فرعون تھا اور اہل فارس ضحاک کا نسب اس طرح لکھتے ہیں:

بیوراسپ (ضحاک) بن رتیکان بن ویدوشناک بن فارس بن افروال اور بعض اس کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے ہفت اقلیم پر بادشاہت کی یہ ساحر اور کافر تھا اس نے اپنے باپ کو مار ڈالا اور یہ اکثر بابل میں رہتا تھا۔

ہشام رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ضحاک ہی جمشید کے بعد بادشاہ ہوا یہی ابراہیم علیہ السلام کا نمرود ہے اور اہل فارس کا نواں بادشاہ ہے۔ جبل زماوند میں پیدا ہوا تھا۔''

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہ السلام حصہ دوم اردو ترجمہ جدید ایڈیشن بعنوان (ضحاک) صفحہ ۲۳۹

افریدون:

"ضحاک نہایت مستعد اور بہادر تھا اس نے ہند پر فوج کشی کی اور خود لڑائی پر گیا تو افریدون نے زمانہ عدم موجودگی میں اس کے ملک پر قبضہ کر لیا اور واپسی کے وقت ضحاک اور افریدون میں لڑائی ہوئی ضحاک کا ادبار آ گیا تھا وہ ان لڑائیوں میں افریدون کے ہاتھ گرفتار ہو کر جبال دماوند میں قید کر دیا گیا اور اس کی گرفتاری اور اس پر فتح یابی کے دن کو عید کا دن مقرر کیا گیا۔

لیکن اہل فارس یہ بیان کرتے ہیں کہ شاہی خاندان جس میں حکومت چلی آ رہی تھی وہ اوشہنگ اور جمشید کا تھا اور ضحاک یعنی بیوراسپ نے ان پر خروج کیا اور فتح یاب ہوا۔ اس نے بابل آباد کیا اور نبطیوں سے اپنی فوج تیار کی اور اہل عالم پر بزور جادو غالب آیا۔"

تاریخ ابن خلدون تاریخ الانبیاء علیہ السلام حصہ دوم اردو ترجمہ جدید ایڈیشن بعنوان (افریدون) صفحہ ۲۴۰

(تاریخ الیعقوبی) للیعقوبی جلد اول صفحہ ۲۳۰ بعنوان (ایران کے بادشاہ)

(مروج الذہب ومعادن الجوھر) للمسعودی عربی ایڈیشن

جلد رابعنوان (ملک فریدون الھر جان) صفحہ ۲۳۲ صفحہ ۲۳۳

ضحاک کا قتل:

"اصفہان کا ایک شخص عالی (کابی حداد) نامی اس کی مخالفت پر اٹھ کھڑا ہوا اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا جس پر اس نے جراب لٹکا کر جھنڈا بنایا اور لوگوں کو ضحاک کے خلاف ابھار کر اس سے لڑا جب ضحاک میدان جنگ سے بھاگا اس کی رائے سے بنی جمشید میں سے افریدون کو تخت نشین کیا گیا۔

افریدون نے تخت پر بیٹھتے ہی ضحاک کا تعاقب کیا اور اسے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا افریدون زمانہ نوح علیہ السلام میں تھا۔ شاید اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ افریدون ہی نوح علیہ السلام تھے لیکن تحقیق یہ ہے کہ جیسے ہشام بن کلبی نے فارس کے اہل انساب سے نقل کیا کہ افریدون جمشید افریدون کی اولاد میں سے تھا۔

ان دونوں میں دو پشتوں کا فرق ہے۔ اس نے دو سو برس
سلطنت کی اور ضحاک کی تمام چھینی اور غصب کی ہوئی چیزیں ان کے
مالکوں کو واپس کردیں۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام اردو ترجمہ جدید ایڈیشن بعنوان (ضحاک کا قتل) صفحہ ۲۴۰

ہم انہیں سطور پر باب ۴ کو ختم کرتے ہیں اس سلسلہ کے مزید واقعات کو آئندہ باب ۵ میں ملاحظہ کیجئے۔

(نعمانی)

باب ۵

شہنشاہ افریدون کی سلطنت کی تقسیم

باب ۴ میں ہم نے شاہان فارس کے متعلق اہل فارس کے انساب کے بارے میں قدیم مسلم مؤرخین کے حوالے سے واقعات کو نقل کیا ہے اور اس سلسلے میں:

۱ ایران بن افریدون
۲ شاہان فارس (ایران) کے طبقات
۳ شاہان فارس (ایران) کا طبقہ اولیٰ
۴ اوشہنک بن عابر
۵ کیومرث
۶ طہمورث
۷ جمشید
۸ ضحاک
۹ افریدون

وغیرہ کا تذکرہ اجمالی طور پر کیا ہے۔ جیسا کہ قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں اور ہم یہاں پر شہنشاہ افریدون کے حوالہ سے سلطنت کی تقسیم کے عنوان کو زیر بحث لاتے ہیں۔

ا۔ سلطنت کی تقسیم:

رئیس المؤرخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ المغربی خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"افریدون نے حالت حیات ہی میں ملک کو اپنے تین لڑکوں میں تقسیم کر دیا بڑے لڑکے سرم (مسلم) کو روم، شام و مغرب دیا طوج (تور) کو ترک اور چین دیا ایرج کو عراق، ہند، حجاز دیا۔

افریدون کے مرنے کے بعد سرم اور طوج نے مل کر ایرج سے لڑ

کر مار ڈالا اور اس کے ملک کو آپس میں تقسیم کر لیا۔

اہل فارس یہ خیال کرتے ہیں کہ افریدون اور اس کی اوپر کی دس پشتیں اشکیاں کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایرج کے دو بیٹے دندان اور اسطور یہ اور ایک لڑکی خورک نامی تھی جو افریدون کے مرنے کے بعد اپنے باپ ایرج کے ساتھ مارے گئے۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ جدید ایڈیشن بعنوان (سلطنت کی تقسیم) صفحہ ۲۴۰

۲۔ شاہ افریدون کے لقب "کے" کا سبب:

"اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ افریدون نے پانچ سو برس حکومت کی اور اسی نے ثمود اور نبط کے آثار سواد سے محو کر دیئے اور ابتداءً اسی نے اپنے آپ کو "کے" سے ملقب کیا اور "کے" افریدون کے نام سے مشہور ہوا۔"

"کے" کے معنی ہیں تنزیہ (یعنی مخلص اور متصل روحانیت سے) اور بعضوں نے اس کے معنی اور بھی بہت کچھ بیان کیے ہیں۔

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام اردو ترجمہ بعنوان افریدون کا لقب "کے" حصہ دوم صفحہ ۲۴۰

(تاریخ الیعقوبی) جلد اول اردو ترجمہ صفحہ ۲۳۰

۳۔ شہنشاہان منوچہر اور افراسیاب:

"چند دن بعد منوشہر (منوچہر) بن مشحر بن ایرج نے زور پکڑا۔ یہ افریدون کی نسل سے تھا اس کی ماں، حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے تھیں یہ سن شعور کو پہنچ کر اپنے چچاؤں سے لڑا اور انہیں مار کر بادشاہ بن بیٹھا اور بابل کو اپنا دار الحکومت بنایا فارس کو دین ابراہیم علیہ السلام کی طرف مائل کیا۔

پھر افراسیاب بادشاہ ترک نے اس پر چڑھائی کر دی اور بابل ان سے چھین لیا اور طبرستان تک اس کا تعاقب کرتا چلا آیا۔ جب طبرستان بھی منوشہر کو پناہ نہ دے سکا تو وہ طبرستان چھوڑ کر عراق کی طرف چلا گیا اور افراسیاب نے طبرستان پر قبضہ کر لیا۔

افراسیاب کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ یہ طوج (تور) بن

افریدون کی نسل سے تھا جس وقت منوشہر نے طوج (تور) کو قتل کیا اور اس کے خاندان پر تباہی آئی اس وقت یہ چھپ کر بلاد ترک میں چلا گیا اور وہیں اس نے نشو و نما پائی اور انہیں کے ملک سے نکلا۔ اسی وجہ سے افراسیاب ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

طبری رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ جب منوشہر بن مشحر مر گیا تو افراسیاب بن اشک بن رستم بن ترک نے بابل پر قبضہ کر لیا اور مملکت فارس کو تہہ و بالا کر دیا۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ بعنوان (منوشہر اور افراسیاب) صفحہ ۲۴۰ صفحہ ۲۴۱

۴۔ زومر کا خروج:

"اس کے بعد زومر (زوایا زیاب) بن طہمارست (طہماسپ) اور بروایت دیگر راسب بن طہمارست نے افراسیاب پر خروج کیا۔ زومر بن طہمارست نو ۹ واسطہ سے منوچہر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ طہمارست اپنے باپ سے علیحدہ ہو کر بلاد ترک میں چلا گیا اور وہیں اس نے عقد کر لیا تھا جس سے زومر پیدا ہوا اور سن شعور کو پہنچ کر افراسیاب کی مخالفت پر اٹھا اور لڑ کر اسے سلطنت فارس سے نکال دیا اور افراسیاب ترکستان چلا گیا۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ بعنوان (زومر کا خروج) صفحہ ۲۴۱

۵۔ کرشاسب:

"کرشاسب (گرشاپ) طوج بن افریدون کی اولاد سے اور بروایت دیگر اولاد منوشہر سے ہے اور اس کا نائب "تہلا" اہل فارس میں ایک عظیم الشان شخص گزرا ہے لیکن بادشاہ نہیں ہوا اور بادشاہت زومر بن طہمارست کرتا تھا۔

زومر اپنی حکومت کے تیسرے سال مر گیا اسی کے زمانہ میں بنی اسرائیل "تیہ" سے نکلے تھے اور یوشع علیہ السلام نے "اریحا" کو فتح کیا

تھا۔اس کے مرنے کے بعد ملوک فارس کے دوسرے طبقے کی حکومت کا سلسلہ چلا جن کا بادشاہ کیقباد تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس طبقہ کا زمانہ حکومت دو ہزار چار سو ستر برس رہا۔ جیسا کہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کیا اور ان کے بادشاہوں میں سے صرف انہیں نو ۹ بادشاہوں کا ذکر کیا ہے جن کو طبری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ واللہ وارث الارض ومن علیھا۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام

حصہ دوم اردو ترجمہ جدید ایڈیشن بعنوان "کرشاسب"

صفحہ ۲۴۱

ملوک وسلاطین فارس (ایران) کے انساب

شجرۂ انساب کی صورت میں (شجرۂ ملوک وسلاطین فارس) (طبقہ اولیٰ)

کیومرث[1]

افروال — ریتکان

اوشہنک — دیدودشتک

طہمورث — فارس

جمشید — بیوراسپ[2]

افریدون[3]

سلم — ایرج — طوج

ایرج ← منشہر ← منوشہر ← طہمارست ← راسب[4]

طوج ← افراسیاب، گرشاسب[5]
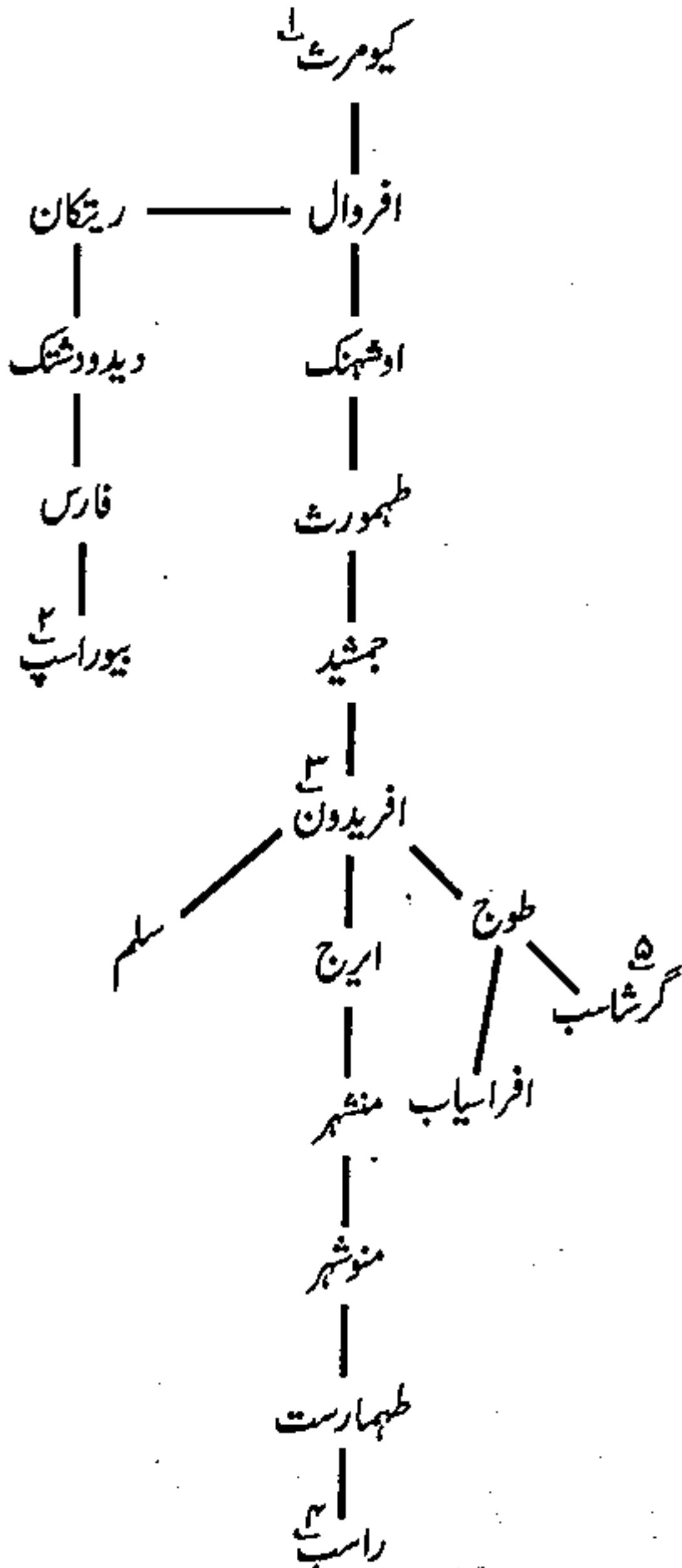
(۱) اہل فارس کے نزدیک یہی حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

(۲) بیوراسب کو ضحاک کہتے ہیں جس نے جمشید پر حملہ کیا تھا۔

(۳) افریدون سب سے پہلے افریدون کے لقب سے ملقب ہوا۔
(۴) راسب کوزومر بھی کہتے ہیں۔
(۵) گرشاسب: بعض نے اسے ملوک فارس میں سے شمار کر کے اسی پر طبقہ فیشد ادیہ کو ختم کیا ہے لیکن درحقیقت یہ بادشاہ نہ تھا جیسا کہ علامہ مؤرخ نے بیان کیا ہے۔

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۴۲ بعنوان (شجرہ ملوک طبقہ اولیٰ فارس) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی

شجرۂ ملوک وسلاطین فارس (طبقہ ثانیہ)
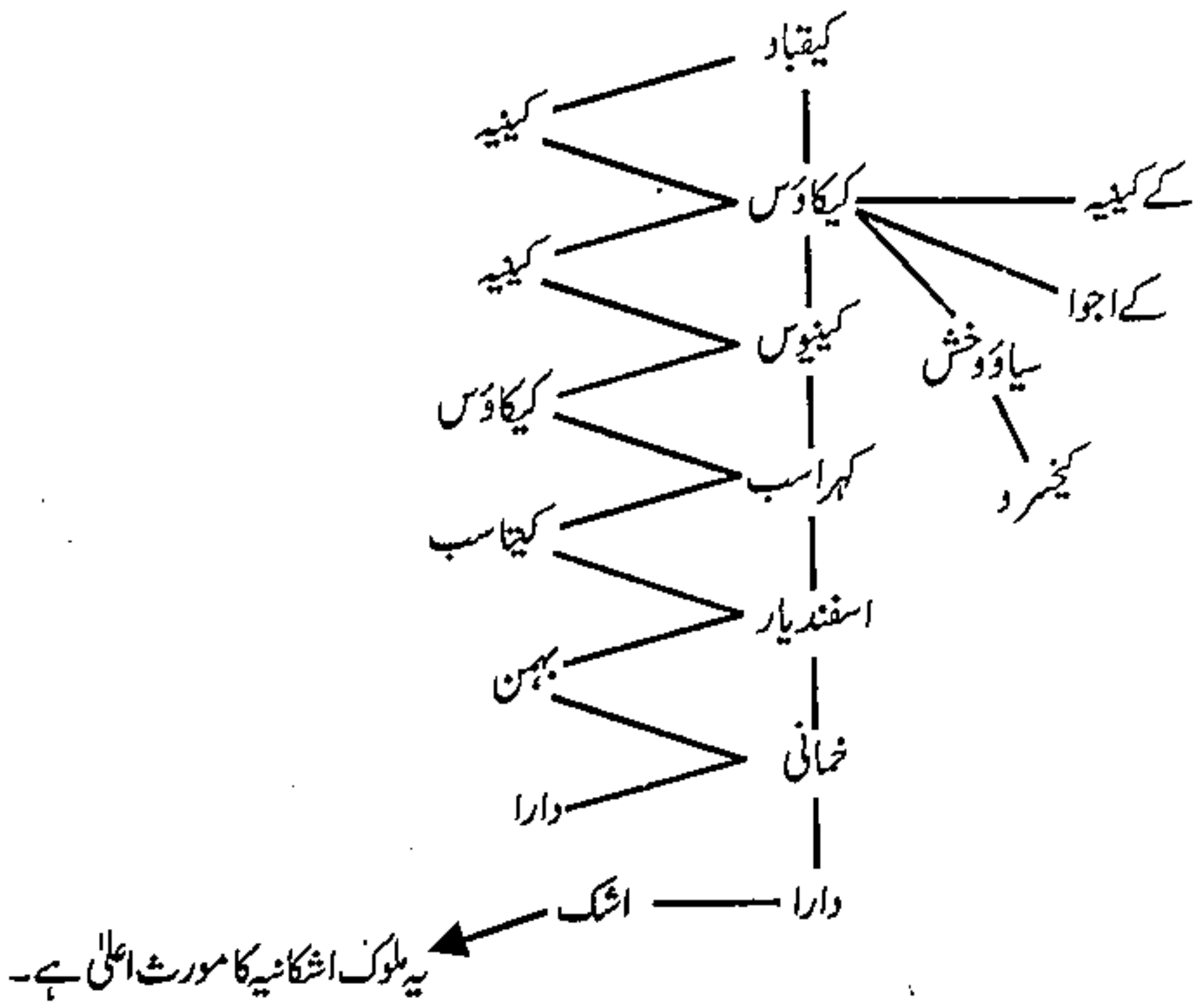
(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ جدید ایڈیشن بعنوان (شجرہ طبقہ ثانیہ ملوک فارس) صفحہ ۲۵۰ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی پاکستان

شجرۂ ملوک وسلاطین فارس (طبقہ ثالثہ)
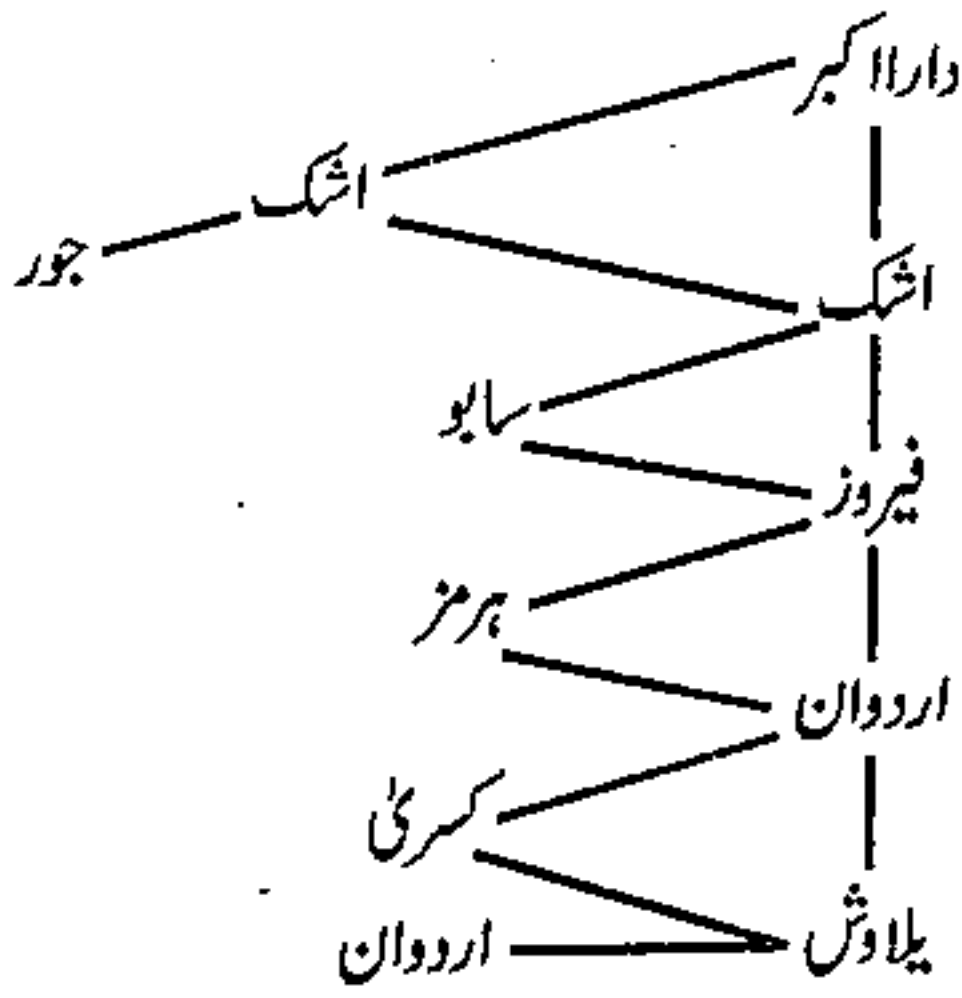
(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ جدید ایڈیشن
بعنوان (شجرہ طبقہ ثالثہ ملوک فارس) صفحہ ۲۵۴
مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی پاکستان

شجرۂ ملوک وسلاطین فارس (طبقہ رابعہ)

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ جدید ایڈیشن بعنوان (شجرہ طبقہ رابعہ ملوک فارس) مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی پاکستان۔ ایران بعہد ساسانیان از ڈاکٹر وار مسلیٹر فرنچ متشرق اردو ترجمہ از جناب ڈاکٹر پروفیسر محمد اقبال صاحب پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ تاریخ ساسانیان از جناب ڈاکٹر پروفیسر محمد باقر صاحب پنجاب یونیورسٹی لاہور وغیرہ وغیرہ

باب ۶
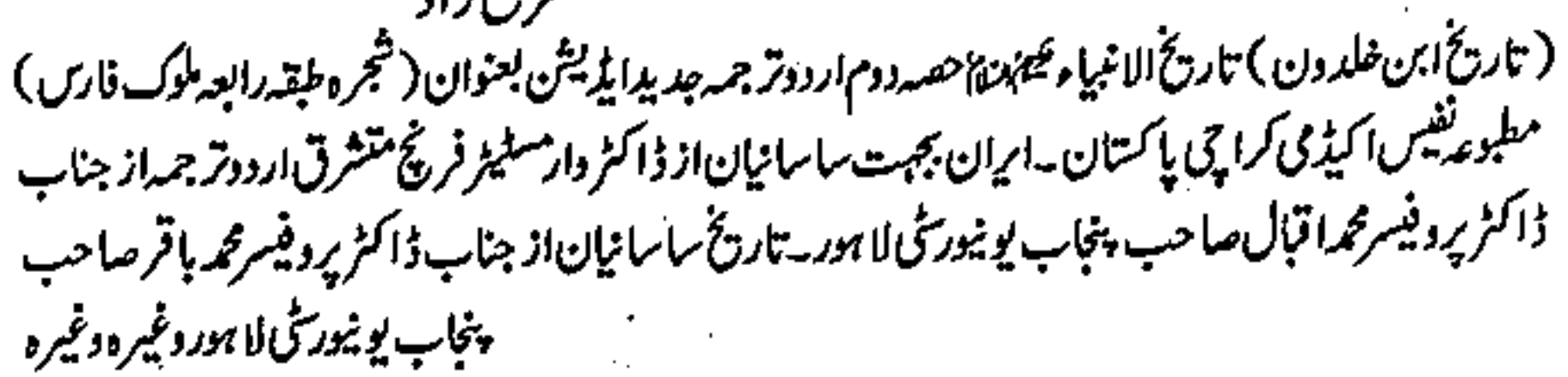
قدیم فارس (ایران) کے مذاہب وملل

قدیم فارس (ایران) کے مذاہب وملل کے بارے میں اجمال وتفصیل سے ذکر کرنے سے قبل ہم یہاں پر قدیم شاہان فارس کے زمانہ حکومت کے بارے میں اجمالاً ذکر حوالہ قارئین کرتے ہیں:

شاہان فارس (ایران) کا زمانہ حکومت:

رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ المغربی بعنوان (شاہان فارس کا زمانہ حکومت) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> ''یزدجرد جو تقریباً بیس برس حکومت کر کے مرو میں مارا گیا تھا یہی سلاطین اکاسرہ ساسانیہ کے حالات تھے۔ طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے آخر میں لکھا ہے کہ جناب آدم علیہ السلام سے زمانہ ہجرت تک بزعم یہود چار ہزار چھ سو بیالیس برس ہوتے ہیں اور بخیال نصاریٰ جیسا کہ یونانیوں کی روایت میں ہے کہ پانچ ہزار نو سو بانوے برس اور بقول اہل فارس زمانہ قتل یزدجرد تک چار ہزار ایک سو اسی برس ہوتے ہیں۔
>
> یزدجرد ان کے نزدیک ۳۰ھ میں قتل کیا گیا اور اہل اسلام یہ روایت کرتے ہیں کہ حضرات آدم ونوح علیہم السلام کے درمیان دس قرن گزرے ہیں ایک قرن ایک سو برس کا ہوتا ہے اور حضرات نوح اور ابراہیم علیہم السلام کے درمیان دس قرن اور حضرات ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے درمیان دس قرن گزرے ہیں۔
>
> اسے طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور محمد بن عمر رضی اللہ عنہ سے اور واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل علم کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔ طبری

بہ روایت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور کعب احبار رضی اللہ عنہ کہتا ہے کہ جناب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ فترت کے درمیان چھ سو برس کا فاصلہ ہے۔ (واللّٰہ اعلم با الحق فی ذلک و البقاء للّٰہ الواحد القھار)"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام اردو ایڈیشن
بعنوان (شاہان فارس کا زمانہ حکومت) حصہ دوم صفحہ ۲۶۸ صفحہ ۲۶۹

زمانہ قبل از اسلام اور ایران کے قدیم مذاہب:

زمانہ قبل از اسلام اور ایران کے قدیم مذاہب کے مطالعہ سے ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ قدیم فارس (ایران) کے باشندوں کے مذاہب وادیان ومعتقدات مذاہب آسمانی سے بالکل مختلف تھے ان کے ہاں تہذیب واخلاق وتوحید ورسالت ونبوت نیز آسمانی کتب کا وہ تصور نہ پایا جاتا تھا کہ جو زمانہ مابعد اسلام کے ایران میں نفوذ پذیر ہوا۔

نیز مذاہب واخلاقیات، تہذیب وتمدن وثقافت کلچر کا کوئی معیاری مقام نہ تھا کہ جس کو ہم مابعد اسلام کے معیاری نقطہ کے باوصف زیر بحث لاسکیں۔

ایران کے قدیم مذاہب:

جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (ایرانی مذاہب) خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"ایران کے قدیم باشندوں کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہے کہ ان کے ہاں ضرور کوئی دیوی دیوتا تھے جن کی وہ پرستش کرتے تھے اور اپنی حاجتوں کے لئے ان سے دعائیں مانگتے تھے۔

سیالک کے خرابوں سے چار ہزار سال قبل مسیح کی جو چیزیں برآمد ہوئی ہیں ان میں دیوی کے مجسمے بھی ملے ہیں۔ تہہ زمین سے جو پنجر برآمد ہوئے ہیں ان کے آس پاس زیورات، برتن، کھانے پینے کی چیزیں اور بکریوں کے جبڑے بھی پائے گئے ہیں۔

ان سے ان کے عقائد کے بارے میں قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وہ رُوح کی فنا ناپذیری کے قائل تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مردے کی روح دنیاوی ساز وسامان کی عدم موجودگی میں پریشانی محسوس کرے گی اس

لئے اس کی دلبستگی کی چیزیں اس کے ساتھ دفن کرتے تھے اکثر قبریں گھر کے اندر فرش کے نیچے ہوتی تھیں اس سے بھی ظاہر ہے کہ ان کو گھر کے ماحول میں ہی رکھنا چاہتے تھے۔''

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر پروفیسر ظہور الدین احمد صاحب
بعنوان (ایرانی مذاہب) صفحہ ۱۰۳

Ancient persian and iranian.By Huart

ایران قدیم از حسن پیرینا

ایران نامہ از عباس شوستری جلد ۲

دیدہ۔ نہاد شنید۔ نہای ایران از محمود دانشور

ایران بعہد ساسانیان از کرستن سن

مزدیسنا و تاثیر آن در ادبیات فارسی از محمد معین

بحوالہ ایران شناسی از جناب ڈاکٹر ظہور احمد صاحب

''سرپل میں لولابی قوم کے بادشاہ انوبانینی کی پتھر پر کندہ تصویر منکشف ہوئی ہے جو تین ہزار سال ق۔م کی یادگار ہے بادشاہ کے سامنے نی نی دیوی کی تصویر بنی ہوئی ہے جس کے بدن پر ایک لمبا جھالر دار پیراہن ہے جو پاؤں تک پہنچا ہوا ہے سر پر مخروطی تاج ہے کندھوں کے دونوں طرف تین تین گرز نمایاں ہیں ایک ہاتھ میں چکر ہے دوسرے میں رسی کا سرا ہے جس کے ساتھ قیدی بندھے ہوئے ہیں۔

اس تصویر سے بھی ظاہر ہے کہ دیوی بادشاہ کو حکومت کا نشان بخش رہی ہے اور اس کے لئے مفتوحہ ممالک کے قیدی پیش کر رہی ہے۔''

(ایضاً) صفحہ ۱۰۴ از ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (ایرانی مذاہب)

ہند و آر و پائی اقوام کے مذاہب کا قدیم ایران میں نفوذ:

''دو ہزار سال قبل مسیح کے قریب ہند و آر و پائی قومیں ایران کے مغربی علاقوں میں آچکی تھیں اور ان کا مذہب بھی دخیل ہوتا معلوم ہوتا ہے۔

بوغاز میں ہتیوں کے پایہ تخت میں ایک کتبہ منکشف ہوا ہے جو تقریباً ۱۳۵۰ ق۔م کی تحریر ہے۔ یہ ہتیوں اور میتانیوں کے بادشاہوں کے

درمیان عہد نامہ ہے۔ اس میں آریائی خداؤں مترا، وردنا، اندرا اور ناساتی کا ذکر آتا ہے۔ اس قرن میں ایران کے جنوب مغرب میں آباد عیلامی اپنی دیوی شالا اور دیوتا انشوشی ناگ کے پجاری نظر آتے ہیں انہوں نے اپنے خداؤں کے بڑے بڑے معابد بنائے ہیں وہ ان کی خوشنودی کے لئے قربانیاں دیتے ہیں اور ان کی سرفرازی کی جنگیں لڑتے ہیں۔"

(ایران شناسی) از ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب
بعنوان (ایرانی مذاہب) صفحہ ۱۰۴

قدیم ہندی آریائی مذہب اور ایران:

"ایک ہزار ق۔م کے قریب قریب آریائی ایران میں داخل ہو چکے تھے وہ اپنے ساتھ وہی عقائد لائے جو ان کے ہم نسل افراد ہندوستان میں لے گئے تھے۔ اس لئے ویدا اور اوستا کے مطالعہ سے ان کے عقائد پر روشنی پڑتی ہے۔

وہ اس کائنات میں دو قوتوں کے قائل تھے۔ ایک خیر و خوب اور دوسری شر و بد قوۂ خیر انسان کے لئے قدرتی ذخائر مہیا کرتی ہے ان میں سب سے زیادہ فائدہ بخش روشنی اور بارش ہے۔ قوۂ شر انسان کی سعادت مندی کے خلاف جنگ آزما ہے اور تاریکی سردی، قحط، بیماریاں اور موت لاتی ہے وہ قوۂ خیر کی پرستش کرتے تھے اور اس کے لئے قربانیاں دیتے تھے اور قوۂ شر سے محفوظ رہنے کے لئے اس کا وسیلہ ڈھونڈتے تھے۔

بعض کا خیال ہے کہ ورثرغنا (درہ ران، بہرام) اور مترا (مہر) کی پرستش بھی ان کے مذہب میں داخل تھی۔ سورج کو آسمان کی آنکھ اور رعد کو اس کا بیٹا تصور کرتے تھے۔ عموماً قدیم آریائی عناصر کی پرستش کرتے تھے۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ صفحہ ۱۰۴ صفحہ ۱۰۵

مادی مذہب:

"مادیوں کے مذہب کے متعلق بھی بہت کم معلومات موجود

ہیں مادی آریائی نسل سے تھے اور انہوں نے ایران میں سب سے پہلے ۷۰۸ ق۔م میں پائیدار حکومت قائم کی۔ قیاس یہی کہتا ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے مذہب پر ہی قائم ہوں گے۔

ہرودوت نے لکھا ہے کہ مادیوں کے چھ طبقات میں سے ایک طبقہ علمائے مذہب یعنی مغوں پر مشتمل تھا۔

بعض کا خیال ہے کہ ہرمزد پرستی (خدا پرستی) ان میں رائج ہو چکی تھی لیکن مغوں نے اس میں ساحری اور خرافات کا عنصر شامل کر دیا تھا۔ زرتشت جو اہل ماد میں سے تھا انہوں نے اصلاح کی کوشش کی لیکن مغوں کی مخالفت کی وجہ سے وہ باختر اور سیستان چلے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغوں کا بڑا اثر ورسوخ تھا اور دربار میں بھی ان کا مذہبی تفوق تھا۔''

(ایران شناسی) از ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (ایرانی مذاہب) صفحہ ۱۰۵

پارسی مذہب:

''مادیوں کے بعد پارسیوں نے ایران میں مستقل اور عظیم الشان حکومت قائم کی (۵۵۸۔۳۳۰ق۔م) یونانی مؤرخوں اور ہخامنشوں کے عہد سلطنت میں تین قسم کے مذہبی اعتقادات رائج نظر آتے ہیں۔

بادشاہوں کا مذہب، عوام کا مذہب اور مغوں کا مذہب بادشاہ اہورا مزدا کے قائل ہیں۔ اہورا مزدا کے معنی مالک دانا یا دانشمند کے ہیں۔ دارا اپنے کتبے میں لکھتا ہے:

اہورا مزدا خداؤں کا خدا ہے جس نے آسمان پیدا کیے جس نے انسان پیدا کیا اور اس کے لئے اپنی نعمتیں فراواں کیں اس نے دارا کو وسیع سلطنت بخشی جس میں مختلف اقوام بستی ہیں وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ بادشاہ اس خدا کے نام پر لڑائی کرتے تھے اور اس کی اطاعت اپنا ایمان سمجھتے تھے جو عمارت بھی تعمیر کرتے اس پر کتبے میں لکھتے کہ یہ اہورا مزدا کا فضل و کرم ہے جس نے ہمیں توفیق دی۔

ان کا مذہب تمام ریاست کا مذہب نہیں تھا لیکن اس خیال سے کہ اہورا مزدا نے بادشاہ کو تخت تاج بخشا ہے۔ ایرانیوں میں بھی

اعتقاد کی یکجہتی پیدا ہوگئی تھی۔ اہورا مزدا کے ساتھ اور خداؤں کا ذکر ظاہر کرتا ہے کہ وہ کمتر درجے کے خداؤں کو بھی مانتے تھے۔

اردشیر دوم کے کتبے میں سورج دیوتا یعنی خدائے عدل و نجات اور اناہیتا (ناہید) پانیوں کی دیوی کا نام بھی منقوش ہے۔"

(ایضاً) صفحہ ۱۰۴

"مغ" مادی قبائل کی ایک شاخ کے عقائد و نظریات:

مغ جو کہ مادی قبائل کی ایک شاخ تھے کے عقائد و نظریات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب لکھتے ہیں کہ:

"مغ، مادی قبائل کی ایک شاخ کے افراد تھے جو آذربائیجان اور عراق عجم کے علاقے میں رہ کر شہری اثرات سے محفوظ رہے اور انہوں نے آریاؤں سے ملتے جلتے عقائد اور روایات کو یاد رکھا۔ مادیوں کے عہد سلطنت میں ان کو خاص سیاسی اور مذہبی حقوق حاصل تھے۔

ہخا منشیوں کے برسر اقتدار آتے ہی انہوں نے اپنا مذہبی اقتدار قائم رکھا عوام کی قربانیاں ان کے تبرک کے بغیر انجام نہیں پا سکتی تھیں، وہ فوج کے ہمراہ جاتے، خوابوں کی تعبیر بتاتے اور نئے بادشاہ کی تاجپوشی میں شریک ہوتے۔ وہ نوجوانوں کو تعلیم دیتے، شاہی مقابر کی حفاظت کرنا بھی ان کے ذمہ تھا، ان کے ہاں بہن بھائیوں میں شادی بھی جائز تھی۔ خیر و شر کی تقابلی قوتوں کا عقیدہ بھی ان میں موجود تھا۔

ایرانی اپنے مردوں کو دفن کرتے تھے لیکن یہ ان کو جنگلی جانوروں اور شکاری پرندوں کے لئے کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ ہوما کا تیار کرنا بھی ان کے ذمہ تھا، یہ ایک نشہ آور مشروب تھا جو ایک پودے سے تیار کیا جاتا تھا اور مذہبی رسوم میں استعمال ہوتا تھا۔

تخت جمشید کے کتبوں میں ذکر آیا ہے کہ اس کی فروخت سے جو نفع حاصل ہوتا تھا اس کی تفصیل بھی درج ہے۔

ہخامنشی معابد بھی تیار کیا کرتے تھے چنانچہ ایک معبد پاسارگاد میں دوسرا نقش رستم میں اور تیسرا اشوش میں موجود تھا۔ نقش رستم کا معبد ابھی تک موجود ہے وہ مربع شکل کا ایک ہی کمرہ ہے جس کے ایک طرف اوپر

چڑھنے کو سیڑھیاں بنی ہیں۔
مغ، اس میں مقدس آگ کو روشن رکھتے تھے آتشکدے باہر میدانوں میں ہوتے تھے۔ تمام قربانی کے جانور اور گھوڑوں میں جتے ہوئے رتھ جلوس کی صورت میں نکلتے تھے اور بادشاہ کے سامنے قربانی کی رسم ادا کی جاتی تھی۔
ایرانی اپنے دیوتاؤں کے مجسمے بھی بناتے تھے چنانچہ اردشیر دوم نے شوش، ہمدان، بابل اور دوسرے مراکز میں اناہیتا کے مجسمے بنائے تھے۔ شاہی مقابر کے اوپر جو کندہ تصویریں موجود ہیں ان میں بادشاہ آتشکدے کے سامنے قربانی چڑھاتا دکھائی دیتا ہے، اس کے اوپر ایک پر دار چکر میں سے اہورا مزدا کا سر اور شانے باہر کو نمایاں ہیں۔ ''بیستون'' اور ''تخت جمشید'' کے آثار میں بھی یہی نقش دکھائی دیتا ہے۔
صنادید مصر کا یہ ایک قدیم نشان تھا اور خدائے بزرگ ہوروس کے پھیلے ہوئے پروں سے مراد آسمان ہے یعنی اس علامت کا مقصد یہ ہے کہ اہورا مزدا آسمان پر حکمران ہے اور زمین اور اس کے فرمانروا کو اپنے پروں کے سایہ عاطفت میں لئے ہوئے ہے۔''

(ایران شناسی) از ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (ایرانی مذاہب) صفحہ ۱۰۷ صفحہ ۱۰۸

ژردست (زرتشت):

قدیم ایرانی شہنشاہ کیتاسب کہ جس کا ذکر ہم گذشتہ باب میں شجرۂ طبقہ ملوک ثانیہ فارس میں کر چکے ہیں کے زمانے میں ژردست کا ظہور ہوا۔ زرتشت کی تعلیمات اور اس کے خدوخال کیا تھے تو آیئے ہم اس کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں:
رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ المغربی (المتوفی ۸۰۸ھ) بعنوان (ژرزتشت) رقمطراز ہیں کہ:

''اس (یعنی کیتاسب) کے زمانہ میں زراوشت (زرتشت) حکیم ظاہر ہوا جس کی نبوت پر مجوسی ایمان لائے ہوئے تھے۔
بعض اہل کتاب کا بیان ہے کہ یہ اہل فلسطین سے ہے ارمیاہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں رہتا تھا اور انہیں سے پڑھتا تھا پھر ان کے مخالف ہو گیا ان کی بددعا سے مجذوم ہو گیا اور ان سے علیحدہ ہو کر

آذربائیجان چلا گیا۔

دین مجوسیت کی بناڈالی اور کیستاسب کو اپنی طرف مائل کر لیا۔
اس نے لوگوں کو دین مجوسیت اختیار کرنے پر مجبور کیا اور اس کے مخالفین کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ علماء فارس کہتے ہیں کہ زرتشت شاہ منوشہر کی نسل سے ہے اور انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل میں سے کسی نبی نے اسے کتاسب کی طرف مبعوث کیا تھا جن دنوں وہ بلخ میں تھا۔ زردتشت اور جاماسب عالم دونوں منوشہر کی اولاد سے ہیں۔

یہ دونوں زبان فارسی میں اس کا ترجمہ کیا کرتے تھے جو وہ نبی عبرانی میں کہتا تھا۔ جاماسب عالم عربی زبان جانتا تھا، اور زرتشت کو ترجمہ کرا دیتا تھا۔ یہ واقعہ ۳۰ جلوس کیمر اسف کا ہے۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ
بعنوان (زردوست، زرتشت) صفحہ ۲۴۶

مشہور قدیم مورخ امام ابی الحسن علی ابن الحسین بن علی المسعودی رحمۃ اللہ علیہ (۳۴۶ھ۔۹۵۷ء)
بعنوان زرادشت المجوسی، بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"ثُمَّ مَلِكَ بَعْدَهُ ابنه "يستاسف" وَكَانَ مَنْزِلَهُ بَلْخ وَلِثَلَاثِيْنَ سَنَةً خَلَتْ مِنْ مُلْكِهِ. أَتَاهُ زَرَادَشْتُ بْنُ أَسْبِيْمَانَ"

ترجمہ: پھر اس (یعنی کیستاسب) کے بعد اس کا بیٹا یستاسف بادشاہ ہوا اور وہ بلخ میں مقیم تھا اور اسکی بادشاہت میں سے ابھی تیس برس ہی گزر پائے تھے کہ اس کے پاس زرادشت بن اسیمان آیا۔"

(مروج الذہب ومعاون الجوہر) للمسعودی جلد ۱ بعنوان (زرادشت المجوسی) صفحہ ۲۳۶
مطبوعہ (موسسہ الاعلمی للمطبوعات) بیروت لبنان

امام ابی الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی رحمۃ اللہ علیہ زرداشت کا شجرہ نسب بدیں الفاظ فرماتے ہیں کہ:

"وَقِيْلَ اِنَّهُ زَرَادَشْتُ بْنُ بُوْرَشْفَ بْنِ فُذْرَاسَفَ بْنِ أَرِيْكَدْسَفَ بْنِ هَجُدَسْفَ بْنِ حُخَيْشَ بْنِ بَاتِيْرَ بْنِ أَرْحَدَسَ بْنِ هُرْدَارِبْنِ أَسْبِيْمَانَ بْنِ وَانْدَسْتَ بْنِ هَايَزَمَ بْنِ أَرَجَ بْنِ دُوْرَشَرِيْنَ بْنِ مَنُوْشَهْرَ الْمَلِكُ."

ترجمہ: اور کہا گیا کہ وہ زرادشت بن بورشف بن فزارسف بن اریکدسف بن

ہجدسف بن حیش بن باتیر بن ارحدس بن ھردار بن اسپیمان بن واندست بن ہایزم بن ارج بن دورشرین بن منوشہر بادشاہ ہے۔"

مروج الذہب ومعادن الجوہر للمسعودی جلد ۱ عربی ایڈیشن صفحہ ۲۳۶ صفحہ ۲۳۷

امام المسعودی رحمۃ اللہ علیہ آگے رقمطراز ہیں کہ:

"وَكَانَ مِنْ اَهْلِ أَذْرَبِيْجَانَ."

ترجمہ: وہ اہل آذربائیجان میں سے تھا۔"

(ایضاً) جلد ۱ صفحہ ۲۳۷

آگے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"وَالْاَشْهَرُ مِنْ نَسَبِهٖ اَنَّهٗ زُرَادَشْتُ بْنُ أَسْبِيْمَانَ ○ وَهُوَ نَبِيُّ الْمَجُوْسِ الَّذِىْ اَتَاهُمْ بِالْكِتَابِ الْمَعْرُوْفِ بِالزَّمْزَمَةِ عِنْدَ عَوَامِ النَّاسِ ○ وَاسْمُهٗ عِنْدَالْمَجُوْسِ "بستاه."

ترجمہ: اور اس کے نسب کی بابت مشہور ترین بات یہ ہے کہ وہ زرادشت بن اسپیمان ہے اور وہ المجوس کا نبی ہے کہ جوان کے پاس کتاب لے کر آیا کہ جو زمزمہ کے نام سے عوام الناس میں مشہور ومعروف ہے اور اس کا نام مجوس کے ہاں بستاہ ہے۔"

(ایضاً) جلد ۱ صفحہ ۲۳۷۔ (الکامل فی التاریخ) لابن الاثیر جلد ۱ بعنوان (ذکر ملک لھراسب وابنہ بشتاسب وظہور زرداشت) صفحہ ۲۵۸ صفحہ ۲۵۹ صفحہ ۲۶۰

اوستا:

رئیس المؤرخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ المغربی بعنوان (اوستا) رقمطراز ہیں کہ:

"علماء فارس کہتے ہیں کہ زردشت ایک کتاب لایا تھا جس کے وحی ہونے کا وہ مدعی تھا۔ یہ کتاب بارہ جلدوں میں تھی اور اس کے پاس ایک سونے کا نقش تھا۔ کیتاسب نے اس کتاب اور نقش کو اصطخر کے ہیکل میں رکھا اور اس پر لوگوں کو متعین کر کے عام لوگوں پر اس کی تعلیم کی ممانعت کر دی۔

مسعودی رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ:

اس کتاب کا نام (زند) رکھا پھر اس تفسیر کی دوبارہ تفسیر کی اور

اسے زندیہ کے نام سے موسوم کیا۔ یہ وہی لفظ ہے جسے عرب معرب کر کے زندیق کہتے ہیں۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم
اردو ترجمہ بعنوان (اوستا) صفحہ ۲۴۶
(مروج الذھب ومعادن الجوھر) للمسعودی جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ صفحہ ۲۶۰ عربی ایڈیشن

ژردست (زرتشت) کی تعلیمات:

رئیس المؤرخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ المغربی بعنوان (زرتشت کی تعلیمات) بدیں الفاظ رقمطراز ہیں کہ:

"مجوسیوں کے نزدیک یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے ایک حصہ میں گزشتہ قوموں کے حالات ہیں، دوسرے میں آئندہ باتوں کی پیشین گوئیاں لکھی گئی ہیں، تیسرے میں مذہبی اور شرعی احکام ہیں مثلاً، مشرق قبلہ ہے اور نماز وقت طلوع اور زوال اور غروب کے وقت پڑھنی چاہیے اور آفتاب کو سجدہ کرنا اور اس سے دعا کرنی چاہیے۔

زردشت نے از سر نو آتش کدے بنوائے جنہیں منوشہر نے ٹھنڈا کر دیا تھا اور مجوسیوں کے لئے دو عیدیں مقرر کیں۔ ایک عید نوروز موسم ربیعی کے درمیان اور دوسری عید مہرجان موسم گرما میں، ان کے علاوہ اور بھی احکام ہیں۔

غرضیکہ جب فارس کی حکومت اولاً ختم ہوئی تو اسکندر نے ان کتابوں کو جلا دیا تھا پھر جب اردشیر کا زمانہ آیا تو اس نے اہل فارس کو جمع کر کے پھر از سر نو اس کتاب کو لکھوایا۔

مسعودی رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ:

کیتاسب نے زردشت سے اس کی نبوت کے پینتیسویں برس دین مجوسی کی تعلیم لی اور کیتاسب نے زردشت کے بجائے اہل آذربائیجان میں سے جاماسب عالم کو مقرر کیا یہ فارس کا پہلا موبد (مغان) ہے۔ انتھیٰ"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ
صفحہ ۲۴۶ بعنوان (زرتشت کی تعلیمات)

قدیم ایران کا مذہب اور ان کے عبادت خانے:

جناب مولانا عبدالرزاق کانپوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب بعنوان (قدیم ایرانیوں کا مذہب اور ان کے عبادت خانے) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''جب تک قدیم ایرانیوں کا مذہب معلوم نہ ہو لفظ برمک اور نو بہار کی اصلیت سمجھ میں نہیں آسکتی۔

مجوسیوں کا اعتقاد ہے کہ ''مہ آبادان'' کا ابوالبشر (بابا آدم علیہ السلام) پہلا بادشاہ تھا اور پہلا پیغمبر تھا اور یہ اس زمانے کی بات ہے جس کو اصطلاحاً غیر تاریخی یا زمانہ قبل از تاریخ کہتے ہیں۔ قانون مہ آباد کے مختلف ابواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ایک ذات مطلق کی عبادت ہوتی تھی اور ہزاروں سال تک توحید قائم رہی لیکن پیغمبری دور کے خاتمہ پر کفر والحاد کا دور دورہ ہوا۔

عہد قدیم میں حکومت بھی پیغمبروں کی تھی لہٰذا مہ آباد، جے افرام، شای، گلیو اور یاسان آجام تک جو یکے بعد دیگرے حاملان شریعت وحکومت تھے توحید زندہ رہی۔

دور نبوت کے بعد جب پیش دادیوں میں حکومت آئی تو کیومرث (ملقب بہ گل شاہ یا ملک الارض) پہلا تاجدار ہوا۔ اس کے لقب سے ظاہر ہے کہ یہ صرف خدا کی بنجر زمین پر حکمران تھا اور ہنوز ایرانی دنیا کی معمولی تمدنی ترقیوں سے بھی محروم تھے۔ کیومرث نے پہاڑ کے غاروں کو مسکن بنایا شیر وپلنگ کی کھال سے اپنی ذات اور رعایا کیلئے لباس تیار کیا۔ جانوروں کو مطیع وفرماں بردار بنایا، خورد ونوش کا سامان ہوا، جیسی تمدنی ترقی تھی اسی معیار سے مذہب کی بھی رفتار تھی۔

کیومرث کے بعد عہد جمشید میں غیر معمولی تمدنی ترقی ہوئی اور مذہبی حیثیت سے آگ کو مظہر الٰہی تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے بعد اژی دھاک یا اژدھاک (یہ اوستا کا صحیح تلفظ ہے جس کو عربوں نے ضحاک بنا لیا ہے اور اسی تلفظ کی وجہ سے اژی دھاک کے حالات میں متعدد غلطیاں ہوئی ہیں) فرمانروا ہوا چنانچہ ضحاک کے عہد حکومت میں ستارہ پرستی (صابی مذہب) شروع ہوئی۔

جس کو افریدون نے اور منوچہر نے اپنے زمانے میں خوب ترقی دی۔

دبستان مذاہب میں ہے کہ:

ستارگان و آسمانہا سائہائے انوار مجردہ اند بناء برایں ہیاکل سبارہ ہفت گانہ پیرا ستندے و طلسمے مناسب ہر ستارہ از کانے ساختہ داشتندے دہ ہر طلسمے از طلسمات را بطالع مناسب در خانہ نہادہ بودند و ہنگام آں بندگی کردندے و راہ پرستاری سپردندے۔

شرح اس اجمال کی یہ کہ ایرانی آسمان اور ستاروں کو انوار مجردہ کا سایہ سمجھتے تھے اور ستاروں کو وسیلہ حاجات، مدبر عالم اور مقرب بارگاہ یزدان جانتے تھے اور ذات باری تعالیٰ کے متعلق خیال تھا کہ وہ ایک پیکر مجسم ہے اور افلاک، فرشتے اور کواکب شکل و صورت میں اس مقدس ذات سے بہت ہی مشابہ اور قریب تر ہیں۔

اور یہ ستارے دن میں غائب ہو جاتے ہیں اور رات میں نمودار ہوتے ہیں اس لئے سبعہ سیارہ کی مورتیں بنا کر مندروں میں رکھیں کہ ہر وقت پیش نظر رہیں۔

اگرچہ ستارے بے گنتی تھے لیکن ان میں سات سیاروں (سبعہ سیارہ) کا اثر بہت زیادہ تھا اور آفتاب ان سب کا شہنشاہ (نیر اعظم) تھا لہٰذا سب سے پہلے آفتاب کی پوجا شروع ہوئی اور وہ نور مطلق قرار پایا اور ایرانیوں کو یہ بھی اعتقاد تھا کہ انبیاء اولیاء اور حکماء انہیں ستاروں کے روپ میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اس لئے مقتدایان ملت نے سبعہ سیاروں کے نام اور ان کے خواص طبعی کے مطابق جدا جدا سات ہیکل (مندر) بنائے اور دن میں تین مرتبہ (اوقات معینہ) پر پوجا ہونے لگی۔ ہر معبود کے پجاری جداگانہ تھے۔ ایک کا پرستار (خادم) دوسرے مندر میں جانے کا مجاز نہ تھا اور یہ ہیکل پیکرستان شیدان کہلاتے تھے۔"

(ابرامکہ) از جناب مولانا عبدالرزاق کانپوری صاحب بعنوان (قدیم ایرانیوں کا مذہب اور ان کے عبادت خانے) صفحہ ۴۵ صفحہ ۴۶ صفحہ ۴۷

ہیاکل پیکرستان شیدان:

(۱) کیوان: زحل، سنیچر، سیٹرن، (یہ دوسرے مشہور نام ہیں)

(۲) ہرمز: برجیس، مشتری، برہسپت، قاضی فلک، (مجسٹریٹ یا جج) جوپیٹر

(۳) بہرام: مریخ، منگل، جلاد فلک، مارس

(۴) آفتاب: ہور، خور، خورشید، مہر، شمس، ادت، سورج، سن

(۵) ناہید: زہرہ، سکر، مطربہ فلک، (آسمان کی میراثن) وینس

(۶) تیر: عطارد، بدھ، میر منشی فلک، یا دبیر فلک، (دیوان جی) مرکری

(۷) ماہ: ماہتاب، قمر، سوم، چاند، مون

آسمانوں کے حساب سے ان سیاروں کے ترتیب وار نام یہ ہیں:

☆ قمر

☆ عطارد

☆ زہرہ

☆ شمس

☆ مریخ

☆ مشتری

☆ زحل

ہر ستارہ کی صورت فلزاتی کروی (دھات کی گول مورتی) تھی اور ہر ایک کی شکل وصورت، لباس رنگ وروپ اور خواص جداگانہ تھے اور یہ مورتیں مندروں میں اسی ساعت میں نصب کی جاتی تھیں جو ان سے مخصوص تھیں۔ ان میں عطارد کے پجاریوں کا دائرہ بہت وسیع تھا اور جملہ اہل قلم (علماء، حکماء، شعراء، اطباء، محاسب، عمال) عطارد کے پجاری تھے۔ تاجر، معمار اور خیاط بھی اسی مندر میں جاتے تھے۔ زہرہ کا مندر عورتوں کے لئے مخصوص تھا اور اس کی پروہتانی بھی عورت ہی ہوتی تھی۔

(ابرامکہ) از جناب مولانا عبدالرزاق کانپوری صفحہ ۴۷ صفحہ ۴۸

ان ''ہیاکل'' میں سے ''ہیکل شتِ آفتابِ جہاں تاب'' اور ''ہیکل گنبد شت ماہِ عالم افروز''

آتش پرستی اور قدیم آتش کدوں کا آغاز ایرانی شہنشاہ ہوشنگ شاہ اور طہمورس کے دور میں ہوا۔ ان کے بعد جمشید کا دور آیا تو اس نے فرمانروائی کے ساتھ ساتھ خدائی کا دعویٰ کر دیا۔

اس عہد میں بمقام خوارزم پہلا آتشکدہ تعمیر ہوا جس کو

گشتاسپ نے بلحاظ قدامت وعظمت ''داراب جرد'' میں منتقل کر دیا اور اسی کی آگ سے متعدد آتشکدے گرم ہوئے۔

''جمشید کے بعد ظالم اژدی ہاک (ضحاک) فرمانروا ہوا اور اس کے عہد کے مشہور حکیم ''بیکر'' نے آگ کو''ایزد'' کا درجہ دیا اور ممالک ایران سے دژ ہوخت کنک (موجودہ بیت المقدس) تک آتش پرستی شروع ہوگئی۔ جب فریدون بن آبتین (اوستا کا تھوی تونہ) کیانی اژدی ہاک کا جانشین ہوا تو اس نے بھی آتش پرستی کو خوب فروغ دیا اور جشن صدارت کے موقع پر جملہ آتشکدوں کے اندر عنبر وزعفران جلانے کا حکم ہوا۔''

(ملخصاً) (ابرامکہ) از مولانا عبدالرزاق کانپوری صاحب صفحہ ۵۳

''طوس میں مشہور آتشکدے ''آذر خراذ'' (آذر خرد) اور ''آذر برزیں مہر'' تھے ان میں پہلا عابدوں وزاہدوں کے لئے وقف تھا گشتاسپ نے ''آذر خرد'' کو بھی کابل میں منتقل کر لیا۔
اور ''آذر برزیں'' پیشہ وروں کے لئے تھا۔ فریدوں کے بعد جب اس کا پوتا ''منوچہر'' (مینوچہر) بن ایرج حکمران ہوا تو اس نے بھی فریدون کی تقلید کی۔'' (ملخصاً)

(ابرامکہ) از مولانا عبدالرزاق کانپوری صاحب صفحہ ۵۳

شہنشاہ منوچہر (مینوچہر) نے شہر بلخ میں بھی ایک شاندار مندر ماہتاب کا بھی تعمیر کیا تھا کہ جو تاریخ میں نوبہار کے نام سے مشہور ہے۔
منوچہر کے بعد کیکاؤس اور کیخسرو بھی اپنے بزرگوں کے پیرو تھے۔ کیخسرو نے آرومیہ میں آتش کدہ گشسپ تعمیر کیا تھا اس کے جملہ سپاہی پجاری تھے۔
کیخسرو کا دوسرا آتشکدہ آذر کاؤس تھا کہ جو''جودژ بہمن'' میں تعمیر ہوا۔
''مارس'' جبل اصفہان میں ایک مشہور آتشکدہ تھا۔

آگ پر ایمان لانا جزو مذہب تھا:

''آگ پر ایمان لانا جزو مذہب تھا لہٰذا آگ کی تعظیم مختلف طریقوں سے کی جاتی تھی ایک طریقہ یہ تھا کہ مقدس اسمائے باری تعالیٰ کی طرح آگ کی بھی قسم کھاتے تھے۔
اور احترام کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ سنگین جرائم کے ملزم جلتی ہوئی آگ کے اندر سے

نکل کر اپنی بے گناہی ثابت کرتے تھے۔"

---(ابرامکہ) از مولانا عبدالرزاق کانپوری صاحب صفحہ ۵۵ (کتابیات)

(۱) کتاب التنبیہ والاشراف للمسعودی (۲) مروج الذھب ومعادن الجوھر للمسعودی

(۳) ہفت قلزم جلد ۱ (۴) کتاب التیجان۔ بحوالہ ابرامکہ از مولانا عبدالرزاق کانپوری صاحب

شت وخشور زردشت کی بعثت (گذشتہ سے پیوستہ):

یہ بات یاد رہے کہ عربی وفارسی میں یہ نام مختلف لہجوں سے استعمال میں آتا ہے مثلاً:

۱۔ زرتشترہ

۲۔ زرتشت

۳۔ زردشت

۴۔ زراہشت

۵۔ زرالشت

۶۔ زرادشت

اس سلسلہ میں یونانی اور انگریزی لہجہ میں بھی اختلاف ہے۔ اہل یورپ عموماً زردشت کو زورواسٹر کہا کرتے ہیں۔

جناب مولانا عبدالرزاق کانپوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:

"وہ دور ختم ہو چکا جس میں زردشت ایک پیکر خیالی تسلیم کیا گیا تھا۔ اب ایشیا اور یورپ میں "زردشت بن پورشسب بن پتیرسپ" ایک تاریخی وجود مانا جاتا ہے اور وہ ایرانیوں کا پیغمبر تھا۔ اس کی ماں کا نام دغدویہ (دغداؤیا دوغدو) اور نانا کا نا فراہیر اتھا۔

پیغمبروں کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ اعلیٰ خاندان سے ہوں اور ان کا نسب داغ ودھبہ سے پاک ہو اس لئے یزدان نے زردشت کو شہنشاہ فریدون کی نسل سے پیدا کیا تھا۔"

ملاحظہ کیجیے: (قدیم ایران کا پیغمبر زوراسٹر) از اے، وی، ویلز جیکسن، مطبوعہ نیویارک ۱۸۹۹ء (شاہنامہ فردوسی) از حکیم فردوسی رحمۃ اللہ علیہ (دبستان مذاہب) (ملل ونحل) للشہرستانی (تاریخ کامل اثیر رحمۃ اللہ علیہ) (مرآۃ البلدان) از ناصری رحمۃ اللہ علیہ (لٹریری ہسٹری آف پرشیا) از جناب پروفیسر براؤن صاحب (انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا) (بحوالہ) (ابرامکہ) از جناب مولانا عبدالرزاق کانپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۵۷

''زردتشت کے لغت پہلوی میں متعدد معنیٰ ہیں۔ کوئی عابد النار (آگ کا پجاری)، رفیق آتش اور عقل کل کہتا ہے کوئی زریں حکومت اوران والا بیان کرتا ہے لیکن قرین صحت یہ ہے کہ زردشت کا ترجمہ یزداں پرست ہے۔

''زردشت'' کی ولادت کا فخر کس قریہ اور شہر کو حاصل ہے ہنوز تحقیق نہیں ہوا لیکن یہ مسلم ہے کہ اس کی ماں (رے) کی رہنے والی تھی اور باپ آذر بائیجانی تھا۔ زرتشت نے جدید تحقیق کے مطابق ٦٦٠ ق،م میں جنم لیا اور یوم ولادت سے تقریباً بیس سال تک کے حالات عجائب پرستی سے مالا مال ہیں۔

لیکن اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ عالم شباب ہی میں زردشت، زہدوتقویٰ، رحم وکرم، انسانی ہمدردی میں ڈوبا ہوا تھا اور کاشت کاروں پر از حد مہربان تھا۔ جب عمر کی تیس منزلیں طے ہو گئیں تو وطن سے چند عزیزوں اور دوستوں کے ہمراہ بلخ میں داخل ہوا جو اس وقت کیانی باوشاہوں کا دارالسلطنت تھا۔

اس زمانہ میں گشتاسپ (وشتاسپھ) (ہشٹاسپز) فرمانروا تھا اور مختلف مذاہب کے علاوہ تمام ملک اوہام پرستی اور الحاد میں مبتلا تھا اور نجومیوں اور جادوگروں کا بھی زور تھا۔''

(ایران صدیوں کے آئینے میں) از پروفیسر امرت لعل عشرت صاحب

بعنوان (زردشت) صفحہ ۴۰ صفحہ ۴۹

(ابرامکہ) از جناب مولانا عبدالرزاق کانپوری صاحب صفحہ ۵۷ صفحہ ۵۸

بہرکیف زردشت کی تعلیم سے ستارہ پرستی کا زوال ہوا مگر آتش پرستی کا جدید نظام قائم ہوا۔ جدید اوستا میں تقریباً (۸۳۰۰۰) کلمات موجود ہیں اور اس کو پانچ حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔

گاتھا: اس میں (۵۵۰۰) کلمات ہیں اور یہ اوستا کا قدیم ترین حصہ ہے جو زرتشت کا اپنا کلام سمجھا جاتا ہے۔

یشتہا: اس میں امور دین کے علاوہ قدیم ترین ایران کی عظمت بھی بیان کی گئی ہے۔

وسپرد: اس حصہ میں مذہبی آداب ورسوم کا ذکر ہے۔

خردہ اوستا: اس میں شادی، رسوم کشی اور اوقات پنجگانہ کے بارے میں تفصیلات درج ہیں۔

وندیداد: اس حصے میں آفرینش زمین، بیماری، معالجات، کثافت اور زخموں سے بحث کی گئی ہے۔

(ایران صدیوں کے آئینے میں) از جناب پروفیسر امرت لعل عشرت صاحب صفحہ ۴۸ صفحہ ۴۹

مانی:

زردشت (زراتشت) زوراسٹر کے بعد جس مذہبی ایرانی پیشوا کا ذکر آتا ہے وہ مانی کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:

''بابل کے ضلع سرکوتا میں ایک گاؤں مردینو ہے جہاں ۲۱۵ء میں مانی پیدا ہوا۔ تیرہ سال کی عمر میں حقیقت دین کے بارے میں اس کو الہام ہوا۔ ۲۲۸ء میں اس کو پھر بشارت ہوئی۔ ۲۴۰ء میں وہ گویا سچے دین کی تبلیغ پر مامور ہوا۔ مانی کے باپ کا نام فاتک بابک تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک فرشتے نے خواب میں آ کر اسے زن، شراب اور گوشت سے پرہیز کرنے کی ہدایت کی وہ اپنے بیٹے کو لے کر دریائے فرات کے کنارے صابیوں کے پاس رہنے چلا گیا اور ان کے عقائد پر عامل ہو گیا لیکن مانی نے اپنے دو الہامات کی بنا پر نئی راہ نکالی۔ صابیوں، عرفانیوں اور عیسایوں کے بعض عقائد کو اپنایا اور بعض کی تردید کی۔ اس نے کہا کہ عناصر ہوا اور آگ کی دو سیرتیں ہیں نیک اور بد روشنی اور تاریکی ایسی چیزیں ہیں جن کا باہمی تضاد بالکل کم نہیں ہو سکتا۔ یہ ازل سے قائم ہیں اور ابد تک قائم رہیں گی۔

وہ صابیوں کی رسمی طہارت پر عمل کرتا تھا لیکن عرفان الٰہی کو زیادہ اہمیت دیتا تھا۔ وہ عہد نامہ قدیم کا منکر تھا لیکن انجیل اور سینٹ پال کے رسائل کو قبول کرتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو حضرت مسیح علیہ السلام کا موعود (فارقلیط) سمجھتا تھا۔''

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب صفحہ ۱۲۹ صفحہ ۱۳۰ بعنوان (مانی)

جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب آگے فرماتے ہیں کہ:

''اس نے کئی کتابیں لکھیں۔ ایک کا نام شاپورگان تھا جو شاپور اول سے منسوب تھی اور پہلوی میں لکھی گئی تھی۔ باقی کتابیں سریانی میں تھیں۔ اس نے آرامی خط سے اقتباس کر کے ایک خط بھی ایجاد کیا۔ وہ ایک ماہر نقاش تھا۔

اس نے روشنی اور تاریکی یعنی نیکی اور بدی کو مختلف تصاویر کے

ذریعے واضح کیا تا کہ لوگ اس کی تعلیم کو بہتر سمجھ سکیں اور اَن پڑھ بھی کچھ نہ کچھ ان کا مفہوم جان لیں۔ مدتوں تک اس کی تصاویر کی شہرت رہی ہے۔ اسے نقاش پیغمبر کے لقب سے یاد کیا جاتا رہا ہے اور اس کی مرقع تصاویر کو ارتنگ یا اژرنگ کہتے رہے ہیں۔

شاپور اول ساسانی نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی۔ خود اس کا مرید بنا اور اپنے ملک میں اس کو تبلیغ کرنے کی اجازت دی۔ عرب مؤرخوں کی روایت کے مطابق دس سال کے بعد وہ ایران سے نکال دیا گیا۔ پہلے کشمیر گیا وہاں سے ترکستان اور چین میں گیا جہاں اس کے مذہب کے بہت سے پیرو بن گئے۔

چینی ترکستان میں تورفان کے مقام سے کھدائی کے دوران مانی عقائد کے کاغذات برآمد ہوئے ہیں جن سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس کا مذہب اس مقام تک پہنچ چکا تھا۔ شاپور کی وفات کے (۲۷۲ء) بعد اس کے جانشین ہرمزد کے عہد سلطنت میں اس کے پیرؤوں کو امید ہو چلی تھی کہ وہ اپنے پیغمبر کو واپس بلا لیں گے لیکن ''ہرمزد'' (۲۷۳ء) میں مر گیا اس کے بعد بہرام اول کے عہد میں ''زرتشتیوں'' کے پیر موبد مانیوں کے اعمال و حرکات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ انہوں نے مانی کو گرفتار کرایا۔ اس پر بے دینی کا جرم قائم کر کے اس کی کھال کھنچوا دی اس میں بھس بھر کر جند شاپور کی جیل کے دروازے پر لٹکا دیا۔ (مارچ ۲۷۵ء)''

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (مانی) صفحہ ۱۳۰ صفحہ ۱۳۱

زرتشتیت اور مانویت کے مابین موازنہ عقائد:

اب ہم زرتشتیت (زراتشتیت) اور مانویت کی تعلیمات کے مابین موازنہ ہدیہ قارئین کرام کرتے ہیں۔

''زرتشتیوں کا عقیدہ ہے کہ انسان اپنے ارادے میں آزاد ہے وہ اہورامزد کا پیرو ہو کر نیک اعمال کرے یا اہرمن کا مرید ہو کر بدوں کے گروہ میں شامل ہو جائے اور اپنے اعمال کی سزا روز قیامت پائے گا۔

مانی کہتا تھا کہ دنیوی زندگی اہورمزدی ہے ہی نہیں بلکہ اہرمنی ہے۔ آدم و حوا علیہم السلام

اہرمن کی مخلوق ہیں لیکن ان میں ایزدی نور کا ایک ذرہ بھی محبوس ہے۔
کوشش یہ ہونی چاہیے کہ یہ نور مادی جسم سے آزاد ہو کر عالم نور میں مل جائے۔ مانی کے نزدیک وجود وعدم نور وظلمت ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ دو میٹھے اور کھاری سمندر ہیں ان کی باہمی آمیزش غیر طبعی ہے جونہی آپس میں ملتے ہیں ان میں ایک حرکت اور زندگی پیدا ہوتی ہے چونکہ یہ ملاپ غیر طبعی ہے اس لئے ان میں جدائی لازم ہے۔
اسی نقطہ نظر کی بنا پر دنیوی زندگی حقیقی نہیں اور پائدار بھی نہیں اگر وہ مستقل ہوتی تو اس میں تغیر نہ ہوتا جو چیز عارضی اور غیر حقیقی ہے وہ اہرمنی ہے اور موت اس پر غالب آتی ہے۔
عالم مادی میں جو ذرہ حقیقت ہے وہ علم وخرد سے پائیدار ہو سکتا ہے اور ممکن ہے اس میں تغیر نہ ہو اس ذرہ کی اصل عالم نور ہے جو تمام آلائشوں سے پاک ہے اور جاودانی ہے۔''

(ایران شناسی) از ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (عقائد) صفحہ ۱۳۱

مانی اور تکوین کائنات:

''مانی'' کا تکوین کائنات کے بارے میں کیا نقطہ نظر تھا؟ تو ملاحظہ کیجیے:
''مانی نے تکوین کائنات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ مادہ اپنی حد سے تجاوز کر کے ''عالم نور'' میں مل گیا ہے اور ایک غیر طبعی ہیجان پیدا ہو چکا ہے۔
''اصل نور'' یعنی پدر زندگی، عالم مادی کے اس جبری ادخال کو روکنے کے لئے دوسری چیزیں وجود میں لایا۔''
''پہلی چیز ''مانی'' کے اپنے الفاظ میں ''رام راتوخ'' یعنی آرام بخش ہے۔ یہ مادر زندگی ہے اور فلسفہ کی زبان میں ''عقل کل'' ہے۔ ''مادر زندگی'' کے لئے ''مرد نختین''، یعنی ''نفس کل'' پیدا ہوا جو تاریکی دور کرنے کیلئے مقرر ہوا ہے۔
اس نے اپنے لئے پانچ فرزند یعنی پانچ روحانی حواس پیدا کئے اور اہرمن سے نبرد آزما ہو کر بے ہوش ہو گیا اور پدر زندگی کو اپنی مدد کے لئے پکارا اس نے مرد نختین کی مدد کے لئے مندرجہ ذیل ایزدوں کو پیدا کیا۔

(۱) روشنان فریانک: یعنی دوست روشنی دوسرے معنیٰ میں عشق ہے جو حسن حقیقی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور حسن مجازی یعنی ناپائدار سے روکتا ہے۔

(۲) بام یابان: اس کے معنیٰ ''سازندۂ گیتی'' ہے۔

(۳) ''وادز یوندگ'' یا ''بادِ زندہ'': یعنی روح قدسی۔ اس کے لئے پانچ فرزند وجود میں آئے۔

مان بد: ذکاوت، وش بد: دانش، زند بد: قوۂ ممیزہ، دہ بد: قوۂ فکر، پاھرک بد: حزم و ارادہ۔

ان قوتوں نے ''مرد نخستین'' یعنی آدم علیہ السلام اول کو تاریکی سے نجات دی لیکن اہرمن نے اس کا کچھ نورانی حصہ نگل لیا پس اس نور کو واپس لانے کے لئے پدر زندگی نے کائنات کو بنایا جو نور و ظلمت سے آمیختہ ہے۔ عالم مادی اس نور کو واپس لینے کے لئے کوشاں ہے جب پورا نور حاصل ہوگا تو یہ ''مادی دنیا'' ختم ہو جائے گی اور تاریکی اپنی جگہ رہ جائے گی اور ''عالم نور'' جدا اپنی جگہ رہ جائے گا۔''

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (مانی) صفحہ ۱۳۱ صفحہ ۱۳۲

مانی کا فلسفہ فکر اور اس کا انسانی زندگی پر انطباق:

''مانی'' کا فلسفہ فکر اور اس کا انسانی زندگی پر انطباق کا اصول کیا تھا؟ تو ملاحظہ کیجیے:

اس فلسفہ فکر کو مانی نے انسانی زندگی پر یوں منطبق کیا ہے!

''انسان کو چاہیے کہ اس نور کی رہائی کے لئے کوشش کرے جو اس میں مقید ہے اور اس کو اہرمنی تاریکی یعنی مادہ سے نجات دے۔ ان ظاہری لذات پر فریفتہ نہ ہو جائے جن کو اہرمن حقیقی بنا کر پیش کرتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں انسان پدر زندگی کا نور ہے۔ اسی مادی بندھنوں سے آزاد ہو کر اس کو پھر اس نور سے ہم آہنگ ہو جانا چاہیے۔ اس مقصد کے لئے مانی کی اخلاقی تعلیم یہ تھی ''جو چیز ہمارے نفس حیوانی کے لئے لذیذ ہے وہ ناپسندیدہ ہے، ازدواج، توالد و تناسل، شہوت رانی، دولت، شہرت وہ دام ہیں جو ہمارے نور و آزادی کو مقید رکھنے کے لئے اہرمن نے پھیلا رکھے ہیں۔''

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (مانی) صفحہ ۱۳۳

مانی کے پیروکاران کے پانچ طبقات:

مانی کے پیروکاران درج ذیل پانچ طبقات پر مشتمل تھے۔

۱۔ استادان ۲۔ مکوبدان ۳۔ پیران ۴۔ برگزیدگان ۔۵۔ شنوندگان۔

جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:۔

''ایک اور ترتیب سے یہ طبقات تین گروہوں میں منقسم تھے۔

(۱) برگزیدگان:

یہ وہ لوگ ہیں جو دنیاوی آلودگیوں سے پاک ہو کر اپنے نور

محبوس کو آزاد کر کے عالم نور سے جا ملے۔

(۲) شنوندگان:

ان کے متعلق یہ خیال تھا کہ اگر یہ اپنے اعمال کو درست رکھیں تو ممکن ہے وہ آئندہ دنیا میں برگزیدگان کی صورت میں واپس آئیں اور اپنی خامیوں کو دور کر کے پھر نور مقید کو آزاد کر سکیں۔

(۳) مادی:

اس گروہ میں وہ لوگ ہیں جو مادی دنیا میں غرق ہیں ان میں نور کا وجود ہی نہیں یہ لوگ انسانی شکل میں دنیا میں آئے اور حیوانی صورت میں دنیا سے جائیں گے۔"

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (مانی) صفحہ نمبر ۱۳۳!

مانی کے نزدیک عورت کا مساوی ہونا تکمیل اخلاق کے نقطہ نظر سے:

"مانی" کے نقطہ نظر سے تکمیل اخلاق کے باوصف عورت کا مساوی ہونا ضروری ہے۔
"مانی کے نزدیک عورت تکمیل اخلاق کے نقطہ نظر سے مساوی ہے وہ ترقی کر کے برگزیدگان کے مرتبے تک پہنچ سکتی ہے۔ طبقہ برگزیدگان کے لئے لازم تھا کہ وہ مجرد زندگی گزاریں اور شہوانی خواہشات سے پرہیز کریں۔

سال میں تین مہینے یا ہر مہینے میں سات دن روزے رکھیں جاندار کو آزار نہ دیں بلکہ نباتات کو بھی بے ارادہ پامال نہ کریں، گوشت سے پرہیز کریں، جھوٹ نہ بولیں، بخل نہ کریں، بت پرستی، جادوگری اور ریاکاری سے قطعاً اجتناب کریں، ہمیشہ ایک سکون، قناعت و توکل کی زندگی بسر کریں طبقہ شنوندگان میں سے جو اس قدر سخت زندگی بسر کرنے کی استعداد نہ رکھتے ہوں ان کو شادی کرنے کی اجازت تھی، وہ گوشت کھا سکتے تھے اور دنیاوی کاموں میں شریک ہو سکتے تھے لیکن ایسی زندگی کے کفارے میں ان پر واجب تھا کہ وہ بزرگان دین کی مدد کریں۔

مانوی رات دن میں چار نمازیں پڑھتے تھے، ہر نماز میں بارہ سجدے کرتے تھے، اتوار شنوندگان کے لئے اور پیر وار برگزیدگان کے لیے مقدس دن شمار ہوتے تھے، پرستش کے وقت گیت گاتے تھے اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے بخشش مانگتے تھے، زکوٰۃ دیتے تھے۔

مانویوں کی زندگی کے سات اصول تھے جن پر کاربند رہنا ان کا ایمان تھا۔ ان کو ہفت مہر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

پدرزندگی کے ساتھ عشق۔

اس بات پر ایمان کہ چاند اور سورج دونورانی جسم ہیں۔

مانی سے پیشتر پیغمبروں کی نبوت کا اقرار۔

آدم علیہ السلام اول میں عناصر روحانی کا احترام۔

مہرلب: یعنی ناشائستہ کلمات سے پرہیز۔

مہردست: یعنی ناشائستہ پیشوں سے پرہیز۔

مہردل: یعنی ناشائستہ افکار سے پرہیز۔

مانی کا مذہب بابل میں آسانی سے پھیل گیا کیونکہ وہاں اس قسم کے مختلف عقائد پہلے ہی سے رائج تھے۔ وہاں سے شام، فلسطین اور عرب میں پہنچا یہ لوگ سب آرامی بولتے تھے اور مانی کی کتابیں بھی آرامی میں تھیں۔

لیکن بعد میں مصر میں اس مذہب کی مقبولیت ہوئی جہاں راہب عرفان کے دلدادہ تھے مصر سے شمالی افریقہ اور قرطاجنہ میں اس کا اثر پہنچا۔ تیسری صدی میں لوگوں کے پاس مانوی کتابوں کے شاندار نسخے دیکھے گئے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ لاطینی میں ان کا ترجمہ ہو چکا تھا۔ پادریوں کی مخالفت کے باوجود چھٹی صدی عیسوی تک اٹلی میں مانویت کا وجود قائم رہا۔ اسی طرح سپین میں بھی مانوی پہنچ چکے تھے۔ بابل میں تو زمانہ وسطیٰ تک ان کا وجود نظر آتا ہے۔

عرب مؤرخوں نے ان کو زندیق کہا ہے۔"

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (مانی) صفحہ ۱۳۴ صفحہ ۱۳۵

مزدک:

"زردشت" (زوراسٹر) اور "مانی" کے بعد "مزدک" کی شخصیت قدیم ایرانی مذہب کے حاملین میں نہایت مشہور و معروف چلی آتی ہے۔ تو آیئے ہم "مزدک" اور اس کی تعلیمات کا یہاں پر مختصراً جائزہ لیتے ہیں:

"مزدک" نیشاپور میں پیدا ہوا۔ باپ کا نام "بامداذ" تھا۔ ساسانی بادشاہ قباد (۴۸۸۔۵۳۱ ق م) نے اس کی حمایت کی اور اس کے مذہب کو اپنانا چاہا اس کا مقصد یہ تھا کہ امراء دربار اور موبدوں کا اثر کم کیا جائے لیکن وہ مخالفتوں کی تاب نہ لا سکا۔ یاروں نے تخت سے اٹھا کر جیل میں بند کر دیا اور اس کے بھائی "جاماسپ" کو بادشاہ بنا دیا۔ قباد جیل سے بھاگ کر سفید ہنوں کی مدد سے دوبارہ تخت پر قابض ہو گیا۔

اسکے اواخر سلطنت یعنی (۵۲۸۔۲۹ء) میں اس کے بیٹے ''خسرو انوشیروان'' نے مزدکیوں سے ظاہری ارادت کا بہانہ بنا کر ان کو دعوت پر بلایا اور پھر ان سب کو گرفتار کر کے مار ڈالا اور اوندھے منہ زمین میں دفن کر دیا۔اس کے بعد مزدک کو بھی سر نیچے کر کے زندہ زمین میں گاڑ دیا۔

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہورالدین احمد صاحب
بعنوان (مزدک) صفحہ ۱۳۵،۱۳۶

مانی اور مزدک کے مابین عقائد ونظریات کا اتحاد:

''مزدک کے عقائد کی بنیاد مانی کے دین پر تھی وہ بھی قائل تھا کہ روشنی اور تاریکی کے دو اصول موجود ہیں۔روشنی حساس اور باشعور ہے اس لئے اس نے آزادانہ عمل کیا۔تاریکی جاہل اور اندھی ہے اس لئے اس کے کارنامے اتفاقی ہیں۔

روشنی اور تاریکی ایک حادثہ کی بنا پر باہم مخلوط ہو گئے ہیں اور اب ان کی جدائی بھی حادثاتی ہو گی۔کائنات تین عناصر (آگ، مٹی، پانی) سے وجود میں آئی۔تینوں کے اختلاط سے خیر و شر کا وجود بنا۔روشن حصے خیر اور تاریک حصے شر کے نمائندہ ہیں۔''

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہورالدین احمد صاحب بعنوان (مزدک) صفحہ ۱۳۶

مزدک کے نقطہ نظر سے (روحانی دنیا) ایک الگ نظام ہے:

''مزدک'' کے نقطہ نظر سے (روحانی دنیا) ایک الگ نظام ہے۔تو آیئے ہم (مزدک) کے عقائد ونظریات کا مختصر اجائزہ لیتے ہیں:

''مزدک'' کا خیال تھا کہ روحانی دنیا کا بھی الگ نظام ہے۔شہنشاہ فلک تخت پر بیٹھا ہے اس کے سامنے چار قوتیں کھڑی ہیں (قوت ممیزہ، ذکاوت، حافظہ اور شادانی) یہ قوتیں وزراء کی مدد سے دنیا کا نظام چلاتی ہیں۔ان کے نام یہ ہیں:

۱۔سالار	۲۔پیشکار	۳۔بلوان
۴۔کاروان	۵۔دستور	۶۔کودک

یہ چھ وزیر بارہ روحوں کے مابین حرکت کرتے ہیں:

خوانندہ، دہندہ، ستانندہ، برندہ، خورندہ، دوندہ، خیزندہ، کشندہ، زنندہ، کنندہ، آیندہ، شنوندہ!

''جو انسان چار قوتیں چھ وزیر اور بارہ اختیارات اپنے اندر جمع کر لیتا ہے وہ ولی ہو جاتا ہے اس دنیا میں اس پر اعمال کی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی۔''

(ایران شناسی) صفحہ ۱۳۶

اشتراکیّت کا مصدر و مآخذ مزدکیت ہے:

''مزدک کا نظریہ تھا کہ اختلاف مراتب، نفرت اور جنگ یقیناً بہت بڑی برائیاں ہیں جو تاریکی سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان کا مبداء اور منشاء مال وزن ہے ان برائیوں کے خاتمے کا علاج یہ ہے کہ مال وزن ہر شخص کی اشتراکی ملکیت ہوتا کہ ہر شخص ان کا مساویانہ استعمال کرے جس طرح وہ آگ، پانی اور ہوا کو استعمال کرتا ہے۔

عالم بالا میں بادشاہ چند کلمات کی مدد سے حکومت کرتا ہے۔ ان کلمات کو باہم ملانے سے خدا کا لازوال نام بنتا ہے۔ وہ شخص جو ان کلمات کا ہلکا سا تخیل کر سکتا ہے وہ اپنے سامنے اس رازِ عظیم کو منکشف پاتا ہے۔ جو شخص اس کا اہل نہیں بنتا وہ جہالت، فراموشی، حماقت اور سراسیمگی کی تاریکی میں رہتا ہے۔''

(ایضاً) صفحہ ۱۳۶ ۱صفحہ ۱۳۷

مزدکیّت کے چار فرقے عصر خلفاء بنی عباس رضی اللہ عنہ تک:

قدیم ایران کے مذاہب میں سے مزدکیّت چونکہ جدید ترین مذہب تھا بدیں صورت یہ ایران میں عہد اسلام کے بعد بھی عصر خلفائے ابن عباس رضی اللہ عنہ تک موجود تھا اور یہ چار فرقوں (گروہوں) میں منقسم ہو چکا تھا ملاحظہ کیجیے:

''خلفائے بنی عباس رضی اللہ عنہ کے عہد تک مزدکی چار گروہوں میں منقسم تھے:

(۱) کوذکیہ: جو خوزستان، فارس اور شہرزور میں زندگی گزارتے تھے۔

(۲) ابوسلیمان

(۳) ماہانیان

(۴) سپید جامگان

متوخر الذکر تین فرقے سغد اور ترکستان میں آباد تھے۔''

(ایران شناسی) صفحہ ۱۳۷

ایران (فارس) میں مزدکیّت کی آزادانہ ترویج واشاعت:

''مزدکیت'' کے آزادانہ اصول وقواعد نے بالآخر قدیم ایران کے جوان عقائد ونظریات

کا خوگر چلا آتا تھا نہایت وسیع پیمانے پر رواج پایا۔

"ایران میں مزدک کے اصولوں کا خوب آزادانہ استعمال ہوا۔ لفنگوں اور بے فکروں نے مال وزن سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور سارے ملک میں ایک ابتری اور برہمی پھیل گئی۔

آخر خسرو اول کے عہد میں اشتراکی مذہب کا خاتمہ کر دیا گیا لیکن مزدکی (۳۰۰ ہجری) تک مختلف ناموں سے (خرم دین) وغیرہ باقی رہے اور خلفائے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے جنگ آزما رہے۔ آخر مغلوب ہوئے اور معدوم ہو گئے۔

مزدک کی ایک کتاب بھی تھی لیکن ناپید ہے۔ ابن الندیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دو ترجموں کا ذکر کیا ہے۔ ایک ابن مقفع کا دوسرا ابان الاحقی کا۔"

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب صفحہ ۱۳۷

(الفہرست) ابن الندیم مقالہ نہم بعنوان (مذاہب واعتقادات) اردو ترجمہ صفحہ ۷۲ تا صفحہ ۷۹۴

رئیس المؤرخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ المغربی بعنوان (مزدک زندیق کاظہور) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> "اسی (قبادالملک کے) زمانہ حکومت میں مزدک زندیق (مزرق زندیق) ظاہر ہوا یہ ہر اس چیز کو مباح کہتا تھا جو انسان کی ضرورت تھی اور کہتا تھا کہ مال واسباب اور عورتیں کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہیں جس کا جی چاہے بے تامل اختیار کرے کیونکہ تمام چیزیں اللہ کی ہیں اور سب ایک ماں باپ سے ہیں۔"

(تاریخ ابن خلدون) تاریخ الانبیاء علیہم السلام حصہ دوم اردو ترجمہ جدید ایڈیشن بعنوان (مزدک کاظہور) صفحہ ۲۶۳

قدیم ایران کے مشہور ومعروف وموثر ترین مذاہب یہی تھے مثلاً: زرتشتیت، مانویت اور مزدکیت کہ جن کا ہم نے گذشتہ صفحات میں اجمال وتفصیل سے ذکر حوالہ قارئین کیا ہے۔

ہم انہیں سطور پر باب ۶ کو ختم کرتے ہیں اور اس سلسلہ کے متعلقہ عناوین کو آئندہ باب ۷ میں ھدیۂ ناظرین کریں گے انشاء اللہ۔

باب ۷

قدیم فارس (ایران) کے مذاہب وملل

(گذشتہ سے پیوستہ)

ایران کے قدیم وجدید مذاہب کی ایک مختصر فہرست:

قدیم ایران کے مذاہب وملل کی فہرست ایک طویل فہرست ہے جس کا ہم یہاں پر اجمال کے ساتھ بعنوان تذکرہ کرتے ہیں:

عہد قدیم کے مذاہب:

۱۔ آریوں کا مذہب
۲۔ مادیوں کا مذہب
۳۔ پارسیوں کا مذہب
۴۔ ہخامنشیوں کے عقائد
۵۔ پارسیوں کے معتقدات
۶۔ ساسانیوں کا دین
۷۔ زرتشتیت (زرتشتی) مذہب
۸۔ مانویت (مانی مذہب)
۹۔ مزدکیت (مزدکی مذہب)

عہد جدید کے مذاہب، شیعہ کے مختلف مذاہب

''ایران میں ۹۵ فیصد مسلمان شیعہ ہیں۔''شاہ اسماعیل صفوی'' کے زمانہ سے مذہب تشیع سرکاری طور پر سلطنت کا مذہب قرار دیا گیا۔ اَلنَّاس عَلیٰ دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ کے مصداق

اکثریت ''شیعہ مذہب'' کی پیرو ہوگئی۔ ان کے موجودہ دستور میں بادشاہ کا شیعہ مذہب ہونا ضروری ہے اور مذہب شیعہ کے مخالف کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا۔

شیعہ علماء کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طرفداران علی رضی اللہ عنہ کو شیعہ کے نام سے پکارا ہے چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ''دُرِ منثور'' میں ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا کہ ''قیامت میں یہ (علی رضی اللہ عنہ) اور اس کے شیعہ ہی کامیاب رہیں گے۔''

ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الصواعق المحرقۃ'' میں جناب اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت درج کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وہ دل میں خاموش مخالفت رکھتے رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے دور خلافت میں ان کے طرفداران کا گروہ ممتاز ہو گیا اور انہوں نے یہ نظریہ بنالیا کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت ان کے خاندان میں ہی رہنی چاہیے۔ چنانچہ بعد میں یہ عقیدہ خاص بن گیا کہ نبوت کہ طرح امامت بھی ایک منصب الٰہی ہے اور نبی کریم ﷺ خدا کے حکم سے امام کا اعلان کرتا ہے۔

چنانچہ رسول خدا ﷺ نے ۱۸ ذوالحجہ ۸ھ کو خم غدیر پر مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِيٌ مَوْلَاہُ کہہ کر اپنی جانشینی کا اعلان کر دیا تھا۔

بعد میں صرف امامت کی بنا پر ہی شیعہ ایک الگ فرقہ ہو گیا اور اس کے الگ مذہبی عقائد بن گئے۔ فطری طور پر عام اسلامی عقائد کی طرح شیعہ بھی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ کے بنیادی عقائد پر ایمان رکھتے ہیں لیکن بعض امور میں فقہی اختلافات سے بھی انہوں نے اپنے مذہب کو الگ شخصیت دے دی۔''

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (شیعہ) صفحہ ۱۵۲ صفحہ ۱۵۳

(اصل واصول شیعہ) از محمد حسین آل کاشف الغطاء ترجمہ سید ابن حسن لاہور ۱۹۵۷ء

(کلید مناظرہ) از برکت علی شاہ

اہل تشیع کے مشہور عقائد:

ہم درج ذیل عناوین وعقائد کے حوالے سے اہل تشیع کے عقائد ونظریات کا بنیادی طور پر طائرانہ جائزہ لے سکتے ہیں:

i. امامت:

اہل تشیع کے عقائد کے مطابق امامت بارہ شخصیات میں محدود ہے چنانچہ ہر امام نے

نص کے ذریعے اپنا جانشین مقرر کیا۔

بارہ حضرات آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم (اہل بیت عظام) کے اسماء گرامی:

یہاں پر ہم قارئین کرام کی معلومات کے پیش نظر ان بارہ حضرات آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم (اہل بیت عظام) کے اسمائے گرامی بہ قید وفیات سن وسال تحریر کرتے ہیں:

۱۔ حضرت سیدنا امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (۴۰ھ۔۶۶۰ء)
۲۔ حضرت سیدنا حسن ابن علی رضی اللہ عنہ (۳۔۴۱ھ۔۶۲۴ء۔۶۶۱ء)
۳۔ حضرت سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہ (۴۔۶۱ھ،۶۲۵ء۔۶۸۰ء)
۴۔ حضرت سیدنا علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۵ھ۔۷۱۳ء)
۵۔ حضرت سیدنا محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ (۵۰،۱۱۳ھ،۶۷۰۔۷۳۱ء)
۶۔ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ (۸۳۔۱۴۸ھ۷۰۲۔۷۶۵ء)
۷۔ حضرت موسیٰ بن جعفر رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۸۔۱۸۳ھ،۷۴۵۔۷۹۹ء)
۸۔ حضرت علی بن موسیٰ رضا رحمۃ اللہ علیہ (۱۴۸۔۲۰۳ھ،۷۶۵۔۸۱۸)
۹۔ حضرت محمد جواد رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۵۔۲۲۰ھ،۸۱۰۔۸۳۵ء)
۱۰۔ حضرت علی الہادی رحمۃ اللہ علیہ (۲۱۲۔۲۵۲ھ،۸۲۷۔۸۶۶ء)
۱۱۔ حضرت حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ (۲۱۳۔۲۶۰ھ،۸۲۸۔۸۷۴ء)
۱۲۔ حضرت المہدی رحمۃ اللہ علیہ (جو ۸۷۸ء) میں غائب ہو گئے۔

ii. حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرات آئمہ کرام بھی معصوم ہیں:

حضرات اہل تشیع کے عقائد ونظریات کے باوصف حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح حضرات آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ بھی معصوم ہیں۔

ڈاکٹر ظہو الدین احمد صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم بھی معصوم ہیں۔

عصمت امام کی دلیل قرآن مجید کی اس آیت سے لاتے ہیں:

إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ.

امام علوم وصفات کے لحاظ سے بھی سب سے افضل ہے۔

بارہ اماموں کو ماننے والے اپنے آپ کو امامیہ اور اثنا عشریہ

کہتے ہیں۔ شیعہ کے نزدیک طلب برکت کرنا اور آئمہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے معبود کے درمیان وسیلہ قرار دینا جائز ہے۔ ان کے مزارات میں عبادت کرنا جائز ہے۔ ان کا یہ عقیدہ بھی خاص ہے کہ زمانہ نبی یا وصی کے وجود سے خالی نہیں ہوتا۔"

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب
بعنوان (شیعہ) صفحہ ۱۵۴

iii. متعہ شرعاً جائز ہے:

اہل تشیع حضرات کے ہاں متعہ شرعاً جائز ہے اور یہ ان کا پختہ عقیدہ ہے ملاحظہ فرمایئے:
شیعہ کا پختہ عقیدہ ہے کہ متعہ شرعاً جائز ہے یعنی محدود مدت کے لئے شادی کرنا۔ ان کی فقہ میں متعہ کے قواعد وضوابط موجود ہیں۔

وہ متعہ کا جواز قرآن مجید کی اس آیت سے نکالتے ہیں:
(فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ)
ترجمہ: "یعنی ان عورتوں سے متعہ کرو (تمتع کرو) اور ان کے مقرر کردہ مہران کو دو۔"
اس کی تائید میں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ: اگر عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ کو ممنوع نہ کیا ہوتا تو بس گنتی کے (گئے گزرے) کچھ لوگ زنا کے مرتکب ہوتے۔
اور حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول مزید تائید کیلئے پیش کرتے ہیں:
"میں تین مسئلوں میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ متعہ الحج، متعہ النساء اور مسح بر کفش"۔

(ایران شناسی)
بعنوان (شیعہ) صفحہ ۱۵۴ صفحہ ۱۵۵

iv. طلاق، خلع، وقف، ہبہ اور وراثت کے مسائل میں اہل تشیع کے خاص عقائد ہیں:

"طلاق، خلع، وقف، ہبہ اور وراثت وغیرہ کے متعلق بھی شیعہ فقہاء کے خاص عقائد ہیں۔ شیعہ انہیں احادیث کو مصدقہ جانتے ہیں جو آئمہ یا اہل بیت رضی اللہ عنہم کی وساطت سے روایت کی گئی ہیں۔"

ایضاً صفحہ ۱۵۵

V. مسئلہ تقیہ:

''شیعوں کے مخصوص عقائد میں ایک مسئلہ تقیہ بھی ہے۔ مقصد اس بات کا ہے کہ جب کسی شخص کی جان و ناموس خطرے میں ہو تو وہ اخفائے حق کرے اور باطناً اپنے عقائد پر عمل کرے۔''

(ایضاً) صفحہ ۱۵۵

vi. مسئلہ تبرّیٰ:

''ایک اور مسئلہ تبرّیٰ ہے۔ ان کے نقطہ نظر سے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز روزہ اور جملہ تمام اعمال صالحہ سے یہ عمل بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت اور اللہ کی خاطر بغض رکھو یعنی تولا و تبرا، پھر استدلال کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں اللہ نے شیطان پر، کفار پر، جھوٹوں پر اور عہد و پیمان توڑنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔

اس لئے وہ بھی آئمہ رحمۃ اللہ علیہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کے مخالفین پر لعنت بھیجنا جائز سمجھتے ہیں چنانچہ یہ لعنت اور سب و دشنام شیعہ و سنی فسادات کا باعث بنتا رہا ہے۔''

(ایران شناسی) بعنوان (شیعہ) صفحہ ۱۵۵

vii. عاشورہ محرم میں شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ماتم وتعزیہ وغیرہ:

''محرّم کے پہلے عاشورہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعات بیان کرنا، مرثیہ پڑھنا، ماتم کرنا اور رونا شیعوں کے مستقل شعائر میں شامل ہے۔ ان کے نزدیک رونا مغفرت کا سبب ہے مصائب حسین رضی اللہ عنہ کے ماتم میں جس مسلمان کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکے گا خدا اس کو جنت میں جگہ دے گا۔''

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (شیعہ) صفحہ ۱۵۵

viii. شیعہ کے فرقہ جات اور ان کے مصادر و مآخذ:

جناب ڈاکٹر شیخ محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ (پروفیسر لاء کالج جامعہ قاہرہ) مصر بعنوان (شیعہ مذہب میں قدیم فلسفہ کے اثرات) کے تحت عنوان (شیعہ مذہب کے مصادر و مآخذ) بدیں الفاظ

خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"بلاشبہ شیعہ ایک اسلامی فرقہ ہے مگر عبداللہ بن سبا کے تبعین جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اُلوہیت کے قائل تھے اسلام سے بہت دور نکل گئے۔ یہ بھی درست ہے کہ شیعہ اپنے تمام افکار و معتقدات میں قرآنی نصوص اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احتجاج کرتے ہیں۔

مگر بایں ہمہ ان کے نظریات کچھ فلسفیانہ آراء پر بھی مشتمل تھے جن کا مصدر و ماخذ علماء مشرق و مغرب کی نگاہ میں وہ فلسفی و دینی مذاہب تھے جو ظہور اسلام سے قبل پائے جاتے تھے۔ مزید برآں شیعہ مذہب اس فارسی تہذیب سے بھی متاثر ہوا تھا جو ظہور اسلام سے ختم ہو گئی۔"

(اسلامی مذاہب) ترجمہ (المذاہب الاسلامیہ) از جناب ڈاکٹر شیخ محمد ابوزہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۵۷

آگے رقمطراز ہیں کہ:

"بعض یورپین مستشرقین جن میں پروفیسر ڈوزی بھی ہیں یہی خیال رکھتے ہیں کہ شیعہ مذہب ایران و فارس کی پیداوار ہے۔ ان کے نزدیک اس کی دلیل یہ ہے کہ عربوں کا ایمان انسانی حریت و آزادی پر ہے۔ اس کے برعکس اہل فارس خاندانی بادشاہت و حکومت کے معتقد تھے۔

ان کی نگاہ میں "انتخاب خلیفہ" کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد موجود نہ تھی (اہل فارس کے نزدیک) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کا سب سے زیادہ حق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچتا ہے لہٰذا جو لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ قرار پائے مثلاً حضرت ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم "غصب خلافت" کے مرتکب ہوئے تھے۔

اہل فارس سلاطین کو تقدس سے دیکھنے کے بھی عادی تھے چنانچہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو بھی مقدس مانتے تھے اور کہتے تھے کہ امام کی اطاعت فرض اولین ہے اور اس کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔"

(اسلامی مذاہب) صفحہ ۵۷ اردو ترجمہ

ix. یہودیت سے استفادہ

"بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ شیعہ نے فارسی تہذیب کی بجائے یہودیت سے زیادہ استفادہ کیا۔اس کی دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیس کے عقیدہ کا بانی تھا پہلے یہودی تھا۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہودی آثار کے علاوہ شیعہ مذہب میں بعض ایشیائی مذاہب مثلاً: بدھ مت کے عقائد بھی شامل ہیں۔"

(اسلامی مذاہب) از جناب ڈاکٹر ابوزہرہ مصری صاحب اردو ترجمہ صفحہ ۵۷ صفحہ ۵۸
(فجر اسلام) از جناب ڈاکٹر احمد امین مصری صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اسیادۃ العربیہ) بحوالہ (اسلامی مذاہب)

x. شیعہ مذہب اور یہودیت کا تاثر:

جناب ڈاکٹر شیخ محمد ابوزہرہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصری بعنوان (شیعہ مذہب اور یہودیت) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"غالباً شیعہ مذہب کے یہودیت سے ماخوذ ہونے کا مستشرقین نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور محدث ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سے اخذ کیا۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ شیعہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ: شیعہ اس وقت کے یہود ہیں۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الفصل میں لکھتے ہیں:
شیعہ بھی یہود کی راہ پر چلے جن کا خیال ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام اور فنحاس بن عازوا بن ہارون علیہ السلام اب تک بقید حیات ہیں۔اسی طرح بعض صوفیہ حضرت خضر اور الیاس علیہما السلام کو تا حال زندہ تصور کرتے ہیں۔"

(الفصل) للامام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ج ۴ص ۸۰
(اسلامی مذاہب) از ڈاکٹر الشیخ محمد ابوزہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۱۵۸ اردو ترجمہ

xi. جناب ڈاکٹر الشیخ محمد ابوزہرہ مصری صاحب کا تجزیہ بدیں بارہ:

جناب ڈاکٹر الشیخ محمد ابوزہرہ مصری صاحب بدیں بارہ تجزیہ کرتے ہوئے خامہ فرسائی

کرتے ہیں کہ:

"حق بات یہ ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے کہ شیعہ حکومت و سلطنت کو موروثی ہونے کے بارے میں فارس افکار سے متاثر ہوئے تھے۔ جیسا کہ شیعہ مذہب اور فارسی نظم مملکت کی باہمی مماثلت سے واضح ہوتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اکثر اہل فارس اب تک شیعہ چلے آتے ہیں۔ اولین شیعہ بھی فارس کے رہنے والے تھے۔

یہودیت شیعہ مذہب سے اس لئے قریبی مماثلت رکھتی ہے کہ شیعی فلسفہ مختلف مذاہب سے ماخوذ ہے۔ تشیع پر فارسی تخیلات کی چھاپ صاف نمایاں ہے اگرچہ وہ اسے اسلامی افکار کی طرف منسوب کرتے۔

آج کل اعتدال پسند شیعہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ عبداللہ بن سبا شیعہ تھا وہ اسے شیعہ تو کجا مسلمان بھی تسلیم نہیں کرتے ہم اس بات میں شیعہ کے ہمنوا ہیں اور ان کے اس دعویٰ کی تائید کرتے ہیں۔"

(اسلامی مذاہب) از جناب ڈاکٹر الشیخ محمد ابوزہرہ مصری صاحب رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۱۵۸ اردو ترجمہ

xii. شیعہ کے فرقہ جات:

بعض شیعہ غالی تھے۔
بعض شیعہ اعتدال پسند تھے۔
بعض شیعہ ان ہر دو کے درمیان تھے۔
شیعہ فرقہ میں سے درج ذیل مشہور و معروف ہیں:

فرقہ سبیہ
غرابیہ
فرقہ کیسانیہ
زیدیہ
فرقہ امامیہ (اثنا عشریہ)
امامیہ اسماعیلیہ (فرقہ باطنیہ)

فرقہ حاکمیہ ودروز

فرقہ نصیریہ

(حسن بن صباح اوراس کے متبعین)

''ملک شام میں یہ غالی شیعہ بڑی کثرت سے نمودار ہوئے۔ انہوں نے ''السمان'' نامی پہاڑ کو اپنا مرکز بنایا۔ آجکل اسے جبل نصیریہ کہتے ہیں۔ ان کے بعض پیشوا اپنے مریدوں کو بھنگ نوشی کی تلقین کرتے ہیں۔

اسی بنا پر تاریخ اسلام میں یہ حشاشین (بھنگ نوش) کے نام سے مشہور ہوئے۔ جب صلیبی حملہ آوروں نے بلاد شام اور پھر دیگر اسلامی ممالک کو تاخت وتاراج کیا تو انہوں نے مسلمانوں کے خلاف صلیبیوں کا ساتھ دیا۔ جب صلیبی اسلامی دیار وامصار پر مسلط ہو گئے تو انہوں نے ان کو اپنا مقرب خاص بنایا اور بڑے بڑے عہدے پیش کئے۔

سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ، سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر سلاطین ایوبیہ رحمھم اللہ کے عہد اقتدار میں باطنیہ نظروں سے اوجھل ہو گئے اور کہیں نظر نہیں آتے تھے۔ ان کے عہد حکومت میں ان کا کام صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے قائدین کے خلاف سازشیں کرتے اور ان کے خلاف مکروفریب کا جال پھیلانے میں مصروف رہتے تھے۔

بعد ازاں جب تاتاریوں نے ملک شام پر دھاوا بول دیا تو فرقہ نصیریہ والوں نے ان کی نصرت وحمایت کا دم بھرنا شروع کر دیا جس طرح قبل ازیں صلیبیوں کی امداد کی تھی۔ باطنیہ نے مسلمانوں کی خونریزی اور قتل وغارت میں امکانی حد تک سفاک تاتاریوں کا ساتھ دیا۔ جب تاتاریوں نے غارت گری سے دم لیا تو باطنیہ پہاڑیوں میں جا چھپے اور مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کے لئے کوئی اور منصوبہ سوچنے لگے۔''

یہاں پر ہم تفصیل کو نظر انداز کرتے ہیں۔

(اسلامی مذاہب) از جناب ڈاکٹر الشیخ محمد ابوزہرہ مصری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اردو ترجمہ صفحہ ۸۳ صفحہ ۸۴

xiii. بابی اور بہائی مذہب:

''محمد شاہ قاجار کے زمانے میں علماء وروحانیوں کا بڑا اثر واقتدار تھا۔ ملک کے تمام قوانین ان کے مشورں اور فیصلوں سے طے پاتے تھے یعنی قوۃ مقننہ تو یہ لوگ تھے لیکن قوۃ مجریہ دربار اور اس کے ارکان تھے۔ ان کے درمیان نفوذ واقتدار کی کشمکش جاری تھی ہر گروہ اپنے طور پر رعایا کے معاملات میں دخیل ہونا چاہتا تھا۔

دوسری طرف علماء میں اکثر مسائل پر باہمی اختلافات بھی کارفرما تھے۔ کیا شہروں میں،

کیا مرکز میں مختلف نظریہ فکر کے مدنظر علماء اپنے فیصلوں پر عمل کروانا چاہتے تھے چنانچہ مذہبی علماء کے درمیان نفاق کی خلیج وسیع ہونا شروع ہوگئی۔ایک گروہ برسرکار آیا جو فرقہ شیخیون کے نام سے مشہور ہوا۔اس فرقہ کے افراد ضعیف اور جعلی احادیث کو رد کرتے اور ہر مسئلہ کو عقل سے پرکھتے تھے۔

چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے معراجِ جسمانی سے انکار کر دیا (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ) کی معنوی تفسیریں بیان کیں۔

ان کا مقصد اسلام کو خرافات سے پاک کرنا تھا۔اسی زمانہ میں انہوں نے مسیحی مبلغین سے بھی مناظرے کئے اور علمی و عقلی استدلال کے بل پر ان سے مقابلہ کیا۔

چنانچہ ان کی بعض باتیں روشن فکر مسلمانوں میں مقبول ہوئیں۔اس طرح مرد عورتیں اس فرقہ کے ارادت مند نظر آنے لگے۔انہیں میں سے حسین فاضلہ شاعرہ قرۃ العین تھی۔ان کی سرگرمیوں کا مرکز عراق میں نجف اور ایران میں قزوین تھا۔قزوین میں قرۃ العین کی صدارت میں جلسے ہوا کرتے تھے چونکہ یہ تبلیغات مسلمان علماء کے خلاف جاتی تھیں اس لئے فرقہ شیخیون ان کے طعن اور ملامت کا ہدف تھا۔''

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب

بعنوان (بابی و بہائی) صفحہ ۱۶۵ صفحہ ۱۶۶!

xiii. بابی اور بہائی مذہب:

جناب ڈاکٹر الشیخ محمد ابو زہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (بہائی فرقہ) کے تحت عنوان (بہائی فرقہ کیونکر عالم وجود میں آیا) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''بہائی فرقہ نے شیعہ اثنا عشریہ سے جنم لیا۔اس کتاب میں بہائی فرقہ کا ذکر کرنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ اسلامی فرقہ ہے چونکہ یہ فرقہ مسلمانوں میں پروان چڑھا اور اس کا بانی و موسس بھی ایک اسلامی فرقہ کی جانب منسوب تھا لہٰذا ہم نے اس کے بیان کو ضروری تصور کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ بہائی فرقہ ان اصول و مبادی کو تسلیم نہیں کرتا جن پر مسلمانوں کا اجماع منعقد ہو چکا ہے اور جن کی حیثیت اسلام میں اساسی و بنیادی ہے۔''

(اسلامی مذاہب) اردو ترجمہ صفحہ ۲۹۲

''بہائی فرقہ کا بانی مرزا علی محمد شیرازی (۱۲۵۲ھ بمطابق ۱۸۲۰ء) ایران میں پیدا

ہوا۔ یہ اثنا عشریہ شیعہ سے تعلق رکھتا تھا مگر اثنا عشریوں کی حدود سے تجاوز کر گیا۔ اس نے اسماعیلی فرقہ کے عقائد باطلہ اور فرقہ سبیئہ کے ''عقیدہ حلول'' کا ایک ایسا معجون مرکب تیار کیا جسے اسلامی عقائد سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ ''امام مستور'' کا عقیدہ اثنا عشری شیعہ کے اساسی عقائد میں سے ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق بارھواں امام (سُرَّ مَنْ رَای) کے شہر میں غائب ہو گیا تھا اور ابھی تک وہ اس کے منتظر ہیں۔

مرزا علی محمد بھی دیگر ''اثنا عشریہ'' کی طرح یہی عقیدہ رکھتا تھا۔ اکثر اہل فارس جن میں یہ نوجوان (مرزا علی محمد) پروان چڑھا اسی نظریہ کے حامل تھے۔ اس نے اثنا عشریہ فرقہ کی حمایت میں بڑی غیرت کا ثبوت دیا جس کے نتیجے میں یہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔

فن نفسیات سے اسے گہرا لگاؤ تھا۔ یہ فلسفیانہ نظریات کے درس و مطالعہ میں بھی لگا رہتا تھا۔ لوگوں کی حوصلہ افزائی کے صلہ میں مرزا علی محمد نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ امام مستور کے علوم و فنون کا واحد عالم بے بدل ہے اور اس کی طرف رخ کیے بغیر وہ علوم حاصل نہیں کیے جا سکتے۔

اس لئے کہ شیعہ فرقہ کے قول کے مطابق دیگر آئمہ اثنا عشریہ کی طرح امام مستور آئمہ سابقین کی وصیت کی بناء پر اتباع علوم کا جامع اور مصدر ہدایت و معرفت ہوتا ہے۔

اس مفروضہ کی بناء پر کہ مرزا علی محمد آئمہ سابقین کے علوم کا حامل ہے اسے حجت سمجھا جانے لگا اور بلا چون و چرا اس کی اطاعت کی جانے لگی۔ ایک کامل امام کی حیثیت حاصل ہو جانے پر مرزا علی محمد ایک متبوع عام قرار پائے اور بلا استثناء ان کے اقوال کو مقبولیت عامہ ہوئی۔''

(اسلامی مذہب) از جناب ڈاکٹر الشیخ محمد ابو زہرہ مصری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ (بہائی فرقہ) صفحہ ۲۹۲ صفحہ ۲۹۳

XV. مرزا علی محمد کا دعویٰ مہدویّت:

جناب ڈاکٹر الشیخ محمد ابو زہرہ مصری صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''کچھ عرصہ گزرنے پر مرزا علی محمد غلو سے کام لینے لگا اور اس نظریہ کو مطلقاً نظر انداز کر دیا کہ وہ ''امام مستور'' کے علوم کا ناقل ہے۔ اس نے مستقل مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا جن کا ظہور غیوبت امام کے ہزار سال بعد ہونے والا تھا۔

امام غائب ۲۶۰ھ میں نظروں سے اوجھل ہوئے تھے۔ مرزا

نے اس سے بڑھ کر یہ دعویٰ بھی داغ دیا کہ ذات خداوندی اس میں حلول کر آئی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے توسط سے مخلوقات کے سامنے جلوہ افروز ہوتے ہیں۔

اس نے یہ بھی کہا کہ آخری زمانہ میں حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کا ظہور اس کے ذریعہ ہوگا۔ اس نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کے عام عقیدہ سے تجاوز کر کے اس پر رجوع موسیٰ علیہ السلام کا اضافہ کیا اور کہنے لگا کہ ان دونوں حضرات انبیاء علیہم السلام کا ظہور اس کے توسط سے ہوگا۔

مرزا علی محمد کی شخصیت میں اتنی جاذبیت پائی جاتی تھی کہ لوگ اس کے بلند بانگ دعوے کو بلا چون وچرا مان لیتے تھے مگر علماء نے امامیہ ہوں یا غیر امامیہ یک زبان ہو کر اس کے خلاف آواز بلند کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے مزعومات ودعاوی قرآن کے پیش کردہ حقائق وعقائد کے سراسر منافی تھے۔

مرزا نے علماء کی مخالفت کی پروانہ کی بلکہ انہیں منافق اور لالچی اور تملق پسند کہہ کر لوگوں کو ان سے متنفر کرنے لگا۔ بایں ہمہ لوگ اس کی باتوں کو سنتے اور بلا حجت اس کی پیروی کا دم بھرتے رہے۔"

(اسلامی مذہب) اردو ترجمہ صفحہ ۲۹۳

xvi. مرزا علی محمد باب کے عقائد ونظریات:

جناب ڈاکٹر الشیخ محمد ابو زہرہ مصری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (بانی بہاییت کے عقائد واعمال) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"ان دعاوی باطلہ کے بعد مرزا علی محمد باب چند عقائد واعمال کا اعلان کرنے لگا۔ ہم ذیل میں وہ امور ذکر کرتے ہیں۔ اعتقادی امور یہ تھے:

۱۔ مرزا علی محمد روز آخرت اور بعد حساب دخول جنت وجہنم پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ روز آخرت سے ایک جدید روحانی زندگی کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے۔

۲۔ وہ بالفعل ذات خداوندی کے اس میں حلول کر آنے پر اعتقاد رکھتا تھا۔

۳۔ رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نزدیک آخری رسالت نہ تھی وہ کہتا تھا کہ ذات باری مجھ میں حال ہے اور میرے بعد آنے والوں میں بھی حلول کرتی رہے گی گویا حلول الوہیت کو وہ اپنے لئے مخصوص نہیں ٹھہراتا تھا۔

۴۔ وہ کچھ مرکب حروف کا ذکر کر کے ہر حرف کے عدد نکالتا اور اعداد کے مجموعہ سے عجیب و غریب نتائج اخذ کرتا تھا وہ ہندسوں کی تاثیر کا قائل تھا انیس کا ہندسہ اس کے نزدیک خصوصی مرتبہ کا حامل تھا۔

۵۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ تمام انبیاء علیہم السلام سابقین کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ مجموعہ رسالات ہے اور اس اعتبار سے مجموعہ ادیان بھی۔

بنابریں بہائی فرقہ، یہودیت، نصرانیت اور اسلام کا معجون مرکب ہے اور ان میں کوئی حدفاصل نہیں پائی جاتی۔"

xvii. مرزا کے عملی امور:

مرزا نے اسلامی احکام میں تبدیلی کر کے عجیب و غریب قسم کے عملی امور مرتب کیے تھے وہ عملی امور حسب ذیل ہے:

☆ "عورت میراث اور دیگر امور میں مرد کے برابر ہے۔ یہ آیت قرآنی کا صریح انکار ہے جو موجب کفر ہے۔

☆ وہ بنی نوع انسان کی مساوات مطلقہ کا قائل تھا۔ اس کی نگاہ میں جنس و نسل دین و مذہب اور جسمانی رنگت موجب امتیاز نہیں ہے۔ یہ بات اسلامی حقائق سے میل کھاتی ہے اور ان کے منافی نہیں۔"

(اسلامی مذاہب) اردو ترجمہ صفحہ ۲۹۳ صفحہ ۲۹۴

xviii. مرزا علی محمد باب کے متبعین و تلامذہ:

جناب ڈاکٹر الشیخ محمد ابوزہرہ مصری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (علی محمد باب کے اتباع اور تلامذہ) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"یہ افکار و آراء مرزا نے اپنی تحریر کردہ تصانیف میں جمع کر دیے تھے جس کا نام البیان ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کے جملہ افکار عقائد اسلام سے اعراض و انحراف بلکہ انکار پر مبنی تھے۔

اس نے "حلول" کے نظریہ کو از سر نو زندہ کیا جسے "عبداللہ بن سبا" نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے گھڑا تھا اور جو صریح کفر ہے۔ انہی وجوہات کے پیش نظر حکومت اس کے خلاف ہوگئی اور مرزا علی محمد اور اس کے متبعین کو ادھر اُدھر بھگا دیا۔ مرزا ۱۸۵۰ء میں صرف تیس سال کی عمر میں

راہی ملک عدم ہوا۔

مرزا علی محمد نے اپنی نیابت کے لئے اپنے دو مریدان باصفا کو منتخب کیا تھا ایک ''صبح ازل نامی'' اور دوسرا ''بہاء اللہ''۔ ان دونوں کو فارس سے نکال دیا گیا تھا۔

''صبح ازل'' قبرص میں سکونت پذیر ہوا اور ''بہاء اللہ'' نے ''اَدْرنہ'' کو اپنا مسکن ٹھہرایا۔ ''صبح ازل'' کے پیرو بہت کم تھے۔ اس کے مقابلے میں ''بہاء اللہ'' کا حلقہ ارادت خاصا وسیع تھا۔ بعد ازاں اس مذہب کو ''بہاء اللہ'' کی طرف منسوب کر کے ''بہائی'' کہنے لگے۔ اس فرقہ کو بانی و مؤسس کی جانب منسوب کر کے ''بابی'' بھی کہا جاتا ہے۔ مرزا علی محمد نے اپنے لئے ''باب'' کا لقب تجویز کیا تھا۔

''صبح ازل'' اور ''بہاء اللہ'' میں نقطہ اختلاف یہ تھا کہ اول الذکر بابی و بہائی مذہب کو چھوڑ دینا چاہتا تھا جیسے اس کے بانی نے اسے منظم کیا تھا۔ اس کا کام صرف تبلیغ و اشاعت تھا بخلاف ازیں بہاء اللہ نے مرزا کی طرح بہت سی اختراعات کیں۔ وہ بھی مرزا کی طرح حلول کا قائل تھا اور اپنے آپ کو مظہر الوہیت قرار دیتا تھا۔

وہ کہا کرتا تھا کہ مرزا علی محمد نے میرے متعلق بشارت دی تھی۔ مرزا کا وجود میرے لیے تمہید کا حکم رکھتا تھا جس طرح نصاریٰ کی نظر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام ظہور مسیح کا پیش خیمہ تھے۔''

(اسلامی مذاہب) از جناب ڈاکٹر الشیخ محمد ابوزہرہ رحمۃ اللہ علیہ مصری بعنوان (علی محمد باب کے اتباع و تلامذہ) اردو ترجمہ صفحہ ۲۹۴ صفحہ ۲۹۵

xix. علی اللّٰہی:

علی اللّٰہی قبیلہ کے بارے میں جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''قبیلہ ''علی اللّٰہی'' کرمان شاہ کے مشرق سے مغرب تک آباد ہے۔ کردوں کے قبیلے گوران اور قلمانی سب ''علی اللّٰہی'' ہیں یعنی علی رضی اللہ عنہ کو خدا مانتے ہیں۔ ان کے افراد کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہو گی۔ ان کی ظاہری پہچان ان کی لمبی لمبی مونچھیں ہیں جو نچلے ہونٹ تک

بڑھاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو غسل دیتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مونچھیں ناف سے چھو کر تر ہوگئی تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے کٹوا کر چھوٹا نہ کیا۔ ہم بھی اس احترام میں مونچھوں کو بڑھاتے ہیں اگر کوئی ہاتھ بڑھا کر ان کی مونچھوں کا مذاق اُڑائے تو پھر اس کی جان کی خیر نہیں۔ شیطان پرست علی اللٰہیوں سے امتیاز قائم رکھنے کے لئے مونچھوں کو ٹھوڑی تک لٹکنے دیتے ہیں۔ علی اللٰہیوں میں مسلمانوں کی طرح روزہ، نماز، زکوٰۃ کی پابندی نہیں۔ سال میں تین روزے رکھتے ہیں۔ وہ بھی سردیوں میں یعنی ۱۵ سے ۱۸ تک طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک روزے کا وقت ہے۔ سورج کی شعاعوں کو دیکھ کر نماز ادا کرتے ہیں۔"

(ایران شناسی) صفحہ ۱۷۵ صفحہ ۱۷۶

"ان کے بیاہ کی رسم آسان ہے۔ لڑکی کا ہاتھ لڑکے کے ہاتھ میں دے کر سات کلمات دہراتے ہیں۔ "قلم زریں شرط نبی امین، پیر موسیٰ، دردای داؤد علیہ السلام اول و آخر یار" چلئے نکاح ختم۔ ان کے مذہب میں طلاق جائز نہیں۔ شادی کی رسم ادا کرنے کے لئے سرکاری اداروں کی طرف بھی رجوع کیا جا سکتا ہے لیکن کوئی پابندی نہیں۔

یہ لوگ کسی مرگ پر گریہ زاری نہیں کرتے کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ روح زندہ ہے۔ اس لئے رونے دھونے کی بجائے خوشیاں مناتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ یہ جو مسلمانوں نے آئمہ کے ماتم میں گریہ زاری نوحہ سرائی اور سینہ کوبی کا دستور بنا رکھا ہے یہ سب ملاؤں کے سیاسی ہتھکنڈے ہیں۔

ان میں اخوند ملا یا "روضہ خوان" کا وجود نہیں۔ ان کی مقدس کتاب کا نام "جاماسب" ہے جس میں تمام مذہبی امور کے متعلق قوانین وہدایات مندرج ہیں لیکن ہر شخص ان کا مطالعہ نہیں کر سکتا۔ ایک اور کتاب "بیاض مذہبی" کے نام سے ان کے پاس موجود ہے جس میں قوانین کے علاوہ پیش گوئیاں بھی درج ہیں۔

ان میں مردوں عورتوں کے حقوق مساوی ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے کاموں میں شریک ہو کر محنت کرتے ہیں۔" (ملخصاً)

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (علی اللٰہی) صفحہ ۱۷۶ و ما بعد صفحات

ان فرقہ جات کے علاوہ سرزمین ایران میں "کلیمی" مذہب کے یہودی آباد ہیں۔ ۱۹۵۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق ایران میں چالیس ہزار کے لگ بھگ یہودی آباد تھے۔ اصفہان

میں یہود کی الگ ایک بستی ہے۔

''شیطان پرست'' ۱۹۵۸ء کے مطابق ان کی کل تعداد ۴۰ ہزار کے قریب تھی۔ان میں سے اکثر و بیشتر عراق عرب میں موصل کے آس پاس آباد ہیں۔ ایران میں چار سو کے لگ بھگ ہوں گے۔ قبیلہ ایلخانی ان کا مرکز ہے۔ سرحد عراق کے نزدیک مرزآبی محکمہ (ایران و ترکیہ کی سرحد) اور شرکان میں بسے ہوئے ہیں۔

اسی طرح ''فرقہ نصیریہ'' اور ''معتزلہ'' بھی سرزمین ایران سے متعلق ہیں۔

قدیم ایران (فارس) کے مذاہب کیساتھ ساتھ ہم نے زمانہ بعد اسلام کے ان مذاہب کا ذکر بھی کر دیا ہے کہ جو قدیم ایرانی مذاہب مثلاً: زرتشتیت، مانویت اور مزدکیت کے مذہبی عقائد و نظریات سے گہرے طور پر متاثر تھے اور وہ اپنے صحیح و واضح اسلامی تشخص کو کھو بیٹھے تھے چاہے ان کے اعتقادات و نظریات ہوں یا کہ نہ۔ دین اسلام کا عملی پہلو ان کے ہاں اصل اسلامی رُوح عنقا ہو کر رہ گیا۔

قارئین کرام مطالعہ کے بعد بہتر طور پر یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ''دین اسلام'' کے ماسوا درحقیقت یہ قدیم ایرانی مذاہب کی جدید پیش رفت تھی۔

ہم انہیں سطور پر باب ۷ کو ختم کرتے ہیں۔

(نعمانی)

باب ۸

ایرانی قبائل۔ایرانی زبانیں۔ایرانی خط

گذشتہ ابواب میں ہم نے ''تاریخ وجغرافیہ ایران'' نیز قدیم ایرانی مذاہب کا اجمال و تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ سرزمین ایران (فارس) میں امتداد زمانہ سے اردگرد کے خطہ جات سے وقتاً فوقتاً مختلف اقوام وملل نیز مذاہب وادیان کے قبائل متوارد ہوتے چلے گئے جن کا تعلق مختلف اقوام والسنہ سے تھا اور ان کے خط تحریر کی روش وطریقہائے مختلف تھے۔ قبائل السنہ اور لسانی خطوط اور ان کی روش کا دور بھی اتنا ہی قدیم ہے کہ جس قدر انسانی معاشرہ کا دور، اس باب میں مذکورہ بالا عناوین کا ہم مختصراً جائزہ لیتے ہیں:

ا۔ایرانی قبائل:

جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (ایرانی قبائل) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> ''ترکی میں قبیلہ کو (ایل) کہتے ہیں۔ یہ لفظ مغلوں کے دور سے رائج ہے آج ''ایل'' سے مراد وہ خانہ بدوش قبائل ہیں جو خیموں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ گرمیوں میں سرد مقام اور سردیوں میں گرم مقام کی طرف سفر کر جاتے ہیں اور اپنا لاؤ لشکر ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ ان کا سرمایہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ ہیں، قالین، کمبل اور جاجم بننا ان کا پیشہ ہے۔ ان کا ایک سردار ہوتا ہے جسے ''ایل خان'' یا ''ایل بیگ'' کہتے ہیں اس کا منصب موروثی ہوتا ہے۔
>
> یہ قبائل یا طائفے مدتوں سے ایران میں چلے آتے ہیں ہخا منشوں، اشکانیوں اور ساسانیوں کے عہد سلطنت میں ان کا خاص ذکر نہیں آیا چند ایک مشہور قبائل مثلاً: کرد، لُر، بختیاری، زنگنہ، زند، ایرانی ہیں۔

باقی مشرق ومغرب سے ایران میں آئے ہیں لیکن مدتوں ایرانی باشندوں
میں خلط ملط ہونے کی وجہ سے ایرانی ہو چکے ہیں اور یہیں کے باشندے
شمار ہوتے ہیں۔''

(ایران شناسی) صفحہ ۸۷ بعنوان (ایرانی قبائل)

گذشتہ ابواب میں ہم رئیس المؤرخین علامہ ابن خلدون المغربی کے حوالے سے اہل فارس کے انساب کا ذکر ہدیہ قارئین کرام کر چکے ہیں قارئین ابواب گذشتہ کوملاحظہ فرمائیں۔

سرزمین ایران کے قدیم اور عظیم قبائل میں سے درج ذیل قبائل نہایت مشہور اور اہمیت کے حامل ہیں:

i. کُرد:

کردوں کا آبائی وطن کردستان ہے جس کے شمال میں آذربائیجان، مشرق میں ہمدان، جنوب میں کرمان شاہ اور مغرب میں عراق عرب ہے۔

''اس کا محل وقوع ایران، ترکیہ اور عراق کے سرراہ ہونے کی وجہ سے نہایت اہم رہا ہے۔ مغرب سے یا مشرق سے جتنے بھی حملہ آور آتے رہے ہیں وہ کردستان اور کرمان شاہ سے ہو کر گزرے ہیں۔ کردستان دو حصوں میں منقسم ہے۔ کردستان صحنہ اور گردس، اول الذکر کے دو حصے ہیں۔ شمالی اور جنوبی۔'' (ملخصاً)

(ایران شناسی) از ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (کرد) صفحہ ۸۸

کردوں کی مختلف شاخوں اور بطون کی تعداد ایک سو باون شمار کی گئی ہے۔ ان میں مختلف اسلامی مذاہب کے لوگ شامل ہیں۔

ii. بختیاری:

''بختیاری'' قبائل کے بارے میں جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''بختیاری ایسے پہاڑوں میں آباد ہیں جو سراسر جنگلوں سے پُر ہیں۔ ان کا علاقہ جنوب میں خوزستان، شمال سے اصفہان، مشرق میں فارس اور مغرب میں لرستان تک پھیلا ہوا ہے۔

''بختیاری'' پہاڑوں میں گرم وسرد معدنی چشمے پائے جاتے ہیں عموماً گرمیاں زردکوہ کے دامن میں گزارتے ہیں جو دریائے کارون،

دزنول، کرخہ اور زایندہ رود کا سرچشمہ ہے۔''

(ملخصاً)

(ایضاً) صفحہ ۹۲

ان کی زبان ترک و عرب کے اثرات سے محفوظ رہی۔ مذہباً شیعہ ہیں۔ بختیاری قبیلہ دو گروہوں میں منقسم ہے ہفت لنگ، چہار لنگ، ان گروہوں کی بھی الگ الگ شاخیں ہیں ہر شاخ اپنے سردار کے نام سے منسوب ہے۔

iii. قشقائی:

''قشقائی'' فارس میں آباد ہیں۔ ان کے مشہور قبائل کے نام یہ ہیں۔

ا۔ قشقائی ۲۔ خمسہ ۳۔ الوار، کوہ گیلویہ ۴۔ ممسنی وغیرہ ان کی تعداد چالیس کے قریب ہو گی۔ قشقائی ترکی لفظ ہے جس کے معنیٰ فراری ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ یہ لوگ ایشیائے کوچک سے آئے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ براہ راست ترکستان سے آئے ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ چنگیز خان کے زمانے میں توران میں آباد تھے نادر شاہ ان کو ایران میں لایا تھا۔ پہلے یہ خلجستان ساوہ میں آباد ہو گئے تھے پھر ان میں سے اکثر فارس کی طرف چلے آئے۔ ان کی شکل و شباہت سے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ زرد رنگ تُرک یا منگول کی نسل سے ہوں گے۔ وہ سفید رنگ ہیں اور آریہ نسل سے مشابہ ہیں۔ ترکی زبان ہونا ان کے ترک ہونے کی دلیل نہیں۔

بہر حال جہاں سے بھی آئے ہوں۔ سرزمین فارس میں آ کر وہ یہیں کے ہو گئے اور اس ملک کے باشندے شمار ہونے لگے۔

ہر قبیلہ اپنے قدیم سردار کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ مثلاً بابا خانی، احمدلو، جعفر خانی، جعفر بای وغیرہ۔

آگے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> ''خمسہ یعنی وہ پانچ قبائل ہیں جن کے نام یہ ہیں: اینا نلو، بہارلو، عرب، باصری، نفر، عرب کے علاوہ باقی قشقائی ہیں۔ صوبہ فارس کے مشرق و جنوب مشرق میں آباد ہیں اور خانہ بدوشی چھوڑ چکے ہیں۔ قبیلہ عرب کے تیرہ ہزار گھر ہوں گے۔ ان کے دو شعبے ہیں جبارہ اور شیبانی یہ عرب ابتدائے اسلام میں نجد و عمان سے آئے کچھ فارس کے جنوب میں اور کچھ خوزستان میں آباد ہو گئے۔

ان کی زبان عربی، ترکی، فارسی اور لری سے مرکب ہے۔ قبیلہ
نضر اپنے قدیم سردار حاجی حسین قلی خان نضر سے منسوب ہے۔"

(ایران شناسی) صفحہ ۹۳ صفحہ ۹۴

کوہ گیلویہ کے قبائل میں سے تین بڑی شاخیں: آقا جری، باڈی اور جاکی وغیرہ ہیں۔ ممسنی کے وسیع علاقہ میں چار قبائل آباد ہیں: طائفہ، بکش، جاویدی، دشمن زیاری اور رستم وغیرہ۔

iv. خوزستان کے قبائل:

خوزستان کے قبائل میں اکثریت عرب قبائل کی ہے ان میں سے بڑے بڑے اور مشہور قبائل کے نام درج ذیل ہیں:

قبیلہ بنی کعب
قبیلہ بادی
آل کثیر
اعراب منیج (بنی مالک)
گندزلو
بنی طرف

v. کرمان و بلوچستان کے قبائل:

"کرمان و بلوچستان کے قبائل مختلف عناصر سے مرکب ہیں۔ اکثر ان میں سے وہ ہیں جو فتح عرب کے بعد مغرب سے کوچ کر کے جنوبی اور مشرقی علاقوں میں پناہ گزیں ہوئے اور یہاں کے اصلی باشندے بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے لیکن بعد میں واپس آ کر مہاجرین ہی میں خلط ملط ہو گئے۔

چنانچہ اب علاقوں کے قبائل ترک، کرد، عرب اور قدیم باشندوں پر مشتمل ہیں۔ کچھ لوگ وہ بھی ہیں جن کو شاہان ایران نے خود وہاں بھیج دیا تھا مثلاً: اہل افشار جس کو نادر شاہ افشار نے وہاں بھجوا دیا تھا۔

ان قبائل میں اکثر کا مذہب تشیع ہے لیکن بعض حصوں میں تسنن کے بھی پیرو ہیں۔"

(ملخصا)

(ایران شناسی) صفحہ ۹۸ صفحہ ۹۹

مشہور قبائل کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) بلوچ گل بخشی: یہ بلوچی اور فارسی ہر دو زبانیں بولتے ہیں۔
(۲) محمد رضا خانی: صرف بلوچی ہیں۔
(۳) عرب کوہ پنج: عربی و بلوچی ہیں۔
(۴) نخعی: فارسی میں اور
(۵-۶) افشار اور قرا اسعیدلو: ترکی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔

''سراوان'' کے علاقہ میں باران زئی قبیلہ کے لوگ آباد ہیں۔

vi. جپسی یا کولی:

''دنیا کے ہر خطے میں ان کا وجود ملتا ہے۔ ایران میں ان کو کولی، غربتی، فقراء، لولی، غنیاگر اور لوری کہتے ہیں۔ مشہور ہے کہ بہرام گور کے زمانے سے ایران کی سرزمین میں داخل ہوئے تھے۔

ان کا کام خرادی، ہاتھ دیکھنا، گداگری، جانور خریدنا، بیچنا، آہن گری، رقاصی اور کبھی کبھی مزارعین کے ساتھ کھیتوں میں ان کی امداد کرنا ہے۔''

(ایران شناسی) صفحہ ۱۰۰

عموماً سواحل کے نزدیک بوشہر، کنگان، دیر، طاہری، خورموج، دشتی اور پھر بندر عباس چاہ بہار اور دیگر جزائر سے انکے سفر کا راستہ گزرتا ہے۔

''ان کا لہجہ عجیب ہے۔ ان کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی وہ آوارہ گرد ہیں۔ شرافت و نجابت ان کے پاس نہیں پھٹکی، کہنے کو تو وہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اسلام کے متعلق ان کی معلومات صفر ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، خدا، پیغمبر سے کوئی واسطہ نہیں۔

پاکی پلیدی کا بھی کوئی خیال نہیں۔ کتا ان کا دائمی مونس ہے جہاں جاتے ہیں وہ ان کے ساتھ جاتا ہیں جس پیالے میں خود کھاتے ہے اسی میں اُس کو کھلاتے ہیں۔ ان کی عورتوں سے اگر کوئی عمل بد ہو جائے تو اس کی پروا نہیں کرتے۔'' (ملخصاً)

(ایران شناسی) صفحہ ۱۰۰ا صفحہ ۱۰۱

vii. ایران (فارس) کے بعض دیگر متفرق قبائل:

''گمش تپہ الی اترک'' اور ''گرگان'' وغیرہ میں ''ترکمن'' قبائل آباد ہیں مثلاً ''جعفر بائی''، ''چاکر قراول'' وغیرہ۔ اسی طرح ''شاہرود'' اور ''بجنورد'' میں ''شادلوکرد'' اور ''تیمور تاش''

ترک آباد ہیں۔

''آذربائیجان'' کے علاقوں اردبیل، اجارود، مشکین، خلخال، ساوجبلاغ، مکری، سلماس اور رضائیہ میں مختلف قبائل آباد ہیں اور چند ایک تہران، ساوہ، زرند اور قزوین کے اطراف میں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ سب خیمہ بدوش ہیں۔''

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور ادین احمد صاحب
بعنوان (دیگر متفرق قبائل) صفحہ ۱۰۱

۲۔ ایرانی زبانیں:

جناب ڈاکٹر امرت لعل عشرت صاحب بعنوان (زبان و ادب) کے تحت عنوان (مادی) کے حوالہ سے بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

مادی زبان:

''ایرانی آریوں میں سب سے پہلی شاندار حکومت ساتویں صدی ق۔م میں ''ماذ'' لوگوں نے قائم کی۔ یہ لوگ مغربی ایران سے اُٹھے تھے اور ان کا دارالخلافہ ''ہگمتانہ'' یا ''اکباتانہ'' یعنی ماڈرن ہمدان تھا۔ تاریخی اعتبار سے مادی زبان کو قدیم ترین ایرانی زبان سمجھنا چاہیے لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اس زبان کے مستند نمونے تقریباً ناپید ہیں۔ مشہور محقق ''ڈارمسیٹیٹر'' کا قول اگر تسلیم کر لیا جائے تو مادی اوستا کی زبان ہوگی۔

دوسری طرف ''آپرٹ'' کا ادعا ہے کہ ہخامنشی دور کے تین قسم کے لسانی کتبات میں وسطی کتبے جن کی عبارت قدیم فارسی اور آسوری زبانوں کے بین بین ہے مادی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ بہت سے محقق اب اس بات پر متفق ہیں کہ مادی زبان قدیم فارسی سے بہت مشابہ تھی اس کے بعض الفاظ سے جو یونانی مصنفین کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ بہت حد تک اندازہ لگایا جارہا ہے کہ ایران کی اکثر جدید بولیاں اسی مادی زبان کی نسل سے ہیں۔''

(ایران صدیوں کے آئینے میں) از جناب ڈاکٹر امرت لعل عشرت صاحب۔ فصل دوم صفحہ ۵۹ صفحہ ۶۰

جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (ایرانی زبانیں) بدیں الفاظ خامہ فرسائی

کرتے ہیں کہ:

''آریا وسط ایشیا کی اقوام میں سے تھے بعد میں جنوب کی طرف ہجرت کر گئے۔ کچھ شمالی ہندوستان میں آباد ہو گئے اور مغرب کی طرف ایران و یورپ کے علاقوں میں جابسے۔ زمانے کے تغیرات کے ساتھ ساتھ ان کی زبان بھی بدلتی گئی۔

اگر کوئی زبان آریوں کی قدیم زبانوں کی یادگار ہوسکتی ہے تو وہ سنسکرت ہے۔ ہندو اردیائی زبانوں کے گروہ میں پہلا نمبر سنسکرت کا ہے۔ زبان شناسوں کی تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ایران کی زبانیں: اوستا۔ فارسی باستان۔ پہلوی۔ ارمنی اور یورپ کی یونانی۔ لاطینی۔ گوتھی۔ لتھونی۔ سلاوی۔ کلٹیک اسی اصل کی شاخیں ہیں اور انہی پرانی زبانوں کے توسط سے موجودہ زبانیں یعنی اسی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ پروفیسر بیلی نے دوسری زبانوں سے فارسی کا تعلق سمجھانے کیلئے ذیل کا نقشہ بنا کر وضاحت کی ہے۔''

ہندوارو پائی زبان جس کا کوئی نشان موجود نہیں
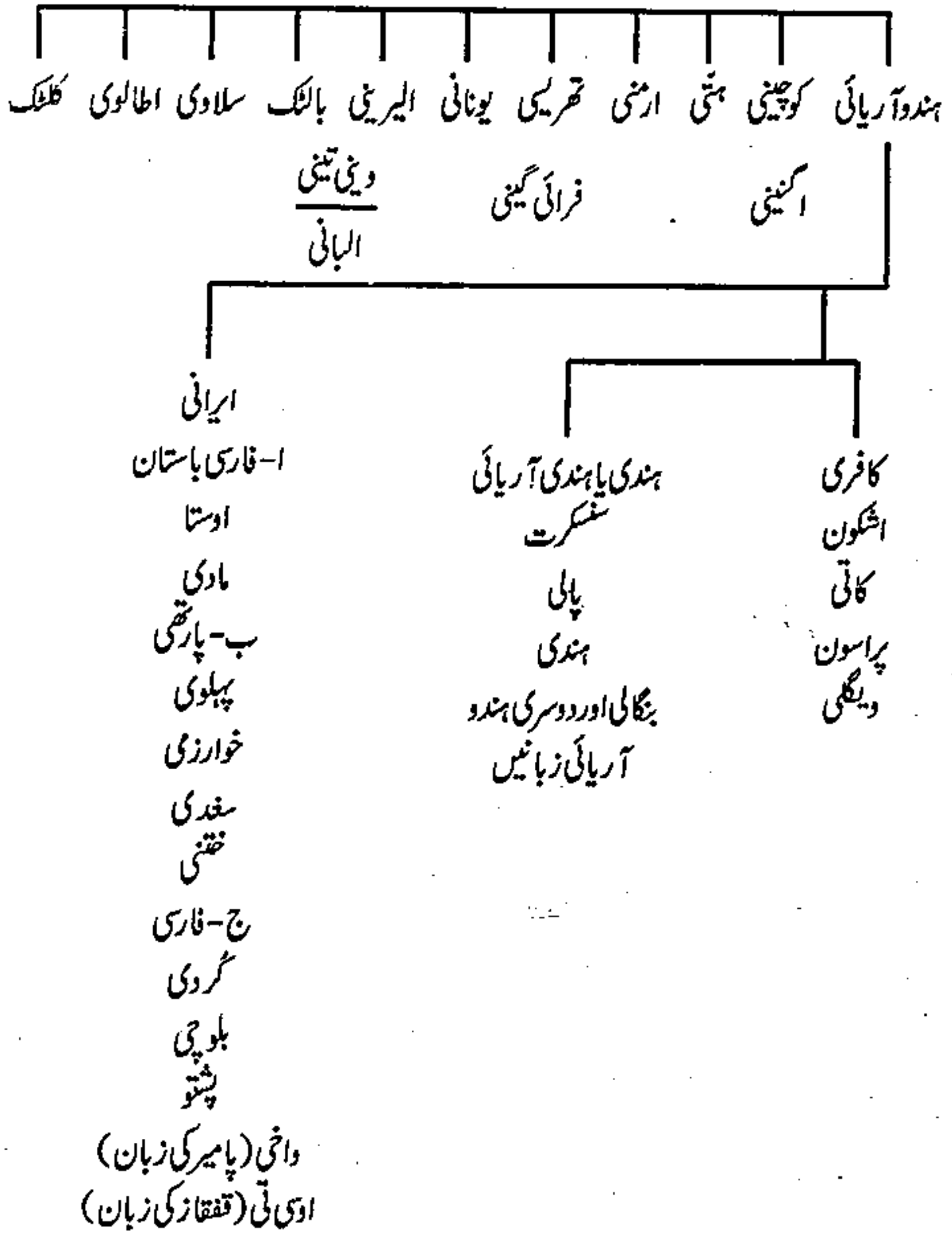
برہان قاطع از حسین بن خلف مرتبہ۔ دکتر محمد معین طہران ج/ دیباچہ

(ii) سبک شناسی از محمد تقی بہار تہران۔ ۱۳۲۱۔ جلد ا صفحہ ا تا ۴۵۔

(iii) خط وتحول آن در شرق باستان از علی سلمی

بحوالہ ایران شناسی از ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (ایرانی زبانیں) صفحہ ۱۸۹ صفحہ ۱۹۰

جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (زبانوں کی تقسیم ایک اور نہج پر بھی ہو سکتی ہے) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

زبانوں کی تقسیم کی ایک اور نہج:

(۱) ''وہ زبانیں جو یک ہجائی کہلاتی ہیں۔ یعنی ان زبانوں کے لغات کی بنیاد ایک ریشہ پر ہے اور اس کے ساتھ اول یا آخر کوئی اور ہجا نہیں بڑھایا گیا۔ چینی، انامی، سیامی زبانوں کا شمار اسی گروہ میں ہوتا ہے۔

(۲) دوسری وہ زبانیں جن کے اصلی ریشے کے ساتھ دوسرے ہجا بڑھائے جاتے ہیں۔ لیکن اصل کلمہ تبدیل نہیں ہوتا۔

مندرجہ ذیل قوموں کی زبانیں اس گروہ کے تحت آتی ہیں۔

اورال کی قومیں مغل، تاتار، ترک، سائبیریا اور دشت قبچاق میں رہنے والے۔

جاپانی اور اہل کوریا

دراویدی

ہندوستانی

امریکی

جنوبی افریقہ کے لوگ

آسٹریلیا کے باشندے

(۳) تیسری وہ زبانیں جن کے کلمات کے ساتھ لاحقے اور سابقے بڑھائے جاتے ہیں اور اصلی ریشوں میں تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ اس دستے میں مندرجہ ذیل زبانیں آتی ہیں:

شامی زبانیں: مثلاً عربی، آرامی، عبری، بابلی، آشوری وغیرہ۔

ہندو اروپائی زبانیں: مثلاً ہندی، ایرانی، یونانی، اطالوی، جرمن، سلاد، اور سلت وغیرہ۔ فارسی اس تیسرے گروپ میں شامل ہوتی ہے۔''

(ایران شناسی)

صفحہ ۱۹۱

ایرانی زبانوں کی تقسیم:

ایرانی زبانوں کی تقسیم مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) فارسی قدیم:

فارسی باستان، مادی، اوستا۔

(۲) فارسی وسطیٰ:

پارتھی، سغدی، ختنی۔

(۳) فارسی نو:

(۱) لری، تاتی، کزاری۔
(۲) گورانی
(۳) کردی
(۴) (وسطی بولیاں) گازی، سوئی، فاریزندی، کاشانی، خوری۔
(۵) (بحیرہ خزر کی بولیاں) مازندرانی، گیلکی، طالشی۔
(۶) سمنانی
(۷) بلوچی
(۸) پشتو، وانیتی۔
(۹) پراچی۔ ارسری۔
(۱۰) (پامیر کی بولیاں) منجی، یدغا، اشکاشمی، سنگلیچی، زیباکی، یازغولامی، روشانی اور دشوری، برتانگی، شغنی، سری کونی، وانچی، وخی۔
(۱۱) یغنابی
(۱۲) (اوستی بولیاں) دگور، ایرون۔

موجودہ زبان فارسی کی اصل و بنیاد (فارسی باستان):

یہ بات قارئین کرام کو ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ: موجودہ زبان فارسی کی اصل و بنیاد جن قدیم السنہ سے ملتی ہے ان السنہ میں سے ایک (فارسی باستان) ہے جو ایران میں ہخامنشیوں کے زمانہ (۵۵۹ق،م) تا (۳۳۰ق،م) میں سرکاری زبان تھی۔

"یہ زبان" خط میخی" میں لکھی جاتی تھی۔ اس زبان کے آثار پتھر پر کندہ کتبوں، پتھروں، سونے چاندی کی تختیوں، نگینوں اور برتنوں پر کھدے ملتے ہیں جن ہخامنشی بادشاہوں کے

آثار اس زبان میں موجود ہیں ان کے نام یہ ہیں:

کوروش بزرگ، (۵۵۹۔۵۲۱ھ ق،م) دار یوش بزرگ (۵۲۱۔۴۸۶ ق،م) ''خشایارشا'' (۴۸۶۔۴۶۵) اردشیر اول (۴۶۵۔۴۲۵) داریوش دوم (۴۲۹۔۴۰۵) اردشیر دوم (۴۰۴۔۳۵۹) اردشیر سوم (۳۵۹۔۳۳۸)۔''

(ایران شناسی) صفحہ ۱۹۲ صفحہ ۱۹۳

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''یہ کتبات مندرجہ ذیل مقامات سے دستیاب ہوئے ہیں:

مرغاب، تخت جمشید، نقش رستم (فارس میں) شوش (عیلام میں) کوہ بیستون، ہمدان، اورالوند (ماڈ میں) وان (ارمنستان میں) سوئز (مصر میں) سب سے بڑا کتبہ وہ ہے جو کوہ بیستون پر تین قسم کے خط میخی اور تین مختلف زبانوں یعنی فارسی باستان، بابلی اور عیلامی میں کندہ ہے۔ یہ کتبہ داریوش بزرگ (۵۲۲۔۴۸۶ ق،م) کے فرمان سے کندہ کیا گیا تھا۔

اس میں شہنشاہ نے اپنے چار پانچ سال کے عہد سلطنت کے واقعات کو قلمبند کرایا ہے اور ان حریفوں کی شکست اور قتل کا ذکر کیا ہے جو اس کے مقابل میں آئے۔

''فارسی باستان'' (۵۱۵) سطروں میں، بابلی (۱۴۱) سطروں میں اور ''عیلامی'' (۹۵۰) سطروں میں ہے۔

اس زبان کا قدیم ترین نمونہ وہ ہے جو چند چھوٹے چھوٹے جملوں پر مشتمل ہے اور ''دشت مرغاب'' (فارس میں) دستیاب ہوا ہے اور کوروش کے متعلق ہے۔ مرغاب ہخامنشوں کا سب سے پہلا دارالسلطنت رہا ہے۔

''یونانیوں'' نے اس کو ''پاسارگاد'' لکھا ہے۔ داریوش نے اپنا پایہ تخت اس مقام کو منتخب کیا جسے آج کل تخت جمشید کہتے ہیں اور یونانیوں نے ''پرسی پولس'' (Perse Polise) کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے۔

حمد اللہ مستوفی نے نزہتہ القلوب (۸۴۰ھ) میں چہل منار کے نام سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ''فارسی باستان'' کا جدید ترین نمونہ وہ

ہے جو اردشیر سوم کے متعلق ہے اور ''تخت جمشید'' میں موجود ہے۔'' (ملخصاً)

(ایران شناسی) از ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (فارسی باستان) صفحہ ۱۹۲ صفحہ ۱۹۳ صفحہ ۱۹۴

اوستائی:

قدیم ایران (فارس) کی ان زبانوں میں سے ہے کہ جو موجودہ فارسی کی اصل و بنیاد ہیں۔

''اوستائی وہ زبان ہے جو زرتشتیوں کی کتاب مقدس اوستا کی زبان ہے یہ زبان بھی ایرانی الاصل ہے اور موجودہ فارسی کی اصل و بنیاد شمار ہوتی ہے۔ یہ زبان کئی لحاظ سے فارسی باستان سے مشابہ ہے۔ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ زبان کہاں بولی جاتی تھی۔

شمال مغرب میں یا آذربائیجان میں جو زرتشت کی جائے پیدائش تھی یا شمال مشرق یعنی بلخ میں جہاں زرتشت نے گشتاشب شاہ کے پاس پناہ لی اور جس سرزمین سے ان کے ہیرو پیدا ہوئے اور رفتہ رفتہ ان کی تعلیمات دوسرے علاقوں میں پھیل گئیں۔

چونکہ یہ زبان زرتشتیوں کے عقائد و عبادات و اعمال کی زبان رہی ہے۔ اس لئے اس دین کے پیروؤں کی اپنی زبان میں اس زبان کا دخیل ہونا لازمی تھا چنانچہ ساسانیوں کے زمانہ سلطنت میں پہلوی زبان میں ''اوستا'' کی جو تفسیر لکھی گئی اس میں ''اوستائی'' کے سینکڑوں الفاظ مستعمل ہیں۔ یہ زبان جس خط میں لکھی جاتی تھی تا حال اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

''اوستا'' جس خط میں لکھی گئی ہے وہ ''خط آرامی'' سے ماخوذ ہے اور ساسانیوں کے عہد سلطنت میں وضع کیا گیا تھا۔

''زبان اوستائی'' دنیا کی قدیم زبانوں میں شمار ہوتی ہے اور سنسکرت اور ویدوں کی زبان کے ہم پلہ ہے۔ تاریخی اعتبار سے زرتشت کا زمانہ پندرہ سو سال قبل از مسیح علیہ السلام سے کمتر نہیں ہوسکتا۔ گویا یہ زبان تین ہزار سال پرانی ہے۔ یعنی موجودہ فارسی الفاظ کی سند تین ہزار سال پہلے کی زبان میں موجود ہے۔ موجودہ ''اوستا'' مندرجہ ذیل حصوں پر مشتمل ہے۔

یسنا، ویسپرد، یشتہا، وندیداد، خردہ اوستا۔

''ساسانیوں'' کے عہد سلطنت میں اکیس نسک (اجزاء کتاب) موجود تھے۔ عربوں اور تاتاریوں کے حملوں میں کافی حصہ ضائع ہوگیا اور اب ۱/۴ حصہ باقی ہے۔ ''اوستا'' کے بہت سے الفاظ تفسیر پہلوی اور دوسری پہلوی تحریروں میں باقی رہ گئے ہیں۔ ان تمام ماخذات میں زبان ''اوستا'' کے چھ ہزار الفاظ موجود ہوں گے۔'' (ملخصاً)

(ایران شناسی) صفحہ ۱۹۴ تا صفحہ ۱۹۵ و مابعد بعنوان (اوستائی)

سنسکرت:

’’فارسی باستان اور اوستائی کے ساتھ ساتھ سنسکرت بھی آریاؤں کی قدیم زبانوں میں شمار ہوتی ہے۔ اگر کسی فارسی لفظ کی اصل ’’فارسی باستان‘‘ یا ’’اوستائی‘‘ میں نہیں ملتی تو سنسکرت میں اس کا سرچشمہ نکل سکتا ہے۔ اس زبان کے آثار قدیمہ میں اور ’’فارسی باستان‘‘ اور ’’اوستائی‘‘ کے آثار کتنی ہیں۔ صرف لہجے کا فرق ہے مثلاً انجار کا ماخذ ایرانی زبانوں میں نہیں رہا لیکن سنسکرت میں لفظ سنچار کی صورت میں موجود ہے کیونکہ سنسکرت لہجہ میں حرف (ہ) حرف (س) سے تبدیل ہو جاتا ہے۔

’’سنسکرت‘‘ مدتوں سے ہندوستان میں رائج رہی ہے۔ ’’رگ وید‘‘ قدیم ترین کتاب ہے اور آخری کتاب ’’اُپنشد‘‘ ہے اور ان دونوں میں صدیوں کا فاصلہ ہے۔

’’پنچ تنترہ‘‘ تیسری صدی کی کتاب ہے جو خسرو نوشیرواں کے زمانے میں سنسکرت سے پہلوی میں ترجمہ ہوئی جو کرتک ودمنک سے پہلوی میں کلیلک ودمنک کے نام سے معروف ہوئی اور فارسی میں ’’کلیلہ ودمنہ‘‘ مشہور ہے۔ بارہویں صدی عیسوی ’’نریوسنگ دستور‘‘ نے ’’اوستا‘‘ کا ترجمہ سنسکرت میں کیا۔

سنسکرت میں ایک بے مثال کتاب ’’پانینی‘‘ کی گرامر (Astad Ryayi) جو چوتھی یا پانچویں صدی قبل مسیح میں تصنیف ہوئی۔ ایرانی زبانوں کو اچھی طرح جاننے کے لئے سنسکرت کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اس لئے مستشرقین نے ’’اوستا‘‘ اور ’’مزدیسنا‘‘ کو سمجھنے کے لئے سنسکرت کا مطالعہ بھی ضروری سمجھا جس میں علوم وفنون اور دین وداستان کی بے شمار تصانیف موجود ہیں۔‘‘

(ایران شناسی) بعنوان (سنسکرت)

صفحہ ۱۹۶ صفحہ ۱۹۷

پہلوی:

جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان (پہلوی) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> ’’پہلوی کو فارسی وسطی یا ’’فارسی میانہ‘‘ بھی کہتے ہیں۔ اس میں اور موجودہ فارسی میں کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ یہ سرزمین پارت کی زبان تھی یہ پارت وہی مقام ہے جو ’’فارسی باستان‘‘ میں ’’پرثوہ‘‘ [Parthava] تھا اور ہخا منشوں کے کتبوں میں اسی نام سے مذکور ہے۔ ’’پرثو‘‘ سے مراد موجودہ خراسان ہے۔ پہلوی اقوام ’’پارت‘‘ کی زبان

تھی۔ ''اشکانیوں'' کا خاندان بھی اسی قوم میں سے تھا۔ اسی لیے پہلوی بھی ان کی سرزمین یعنی ''پرثو'' سے منسوب ہوئی۔

پرثو سے پرتو۔ پرھو۔ پلھو بنا اور بعد میں پہلو ہو گیا۔ پارتھیوں کے بعد پہلوی اشکانیوں اور ساسانیوں کے دورۂ سلطنت کی رسمی زبان شمار ہوتی رہی۔۔۔۔۔۔اشکانی پہلوی، آذربائیجان، خراسان، اصفہان، کردستان، سواحل غربی، بحر خزر اور ارمنستان میں رائج تھی اور ساسانی پہلوی جنوب و مغرب ایران میں درباری زبان رہی۔

اس کو ''فارسی میانہ'' اس لیے کہتے ہیں کہ یہ زبان ہخامنشوں کے اختتام اور اسلام کے آغاز کے درمیانی عرصہ کی رائج زبان رہی۔ یعنی (۲۵۰) قبل مسیح سے لے کر (۶۵۱) عیسوی تک یعنی خاندان اشکانیاں کے بادشاہ اول اشک کے عہد سلطنت سے ساسانیوں کے آخری بادشاہ یزدگرد سوم کے قتل تک اس زمانہ کے بعد بھی تیسری صدی ہجری تک اس زبان میں کتابیں لکھی گئیں۔ بارہ تیرہ سو سال کے اس عرصے میں بے شمار تصانیف و تالیفات کے باوجود بہت مختصر سی کتابوں کی تعداد اس زمانے تک پہنچی ہے۔

فاتح اقوام کے حملوں سے ذخیرہ کتب ضائع اور برباد ہو گیا۔ پہلوی کتابوں کے ناپید ہو جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ خط پہلوی کی بجائے خط عربی مقبول ہو گیا اور بتدریج خط پہلوی کا رواج ختم ہو گیا اور لوگ اس کو بھول گئے۔ چند زرتشتیوں کے سوا کوئی اور شخص اس خط کو پڑھ نہیں سکتا تھا۔ اس لیے بچی کھچی پہلوی تحریریں گوشہ گمنامی میں پڑی رہیں۔''

(ملخصاً) (ایرانشناسی) بعنوان (پہلوی)

ص ۱۹۷/ص ۱۹۸

دیگر ایرانی اَلسنہ:

دیگر ایرانی السنہ میں درج ذیل اَلسنہ بھی شامل ہیں:

۱۔ زبان مادی ۲۔ زبان ختنی ۳۔ زبان سغدی ۴۔ زبان خوارزمی ۵۔ زبان تنگ سروک ۶۔ تخاری ۷۔ فارسی یادری۔

مقامی السنہ لہجے:

''مقامی السنہ'' کہ جنکی لسانی حیثیت مستقل تو نہیں ہے مگر یہ ایران کے مقامی علاقوں میں بولی جاتی ہیں اور ان کے لہجے بھی ہیں لیکن یہ بولیاں اور لہجے دارالسلطنت سے دور دراز مقامات پر واقع ہیں۔ یہاں پر ہم مقامی السنہ اور لہجوں کا کسی قدر اختصار سے ذکر کرتے ہیں:

۱۔ آمادیہ
۲۔ ارشیری
۳۔ است یا ایرُن
۴۔ الموتی
۵۔ گندرولہ، زمازا
۶۔ گورانی، زنگدای
۷۔ مریوانی، سنہ جی
۸۔ مکری، سبیدی
۹۔ بختیاری
۱۰۔ بلوچی
۱۱۔ تاتی
۱۲۔ چوشقانی
۱۳۔ خراسانی
۱۴۔ خلخالی
۱۵۔ آذری
۱۶۔ خوری
۱۷۔ خونساری
۱۸۔ دزفولی
۱۹۔ زفرہ آئی
۲۰۔ سبزواری
۲۱۔ سدھی
۲۲۔ سرخہ ای
۲۳۔ سمنانی

۲۴۔ سیو
۲۵۔ سیوندی
۲۶۔ شوستری
۲۷۔ شیرازی
۲۸۔ فارسی عامیانہ
۲۹۔ قہرودی
۳۰۔ کاشانی
۳۱۔ کردی
۳۲۔ کرمانجی
۳۳۔ کسمائی
۳۴۔ کشہ آی
۳۵۔ گزی، کفرانی یا کفرونی
۳۶۔ گری یاذردشتی
۳۷۔ گیلکی
۳۸۔ لادی
۳۹۔ لاہیجانی۔ لاہیجان
۴۰۔ لری
۴۱۔ مازندرانی
۴۲۔ مرجانی
۴۳۔ میمہ آی
۴۴۔ نائینی
۴۵۔ نطنزی
۴۶۔ ونی
۴۷۔ ہرزندی
۴۸۔ یارندی
۴۹۔ یزدی
۵۰۔ یہودی اصفہانی
۵۱۔ یہودی کاشان

۵۲۔ یہودی ہمدان

۵۳۔ زبان دساتیر

ملاحظہ کیجئے: (۱) (ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہورالدین احمد صاحب

(۲) (سخندان پارس) از مولانا محمد حسین آزاد صاحب

(۳) (فرہنگ ایران باستان) از پورداؤد بحوالہ (ایران شناسی) از ڈاکٹر ظہورالدین احمد صاحب

(۴) (میراث ایران) از پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب، باب ہفتم اردو ترجمہ ص ۲۶۶

ایرانی خط:

زبان فارسی و فارسی باستان کا مختصر جائزہ لینے کے بعد ہم ''ایرانی خط'' یا ''فارسی خط'' کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔

جناب ڈاکٹر ظہورالدین احمد صاحب بعنوان (ایرانی خط) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''علمائے خط شناس نے دنیا میں خط کے ارتقاء کے مندرجہ ذیل مراحل قرار دیئے ہیں۔

(۱) شروع شروع میں انسان نے اپنے خیالات و افکار کو نقشوں اور تصویروں کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی لوگ تختیوں اور دیواروں پر نقش و نگار بناتے تھے۔ اس خط کی کوئی زبان نہیں۔

ہر قوم کے افراد آپس میں ان نقوش کی مدد سے اپنے مطالب کا اظہار کر سکتے تھے، مصر قدیم کے ''ہیروگلیف'' خطوط اسی ابتدائی خط کی تہذیب یافتہ شکل ہے۔ مثلاً اس خط میں کبوتر محبت کی علامت ہے اور سانپ دشمنی کی علامت۔ شیر کے لئے شیر۔ بادشاہ کے لئے شہد کی مکھی بناتے تھے۔

بعض شکلیں خاص خیالات پر مبنی ہوتی تھیں۔ مثلاً سال کے لئے کھجور کی شاخ بناتے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ اس سال میں بارہ مہینوں کی طرح ایک سال میں کھجور کے درخت سے بھی بارہ شاخیں نکلتی ہیں۔ شتر مرغ کے پر سے عدالت کا مفہوم سمجھاتے تھے۔ اس نشان میں بھی ایک رمز پوشیدہ تھی یعنی شتر مرغ کے پر بھی ہر طرف سے میزان کی طرح ایک سیدھ میں رہتے ہیں۔

(۲) تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ خط میں بھی آہستہ آہستہ آسانیاں پیدا ہوئیں یعنی ہر نام کے لئے ایک علامت معین کر لی گئی۔ جس قدر بھی ذہنی افکار تخمیناً ہو سکتے تھے ہر ایک کیلئے مختلف علامات وضع کر لیے اس قسم کے خطوں میں سات آٹھ سو تک علامات کا

اضافہ ہو گیا۔
متاخر مصری۔ آشوری اور بابلی تحریریں اسی خط میں ہیں۔ اس کو خط علامتی کہتے ہیں۔
(۳) متذکرہ صدر خط علامتی سے ملتا جلتا ایک اور خط بھی رائج ہوا یعنی ہر آواز کے لئے ایک حرف یا ایک علامت وضع کی گئی ہے۔ اس خط میں ہر آواز کی تبدیلی سے معانی میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔
آج کل صرف خط چینی، خط علامتی اور خط صوتی سے مرکب ہے۔
(۴) خط کی آخری ارتقاء یافتہ شکل خط الفبائی ہے۔ اس میں ہر حرف مصوت اور غیر مصوت لہجے کا نمائندہ ہے۔ ان حروف کی باہمی ترکیب سے الفاظ بنتے ہیں جن سے ہر قسم کا مفہوم ادا ہو سکتا ہے چونکہ صامت اور مصوت کے مخارج زیادہ نہیں ہیں۔
اس لیے ''خط الفباء'' میں حروف کی تعداد عموماً تیس چالیس تک محدود ہے۔ لاطینی، ہندی اور سامی خطوط اسی خط کی مثالیں ہیں۔''

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب ص ۲۳۱ تا ۲۳۲ (بشکریہ)

دنیا کا قدیم ترین خط:

''دنیا میں قدیم ترین خط کا نمونہ خط میخی یا ہیروگلیفی میں ہے۔ جو ''اوگاریت'' یا ''راس شمرہ'' میں محل کے کھنڈرات سے تختیوں اور کتبوں پر لکھا ہوا ہے۔ یہ جگہ بیروت سے (۱۵۵) میل شمال کی طرف واقع ہے۔ ۱۹۲۹ء میں ''شفر'' نے اس کو دریافت کیا تھا۔ اس خط کی قدامت دو ہزار سال قبل مسیح تک پہنچتی ہے۔
یہ بات تقریباً پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ ''الفبائی خطوط'' کی اساس اور ماخذ ''فینیقی خط'' ہے جو سومریوں سے لیا گیا تھا۔ فینیقی میلاد مسیح سے تین ہزار سال پہلے خلیج فارس اور جزیرۃ العرب کے سواحل سے اٹھ کر فرات کے کنارے آبسے اور دریائے سفید کے ساحل، شام اور فلسطین چلے گئے۔ ان کے آباد کیے ہوئے صور، صیدا، کوبلہ اور ''بی بلیس'' مشہور شہر تھے۔
ان لوگوں نے مشرق وسطیٰ میں اپنی اہمیت اور اقوام سے لین دین اور دفاتر کی تنظیم کے لیے ۲۲ حروف کی ایک ''الفبا'' مرتب کی۔ وہ دائیں سے بائیں طرف لکھتے تھے۔ اس خط کا قدیم ترین نمونہ وہ ہے جو بادشاہ اخیروم کے تابوت پر لکھا ہوا ہے۔ یہ تحریر تیرہ سو سال قبل مسیح سے تعلق رکھتی ہے۔''
آگے رقمطراز ہیں کہ:
''ساتویں یا آٹھویں صدی قبل مسیح میں تجارتی روابط کی بنا پر یہ

خط پہلے یونان پہنچا اور بعد میں تمام یورپی قوموں نے خط یونانی سے اپنا خط اقتباس کیا۔ یونانیوں نے حروف مصوت داخل کر کے اس کی اصلاح کی۔

پہلے وہ بھی بائیں سے دائیں طرف لکھتے تھے۔ پانچویں صدی قبل مسیح سے انہوں نے دائیں سے بائیں طرف لکھنا شروع کیا چونکہ یہ خط سوداگری کے توسط سے پہلے اٹلی کے شہر "لاتیوم" [Latium] میں پہنچا اس لیے اس کا نام لاطینی پڑ گیا۔

آٹھویں صدی قبل از مسیح میں خلیج، فارس اور بحر ہند کے راستے ہندوستان پہنچا اور سنسکرت میں نمودار ہوا، حبشیوں نے بھی اپنا خط فینیقیوں سے لیا۔ عرب سب سے آخری قوم ہے جس نے اپنا خط درست کیا۔

عربوں نے نبطیوں اور نبطیوں نے آرامیوں سے اپنا خط اقتباس کیا۔"

(ایران شناسی) ص/۲۳۳

قدیم ترین نبطی خط:

"سب سے قدیم ترین نبطی خط جو دستیاب ہوا ہے وہ فلسطین کے جنوب مشرقی جزیرہ سینا سے ملا ہے اور ایک سو سال قبل از مسیح سے تعلق رکھتا ہے۔ عربی کے قدیم ترین خط کا نمونہ اس کتبے میں موجود ہے جو یونانی، سریانی اور عربی زبانوں میں لکھا ہوا ہے اور ۵۱۲ عیسوی اس کا سال تحریر ہے۔

عرب زیر، زبر، پیش کے اضافہ سے حروف کو آواز دار تلفظ کرتے تھے۔ یہی خط ایران میں عربوں کے تسلط کے ساتھ اس ملک میں خط پہلوی کے بجائے رائج ہو گیا۔"

(ایران شناسی) از ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب۔ ص/۲۳۳ تا ۲۳۴

خط میخی:

پیدائش مسیح سے چار پانچ ہزار سال پہلے "سومری" اس خط کو استعمال کرتے تھے۔ سومری تین ہزار قبل از مسیح سے جنوبی عراق میں آباد تھے اور اپنا ایک تمدن رکھتے تھے۔

بعد میں آسوریوں، عیلامیوں اور بابلیوں نے اپنا خط ان سے اقتباس کیا۔ یہ خط اشکال و علامات کی صورت میں تھا۔ بعد میں اکدیوں نے اس کو سادہ شکل دی۔ سارگن اول کے

عہد سلطنت یعنی اٹھارویں صدی قبل از مسیح میں یہ خط تمام ''سامی'' قوموں میں سرایت کر گیا۔

ایران کے مادیوں۔ نے یہ خط آسوریوں اور عیلامیوں سے لیا اور انہیں کے ہاتھوں یہ خط الفبائی صورت میں مدون ہوا۔ مادیوں کی کوئی تحریر ابھی تک دستیاب نہیں ہوئی۔ مادیوں کی وساطت سے ہخامنشیوں کے عہد سلطنت میں یہ خط رواج پذیر رہا۔

تخت جمشید، نقش رستم اور کوہ بلیستون پر کندہ کتبے اس خط میں لکھے ہوئے ہیں۔ ہخامنشی یا پارسی خط، آسوری اور عیلامی خطوں سے زیادہ سادہ ہے۔ مذکورہ بالا کتبوں میں آسوری، اور عیلامی خطوں میخی آسوری یا بابلی میں آٹھ سو شکلیں اور خط عیلامی میں (۳۰۰۰) علامات موجود ہیں لیکن فارسی خط میخی صرف (۴۲) حروف کی مدد سے لکھا جاتا ہے جس میں (۳۶) حروف ہیں اور صرف چھ علامات ہیں۔

عربوں نے اس خط کو مسماری کہا ہے کیونکہ اس کی شکل میخ سے ملتی جلتی ہے۔ یورپ والوں نے اس کو [Cunieform] یعنی ''سہ گوشی'' نام دیا ہے۔

خط کی ارتقائی صورت کا اندازہ کرنے کے لئے ملحقہ تصویروں کو دیکھیے تاکہ معلوم ہو سکے کہ کن تبدیلیوں سے ''خط تصویری''، ''خط علامتی'' بنا پھر صوتی اور اس کے بعد الفبائی شکل میں نمودار ہوا۔''

(۱) (سبک شناسی) از محمد تقی بہار، تہران ۱۳۲۱ جلد اوّل/ص ۶۲ تا ۶۶

(۲) (ایرانشناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب۔

ص ۲۳۴ تا ۲۳۵

''سلطنت ہخامنش کے خاتمہ پر اور یونانیوں کے تسلط سے ''خط میخی'' کا استعمال کم ہونا شروع ہوا اور بعد میں عہد اشکانیاں میں آہستہ آہستہ متروک ہوگیا۔

بابل میں چند تختیاں دستیاب ہوئی ہیں جو خط میخی میں ہیں جن کا مضمون قانون اور نجوم اور مذہبی مناجات پر مشتمل ہے۔ یہ تختیاں دور اشکانیاں سے متعلق ہیں لیکن اس خاندان کے اواخر سلطنت اور ساسانیوں کے عہد میں یہ خط قطعاً فراموش ہوگیا۔

اس خط کا مٹ جانا محض بیرونی حملہ آوروں اور نئے فرمانرواؤں کی زبردستی سے واقع نہیں ہوا بلکہ یہ خط بذاتہٖ عوام کی ضروریات کے لئے مشکل اور وقت طلب تھا۔ دھات یا لکڑی کے نوکدار قلم سے خشک مٹی کی تختیوں پر لکھا جاتا تھا یا پھر پتھر پر کھودا جاتا تھا اور یہ عوام کے بس کی بات نہیں تھی۔

اس لیے تاجر اور منشی خط آرامی کو استعمال کرتے تھے جو آسانی سے ہر قلم اور ہر رنگ میں چمڑے پر اور پاپیروس پر لکھا جا سکتا تھا۔

ایک سو پچاس قبل از مسیح میں ''خط آرامی'' ایران میں رواج پا چکا تھا''......(ملخصاً)
(ایرانشناسی) بشکریہ۔ص/۲۳۵

خط آرامی:

''جس زمانے میں بابل، عیلام، ماد اور پارس میں ''خط میخی'' استعمال ہو رہا تھا۔ خط آرامی بھی مقبول اور رواج پذیر ہو رہا تھا۔ آرامی، سامی نسل کے وحشی قبائل تھے جو فلسطین کے جنوب، نہر اردن اور بحر المیت کے سواحل پر زندگی بسر کرتے تھے۔

پیدائش مسیح سے چھ سو سال پہلے یہ لوگ شام و بین النہرین کے علاقوں پر لوٹ مار کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ انہوں نے وہاں کے کسانوں کو اپنا مطیع بنالیا اور تجارت اپنے ہاتھ میں سنبھال لی۔ فینیقیوں کے بعد آرامی وہ لوگ تھے جنہوں نے نینوا اور بابل کی تجارتی منڈیوں میں اپنا اثر ورسوخ پیدا کرلیا۔

انہوں نے دسویں صدی قبل مسیح میں فینیقیوں سے اپنا خط اقتباس کیا پھر یہ لوگ جس سرزمین میں پہنچے وہاں انہوں نے اپنے خط کو رواج دیا چونکہ اس کا لکھنا آسان تھا اس لیے یہ خط بین الاقوامی تجارت کا واسطہ بنا رہا۔

ہخامنشیوں کے عہد سلطنت میں بھی اس کا استعمال جاری تھا۔ چنانچہ مغربی مفتوحہ علاقوں میں ان بادشاہوں کی طرف جو فرامین جاری تھا ان کا ترجمہ آرامی زبان میں بھی کیا جاتا تھا۔

''خط آرامی'' (۲۲) حروف پر مشتمل ہے۔ اس خط کے نمونے تخت جمشید کے کھنڈروں میں سے تختیوں، ہاون دستوں، برتنوں پر سیاہی میں لکھے ہوئے دستیاب ہوئے ہیں۔

مصر میں بھی چمڑے اور پاپیروس پر تحریریں ملی ہیں۔ ایشیائے کوچک، ''ساردا در کاپا دوکیہ'' میں آرامی کتبے اندرونی زمین سے برآمد ہوئے ہیں۔

خط آرامی کے دو کتبے سکندر کی موت کے ساٹھ ستر سال بعد کے زمانے سے متعلق ہیں ان میں ایک ٹیکسلا سے برآمد ہوا ہے دوسرا دریائے کابل کے ساحل جلال آباد کے نزدیک ''لمپاکا'' یعنی لقمان سے برآمد ہوا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس خط کا استعمال دور دراز سرحدوں تک پہنچا ہوا تھا۔

ہخامنشیوں کے اختتام سلطنت پر مرکزیت ختم ہوگئی۔ صوبے خود مختار ہوگئے یا دوسروں کے تحت آگئے اس لیے باہمی تعلقات منقطع ہوجانے سے بین الاقوامی خط کی ضرورت بھی کم ہوگئی۔ غیر سلطنتوں نے اپنے اپنے طور پر نیا طریقہ تحریر پسند کرلیا۔

ایران میں آرامی خط کا قدیم ترین نمونہ "لغ دات" پسر بغکرت کے سکّے پر محفوظ ہے۔
یہ حکمران ہخامنشی شاہزادوں میں سے تھا جس کو سکندر نے (۳۲۳) ق۔م میں ایرانیوں پر اثر و رسوخ ہونے کی وجہ سے فارس میں بحال رکھا تھا۔"......(ملخصاً)

(ایرانشناسی) ص/۲۳۵/۲۳۶/۲۳۷

خط پہلوی:

ایرانی ماہر السنہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ "خط پہلوی" خط آرامی سے اقتباس کیا گیا ہے۔
"اشکانی پہلوی لکھنے کے لئے الگ خط تھا، اور ساسانی پہلوی کے لئے الگ۔ ان دونوں خطوں کے حروف جدا جدا لکھے جاتے تھے اور کتبوں کے لیے لفظوں کو مسلسل لکھنے سے اس کا صحیح پڑھنا دشوار ہو جاتا تھا کیونکہ ایک لفظ کئی صورتوں میں پڑھا جا سکتا تھا۔
عربوں کے تسلط سے عربی سرکاری زبان ہوگئی اور عربی خط بھی رائج ہوگیا۔ چونکہ یہ خط پڑھنے میں آسان تھا اس لیے جلد مقبول ہوگیا۔
"خط پہلوی" بھی ساتویں صدی ہجری تک کہیں کہیں خصوصاً "یزد" و "کرمان" کے زردشتیوں میں رائج رہا۔"

(ایرانشناسی) ص/۲۳۸ تا ۲۳۹

خط اوستائی:

"اس خط کو "دین دبیری" بھی کہتے ہیں یعنی خط نویسی دینی۔ زردشتیوں کی مقدس کتاب "اَوِستا" سینہ بسینہ چلی آتی تھی اور گذشتہ زبانوں میں ہر عہد کے مروجہ رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔

ساسانی عہد سلطنت میں دین زردشت کو بڑا فروغ ہوا۔ اوستا کے حروف اور آوازیں مروجہ خطوں یعنی پہلوی اور خط سریانی میں نہیں لکھی جا سکتی تھیں اس لیے اندیشہ تھا کہ کہیں کتاب مقدس دست بردِ زمانہ کی نذر ہو کر ناپید نہ ہو جائے۔
چنانچہ علماء اور فضلا نے خط پہلوی کو نمونہ سمجھ کر ایک کامل خط اختراع کیا جس میں مصوتوں اور صامتوں کے لئے الگ الگ نشان وضع کئے اور ان قدیم آوازوں کے لئے حروف کا اضافہ کیا جو خط پہلوی میں موجود نہیں تھے۔
خط اوستائی ہر لحاظ سے ایک کامل خط شمار ہونے کے لائق ہے۔ اس خط کے اختراع سے اوستا کا لفظ لفظ محفوظ ہوگیا ہے۔

’’خط اوستائی‘‘ میں (۴۴) حروف ہیں۔ پوری ترتیب یوں ہے۔‘‘

(۱) (سبک شناسی) از محمد تقی بہار۔ تہران ۱۳۲۱ھ جلد ۱/ص ۸۴ تا ۸۵

(۲) (گاتھا) ص ۱۸ تا ۲۰

بحوالہ

(۳) (ایرانشناسی) ص ۲۳۹ تا ۲۴۰

عربی رسم الخط ایران میں:

’’مسلمان ایران میں آئے تو عربی زبان و خط بھی ساتھ لائے۔ اسلام سے پہلے ان میں خط کوفی و خط نسخ کا رواج نظر آتا ہے۔ یہ خط یقیناً خط نبطی سے ماخوذ ہے جو جزیرہ نما طور سینا میں رائج تھا۔

’’عربی خط‘‘ کا قدیم ترین نمونہ ’’نقش نمارہ‘‘ میں ہے جو امراء القیس بن عمرو ملک حیرہ کے سنگ لوح پر کندہ ہے۔ اس کی تاریخ تحریر (۳۲۸ء) ہے۔
دوسرا نمونہ کتبہ ’’زید‘‘ ہے جو (۵۱۱ء) سے متعلق ہے تیسرا کتبہ ’’نقش قرآن‘‘ سے معروف ہے اور جس کا سال نگارش (۵۶۸ء) ہے۔‘‘

(ایرانشناسی) ص ۲۴۰

مزید معلومات کے لئے ملاحظہ کیجئے (الفہرست) لابن الندیم
’’ابن الندیم‘‘ نے (الفہرست / ص ۱۱ تا ۱۲) میں لکھا ہے کہ اسلامی حکومت کے اوائل میں چار خط رائج تھے۔

(۱) خط مکی۔ (۲) خط مدنی۔ (۳) خط بصری اور (۴) خط کوفی
بنو امیہ کے عہد سلطنت میں ’’قطبہ‘‘ نے ان چاروں خطوں کو حسین سے حسین انداز میں لکھا۔

’’سلطنت عباسیہ‘‘ کے آغاز میں خوشنویسوں کے درمیان بارہ قسم کے خطوں کا رواج تھا۔ جن میں سے مندرجہ ذیل مشہور تھے۔
قلم الطو۔ مار الکبیر۔ قلم الثلاثین۔ قلم الزنبور۔ قلم المفتح۔ قلم الحرم
قلم المؤامرات۔ قلم العھود۔ قلم القصص۔ قلم الحرفاج‘‘۔
مامون عباسی کے زمانے میں خطوں میں اور بھی حسن و زیبائش کے نکات پیدا ہوئے اور ’’قلم المرصع‘‘۔ ’’قلم النساخ‘‘ ’’قلم الرقاع‘‘ قلم الثلث‘‘۔ قلم الریاسی‘‘ اور ’’قلم المحقق‘‘ کی خوب قدر و منزلت ہوئی۔ ابن مقلہ نے نسخ کو نہایت موزوں اور خوبصورت بنایا۔

"کوفی" کے زوال کے بعد قرآن مجید، نسخ ہی میں لکھے جانے لگے۔ عباسی سلطنت کے آخری ایام میں یاقوت معتصمی، نسخ کا باکمال خوشنویس گذرا ہے۔

ساتویں صدی ہجری میں ایرانی خط کا نام تعلیق ہوا اور نویں میں نسخ اور تعلیق سے مرکب ایک اور خط نستعلیق کے نام سے نمودار ہوا اور آج تک رائج ہے۔ خوشنویسی میں نسخ اور نستعلیق کو بہت ترقی ہوئی۔

نسخ عربی یا دینی تحریروں اور نستعلیق فارسی یا غیر دینی نگارشات کے لئے مخصوص ہوگیا۔"

(ملخصاً)

(ایرانشناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب۔ ص ۲۴۱/۲۴۲/۲۴۳

(بشکریہ)

ہم انہیں سطور پر باب ۸ کو ختم کرتے ہیں۔ اس سلسلہ کے دیگر عناوین آئندہ باب ۹ میں ملاحظہ کیجئے۔

(نعمانی)

باب ۹

قدیم ایران (فارس) اور "فنون لطیفہ"

جیسا کہ ارباب علم وفن سے یہ امر ہرگز مخفی نہ ہے کہ انسانی تہذیب وتمدن وثقافت وکلچر کا دور اسی قدر قدیم ہے کہ جس قدر خود انسانی اجتماعی معاشرہ کا۔

کسی خاص خطہ ارض میں بسنے والا انسانی اجتماعی معاشرہ اپنے جغرافیائی ماحول سے یکسر بے نیاز نہیں رہ سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ انسانی معاشرہ اردگرد کے اقوام وملل کے تہذیبی وتمدنی وثقافتی ورثہ سے بھی قطعاً بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

اقوام وملل کے قدیم تہذیبی وتمدنی وثقافتی روابط بذریعہ جنگ وجدل باہم مربوط رہے ہیں انہیں مسلسل روابط نے انسانی، مذہبی، تعمیراتی، صنعتی وحرفی، پہلوؤں میں ہم آہنگی اور یکسانیت عطا کی۔

قدیم ایران (فارس) کے حوالے سے اس کے "فنون لطیفہ" کو ہم انہیں بنیادوں پر احاطہ تحریر میں لا سکتے ہیں اور اس سلسلہ میں ہمیں یقیناً قیمتی نتائج اخذ کرنے میں مدد مل سکتی ہے کہ قدیم ایران (فارس) کے تہذیبی وتمدنی وثقافتی وصنعتی وحرفی پہلو کیا تھے؟ اور گردوپیش کے اقوام وملل کے ساتھ ان کے تجارتی، لسانی ودینی ومذہبی روابط کیا تھے؟ اور ان کے باوصف اس کے "فنون لطیفہ" میں تمدن وثقافت وغیرہ کی جھلک جو پائی جاتی ہے ان کے پس پردہ کون کون سے محرکات تھے کہ جنہوں نے ان کے تہذیبی وثقافتی عوامل کو متاثر کیا۔

تو آیئے عنوان مذکورہ بالا کے حوالے سے ہم یہاں پر مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔[نعمانی]

(۱) ایران کا جغرافیائی محل وقوع:

مشہور انگریز مستشرق جناب پروفیسر اے۔جے۔آربری صاحب "ایشیا میں ایران کے جغرافیائی محل وقوع کا جائزہ لیتے ہوئے" بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے کہ:

"ایشیا میں ایران کا جغرافیائی محل وقوع ایسا ہے اور یہاں سے

چاروں طرف اتنی شاہرائیں نکلتی ہیں کہ یہ ملک ہمیشہ مشرق اور مغرب کے درمیان ایک کڑی یا رابطہ بنا رہا ہے کبھی اس ملک نے مغرب سے کچھ اخذ کیا کبھی کچھ عطا کیا۔ کبھی محض انتشار علوم کا وسیلہ بنا۔ ساسانیوں کے زمانے میں بھی ایران کی یہی کیفیت تھی۔

چنانچہ بامیان (افغانستان) میں بدھ مذہب کے پیرو فن کاروں کی دیواری تصویروں سے اور چینی ترکستان میں ''خوچو'' کے مقام پر ''مانی'' کے مذہب کے متعلق جو ناقص کتابیں دریافت ہوئی ہیں اور ریشم اور کاغذ پر مانوی کاہنوں اور مغنیوں کی جو خوبصورت تصویریں برآمد ہوئی ہیں ان سے بھی اور دیواری تصویروں سے بھی اس حقیقت کا اثبات ہوتا ہے۔

اگرچہ یہ تصویریں اسلامی عہد میں بنائی گئی تھیں لیکن یہ اس بات کی شہادت مہیا کرتی ہیں کہ عہد ساسانی میں مانی کے مقلد مصوری کے رموز سے آگاہ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ وسط ایشیا گئے تو اپنا مخصوص فن بھی ساتھ لے گئے اور وہاں مذہب کے مٹ جانے کے باوجود فن قائم رہا۔

یہ سطریں سپرد قلم کی جارہی تھیں کہ اطلاع ملی کہ افغانستان میں دریائے ھلمند کے کنارے لشکر بازار میں ایک محل کے آثار ملے ہیں جو گیارھویں صدی عیسوی میں محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ فاتح ہندوستان کی ملکیت تھا۔ اس محل کی دیواروں پر بھی ساسانی انداز کی تصویریں موجود ہیں۔ وسط ایشیا میں ایران کا اثر دیر تک قائم رہا۔

اس کی شہادت صرف مسلک مانی کے مصور ہی مہیا نہیں کرتے بلکہ یہ بات بھی قائم ہوگئی تھی۔ چھٹی صدی میں یہ نظام مکمل ہو چکا تھا اور ہرات اور سمرقند میں اسقف موجود تھے۔

ساتویں صدی میں کلیسا نے چین کو بھی اپنے دائرے میں لانے کی کوشش کی۔ نسطوری گرجوں کو ایرانی معبد کہا جاتا تھا۔ ایرانی راہب کھوتان سے ریشم کے کیڑے لے کر جسٹینین کے دربار میں پہنچتے تھے۔ ہندوستان نے ایران کو شطرنج کھیلنے کا ڈھنگ بھی سکھایا۔

البتہ ایران والوں نے اس میں اپنی افتاد طبع کے مطابق تغیر کر

لیا۔اسی طرح کلیلہ دمنہ کی داستانیں بھی ہندوستان سے ایران پہنچیں اور پھر ذہین جانوروں کی یہ دلچسپ کہانیاں ''عربی کلاسیک'' بن گئیں۔ ساسانی عہد میں چوگان بازی کا بھی رواج تھا مرد تو مرد، عورتیں بھی یہ کھیل کھیلتی تھیں۔''

(میراث ایران) از جناب پروفیسر اے۔جے۔آربری صاحب۔
بعنوان (ایران اور دنیائے قدیم) ص ۵۰/۵۱/۵۲

(۲) ایران (فارس) اور مغربی دنیا کے روابط:

جناب پروفیسر اے۔جے۔آربری صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:
''فنون لطیفہ کے سلسلے میں ایران اور مغربی ممالک کے روابط یوں ظاہر ہو جاتے ہیں کہ شاہ پور اول نے ولیرین کو قید کرنے کے بعد ''بند شوستر'' کی تعمیر پر رومن قیدیوں کو بھی لگا دیا تھا۔ یہ بند آج تک بند قیصر کہلاتا ہے۔
''سالونیکا'' میں گلیریس کی محراب پر ایک تصویر ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ بادشاہ کے دونوں طرف محافظ سپاہی زرہ بکتر اور مخروطی خود پہنے اپنے گھوڑوں کے پاس کھڑے ہیں۔
یہ ساسانیوں کے گراں اسلحہ کا انداز ہے۔ ممکن ہے یہ اتفاق ہو لیکن زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ روابط باہمی کی بناء پر تیسری صدی میں بیک وقت ایران میں اور مغرب میں بھی مجسمہ سازی کی وہ وضع وجود میں آئی جس میں فن کار سامنے کے رخ سے انسان کے مجسمے بناتا تھا۔
ساسانیوں کی سنگ تراشی بیشتر ان تیس نقوش برجستہ پر مشتمل ہے جو پہاڑ کی چٹان کو کاٹ کر تخلیق کیے گئے ہیں اور جن میں ساسانی فرمانرواؤں کی فتحمندی اور فیروزی دکھائی گئی ہے۔
یہ نقوش ایک دوسرے سے مختلف ضرور ہیں لیکن تدریجی ارتقاء کا سراغ نہیں ملتا یہ دریافت کرنے کے لئے کہ ان نقوشِ برجستہ کا تصویری ماخذ کیا ہے؟ اشکانی عہد میں ان کی کیا صورت تھی اور ان دنوں آرائشی عناصر کی کیا وضع تھی؟ ہمیں اصطخر کی ہخامنشی عمارتوں پر سرے سے بنائے ہوئے نقوش کی وضع قطع پر غور کرنا ہوگا۔ان میں سے دو تصویریں تو اردشیر اول کے بھائی اور اس کے والد کی ہیں اور اسی طرح بعض تصویریں ڈورا یوراپوس کی

اشکانی عمارتوں پر منقوش پائی گئی ہیں۔

"طاق بستان" کے مقام پر جو نقوش برجستہ خسرو دوم سے منسوب ہیں ان کا ماخذ بھی مصوری یا صورت گری کا فن ہے۔ تیسری صدی میں مجسمہ ساز جو بہت ابھرے ہوئے نقوش بناتے تھے ان کی جگہ اب کندہ کاری کا کام زیادہ ہے اور مجسمے بھی اتنے ابھرے نہیں۔ تیسری صدی کے بعد فن کار پھر جسم انسانی کی تصویر سامنے کے رخ سے بناتے ہیں۔

اگرچہ ایران پر ایک سطحی سا روغن یونانی ثقافت کا چڑھ گیا تھا لیکن تھوڑے عرصے کے بعد فن کاروں نے اسی طرح انسانوں کی تصویریں کھینچنی شروع کر دیں جو مشرق کی پرانی وضع کے مطابق تھیں کہ ٹانگیں ایک عجیب سے انداز میں گھٹنوں کے پاس جھکی ہوئی دکھائی جاتی تھیں۔

"فنون لطیفہ" میں ہی دوسرے دوائیر کار کی طرح ساسانیوں کا ملی شعور ہخا منشیوں کی شعوری نقالی سے عبارت تھا۔ یہ کوئی مثبت تحریک نہ تھی بلکہ یونانی عہد حکومت کے خلاف ردعمل تھا۔" (ملخصاً)

(میراث ایران) از جناب پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب۔
بعنوان (ایران اور دنیائے قدیم) ص ۵۲ تا ۵۳

فن کی عظمت اور دربار شاہی:

"ہخا منشیوں کے آثار سے ظاہر ہے کہ فن کی عظمت دربار شاہی کے دربار سے وابستہ تھی۔ آرٹ عوام کا آرٹ نہیں تھا اس لئے فن کی مختلف اقسام سے اس عہد کی عظمت کے نشان ظاہر ہیں۔ زیورات اور ان کی تزئین کاری میں ہنر کا اظہار ہے۔

محلات کے دروازوں پر سونے اور پیتل کی تختیاں جڑی تھیں جن پر حقیقی اور افسانوی حیوانات کی شکلیں ابھرے نقوش میں نمایاں تھیں اور تین دھاڑتے ہوئے شیر اور دو بھاگتے ہوئے گھوڑوں کے مجسمے جو تخت جمشید کی کھدائی پر دستیاب ہوئے ہیں کاریگروں کی استعداد پر آفریں کہہ رہے ہیں۔

پتھر کے ظروف پر بطخ اور راج ہنس کی تصویریں کندہ ہیں۔ مہروں اور ہیروں پر عموماً بادشاہ کی تصویریں بنی ہیں جو شکار کرنے میں مصروف ہے۔ سکوں پر بادشاہ تیر انداز نظر آتا ہے۔

جنگی ہتھیاروں خاص کر رسمی موقعوں پر پہننے کے لئے آلات حرب پر تزئین کاری کے بہترین نمونے نظر آتے ہیں۔ مادی افسر کی نیام جو تخت جمشید میں دارا کے کندہ نقوش میں نظر آتی ہے دھات پر منبت کاری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔'' (ملخصاً)

(ایران شناسی) بعنوان (ایران قدیم میں فنون لطیفہ) ص ر ۲۶۱

منبت کاری کا فن:

''ساسانیوں کے عہد سلطنت میں منبت کاری ایک نمایاں فن نظر آتا ہے جو طشتریوں، پیالوں اور بوتلوں سے ظاہر ہے۔ ڈیزائن کا پسندیدہ موضوع بادشاہی شکار ہے ظروف پر رقاصاؤں یا کنیزوں کی تصاویر بھی بنی ہیں۔

تیسری صدی عیسوی میں بنا ہوا چاندی کا ایک پیالہ موجود ہے جس پر حقیقی یا افسانوی جانور کی تصویر کندہ ہے جو فنی نقطہ نظر سے خوبصورت اور قابل تعریف ہے۔ شروع شروع میں سنگ بلور کی بھی بڑی اہمیت رہی بعد میں شیشے کے استعمال سے اس کا عام رواج نہ رہا۔ صناع کے ہنر مند ہاتھوں نے اس پر نقوش بنائے ہیں۔

اسی زمانے سے متعلق سونے کا ایک پیالہ ملا ہے جو قومی کتب خانہ پیرس میں موجود ہے۔ اسکا مرکز کا حصہ سنگی بلور سے بنا ہے اس پر تصویر بنی ہے جس میں ایک ساسانی شاہزادہ تخت پر بیٹھا ہے جس کو دو سپر دار گھوڑے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اسی پتھر کی بنی ہوئی ایک رکابی اور بڑا جام بھی ہے جو گلدار نقوش سے آراستہ ہے۔

اسی عہد کی منقوش مہریں یا ہیرے دنیا کے عجائب گھروں اور شخصی مجموعوں میں موجود ہیں۔ ان پر حیوانوں کی تصویریں اور پھول بنے ہیں یا علاماتی نشان ہیں جن کی اصلیت ابھی تک واضح نہیں ہوئی۔ بعض پر مالکوں کے نام اور ان کی تصویریں بھی منقش ہیں۔''

تو قدیم ایران کے ''فنون لطیفہ'' کی ہلکی سی جھلک ہم نے اوپر کی سطور میں قارئین کرام کو دکھادی ہے کہ جس سے قارئین بخوبی طور پر یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قدیم ایران میں اتنا عرصہ قبل ''فنون لطیفہ'' میں ان کی مہارت کہاں سے کہاں تک پہنچ چکی تھی۔ (نعمانی)

قدیم ایران (فارس) اور ''فن تعمیر''

ہم نے گذشتہ صفحات میں یہ ملاحظہ کیا ہے کہ قدیم ایران (فارس) کے مختلف قدیم تاریخی ادوار میں مختلف حکومتی خاندان مثلاً: ''قدیم شہنشاہیوں'' کے ادوار ملاحظہ کیجئے تو اس سلسلہ میں ''فن تعمیر'' کا موضوع تخیل کے حوالے سے ایرانی شہنشاہوں کے فن تعمیر کے نوادرات کے

باوصف بھولی بسری یادداشتہائے کونہاں خانہ قلب ودماغ میں مرقع جات کی صورت میں لاشعور سے شعور میں اجاگر کرنے لگے گا، تو آیئے اس سلسلہ میں ہم قدیم ایران (فارس) اور ''فن تعمیر'' کے حوالے سے اس عنوان کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔ (نعمانی)

''جب آریائی ایران میں داخل ہوئے تو وہ صحراء گرد، خانہ بدوش اور خیمہ نشین لوگ تھے۔ انہوں نے مغرب اور شمال مغرب میں ''منائی'' اور ''اورادتو'' جیسی مملکتوں کے زیر سایہ زندگی گزاردی اور وہیں رہ کر تعمیر کے رنگ ڈھنگ سیکھے۔ ایرانی آریاؤں میں سب سے پہلے ''مادیوں'' نے حکومت قائم کی اور ''اکباتانا'' یعنی ھمدان اپنا پایہ تخت بنایا لیکن ان کے آثار میں سے کچھ باقی نہ رہا جن سے ہمیں ان کے تعمیری سبک کا اندازہ لگانے میں مدد ملتی۔

چند قبریں ہیں جو پہاڑوں کے اندر کاٹ کر بنائی گئی ہیں۔ ایک زاگرس پہاڑوں کے دامن میں ''سرپل'' کے نزدیک ہے اور دوسری ''کردستان'' میں ہے۔ ایک قبر کی بیرونی سطح پر مذہبی تقریب کا ایک منظر ہے۔ ایک شخص ''برسم'' ہاتھ میں لیے کھڑا ہے۔ برسم شاخوں کا ایک گٹھا ہے جو مذہبی تقریب پر استعمال ہوتا تھا۔

مادیوں کے بعد ہخانشی برسر اقتدار آئے۔ ان کو دیگر متمدن ممالک میں فتوحات کی وجہ سے وہاں کے فن تعمیر کو دیکھنے کا موقع ملا۔''

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب

بعنوان (ایرانی فن تعمیر) ص/۲۶۵ تا ۲۶۶

(۱) ہخامنشی عہد سلطنت اور فن تعمیر:

''انہوں نے کلدانیوں اور آسوریوں سے بہت کچھ مستعار لیا۔ بلند سطح، پلیٹ فارم، اور محلوں کی بازو سیڑھیاں انہیں کے نمونوں پر بنائیں۔ جسیم اور پرشکوہ ستوندار ہال مصر کی تقلید میں کھڑے کیے۔

''تخت جمشید'' میں اب بھی ان ستونوں کے آثار موجود ہیں۔ کھڑکیوں، طاقچوں اور کھانچوں پر مجوف کانسیں تعمیر کرنے کا رواج بھی فرعونوں کی سرزمین سے لیا۔

سلاطین کے مقابر کی بیرونی تزئینات مصر کی زیر زمین مقابر کی یاد دلاتی ہیں۔ سنگتراشی میں یونانی فنکاری کا ہاتھ کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس عہد میں فن تعمیر کی عظمت اس کی عمارتوں کی دیوہیکل جسامت۔ تزئینات کی فراوانی اور مختلف عناصر کے باسلیقہ اتحاد میں نمایاں ہے۔

شہنشاہ کی قوت ارادی، اور اس کا شان وشکوہ محل کے گوشے گوشے سے عیاں ہے۔ اپنے

خیال کے مطابق مصر، آشور اور ایشیائی یونان میں اسے جو پسند آیا اس نے اکٹھا کیا۔

''شوش'' کی کھدائی میں ایک کتبہ ملا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بابلیون نے اس محل کے لئے اینٹیں بنائیں۔ سڈار لکڑی کوہ لبنان سے بابل تک آشوری لائے پھر کاری اور آیونی اس کو بابل سے آشوش تک لائے۔ بلوط، گندارا (افغانستان) اور کرمان سے لائے۔ سونا، سارد اور باختر سے سنگ لاجورد اور عقیق سغد۔ یاقوت خوارزم سے۔ چاندی اور آبنوس مصر سے۔ ہاتھی دانت حبشہ، سند اور، آراخوزی سے لایا گیا۔ سنگتراش یونانی اور ساردی تھے۔ سنار، مصری اور مادی تھے۔

ستونوں کے بالائی سر ایرانی الاصل ہیں۔ بیلوں کے بالائی حصے ایک دوسرے کی مخالف سمت میں پشت در پشت بنے ہوئے ہیں۔ قصر خشایارشا کے مشرقی دروازے پر یک شاخہ گھوڑا ہے جس کی تھوتھنی اور پاؤں شیر کے ہیں۔ ستون عموماً کٹاؤ دار ہیں۔'' (ملخصاً)

(ایران شناسی) ص/۲۶۶ تا ۲۶۷ و مابعد صفحات

(۲) اشکانی عہد سلطنت اور فن تعمیر:

''پارتھین یعنی اشکانیوں نے کئی شہروں کی بنیاد رکھی۔ ان میں تین کے کچھ نشانات باقی ہیں۔ ''تیسیفون'' اور ہترا عراق عرب میں اور داراب جرد ایران میں۔ ان کا نقشہ دائرہ نما تھا جو آشوری لشکر گاہ سے مشابہ ہے اس سے ظاہر ہے کہ بیرونی حملہ آوروں کا خطرہ پیش نظر رہتا تھا۔ عام عمارتوں کے نقشے میں بھی تبدیلی نظر آتی ہے۔

ایوان اب تین حصوں میں منقسم ہے۔ درمیانی کمرہ بازو والے کمروں سے بڑا ہے۔ دیواریں گارے چونے سے بنائی گئی ہیں اور کنکر یا لی مربع اینٹیں استعمال کی گئی ہیں۔

ہخامنشیوں کی طرح بعض اشکانی عمارتیں بھی تراشے ہوئے پتھروں سے بنائی گئی ہیں اور ان کو انسانی چہروں اور دوسری صنائی خصوصیات سے آراستہ کیا گیا۔ کنکر یا اینٹوں کی دیواروں پر گچ یا استرکاری میں تصویر کشی بھی کی گئی ہے۔

اشکانی فن تعمیر میں ہخامنشی یا یونانی اثرات سے گریز کی کوشش کی گئی ہے اور پرانے ایرانی قومی فن کی طرف رجعت کا رجحان نظر آتا ہے۔ ہمدان میں اناہیتا کا مندر تھا جس کے کھنڈرات موجود ہیں۔

اس میں فن تعمیر کے مختلف سبک نمایاں ہیں۔ فراش بند کے مقام پر ایک خراب شدہ عمارت کے نشان باقی ہیں۔ یہ جگہ فارس میں فیروزآباد کے مغرب میں پانچ چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ دیواریں چھوٹے چھوٹے کنکروں سے بنی ہیں۔ گنبد چار ستونوں پر کھڑا اور طاقوں سے وابستہ ہے۔

''سیستان'' میں کوہ خواجہ کے قریب قصر شاہی کے آثار پیدا ہوئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عمارت جو صحن کے اردگرد بنائی گئی ہے، اس کے چاروں طرف دروازے ہیں۔
مشرق و مغرب میں ایوانوں کی محرابیں ہلالی ہیں۔ آتشکدے ساسانی عہد کی عمارتوں سے مشابہ ہیں مرکزی کمرے پر چھوٹا سا گنبد ہے۔ اس عمارت کی گچ بڑی بہترین ہے اور یہی ساسانی اور اسلامی عہد میں مایہ تقلید رہی۔''

(ایران شناسی) ص/۲۶۸ تا ۲۶۹

(۳) ساسانی عہد سلطنت اور فن تعمیر:

''ساسانیوں نے نہ صرف پرانی روایت کو زندہ رکھا بلکہ بیرونی اثرات کو بھی قبول کر کے اپنے فن میں سمولیا۔ اردشیر۔ نے فیروز آباد کو اشکانیوں کے زیر اثر ''مدور خاکے'' پر تعمیر کیا تھا لیکن شاہپور نے بیشاپور مستطیل شکل کا بنایا۔
شہر کے عین وسط میں دو سڑکیں ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی ملتی تھیں۔ تیسری صدی کے اواخر تک پتھر کی عمارتیں بنتی رہیں۔ بیشاپور کے محلات سنگی تختوں سے تعمیر ہوئے تھے۔ دیوار پر بادشاہ کی تصویر بنی ہے جو گھوڑے پر سوار ہے۔
''طاق گرے''، ''بیشاپور'' کا مندر اور پائیکلی کا مینار اسی انداز میں بنائے گئے ہیں۔
''بیشاپور'' کے وسط میں دو ستونوں والی عمارت کے نشان باقی ہیں۔ شاہی مجسمے کے لیے دو آتش گاہوں کے درمیان اب بھی کرسی موجود ہے۔ عمارتوں کا مسالہ عام طور پر کنکر اور پلستر پر مشتمل تھا۔
قصر فیروز آباد اسی مسالے سے تیار ہوا تھا۔ اس میں ایوانوں کے اوپر نیم دائرہ قوسیں ہیں اور مربع چبوترے پر قبہ بنا ہے۔ بھٹی میں پکی ہوئی اینٹوں کا عام رواج تھا۔ تیسفون یعنی مدائن کا محل انہیں اینٹوں سے تعمیر ہوا تھا۔
طاقِ کسریٰ کے نشان ابھی تک موجود ہیں۔ دیواروں پر پلستر کاری جو آرائشی صناعی کی گئی ہے اس سے رومن تزئین کا اثر نمایاں ہے۔
اینٹوں کے درمیان وقفوں کے بعد لمبی لکڑیاں بھی رکھتے تھے تا کہ دیوار خمیدہ نہ ہو جائے۔ طاقِ کسریٰ میں دیوار کے بالائی حصے میں یہ لکڑی دکھائی دیتی ہے۔ یہ طریقہ بزنطینی طرز تعمیر سے مستعار لیا گیا تھا۔
ساسانی عہد کے اواخر میں تزئینی نقوش میں اور تفاصیل میں داخل ہو گئی ہیں۔ حیوانات، نباتات، شکار کے مناظر اور شاہی مجسموں کا بھی اضافہ ہوا ہے۔ طاق بستان اور شہ نشین کے ستونوں سے گچ کے تزئینی نقش ونگار دیکھے جا سکتے ہیں کہیں کہیں دیواروں پر پچی کاری میں یعنی

رنگ برنگ مرقعوں میں تصاویر بنی ہوئی ہیں۔

دامغان میں قصر ساسانی کے ستون اینٹوں سے بنے ہیں اور ان پر گل بوٹوں اور سوستیکا کے نقوش سے گچ بری کی ہوئی ہے۔ یہ نقوش اکثر سانچوں میں ڈھل کر تیار ہوئے ہیں۔''

(ایضاً) ص ر ۲۶۹ تا ۲۷۰

''پہاڑوں پر منبت کاری کی روایت ساسانیوں کے طویل عہد سلطنت میں جاری رہی۔ پتھروں پر ابھرواں نقوش کی اکثریت فارس میں موجود ہے۔ تصاویر کے موضوع، رسم تاجپوشی، دشمن پر فتح، شکار اور دربار یا شاہی خاندان کے افراد کی تماثیل ہیں۔

سب سے معروف جشن تاجپوشی کا نقش ہے جو بڑے سلیقے اور محنت سے بنایا گیا ہے اور اکثر جگہ دیکھنے میں آتا ہے۔ ''اہورامزدا'' (خدا) بادشاہ کو ربن سے بندھا ہوا حلقہ پیش کر رہا ہے۔ جو بادشاہی کا نشان ہے۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہیں اور ان کے پاؤں تلے دشمن گرا ہوا ہے۔''

(ایران شناسی) ص ر ۲۷۰

قدیم ایران (فارس) اور ''فن مصوری'':

قدیم ایران (فارس) اور ''فنون لطیفہ'' کے عنوان کے تحت ہم نقاشی و سنگ تراشی کے سلسلہ میں ذکر کرتے ہوئے مذکورہ عنوان بالا پر کسی قدر نگارشات ہدیہ قارئین کر چکے ہیں۔

قدیم ایران (فارس) اور ''فن مصوری'' کے تحت درج ذیل مکاتب فکر زیر بحث یا زیر تبصرہ آسکتے ہیں۔

(۱) مکتب مغولی

(۲) مکتب تیموری

(۳) مکتب صفوی

(۴) دورہ دوم صفوی

(۵) قاجار

بہرکیف مذکورہ بالا مکاتب فکر یا ''سکول اوف آرٹس'' کا تعلق مصوری کے حوالے سے زمانہ بعد از اسلام کے ادوار سے ہے۔ ہم یہاں پر زمانہ قبل از اسلام کے قدیم ایران (فارس) اور ''فن مصوری'' کے عنوان پر مختصر خامہ فرسائی کرنا چاہتے ہیں:

''ہخامنشی عہد کی نقاشی کا تو کوئی نمونہ موجود نہیں۔ البتہ پتھر پر کندہ تصویریں تو ابھی تک دیکھی جا سکتی ہیں۔ ''تخت جمشید''، ''تخت رستم'' اور ''قصر اپادانا'' کی سیڑھیوں کی برجستہ انسانی تصویریں نمایاں ہیں۔ یہ تصویریں سب نیم رخی ہیں۔

ایشیائے کوچک سے ایک پتھر ملا ہے اس پر چند عورتوں کی تصویریں بنی ہیں جو گھوڑوں پر سوار ہیں اور نوکر آگے آگے چل رہے ہیں۔ مغرب سے پتھر پر کندہ ایک اور تصویر دستیاب ہوئی ہے جس میں گھوڑے رتھ کو لیے دوڑ رہے ہیں اور سوار باگیں تھامے کھڑا ہے۔"

(ایران شناسی) ص ۲۸۳

"دورۂ اشکانیاں کی یادگار تصاویر کوہِ خواجہ میں دستیاب ہوئی ہیں۔ ایک تصویر میں پھول بوٹوں کے درمیان عشق کا سردار دیوتا گھوڑے پر سوار ہے۔ دوسری تصویر میں چیتے پر سوار ہیں۔ بعض تصویروں پر ساز، زن اور رقاص نظر آتے ہیں۔

ایک نٹ کی تصویر ہے جو سر کے بل کھڑا ہے۔ ایک اور دیوار پر بادشاہ اور ملکہ کی تصویر بنی ہے جو چتر کی مانند سائبان کے نیچے بیٹھے ہیں۔ ان تصاویر سے یونانی اثر نمایاں ہے۔

سکوں پر بھی بادشاہ کی تصویر بنی ہے جو کمان لئے کھڑا ہے بعض سکوں پر ملکہ کی تصویر بھی ہے اور بعض پر بادشاہ کے سامنے ایک اور آدمی کھڑا ہے۔"

(ایران شناسی) ص ۲۸۳

فن مصوری میں یونان کا اثر اور مشرق کی پرانی وضع:

جناب پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب رقمطراز ہیں کہ:

"طاق بستان کے مقام پر جو نقوش بر جستہ خسرو دوم سے منسوب ہیں ان کا ماخذ بھی مصوری یا صورت گری کا فن ہے۔ تیسری صدی میں مجسمہ ساز جو بہت ابھرے ہوئے نقوش بناتے تھے ان کی جگہ اب کندہ کاری کا کام زیادہ ہے اور مجسمے بھی اتنے ابھرے ہوئے نہیں۔

تیسری صدی کے بعد فن کار پھر جسم انسانی کی تصویر سامنے کے رخ سے بناتے ہیں۔ اگرچہ ایران پر ایک سطحی سا روغن یونانی ثقافت کا چڑھ گیا تھا لیکن تھوڑے عرصے کے بعد فن کاروں نے اسی طرح انسانوں کی تصویریں کھینچنی شروع کر دیں جو مشرق کی پرانی وضع کے مطابق تھیں۔" (ملخصاً)

(میراث ایران) از جناب پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب۔ باب اول (ایران اور دنیائے قدیم) ص ۵۳

ساسانی عہد اور فن مصوری:

جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''ساسانی عہد سے متعلق سنگی اور دیواری تصاویر کے برجستہ نمونے موجود ہیں۔ یہ تصاویر عموماً بادشاہ کی تاجپوشی، شکار، مجلس، دشمن پر فتح مندی سے متعلق ہیں۔

سکوں، مہروں، برتنوں، پر بھی حیوانوں کی تصویر بنائی گئی ہیں۔ ری کے مقام پر جو محل کے آثار ملے ہیں ان میں پرندوں، حیوانوں اور پھول بوٹوں کی برجستہ تصویریں موجود ہیں۔ بہرام گور اور ساز زن کی تصویر بھی گچ پر بنی ہے۔

ایک جگہ انسان کا سر گچ بری سے بنایا گیا ہے اس پر رنگ و روغن کے نشانات بھی ظاہر ہیں۔ اس تمہید میں ایک مذہب کا بانی یعنی مانی بھی پیدا ہوا جس نے اپنی دعوت کی تبلیغ کے لئے تصاویر بھی بنائیں۔

مصور کی حیثیت سے اس کی پہلے بھی شہرت تھی اب بھی ہے۔ اس کی تصاویر کے مرقع کو ارژنگ مانی کہتے ہیں۔ مانی کی بنائی ہوئی دو ایک مختصر سی تصویریں وسط ایشیا سے دستیاب ہوئی ہیں اور اب برلن میں محفوظ ہیں۔''

(ایران شناسی) ص/۲۸۴

قدیم ایران (فارس) اور ''فن خوشنویسی''

ارباب علم وفن سے یہ امر ہرگز مخفی نہ ہے کہ ''فن سنگ تراشی'' ''فن مصوری'' کے لیے اول درجہ کا خوشنویس ہونا ضروری ہی نہیں بلکہ ناگزیر امر ہے۔ فن خوشنویسی کا ان مذکورہ بالا فنون سے نہایت گہرا تعلق ہے۔

ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ قدیم ایران (فارس) میں بھی ''فن خوشنویسی'' میں مختلف ادوار میں قابل قدر پیش رفت ہوتی چلی گئی اور خط و رسم الخط کو دیدہ زیب بنانے میں صدیوں کے امتداد سے عمدہ پیش رفت ہوئی۔

قدیم ایران (فارس) اور رسم الخط کے حوالے سے ہم اس عنوان کا مختصراً یوں جائزہ لے سکتے ہیں کہ:

''ایران قدیم میں بھی خط کو خوبصورت لکھنے کی طرف توجہ رہی۔ ہخامنشوں کے عہد سلطنت میں خطِ میخی کے نمونے اس امر کے شاہد ہیں۔ ایک بیان کے مطابق شاہی خزانے کی ''اوستا'' طلائی حروف میں لکھی ہوئی تھی۔

مانی کی تحریریں اپنے خطی حسن کی وجہ سے ...... لیکن جب ایران میں عربی رسم الخط کا رواج ہوا تو دراصل اس وقت ایرانی خوشنویس کو اپنے ہنر کے کمالات دکھانے کا موقع ملا۔"

(ایران شناسی) ص ر ۲۹۷

اس سلسلہ میں قارئین ہمارے گذشتہ عنوان 'قدیم ایران (فارس)' اور "ایرانی خط" کو ملاحظہ فرمائیں۔ ہم یہاں پر تکرار عنوان سے گریز کرتے ہوئے عنوان کو ختم کرتے ہیں۔

قدیم ایران (فارس) اور "فن تذہیب کاری":

"فن تذہیب کاری کے لئے سب سے اول اعلیٰ پایہ کا خط نویس (خطاط) خوش نویس اور مصور ہونا نہایت ضروری ہے۔ فن تذہیب کاری ایک نہایت نادر اور نازک فن ہے۔ فنکارانہ طور پر مرقع تیار کرنا اور پھر اس میں تذہیب کاری کا عمل کرنا یعنی مختلف زاویاتی پہلوؤں کے پیش نظر سونے، چاندی اور دیگر قیمتی پتھروں مثلاً عقیق، شنگرف اور لاجورد وغیرہ کے بیش قیمت آمیزوں سے اور عمدہ کاغذ پر خوشنویسی کا عمل یا مرقع جات تیار کرنا فن تذہیب کاری کہلاتا ہے۔" (نعمانی)

"تذہیب کاری بھی ایک نازک اور دقیق فن تھا اگرچہ یہ بھی ایک طرح کی مصوری یا نقاشی ہے لیکن مصور اس کو الگ اپنی امتیازی خصوصیت سمجھ کر اپنے نام کے ساتھ تذہیب کار کا بھی اضافہ کرتا تھا۔

خوشنویسوں کے بعد تذہیب کار کا درجہ آتا ہے۔ قرآن کی خوشنویسی کے بعد تذہیب کار اس کو نقش ونگار سے مزین کرتا تھا۔ پہلے قرآن مجید یا اور کوئی کتاب لکھے جانے کے بعد مصور اس کے حواشی کو بیل بوٹوں یا مختلف ہندسی شکلوں سے آراستہ کرتا تھا اس کے بعد تذہیب کار کتاب کے اول و آخر فصلوں کے آغاز اور عنوانات وغیرہ کو مذہب کرتا تھا۔ نویں، دسویں صدی ہجری کے مذہب نسخے تزئین و آرائش کے بہترین نمونے شمار ہوتے ہیں۔

تذہیب کاری ایک مشکل فن تھا۔ اس میں مہارت حاصل کرنے کیلئے لطیف ذوق اور دقتِ نظر کی ضرورت تھی اور ایرانی ذہن اس کے لیے عین مناسب تھا۔ اس فن کی اہمیت اور ارزش کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس فن کے لئے قیمتی وسائل کی ضرورت تھی سونا، سنگ لاجورد اور اعلیٰ قسم کا کاغذ وغیرہ۔"

(ایران شناسی) ص ر ۳۰۵ تا ۳۰۶

قدیم ایران (فارس) کے قدیم فن تذہیب کاری کے مرقع جات امتداد زمانہ سے گوشۂ خمول میں پڑ چکے ہیں کہ جن کی برآمدگی کے لئے ابھی وقت چاہیے۔ بہر کیف اس قدر متمدّن سلطنتوں کے ادوار میں "فن تذہیب کاری" ناگزیر حقیقت کا حامل تھا چاہے وہ کسی صورت

میں بھی ہو۔

اس سلسلہ میں زمانہ بعد از اسلام بیش از بیش پیش رفت ہوئی کہ جو اس وقت ہمارے زیر بحث نہ ہے اس لیے ہم اس عنوان کو ختم کرتے ہیں۔ (نعمانی)

قدیم ایران (فارس) اور ''جلد سازی کا فن''

تحریرات اور دستاویزات نویسی کا فن جس قدر قدیم ہے ان کو امتداد زمانہ سے محفوظ رکھنے کا فن و علم اسی قدر قدیم ہے یہی وجہ ہے کہ ہم قدیم ایران کے قدیم تہذیبی و تمدنی و ثقافتی ادوار کے باوصف عنوان مذکورہ بالا کو بھی زیر بحث لا سکتے ہیں۔

چنانچہ جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب بعنوان ''جلد سازی'' رقمطراز ہیں کہ:

''خیال ہے کہ ایرانیوں میں خطی کتابوں کی جلد سازی کا طریقہ مصر سے آیا نہ اسلام سے پہلے ''قبطیوں'' میں جلد سازی کا رواج تھا۔

ساتویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کے داخلے سے اس میں کچھ تغیر ہوا۔ آٹھویں صدی تک ایران میں جلدیں مصر کے طور طریق پر باندھی جاتی تھیں۔

ان جلدوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا حجم کتاب کے صفحات یا اوراق کے برابر ہے۔ بائیں طرف کتاب کے حدود سے زائد اوپر کی طرف ایک اضافہ ہے جسے جلد کی زبان کہتے ہیں۔

''روم'' میں جلدوں پر سونا اور قیمتی دھاتیں بھی صرف کرتے تھے لیکن مسلمانوں نے اسراف سے بچنے کے لئے صرف لکڑی، گتہ اور چمڑا استعمال کیا۔''

(ایران شناسی) بعنوان (جلد سازی) ص ۳۰۹

''تورفان (چینی ترکستان) میں جو ''مانویوں'' کے کاغذات اور کتابیں برآمد ہوئی ہیں ان کی جلد بندی مصر میں قبطیوں کی جلد سازی سے مشابہ ہے۔ یہ کچھ بعید بھی نہیں کیونکہ آخر ''مانویت'' مصر میں بھی تو مقبول ہو چکی تھی۔

''مغلستان'' کے ایک ویران شہر سے ایک جلد کی دریافت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نمونہ وہاں بھی پہنچ چکا تھا۔ یہ کتاب ساتویں صدی ہجری سے منسوب ہے۔

شروع شروع میں جو جلدیں ایران میں بنائی گئیں ان میں لکڑی استعمال ہوتی تھی اس

پر چمڑا چڑھاتے تھے اور پھر ہندسی شکلوں سے ان کی تزئین کرتے تھے بعد میں گتے کا استعمال عام ہو گیا۔ کبھی کبھی چمڑے پر ہندسی شکلیں کاٹ لیتے تھے۔ ان کو رنگدار کپڑے پر چسپاں کر کے مذہب کرتے تھے۔

اور کبھی ایسا بھی کیا ہے کہ دو چمڑوں کو باہم پیوست کر کے بالائی چمڑے پر ہندسی شکلیں کاٹ کر بنائی ہیں۔"

(ایران شناسی) ص/۳۰۹ تا ۳۱۰

سمرقند، مرو، مشھد، نیشاپور، شیراز اور تبریز بھی اس صنعت کے لئے مشہور و معروف تھے۔ (نعمانی)

قدیم ایران (فارس) اور "قالین بافی" کا فن:

"قالین بافی" کے فن کے لئے قدیم ایران (فارس) کی صنعت قالین بافی زمانہ قدیم سے مشہور چلی آتی ہے۔ اس فن میں یقیناً اہل ایران کی صنعت قالین بافی اپنی مثال آپ تھی:

"دنیا بھر میں ایرانی قالین کی شہرت ہے۔ تمام جہان میں رنگوں کی درخشندگی، خوشحالی اور نقش و نگار میں دقت اور ریزہ کاری کے نقطہ نظر سے ایرانی قالین بے مثال شمار ہوتا ہے"۔

ایران میں صنعت قالین بہت پرانی ہے۔ صحرائی قبائل اور متوسط درجہ کے گھرانوں میں قدیم سے یہ صنعت چلی آتی ہے۔ تجارتی اغراض کے لئے کارخانوں میں بُنے جاتے تھے۔ سب سے قدیم اور معروف قالین چھٹی صدی ہجری یا سلاجقہ کے عہد سے متعلق ہیں۔" (ملخصاً)

(ایران شناسی) ص/۳۱۳

(میراث ایران) از جناب پروفیسر اے۔ جے آربری صاحب

باب ۹ بعنوان (ایرانی قالین) ص/۳۴۹ تا ۳۹۳

"سب سے قدیم ہاتھ کا بنا ہوا قالین شہر میلان کے "پولدی پدزول" عجائب گھر میں موجود ہے۔ جس پر یہ شعر لکھا ہے:

شد از سعی غیاث الدین جامی   بدیں خوبی تمام این کارنامی

سال ۹۲۹ھ

ایک اور بے مثال قالین وکٹوریہ البرٹ میوزیم لنڈن میں ہے یہ وہی قالین ہے جو شیخ صفی الدین کے مقبرہ "اردبیل" میں تھا۔ اس پر حافظ کا یہ شعر لکھا ہے:

جز آستان توام دو جہاں پناہی نیست   سر مرا بجز این در حوالہ گاہی نیست

عملی بندہ درگاہ مقصود کاشانی ۹۴۶ھ

ں قالین کے وسط میں ایک بڑا ترنج ہے اس کے آس پاس بیضوی شکل کے ترنج ہیں۔ چاروں گوشوں میں بھی بڑے اور چھوٹے ترنج بنے ہوئے ہیں۔
حواشی دائروں، مستطیلوں اور گل بوٹوں سے آراستہ ہیں۔"

(ایران شناسی) ص ۳۱۳ تا ۳۱۴

نویں صدی ہجری کا دور ایران میں قالین بافی کی ترقی اور عروج کا زمانہ تھا۔
دسویں اور گیارہویں صدی میں یہ "قالین بافی" کی صنعت کمال عروج تک پہنچ چکی تھی اور یہی دور قالین بافی کی صنعت کا سنہری دور شمار ہوتا ہے جبکہ بارہویں اور تیرہویں صدی کا دور ایران میں اس صنعت کے آغاز زوال کا دور تھا۔
"اپنے عروج کے دور میں قالین بافی کے لئے دربار کے مشہور نقاش ڈیزائن یا نقشہ تیار کرتے تھے چنانچہ مصور کتابوں، عمارتوں اور دوسرے مصنوعات کی تزئین کے لئے نقش ونگار بناتے تھے قالین کے لیے بھی خوبصورت نقوش تیار کرنا ان کے کمال فن کی دلیل سمجھا جاتا تھا۔
بہزاد، سلطان محمد اور سید علی نے قالینوں کے نہایت نفیس ڈیزائن بنائے ہیں۔"

(ایران شناسی) ص ۳۱۴

(میراث ایران) از جناب پروفیسر اے۔ جے آربری صاحب
باب ۹ بعنوان (ایرانی قالین)

قالینوں کی اقسام:

قدیم ایران میں قالینوں کی درج ذیل اقسام متعارف تھیں:

(۱) ترنج دار قالین۔ (اس کا دور دسویں صدی ہجری سے متعلق ہے)
(۲) گلدار قالین (اس کا دور دسویں گیارہویں صدی ہجری سے متعلق ہے)
(۳) حیوانی شکل والے قالین۔ (اس کا دور دسویں گیارہویں صدی ہجری سے متعلق ہے)
(۴) لہستانی قالین۔ (اس کا دور تقریباً دسویں صدی یا گیارہویں صدی ہجری کے آغاز سے متعلق ہے)
(۵) باغدار قالین۔ (اس کا دور دسویں گیارہویں صدی ہجری سے متعلق ہے)
(۶) جانماز (یہ قالین خاص طور پر تبریز کی ساخت کے مشہور ہیں)

قدیم ایران (فارس) اور "پارچہ بافی" کی صنعت:

قدیم ایران (فارس) کی قدیم صنعتوں میں سے ایک ناگزیر صنعت "پارچہ بافی" کی

صنعت بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قدیم ایران کے بنے ہوئے پارچہ جات (کپڑوں) کی شہرت عالمگیر تھی۔ ان کی نفاست، عمدگی اور بنائی کے انداز وروش کے اہل روم بھی بجا طور پر قدردان تھے تو سنیئے!

"ایران کے بنے ہوئے کپڑوں کی شہرت عالمگیر تھی۔ اہل روم ان کو بڑی بڑی قیمتوں پر خریدتے تھے بعد میں انہوں نے ان کی تقلید کی۔

"ساسانیوں" کے عہد میں یہ صنعت کمال عروج پر تھی۔ اس زمانے کے ریشمی کپڑے باقیات میں سے موجود ہیں جن پر ہندسی شکلیں، دائرے، جانور اور پرندے بنے ہوئے ہیں۔ جانداروں کی تصویریں ایک دوسرے کے مقابل یا پشت بہ پشت بنی ہوئی ہیں۔ بعض میں شکار کے مناظر ہیں یا افسانوی حیوانوں کی تصویریں ہیں۔

یہ شکلیں عموماً دائرے میں بنی ہوئی ہیں ان کے درمیان فاصلوں کو ماہی پشت چوخانوں سے پر کیا ہے۔ حیوانوں کی گردن میں لہراتا ہوا سکارف بندھا ہے۔ ریشم کی تاروں کے ساتھ ساتھ ٹوئل کی بنت ہے۔ رنگ عموماً سبز، زرد، سرخ اور نیلا ہے۔" (ملخصاً)

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب

بعنوان (پارچہ بافی) ص/۳۱۹

ساسانی عہد اور پارچہ بافی:

جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب رقمطراز ہیں کہ:

"ساسانی عہد کے بنے ہوئے ریشمی کپڑے یورپ کے عجائب گھروں اور گرجوں میں موجود ہیں۔ لنڈن کے عجائب خانہ میں ریشم کا جو ٹکڑا موجود ہے وہ خسرو پرویز کے لباس کا عین نمونہ ہے جو طاق بستان کے مجسمہ میں منقوش ہے۔ اس کا رنگ سبز ہے جو عموماً ساسانی خاندان کا شاہی رنگ شمار ہوتا تھا۔"

(ایران شناسی) ص/۳۱۹

عہد اسلام میں اس صنعت نے کہاں تک ترقی کی اس وقت ہمارے مذکورہ عناوین سے یہ خارج ہے۔ بدیں وجہ ہم اس موضوع مذکورہ عنوان بالا کو انہیں سطور پر ختم کرتے ہیں۔

قدیم ایران (فارس) اور "فن کوزہ گری":

"کوزہ گری" یعنی برتن سازی ہر متمدن معاشرہ کی ناگزیر ضرورت ہے ہم روزمرہ کے

استعمال کے برتنوں پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالیں تو پانی پینے کے برتن سے لے کر دیگر استعمال کے برتنوں کی کتنی اقسام ہیں کہ جو ہمارے مختلف مقاصد کے استعمال میں کام آتی ہیں۔

اور پھر امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ مختلف اقوام وملل میں اپنے اپنے احوال وظروف کے مطابق فن کوزہ گری نے کیا کیا ندرت اور جدت طرازیاں اختیار کرلیں۔

قدیم ایران (فارس) میں "(فن کوزہ گری)" کس قسم کی صورت حالات سے دوچار ہوا اور کوزہ سازی میں کیا کیا جدت طرازیاں ہوئیں اور وہ کس کس سانچے میں ڈھلے اور انکی شکل و شباہت وزیب وزینت کے باوصف کیا کیا روشہائے اور اسالیب اختیار کیے گئے تو سنیئے:

"ایران کی مٹی برتن بنانے کے لئے نہایت مناسب ہے وہ نرم بھی ہے اور کم وزن بھی۔ اس لیے آسانی سے ان پر نقش ونگار بھی بنائے جاسکتے ہیں اور سانچوں کی مدد سے ان کو نئی شکلوں میں بھی ڈھالا جاسکتا ہے۔

اگر چہ چین و یونان کے برتن اپنی شکل وزیبائش کے لحاظ سے دنیا بھر میں مشہور ہیں لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ اپنے حسن ونفاست کے باوجود ان کو دیکھ کر ذوق سلیم پر ایک سنگینی اور جمود محسوس ہوتا ہے اور ان پر مصنوعات مشینی کا شبہ ہوتا ہے۔

ایرانی ظروف شکلوں کے تناسب وحسن، بیرونی ملائمت اور چمک اور متنوع تزئینات کی وجہ سے خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

برتنوں پر آرائش کے لیے جو چیزیں بنائی گئی ہیں ان میں ہندسی شکلیں، دائرے، جالی دار خطوط، پرندے اور حیوانات ہیں جو درختوں کی شاخوں اور پتوں میں گھرے ہوئے ہیں یا انسانی تصویریں ہیں۔ خاص کر درویشوں اور مطربوں کی یادرباروں، جشنوں اور عیش ونوش کی محفلوں کے نقشے ہیں۔ کچھ شاہنامہ کے قصے اور داستانیں ہیں۔" (ملخصاً)

(ایران شناسی) جناب ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب۔

بعنوان (کوزہ گری) ص ۳۲۵

آگے بعنوان (قبل از تاریخ) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"ایران میں قدیم ترین برتن جو "شوش" کی حضریات سے بر آمد ہوئے وہ تین قسم کے ہیں۔ (۱) گلاس پانی پینے کے لئے۔ (۲) پیالہ غذا رکھنے کے لیے۔ (۳) ہنڈیا غذا پکانے اور محفوظ رکھنے کے لیے۔

یہ برتن اپنی شکل و ہیئت میں مختلف ہیں۔ بعض ظروف میں ٹونٹی بھی لگی ہے جو مائع چیز کو انڈیلنے کے کام آتی ہوگی۔

کسی برتن میں دستہ موجود نہیں۔ البتہ بعض میں سوراخ ہیں

جن سے رسی گزاری جاسکتی ہے۔ان برتنوں کی ساخت میں قابل توجہ ان کا پیندا ہے جو ان کو کھڑا رکھنے کے لئے لگایا گیا ہے۔ یہ ظروف عموماً زرد رنگ کے ہیں جن پر سیاہ رنگ سے نقاشی کی گئی ہے۔ بھٹی میں رکھنے سے پہلے ان پر نقوش بنائے گئے ہیں۔

بعض ہندسی شکلیں اور بعض حیوانوں اور پرندوں کی، حیوانات میں سے بیل، پہاڑی بکرا، کتا، سانپ، کچھوا عام ہیں۔ پرندوں میں سے پر کھولے عقاب ہے یا لمبی گردن والا ایک پرندہ ہے۔ کہیں کہیں انسانی شکلیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔

جس قدیم زمانے سے مندرجہ بالا قسم کے برتن متعلق ہیں۔اس سے بالا طبقے سے مربوط جو ظروف برآمد ہوئے ہیں ان میں گلدان بھی ہیں، ان کا رنگ درخشاں سرخ ہے۔ان برتنوں کے ساتھ دستے بھی لگے ہیں اور ٹونٹیاں بھی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب پہیہ ایجاد ہو چکا ہے جس پر یہ برتن بنائے گئے ہیں۔ ہنڈیا قسم کے برتنوں پر کوئی نقوش اور رنگ نہیں۔" (ملخصاً)

(ایران شناسی) ص ۳۲۶

اس سلسلے میں "شوش" کے علاقے میں جو قدیم ظروف برآمد ہوئے ہیں وہ شکل و صورت میں اور رنگ میں قدیم ترین زمانے سے کچھ کچھ مشابہ ہیں۔

"تخت جمشید" اور گیہان کی حفریات ان کے مشاہدہ سے پتہ چلتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس فن میں کیا جدت طرازیاں ہوئیں۔

اس سلسلے میں ہم درج ذیل عہد سلطنت کے حوالے سے "فن کوزہ گری" کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

(۱) ہخامنشی عہد

(۲) اشکانی عہد

(۳) ساسانی عہد (تا عہد اسلام)

بہرکیف قدیم ایران (فارس) میں کوزہ گری، ظروف سازی میں جو کچھ صنعت و حرفت کے باوجود عہد بہ عہد ترقیاں ہوئی آثار قدیمہ سے وہ بخوبی طور پر ظاہر ہیں۔

قدیم ایران (فارس) اور "فن مسگری":

ہم یہ بخوبی طور پر جانتے ہیں کہ ظروف سازی (کوزہ گری) کے فن کے ساتھ ساتھ مٹی کے ظروف پر مختلف قسم کے نقش و نگار بنانے کا فن بھی معرض وجود میں آ گیا۔ جوں جوں ظروف

سازی کی صنعت اور فن ترقی کرتے چلے گئے تو دھات کی ڈھلائی اور دھات کی اقسام کے ظروف بھی ڈھلنے لگے۔ مثلاً، پیتل، کانسی، سونے چاندی اور تانبے کے برتن اور دیگر اشیاء تیار کرنا اور ان پر نقش ونگار بنانا۔

''ایرانی محاورہ میں جامع لفظ ''فلزکاری'' ہے۔ یعنی ہر قسم کی دھات مثلاً پیتل، کانسی، سونے، چاندی اور تانبے کے برتن اور دوسری چیزیں بنانا اور ان پر نقش ونگار کرنا۔

یہ صنعت بھی مسلمان ایرانیوں کو ورثہ میں ملی ہے۔ دامغان کے نزدیک حصار کی کھدائی سے دوتین ہزار قبل مسیح سے متعلق سکے اور چاندی کے ظروف دستیاب ہوئے ہیں جن سے صنعت گروں کی مہارت ظاہر ہوتی ہے۔

لرستان میں کانسی، پیتل کے عہد سے وابستہ جو برتن ملے ہیں وہ بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ ایرانیوں کی صنعت بلند پایہ تھی۔ ان کانسی کے برتنوں پر حیوانی شکلیں اپنی خصوصیات کی وجہ سے خاص امتیاز رکھتی ہیں۔''

(ایران شناسی) از جناب ڈاکٹر ظہورالدین احمد صاحب۔
بعنوان (مسگری) ص/۳۳۵

''ہخامنشی یادگاروں میں سے دھات کی بنی ہوئی چیزیں برآمد ہوئی ہیں ان سے کاریگروں کی سلیقہ مندی اور استادی میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔ اس زمانے کی صنعت کا بہترین نمونہ ظروف کے دودستے ہیں جو پردار پہاڑی بکرے کی شکل میں بنائے گئے ہیں۔

اس وقت برطانیہ اور برلن کے صنعتی عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ سونے چاندی کے تھال جو شمالی ایران سے ملے اور اس وقت لینن گراڈ کے عجائب خانہ میں موجود ہیں۔

ساسانی عہد سے متعلق ہیں۔ ان کی ساخت میں ہنرمندی کو دیکھ کر ایرانیوں کی قوت و عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ سونے کے ظروف پر عموماً بادشاہ کی تصویر منقوش ہے۔ جو شیر، ہرن، خنزیر یا کسی دوسرے حیوان کو قتل کررہا ہے۔ حیوانوں کی تصاویر میں عضلات کی نمائش، ان کی رفتار، حرکت اور زیرکی دکھانے کے لئے مہارت کا ثبوت دیا ہے۔

فرانس میں معبد کلیسا سے جو برتن برآمد ہوا ہے وہ جام خسرو کے نام سے معروف ہے اور اس زمانے کی صنعت کا بیش بہا نمونہ ہے۔۔۔۔۔۔'' (ملخصاً)

(ایرانشناسی) ص/۳۳۵ و ۳۳۶

ہم ان سطور پر باب ۹ کو ختم کرتے ہیں۔ اس سلسلہ کے دیگر عناوین کو آئندہ باب ۱۰ میں ملاحظہ کیجئے!

(نعمانی)

باب ۱۰

قدیم ایران (فارس) اور ''ایرانی سائنس''

اگر چہ امتداد زمانہ سے قدیم ایران (فارس) اور اس کے سائنسی علوم مثلاً:
ریاضیات، نجوم اور ہیئت وغیرہ کے بارے میں نہایت واضح طور پر اور وثوق سے حاصل نتائج کے باوصف کچھ نشاندہی نہ کی جاسکتی ہے:

چنانچہ پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب بعنوان (ایرانی سائنس) کے تحت عنوان (الف) ''تعارف'' کے حوالہ سے بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''یہ کام مشکل بھی ہے لیکن خوشگوار بھی کہ ایران کے حصے کی جو آبرو تھی وہ اسے واپس دلا دی جائے۔ اس کے چھیننے کی وجہ یہ تھی کہ قدیم مصنفوں نے الفاظ کے غلط انتخاب سے غلط فہمی پیدا کر دی اور یہ متعین نہ ہو سکا کہ علی الترتیب عربوں اور ایرانیوں نے علمی اعتبار سے کیا کچھ کر کے دکھایا ہے۔

ان دونوں قوموں کے درمیان جو بنیادی اور نسلی اختلافات ہیں وہ ہمیشہ ملحوظ رہے ہیں لیکن مذہب اسلام میں ایسی بے پناہ قوت تھی اور ایرانیوں نے فاتح عربوں کی زبان کو اس آسانی سے قبول کر لیا تھا کہ اکثر مورخ اس نکتے سے بے خبر رہے۔

جن علمی کمالات کو فاتحین سے منسوب کیا جاتا ہے وہ دراصل مفتوح قوم سے مربوط ہیں۔ یونان اور روما کے روابط میں بھی اسی قسم کی کیفیت موجود ہے لیکن بوجوہ ظاہر وہاں غلط فہمی اتنی شدید نہیں۔''

(میراث ایران) از جناب پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب۔
بعنوان (ایرانی سائنس) تحت عنوان (الف۔ تعارف) ص ۴۴۳

عربی زبان کی علمی جلالت قدر اور اہمیت اور ایران:

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''شروع ہی میں یہ نکتہ سمجھ لینا چاہیے کہ ''محمد عربی ﷺ''
کی ولادت سے پہلے بھی ایران کی عظمت مسلم تھی اور یہ بات بھی ملحوظ رہنی
چاہیے کہ اسلامی اور ایرانی ایسے کلمات ہیں جو متبادل نہیں قرار دیئے جا
سکتے۔

عربوں کے سر اس بات کا سہرا ہے کہ انہوں نے علمی تحقیق اور
تدقیق کے لئے ایک اعلیٰ درجے کی علمی زبان اور ساتھ ہی اس زبان کی
جلالت قدر مفتوح قوموں کو بخشی علاوہ ازیں اور علمی مآخذ بھی مہیا کیے۔

چنانچہ خلفائے بغداد کے زیر سایہ علمی تحقیقات شروع ہوئیں
اور آخر مشرق وسطیٰ کے بہت سے جلیل القدر عالموں نے اس میں حصہ لیا
لیکن اس علمی تحقیقات کو عربی علوم کے نام سے پکارنا غلطی ہے کیونکہ
عربوں نے اس سلسلے میں اتنا کام نہیں کیا کہ ان کے سر پر سہرا باندھا جا
سکے۔

علاوہ ازیں یہ ایرانیوں کے ساتھ ناانصافی ہے۔ پروفیسر
براؤن لکھتے ہیں:

جس چیز کو عام طور پر عربی علوم کہتے ہیں اس میں سے
ایرانیوں کا حصہ خارج کر دیجئے تو بہترین حصہ خود بخود خارج ہو جائے گا۔

''پال ڈی لگارڈے'' ایک منزل آگے بڑھتا ہے اور لکھتا ہے کہ:

مسلمانوں میں جن لوگوں نے سائنس میں کمال حاصل کیا ان
میں ایک بھی سامی الاصل نہ تھا۔ اس کے باوجود ''طب عربی'' زبانوں پہ
ایسا چڑھا ہے کہ اسی نام سے پکارا جائے گا۔ اسی مثال سے دوسری چیزوں
کو قیاس کر لیجیے۔'' (ملخصاً)

(میراث ایران) باب ۱۱ص ۴۴۲،۴۴۳،۴۴۴

اس سلسلے میں جناب ڈاکٹر شہزادہ ایم اے بٹ صاحب کی تالیف (طب نبوی ﷺ
اور جدید دور) پر ہمارا ''خطبہ'' ملاحظہ کیجئے تو (طب عربی)، ''طب نبوی ﷺ'' کے بارے میں
ہماری جانب سے معقول جوابدہی کا پہلو قارئین کرام پر بخوبی طور پر واضح ہو جائے گا کہ مستشرقین

یورپ نے کس قدر مذہب اسلام نیز اسلامی تہذیب وتمدن وثقافت وکلچر کے حوالے سے مغالطہ دہی کی کوشش کی ہے نیز دنیائے اسلام کے مختلف خطہ جات کے مابین نسلی اور علاقائی تعصّبات پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ فیاللعجب (نعمانی)

ریاضیات:

جناب پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب بعنوان (ب۔ ریاضیات) خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> ''سکندر کی غارت گری نے ایران کا یہ حال کر دیا تھا کہ جو علمی آثار ہم تک پہنچے ہیں ان سے یہ دریافت کرنا بھی مشکل ہے کہ ایرانیوں اور میڈیا والوں کے عہد حکومت میں ریاضیات کا کیا عالم تھا۔
>
> ہیروڈوٹس ان دنوں کے ایک میکانکی کارنامے کا ذکر کرتا ہے کہ:
>
> ''ایک شخص ''اڑتاخیس'' نامی نے (متوفی ۴۸۰ ق۔م) کہ ایرانی الاصل تھا ایک نہر تعمیر کی جو جزیرہ نمائے ایتھوز کو قطع کرتی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ ''زرکیسز'' کی فوج بسہولت گزر جائے''
>
> اسی طرح ساسانی حکومت کے اواخر میں بھی کوئی ایسی شہادتیں دستیاب نہیں ہوتیں جس سے اس زمانے کی ریاضی دانی کی کیفیت معلوم ہوسکے۔
>
> علمی اعتبار سے ایرانی ریاضیات کی تاریخ ''مامون الرشید'' کے دربار سے وابستہ ہے جس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی ماں اور بیوی دونوں ایرانی تھیں۔'' (ملخصاً)

(میراث ایران) از جناب پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب۔
باب ۱۱۔ اردو ترجمہ ص ر ۴۴۹۔

علم نجوم وہیئت:

جناب پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب بعنوان (ج۔ نجوم اور ہیئت) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> ''ازمنہ وسطیٰ میں نجوم کا علم پڑھے لکھے ایرانی کے نصاب تعلیم کا جزو لازم تھا۔ جس طرح ریاضی نجوم میں معاون ہوتی تھی اسی طرح

ہیئت یا نجوم طب میں دخیل تھا اور یہ مضمون باہم مربوط تھے کہ ان سب کا مطالعہ ناگزیر تھا"۔

"بوعلی سینا" قرآن حفظ کرنے کے بعد "محمود" کے حلقہ درس میں شامل ہو گیا کہ مشہور عالم تھا اور اسی سے بوعلی نے ریاضی کا علم حاصل کیا پھر وہ ابوالحسن قوتیمزی کے گھر آنے جانے لگا جہاں ہیئت کا درس لیتا تھا"۔

اس دوران میں اس نے حدیث اور منطق کا مطالعہ بھی جاری رکھا اور آخر میں طب پڑھی، سولہ سال میں فارغ التحصیل ہو گیا۔"

(ملخصاً) (میراث ایران) اردو ترجمہ باب ۱۱ ص ۴۵۷

بعنوان (ج۔ نجوم اور ہیئت)

جناب پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب آگے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"اسلام کے دور سے پہلے ایران میں اگر ہیئت اور نجوم موجود تھے تو ہم تک متعلقہ معلومات نہیں پہنچیں۔ "زرتشت" کے جو صحائف مذہبی ہم تک پہنچے ہیں وہ اس توہم پرستی سے بالکل معرا ہیں جسے نجوم اکساتا ہے۔

علاوہ ازیں سورج کے مقابلہ میں چاند اور ستاروں کو بھی قابل ذکر اہمیت حاصل نہیں۔ جب بغداد میں خلافت عباسیہ قائم ہوئی تو واقعات کا رخ ہی بدل گیا۔ المامون نے ہیئت سے اتنی ہی دلچسپی لی جتنی اسے طب اور ریاضیات سے تھی کہ ہمہ تن اس میں منہمک ہو گیا۔

اس کی وجہ یہی تھی کہ تمام علوم اساساً مربوط تھے۔ ہیئت نمایاں ترین سائنس تھی اور اس کا مطالعہ ریاضیات پر عبور کا تقاضا کرتا تھا۔"

بات وہی ہے کہ ان دنوں لوگ علوم سے عملی پہلو دلچسپی لیتے تھے۔" (ملخصاً)

میراث ایران) اردو ترجمہ باب ۱۱۔ بعنوان (ج۔ نجوم اور ہیئت) صفحہ ۴۵۸ تا ۴۵۹

"علم نجوم اور ہیئت" میں برصغیر پاک و ہند سے استفادہ:

صفحات تاریخ سے ہمیں اس بات کا بھی بخوبی طور پر علم ہوتا ہے کہ ایرانی منجم اور علم ہیئت کے علماء برصغیر پاک و ہند سے بھی استفادہ کیا کرتے تھے۔

چنانچہ پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب رقمطراز ہیں کہ:

"ماہرین ریاضیات کی طرح منجم بھی برصغیر پاکستان و ہند سے استفادہ کرتے تھے۔ منصور رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایرانی ابراھیم الفزاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۷۷ھ) کو اس بات پر مقرر کیا کہ ہندوستانی کتابوں کا ترجمہ مہیا کرے۔

خوارزمی نے ہیئت کی جو اشکال مرتب کی ہیں وہ ان ہندوستانی کتابوں پر مبنی ہیں جو الفزاری رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے نے عربی میں ترجمہ کی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ "الفزاری" نے اصطرلاب ایجاد کیا ہے (مغرب میں ہیئت کے سلسلے میں جو پرکار استعمال ہوئی وہ اسی اصطرلاب کے اصول پر مبنی ہے یعنی مغرب نے مشرق سے فائدہ اٹھایا)

مامون رحمۃ اللہ علیہ نے شہر بغداد اور پلھیر کے نزدیک "رصدگاہیں" بھی تعمیر کروائیں۔

شروع شروع میں جو خلفاء تخت نشین ہوئے وہ تو ہیئت کی طرف ملتفت تھے ہی، آل بویہ کے فرمانرواؤں نے بھی جب ایران سے نکل کر (۹۷۵ء) میں بغداد کو مسخر کیا تو اس علم کی سرپرستی جاری رہی۔

اس دودمان کا گل سرسبد "عدود الدولہ" تھا جس نے ابوالحسن صوفی رازی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔

(۹۰۳......۹۸۶ء) یہ شہزادہ ہیئت شناسی میں ممتاز ہے اور اسکی تصنیف "کتاب الثوابت" جس میں اشکال بھی مندرج ہیں بہت مشہور ہے۔

مسلمانوں نے ہیئت کے دائرے میں جو مشاہداتی کام کیا ہے اس کا نقطہ عروج ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ، الغ بیگ اور اس شہزادے کی تصانیف میں نظر آتا ہے۔"

(ملخصاً)

(میراث ایران)

ازجناب پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب۔

اردو ترجمہ باب ۱۱ ص ۴۵۹/۴۶۰

بہر کیف امتداد زمانہ کی بناء پر قدیم ایران (فارس) کے حوالے سے علوم ریاضیات،

نجوم و ہیئت کے موضوع پر ابھی وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔

ہم انہیں سطور پر باب ۱۰ اور کتاب کے حصہ اوّل کو ختم کرتے ہیں

(نعمانی)

سوانح حیات شمس المعارف

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

(حصہ دوم)

مشتمل بر عناوین:

ایران (فارس) عہد اسلام کے بعد، اسلامی حکومتوں کا مختصر جائزہ، اسلامی علوم وفنون اور ایران، اسلامی علوم وفنون وتصوف کے میدان میں اسلامی ایران کا موثر علمی وعملی پہلو، تصوف وسلوک اور اسلامی ایران کے حضرات صوفیاء کرام کا علمی، دینی وروحانی پہلو، حضرات صوفیاء کرام کی تصانیف کا مختصر تذکرہ وغیرہ۔

ابتدائیہ

جیسا کہ قارئین کرام نے موجودہ کتاب کے حصہ اول کو مطالعہ کر چکنے کے بعد بغور یہ جان لیا ہے کہ ایران (فارس) کے زمانہ قبل از اسلام حالات و واقعات کیا تھے۔ قدیم ایران (فارس) کے تاریخ و جغرافیہ، سیاسی تقسیم کس طور پر تھے قدیم ادوار کی تاریخ، قدیم ایرانی مذاہب، ایران کے ہندوستانی اور ایرانی آریاؤں کا باہمی اتصال کس طور پر تھا؟

نیز ایران اور اس کے قدیم معاصر کون کون سے تھے؟

ایران (فارس) کی قدیم شہنشاہیاں اور ان کے ادوار اور ان کی دیگر اقوام سے آویزش کی روش کیا تھی؟

(۱) مادی سلطنت

(۲) ہخامنشی سلطنت

عہد پارسی: ہخامنشی خاندان کی دو شاخیں

☆ ہخامنشی سلاطین

☆ سلوکی سلاطین

(۳) اشکانی عہد سلطنت

☆ ایران و روم کی باہم آویزش

(۴) ساسانی عہد سلطنت

☆ ایران (فارس) کی قدیم تاریخ قدیم مسلم مؤرخین کی آراء کے حوالے سے، مثلاً عناوین درج ذیل کے تحت:

(۱) غیر مستند تاریخی واقعات

(۲) قدیم ایرانی سلاطین وشاہان کے انساب
(۳) اہل فارس کے انساب
(۴) ایران بن فریدون
(۵) فارس کے علماء تواریخ کی اپنی روایت
(۶) شاہان فارس (ایران) کے طبقات، مثلاً
(۱) شاہان فارس (ایران) کا طبقہ اولیٰ
(۲) اوشہنک بن عابر
(۳) کیومرث
(۴) طہمورث
(۵) جمشید
(۶) ضحاک
(۷) افریدون۔ وغیرہ
☆ شہنشاہ افریدون کی سلطنت تقسیم۔ شاہ افریدون کے لقب ''کے'' کا سبب:
(۱) شہنشاہ منوچہر اور افراسیاب
(۲) زومر کا خروج
(۳) کرشاسب
☆ ملوک وسلاطین ایران (فارس) کے طبقات:
(۱) طبقہ اولیٰ
(۲) طبقہ ثانیہ
(۳) طبقہ ثالثہ
(۴) طبقہ رابعہ
☆ قدیم فارس (ایران) کے مذاہب وملل۔ کتاب کے حصہ اول کا باب ۶ ملاحظہ کیجئے۔

باب ۷، باب ۸، باب ۹ اور باب ۱۰ کو بھی ملاحظہ کیجئے کہ ہم نے زمانہ قبل از اسلام کے ایران (فارس) کے حالات کی کھتونی میں کس قدر دماغ سوزی اور جانسپاری سے کام لیا ہے۔

تو یہ تمام تر حالات قلمبند کرنے سے ہمارا منشا ومقصود ایک طرف تو فلسفہ تاریخ رعمرانیات کے پیش نظر اور قدیم نظریہ انسانی اجتماع کے پیش نظر قدیم ایران (فارس) کے تمام تر حالات کا مختصراً جائزہ لینا تھا کہ قدیم ایران کے اجتماعی معاشرہ کی مذکورہ بالا عنوانات کے حوالے سے تہذیبی وثقافتی ودینی ومذہبی ومقتدرانہ حیثیات کیا تھیں۔

اردگرد کے اقوام وملل کے ساتھ ان کے قومی وملی نیز دینی و مذہبی وتہذیبی وتمدنی وثقافتی روابط کیا تھے اور اس روش ونوعیت کے باوصف اقوام عالم میں انہوں (یعنی اہل ایران) نے کیا رول ادا کیا؟ ان کی مذہبی و اخلاقی حیثیت کیا تھی اور ان کی سوسائٹی اور معاشرہ کس روش پر رواں دواں تھے؟

دوسری جانب ہمارا مقصود یہ تھا کہ کیا اخلاقی و دینی و مذہبی نقطہ نگاہ کے حوالے سے ابھی قدیم ایران (فارس) میں مقتدرانہ حیثیت کو درست بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے اور اسکے مذاہب و اخلاقیات کی سدھار کے لیے نیز تہذیب وتمدن وثقافت وکلچر کی روش کو راہ راست پر لانے کے لئے ایک دین الٰہی کے ذریعہ ہدایت ورہنمائی کی اشد ضرورت تھی۔

اور ایک ایسی ہستی (پیغمبر) کی ضرورت ناگزیر تھی کہ جو ان کے خودساختہ مذاہب و فرق کے انار کی پرمبنی احساسات وجذبات اور اخلاق سوز جرائم پرمبنی رجحانات کو صفحہ ہستی سے مٹا کر ان کے قلوب کو مقدس آسمانی وحی والہام کے انوار وتجلیات اور پاکیزہ اخلاقی، تعلیمات سے متقی و مجلی کر دے۔

تو قدیم ایران (فارس) کی تمام تاریخ ہمیں یہ ثبوت مہیا کرتی ہے کہ:

قرار واقعی طور پر (دین اسلام) کی صورت میں ایک ایسے آسمانی دین ہدایت کی ضرورت تھی کہ جو اہل ایران کو قوم وملت کے علاقائی اور خطہ جاتی نہیں بلکہ دینی و مذہبی قومیت کے جذبہ سے علمی وعملی طور پر ہم آہنگ کرتے ہوئے ہر قسم کے ادبار سے یکسر نکال کر ایک جدید ابھرتی ہوئی فاتح قوم کے پہلو بہ پہلو لا سکے اور یقیناً ایسا ہو کر رہا۔

قدیم ایرانی مذاہب مثلاً زرتشتیت، مانویت اور مزدکیت اور ان کے مذاہب و فرق عقائد ونظریات کی رو سے انکی روحانی تشفی نہ کر سکے اور نہ ہی عملی میدان میں انکی بحیثیت قوم کے کوئی راہنمائی کر سکے کہ جس کے بل بوتے پر وہ ہمسایہ اقوام عالم میں اپنی مجموعی نمائندہ حیثیت کو پیش کر سکتے۔ (یعنی مذہب واخلاقیات کی رو سے)!

یقیناً ''دین اسلام'' ہی ایک ایسا آخری الٰہی دین ہے کہ جس نے قدیم (ایران) کو اپنی آغوش رحمت میں لے کر ان کے عقائد ونظریات، اخلاقیات کو بہترین بنیادوں پر استوار کر کے انہیں شہرت دوام بخشی اور ان میں بہترین رجال علم، روحانیت وتصوف وسلوک کے شناور حضرات صوفیائے کرام اور علماء وفقہا و مجتہد وآئمہ پیدا کیے کہ جن کے ذکر سے آج بھی تاریخ عالم کے اوراق روشن وتابندہ ہیں۔

تو ہماری اس موجودہ کتاب کے آئندہ اوراق ایران کے عہد اسلامی کی عظمت پارینہ کی روداد پر مشتمل ہیں۔

باب ۱۱

ایران (فارس) اور عہد اسلام کے بعد

ارباب علم وفضل بخوبی طور پر ''دین اسلام'' کی حقیقت سے آشنا و آگاہ ہیں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین کی ذات والاصفات نے کفر کدہ ریگستان عرب میں دین حق (دین اسلام) کی اشاعت کے لئے جو کٹھنائیاں برداشت کیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت نے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا اور دین حق کی اشاعت میں جس قدر سرگرمی سے والہانہ طور پر حصہ لیا اس کی مثال دوسرے مذاہب میں عنقا ہے۔
جناب خاتمی مرتبت رسالت مآب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات تک ''دین اسلام'' کی تبلیغ واشاعت کا دائرہ عالم عرب سے باہر تک وسیع ہو چکا تھا۔
چنانچہ ''دعوت وتبلیغ اسلام'' کے حوالہ سے ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''سلاطین عالم'' کے نام خطوط کو زیر بحث لاسکتے ہیں۔ مثلاً

بزمانہ ۶ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''قیصر روم، کسریٰ ایران، عزیز مصر، نجاشی شاہ حبش، رؤسائے یمامہ، والی حدود شام حارث غسانی، شرجیل بن عمرو والی بصرہ کے نام دعوت اسلام کے خطوط لکھے۔

''ان نامہائے مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے کیا مثبت ومنفی جوابات دیئے گئے تو اسلام کی تاریخی نوعیت انہیں مثبت ومنفی جوابات سے متعلق علمی وعملی تاریخ پر مشتمل ہے''۔
بہر کیف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سانحہ ارتحال سے قبل جزیرہ عرب کو تمام طور پر ''اسلامی حکومت وسلطنت'' کے دائرہ اختیار میں لاچکے تھے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بروز پیر بوقت دوپہر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ھ بمطابق ۸ رجون ۶۳۲ء کو اس عالم فانی سے عالم جاوداں کی جانب رحلت فرمائی اور ہمیشہ کے لئے اس دنیا فانی کو سوگوار چھوڑ گئے۔

آپ ﷺ کی وفات حسرت آیات کے بعد مندرجہ ذیل چار بزرگ اصحاب رضی اللہ عنہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

اسلامی حکومتوں کا مختصر جائزہ:

(۱) خلیفہ اول جناب حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت:
(۱۱ھ (۶۳۲ء) سے ۱۳ھ (۶۳۴) تک)

(۲) خلیفہ دوم جناب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت:
(۱۳ھ (۶۳۴ء) سے ۲۳ھ (۶۴۴ء) تک)

(۳) خلیفہ سوم جناب حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت:
(۲۴ھ (۶۴۵ء) سے ۳۴ھ (۶۵۵) تک)

(۴) خلیفہ چہارم حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت:
(۳۴ھ (۶۵۶ء) سے ۴۰ھ (۶۶۱ء) تک)

خلیفہ اوّل جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مبارک دور خلافت ''خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ﷺ'' کا دور تھا یعنی آپ ﷺ کے دور خلافت میں زمانہ نبوت ﷺ کے احوال و آثار ابھی مدینۃ النبی ﷺ میں روشن و تازہ تھے لہٰذا لوگوں کے احوال و آثار وہی تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے اڑھائی سالہ دور خلافت کے آغاز میں ''فتنہ ارتداد'' پھیل گیا کہ جس کو آپ ﷺ نے چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں فرو کر دیا اور اسلامی حکومت و سلطنت کی زمام کار کو ایک مرتبہ پھر درست رخ پر پھیر دیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے مبارک دور خلافت میں وقت کی دو عظیم ترین سلطنتوں (سلطنت ایران و سلطنت روم) کے ساتھ مدینہ طیبہ کی اسلامی حکومت و سلطنت کے مابین بیک وقت ہولناک جنگیں چھڑ گئیں اور آپ رضی اللہ عنہ کے عظیم دور خلافت ہی میں ان مذکورہ بالا دو سلطنتوں کی کامیاب فتوحات کا آغاز ہو گیا۔

چنانچہ ان فتوحات کا سلسلہ خلیفہ دوم جناب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت (۱۳ھ (۶۳۴ء) سے ۲۳ھ (۶۴۴ء) تک) اور خلیفہ سوم جناب حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت (۲۴ھ (۶۴۵ء) سے ۳۴ھ (۶۵۵ء) تک) سلسلہ جاری رہا۔

جناب مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب عہد عثمانی کی فتوحات کا ذکر بدیں الفاظ کرتے ہیں کہ:

"بغاوتوں کے استیصال کے علاوہ آرمینیہ اور آذربائیجان کے غیر مفتوحہ علاقوں ایشیائے کوچک، ترکستان، کابل اور سندھ میں بہت سی فتوحات ہوئیں۔ بحر روم کے جزیرہ قبرص پر قبضہ ہوا اور اسپین پر حملہ ہوا اور اسلامی حکومت کی حدود "سندھ" اور کابل سے لے کر یورپ کی سرحد تک وسیع ہو گئیں"۔

تاریخ اسلام

از جناب مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

جلد اول رص ر۲۹۰ بعنوان (فتوحات)

خلیفہ چہارم جناب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت (۳۴ھ (۶۵۶ء) سے ۴۰ھ (۶۶۱ء) تک) کے دور خلافت کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے جناب مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا زمانہ خانہ جنگی میں گزرا۔ تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو ایک دن کے لئے بھی اندرونی جھگڑوں سے فرصت نہ ملی اس لیے بیرونی فتوحات کی جانب توجہ کرنے کا آپ رضی اللہ عنہ کو موقع ہی نہ ملا۔ تاہم سیستان اور کابل میں بعض فتوحات حاصل ہوئیں، ۳۸ھ میں بحری راستہ سے "کوکن" پر حملہ ہوا"۔

تاریخ اسلام از جناب مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جلد اول رص ر۳۵۶ بعنوان (فتوحات)

اموی عہد خلافت:

(حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ زمانہ حکومت (۴۰ھ (۶۶۱ء) سے ۵۹ھ (۶۸۰ء) تک) تا (خلیفہ مروان بن محمد رحمۃ اللہ علیہ بن مروان، زمانہ حکومت: (۱۲۷ھ (۷۴۸ء) سے ۱۳۲ھ (۷۵۳ء) تک) چودہ اموی خلفاء مسند خلافت وحکومت پر متمکن ہوئے۔

عباسی عہد خلافت:

(خلیفہ ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ سفاح زمانہ حکومت (۱۳۲ھ (۷۴۹ء) سے ۱۳۶ھ (۷۵۴ء) تک) تا خلیفہ مستعصم باللہ رحمۃ اللہ علیہ زمانہ حکومت: (۶۴۰ھ (۱۲۴۱ء) سے ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) تک) سینتیس ۳۷ عباسی خلفاء مسند خلافت وحکومت پر متمکن ہوئے۔

مقامی حکومتیں

عباسی خلیفہ مستعین باللہ رحمۃ اللہ علیہ زمانہ حکومت:

(۲۴۸ھ (۸۶۲ء) سے ۲۵۱ھ (۸۶۵ء) تک) کے دور خلافت میں ایران کے خطہ میں نیشاپور کے دارالخلافہ اور صدر مقام (خراسان) میں (خاندان طاہریہ) مقامی طور پر برسر اقتدار آ گیا اور آہستہ آہستہ عباسی خلیفہ کی حکومت سے علیحدہ ہو گیا۔ خاندان طاہریہ کی شہ سے تمام مشرق کا علاقہ آہستہ آہستہ خلافت عباسیہ کے اثر و نفوذ سے نکل گیا۔

عباسی خلیفہ معتز باللہ زمانہ حکومت:

(۲۵۲ھ (۸۶۵ء) سے ۲۵۵ھ (۸۶۸ء) تک) کے دور خلافت میں عباسی سلطنت کے معروف صوبہ مصر میں ''احمد بن طولون'' کا خاندان حکمران ہو گیا اور ملک شام بھی ان ہی کے زیر تسلط آ گیا۔

عباسی خلیفہ معتمد علی اللہ زمانہ حکومت:

(۲۵۶ھ (۸۶۹ء) سے ۲۷۹ھ (۸۹۲ء) تک) کے دور خلافت میں ایران کے مشہور و معروف ''یعقوب بن لیث صفار'' نے ''صفاریہ خاندان'' کی سارے ایران میں حکومت قائم کر دی۔

اسی عباسی خلیفہ معتمد علی اللہ کے دور خلافت میں ''طبرستان'' کا علاقہ ۸۶۴ء میں عباسی سلطنت سے علیحدہ ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک شخص حسن بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس علاقہ میں ایک خودمختار حکومت قائم کر لی۔

اسی عباسی خلیفہ معتمد علی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور خلافت میں ''ماوراء النہر'' کے علاقے کا گورنر مرکزی سلطنت کے مابین صفاریہ حکومت کا علاقہ درمیان میں حائل ہو جانے کی بناء پر عباسی سلطنت سے بُعد کی بنا پر خودمختار ہو گیا اور اس نے سلطنت کی بنیاد رکھ دی۔

عباسی خلیفہ قادر باللہ رحمۃ اللہ علیہ زمانہ حکومت:

(۳۸۱ھ (۹۹۱ء) سے ۴۲۲ھ (۱۰۳۱ء) تک) کے دور خلافت میں درج ذیل دو حکومتی خاندان برسر اقتدار آئے:

(۱) غزنوی خاندان، (سلطنت غزنوی کے بانی)

(۲) سلجوقی خاندان، (سلطنت سلاجقہ کے بانی)

سلطان ملک شاہ سلجوقی رحمۃ اللہ علیہ کے دور کے رجال میں سے نظام الملک رحمۃ اللہ علیہ، عمر خیام رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بن صباح وغیرہ ہیں۔

عباسی خلیفہ مستظہر باللہ رحمۃ اللہ علیہ زمانہ حکومت:

۴۸۷ھ (۱۰۹۴ء) سے ۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء) تک) کے دور خلافت میں ''صلیبی یورش'' کا آغاز ہوا۔

عباسی خلیفہ مسترشد باللہ زمانہ حکومت:

(۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء) سے ۵۲۹ھ (۱۱۳۴ء) تک) کے دور خلافت میں شام میں خاندان زنگی کے حکمران سلطان عماد الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ اور سلطان نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ برسر اقتدار آئے۔

عباسی خلیفہ مستضی بامر اللہ زمانہ حکومت:

(۵۶۶ھ (۱۱۷۰ء) سے ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) تک) کے دور خلافت میں شام ومصر میں ایوبی خاندان برسراقتدار آیا۔

''ایوبی سلاطین'' کے بعد مصر میں ''سلاطین ممالیک'' کی حکومت قائم ہوئی۔

آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ زمانہ حکومت:

(۶۴۰ھ (۱۲۴۱ء) سے ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) تک) کے دور خلافت میں ۲۰ محرم ۶۵۶ھ بمطابق ۱۲۵۸ء تاتاریوں نے خلیفہ مستعصم باللہ کو بمع اہل خاندان باستثناء چندتہ تیغ کر کے عباسی سلطنت کے آخری چراغ کو گل کر دیا۔

تو تذکرہ ہو رہا تھا خلافت راشدہ کی فتوحات کا، خلیفہ دوم جناب حضرت عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں سلطنت روم و سلطنت ایران کے ساتھ جہادی سرگرمیاں زور پکڑ گئیں اور غیر عرب لوگوں نے کثرت سے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔

ان مذکورہ بالا سلطنتوں کے مذہبی و دینی نیز ثقافتی عناصر اپنے تھے جن کی بنیاد صدیوں

کے تدریجی ارتقائی عمل نیز عقائد و نظریات کے باہمی ٹکراؤ نیز شکست وریخت سے ہوئی تھی۔

اہل روم کی عیسائی سلطنت میں ایک طرف قدیم یہودی نظریات کے ساتھ ساتھ اہل یونان کے فلسفہ اور منطق کے مباحث وعقائد ونظریات نے ایک ایسے ''عیسائی مذہب'' کی بنیاد رکھ دی تھی کہ الٰہیات کے مسائل وعقائد میں بائبل کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ارسطو، افلاطون اور جالینوس کے ''نومشائی فلسفے'' کی گہری آمیزش پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ دین عیسوی اپنی اصل شکل کھو کر محض ''اقانیم ثلاثہ'' کا ایک ارتقائی مکتبہ فکر بن چکا تھا اور اس کو یہ ورثہ یہودیت سے بالواسطہ ملا تھا۔

اہل ایران کی مجوسی سلطنت میں قدیم تہذیبی وتمدنی نیز ثقافتی عناصر کے ساتھ ساتھ صدیوں کے ارتقائی تدریجی عمل نے مانی اور مزدک کے نظریات کے ساتھ ہم آہنگی اختیار کر کے دنیائے انسانیت کے لئے ''انارکی'' کا سامان فتنہ زا مہیا کر دیا تھا۔ ان کا اپنا ایک مذہبی فلسفہ تھا کہ جس کے بارے میں قارئین کرام اس کتاب کے حصہ اول میں بخوبی مطالعہ کر چکے ہیں۔

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے خلیفہ دوم۔ خلیفہ سوم، اور خلیفہ چہارم اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کی افسوسناک شہادت کے مسلسل واقعات پیش آتے چلے گئے جب کہ اسلامی مسند خلافت پر مختلف حکومتی خاندان متمکن ہوتے چلے گئے۔

اسلامی سلطنت کی وسعت نے جب جہادی سرگرمیوں کو سست کر دیا تو جوں جوں لوگ متمدن زندگی بسر کرنے لگے توں توں ان علاقوں اور خطہ جات کی متمدن اقوام کے تمدنی وتہذیبی عناصر سے بھی متاثر ہونا لازمی امر تھا۔

اب یہ دور صرف حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کا دور نہ تھا بلکہ ان کی آئندہ نسلیں بڑھ پھول چکی تھیں ان کے بھی اپنے رجحانات تھے۔ اہل عرب کے تہذیبی وتمدنی ودینی ومذہبی عناصر اور مفتوحہ اقوام کے تہذیبی عناصر میں تیزی سے انجذاب کا عمل طاری ہو چکا تھا۔

لیکن ابھی ابتداء تھی اور وہ لوگ موجود تھے کہ جنہوں نے حضرت پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دور دیکھ رکھا تھا۔

روم وایران کی سلطنتیں اپنی شکست خوردگی کی بناء پر پھنکار رہی تھیں ان ہی کی سازش سے خلیفہ دوم تا خلیفہ چہارم کی بالترتیب شہادتیں وقوع میں آئیں۔

اسلامی تعلیمات کا علمی وعملی تسلسل واجراء:

مذکورہ بالا پریشان کن حالات کے پیش نظر یہ ہرگز نہ سمجھ لیا جائے کہ ان پریشان کن حالات کی بناء پر اسلامی تعلیمات کا علمی وعملی تسلسل واجراء رک گیا۔

بلکہ ظاہری طور پر مذکورہ بالا حوادث زمانہ تو ضرور پیش آتے رہے لیکن خالص اسلامی روح اندر ہی اندر کام کرتی چلی گئی اور اصحاب دعوت وعزیمت وقتاً فوقتاً اسلامی تعلیمات کے علمی و عملی تسلسل واجراء اور احیاء کی کوششوں میں مصروف و مشغول رہے۔ ''نوبت بانیجار سید'' کے مصداق اسلامی تعلیمات ان بزرگوں سے تسلسل وارتباط سے بسند ہم تک پہنچ گئیں۔

اسلامی تہذیب وتمدن وثقافت وکلچر کے تاریخی آثار:

مسلم تہذیب وتمدن وثقافت وکلچر کے تاریخی آثار کے حوالے سے ہمارے عقل وشعور میں درج ذیل پانچ عنوانات متوارد ہوتے ہیں۔

۱۔ عقیدہ ودین

۲۔ علوم وفلسفہ

۳۔ لغت وادب

۴۔ قانون سازی

۵۔ حکومت وسلطنت۔ وغیرہ وغیرہ۔

شام کے مشہور سکالر، ادیب اور رہنما جناب ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> ''ہم نے گزشتہ تقریر میں اپنی تہذیب کی چند نمایاں خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ تہذیبیں، تاریخ انسانی میں فکری، اخلاقی اور مادی اعتبار سے جتنے زیادہ جاودانی اثرات چھوڑتی ہیں اتنا ہی زیادہ خلود ودوام انھیں حاصل ہوتا ہے۔
>
> ہماری تہذیب نے انسانی ترقی کی تاریخ میں ایک عظیم الشان کردار ادا کیا اور عقائد ونظریات، علم وفن، حکومت، فلسفہ اور ادب کے میدانوں میں نہایت دوررس اثرات اور مستحکم یادگاریں چھوڑی ہیں۔
>
> آیئے دیکھیں کہ وہ آثار اور یادگاریں کیا ہیں اور ان کی اہمیت کیا ہے؟
>
> ہم اپنی تہذیب کے زندہ جاوید آثار کو پانچ بڑی اقسام میں تقسیم کرسکتے ہیں''۔

(اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو) از جناب ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی صاحب مرحوم۔ باب ۲ بعنوان (ہماری تہذیب کے تاریخی آثار) ص/۱۵۲ اردو ترجمہ۔

ا۔ عقیدہ و دین:

جناب ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی صاحب مرحوم خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''اسلامی تہذیب کے اصول و مبادی کا نہایت گہرا اثر یورپ کی ان اصلاحی تہذیبوں پر پڑا ہے جو ساتویں صدی عیسوی سے لے کر عہد جدید تک وہاں اٹھتی رہی ہیں۔''

اسلام ہی وہ دین ہے جس نے اللہ کی وحدانیت کا درس دیا اور بتایا ہے کہ اس کی حاکمیت و اقتدار میں کوئی شریک نہیں اور وہ جسم، ظلم اور نقص سے منزہ ہے۔ اسلام نے یہ بات بھی وضع کر دی ہے کہ انسان کو اللہ کی بندگی کرنے، اس سے تعلق پیدا کرنے اور اس کے قوانین کو سمجھنے کے لیے پجاریوں یا پادریوں کی طرح کے کسی طبقہ کو واسطہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اقوام کے ذہنوں کو کھولنے اور ان محکم اصولوں تک ان کی رہنمائی کرنے میں اسلام نے ایک زبردست عامل کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ اس سے پہلے قومیں ایک شدید قسم کے مذہبی استبداد اور پیشوائیت کے تسلط میں جکڑی ہوئی تھیں جس نے ان کے افکار و آراء پر بند باندھ رکھے تھے اور ان کے جسم اور مال کو اپنے شکنجے میں کس رکھا تھا۔

اسلام کو شرق و غرب میں جو فتوحات نصیب ہوئیں اس کا یہ قدرتی نتیجہ تھا کہ آس پاس کی قومیں سب سے پہلے اسلام کے عقائد و نظریات سے متاثر ہوں اور واقعی میں یہی ہوا بھی۔

چنانچہ ساتویں صدی عیسوی میں یورپ کے اندر ایسے ریفارمر اٹھے جو بت پرستی اور تصویر پرستی کے مخالف تھے۔ بعد میں ایسے لوگ اٹھے جنھوں نے اللہ اور اس کے بندوں کے مابین انسانوں کو وسیلہ بنانے سے انکار اور پادریوں اور پاپاؤں سے۔ بے نیاز ہو کر کتب مقدسہ کے افہام و تفہیم کی دعوت دی۔

بہت سے محققین نے پورے زور سے کہا ہے کہ ''مارٹن لوتھر'' اپنی اصلاحی تحریک میں، فلاسفہ عرب اور علمائے مسلمین کے دینی عقائد سے متاثر تھا۔ ایک مدت سے حکمائے اسلام کی تصانیف کا ترجمہ لاطینی میں ہو

چکا تھا اور لوتھر کے عہد میں یورپ کی یونیورسٹیاں تعلیم وتدریس میں ان پر انحصار واعتماد کرتی تھیں۔

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فرانسیسی انقلاب میں، مذہب اور ریاست کے درمیان علیحدگی کی جو تحریک اٹھی تھی وہ ان زبردست فکری تحریکات کی پیداوار تھی جو تین سو سال بلکہ اس سے زیادہ عرصے تک پورے یورپ پر چھائی رہیں اور صلیبی جنگوں اور اندلس کے واسطے سے ہماری تہذیب نے ان تحریکوں پر اپنا اثر ڈالا تھا۔''

(اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو) از جناب ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی صاحب مرحوم۔
باب ۲ بعنوان: (ہماری تہذیب کے تاریخی آثار) تحت عنوان (عقیدہ ودین)
اردو ترجمہ۔ ص ۵۲/۵۳

۲۔ علوم وفلسفہ:

جناب ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی صاحب بعنوان (علوم وفلسفہ) بدیں الفاظ رقمطراز ہیں کہ:

''طب، ریاضیات، کیمیا، جغرافیہ اور فلکیات کے میدان میں بھی ہمارے تہذیبی اثرات نمایاں ہیں۔ یورپ میں جو علمی بیداری پیدا ہوئی وہ اس درس وتدریس کا نتیجہ تھی۔

جیسے اہل یورپ نے ہمارے علماء وحکماء کے سامنے اشبیلیہ، قرطبہ اور غرناطہ کی مساجد میں زانوئے ادب طے کر کے حاصل کیا تھا۔ مغرب کے طالب علم جب ہماری تعلیم گاہوں میں وارد ہوتے تو انہیں سخت تعجب ہوتا کہ ہر متنفس کے لئے ان علوم وفنون کے دروازے کھلے ہیں اور ہر شخص آزاد فضا میں پورے شغف اور انہماک کے ساتھ ان علوم و فنون سے بہرہ ور ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی مثال ان کے اپنے ملک میں موجود نہ تھی۔

جس وقت ہمارے علماء اپنے حلقوں اور اپنی تالیفات میں زمین کی گردش، اس کی گولائی اور اجرام سماویہ کی حرکت پر بحث کرتے تھے اس وقت اہل یورپ کے دماغ ان مسائل سے متعلق اوہام وخرافات سے بھرے ہوئے تھے۔

یہیں سے عربی کتب کے لاطینی میں تراجم کی تحریک شروع

ہوئی اور ہمارے علماء کی تصانیف یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جانے لگیں۔ ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ کی طب پر ''القانون'' کا ترجمہ بارھویں صدی میں ہوا۔

''رازی رحمۃ اللہ علیہ'' کی تصنیف ''الحاوی'' کا ترجمہ تیرھویں صدی کے اواخر میں ہوا جو ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ کی ''القانون'' سے زیادہ مفصل اور ضخیم ہے۔ سولہویں صدی تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں علم ''طب'' کا انحصار انہیں دونوں کتابوں پر تھا۔

جہاں تک کتب فلسفہ کا تعلق ہے تو ان کی تعلیم و تدریس اس سے زیادہ عرصے تک جاری رہی اور یورپ نے فلسفہ یونان سے تعارف ہماری تالیف و تراجم کے ذریعے سے حاصل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مغربی مصنفین اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرون وسطیٰ میں کم از کم ہم یورپ کے استاد رہے ہیں۔

''فاضل گستاؤ لی بان'' کہتے ہیں۔ عام عربی کتب اور بالخصوص علمی تصانیف پانچ چھ سو سال تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں تقریباً واحد ماخذ تدریس رہی ہیں اور ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعض علوم مثلاً: علم طب میں عربوں کے اثرات اب تک ہمارے ہاں کام کر رہے ہیں۔

''ابن سینا'' کی کتابوں کی تشریح گذشتہ صدی کے آخر میں ''مونبلییہ'' میں کی گئی ہے۔ یہی عالم مزید لکھتے ہیں:

''روجر بیکن، لیونارڈ، ارنوفیلقونی، ریمون لول، سان تھوما، ائبرٹ اور ازنولش، وہم قشقانی نے فقط عربی کتب پر انحصار کیا ہے اور موسیو رینان کہتے ہیں: البرٹ دی اعظم، ابن سینا کا ممنون احسان ہے اور سان تھوم، فلسفہ میں ''ابن رشد'' کا مرہون منت ہے۔

مشہور مستشرق ''سیدیو'' لکھتے ہیں کہ ''قرون وسطیٰ'' میں وہ صرف عرب ہی تھے جو تہذیب کے علمبردار تھے۔ شمالی قبائل نے جس یورپ کو غارت اور پامال کر دیا تھا۔ اس کے وحشی پن کو عربوں ہی نے زائل کیا۔

عربوں نے یونان کے فلسفہ قدیم تک رسائی حاصل کی اور صرف اس کی معرفت اور اکتساب پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اسے وسعت دی،

اور مطالعہ کائنات کے نئے ابواب کو وا کیا نیز موصوف کہتے ہیں کہ۔

عربوں کو جب علم ہیئت میں مہارت حاصل ہو گئی اور اس میدان میں وہ فی الحقیقت ہمارے استاد تھے۔

وہ کہتے ہیں کہ ابتدائی دور میں لاطینیوں نے عربی سے جو کچھ لیا ہم جب اس کی تلاش کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ:

''جربرٹ سلفتر دوئم'' کے نام سے ایک دروازہ بن جاتا ہے جس کے ذریعے سے ۹۷۰ء اور ۹۸۰ء کے درمیانی عرصے میں وہ تمام علوم یورپ میں داخل ہو جاتے ہیں جو اس نے اندلس میں حاصل کیے تھے اور انگریزی فاضل ''اوہیلاڈ'' ۱۱۰۰ء اور ۱۲۰۰ء کے درمیان اندلس اور مصر کا دورہ کرتا ہے اور عربی سے ''اقلیدس'' کی کتاب ''الارکان کا ترجمہ کرتا ہے۔

جس سے اس وقت تک پورا مغرب نابلد تھا۔ ایک عالم افلاطون تیقولی، ''تھیوڈوسیوس'' کی کتاب ''الاکر'' کا عربی سے ترجمہ کرتا ہے۔ ''روڈلف بروجی'' عربی سے بطلیموس کا ''معمورہ ارض'' کے متعلق تصنیف کردہ ''جغرافیہ'' کا ترجمہ کرتا ہے۔

''لیونارڈ بیزنی'' نے ۱۲۰۰ء کے قریب ''الجبرے'' میں ایک رسالہ لکھا ہے جو اس نے عربوں سے سیکھا تھا۔ ''کمپانوس نیوی'' نے تیرھویں صدی میں عربی میں مرتبہ کتاب ''اقلیدس'' کا بہترین ترجمہ کیا۔

نیز اس صدی میں ''فیستلون بولونی'' نے ''حسن بن ہیثم'' کی کتاب ''البصریات'' سے استفادہ کر کے فلکیات کا علم مغرب میں پھیلایا۔ ۱۲۵۰ء میں ''ازفونش قشتالی'' نے فلکی زیج شائع کرنے کا حکم دیا جو اسی کے نام سے ہے۔

اس دور میں ایک طرف ''راجر اول'' نے صقلیہ میں عربی علوم وفنون، خصوصاً ''ادریسی'' کی کتابیں پڑھنے کا حکم دیا اور دوسری طرف ''فریڈرک ثانی'' نے علوم وآداب کے سیکھنے پر حد سے زیادہ زور دیا۔

''ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ'' کے بیٹے ہر وقت اسی کے دربار میں رہتے تھے اور اسے نباتات وحیوانات کی طبعی تاریخ کی تعلیم دیتے تھے۔

''ہومیلڈ'' سائنس سے متعلق اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

وہ عرب ہی ہیں جنھوں نے سب سے پہلے کیمیاوی "دواسازی" کا طریق ایجاد کیا اور اس باب میں ہمارے ہاں ابتداً محکم مشورے اور تجربات عربوں ہی سے آئے جو "سائرم" کے مدرسے نے لیے اور وہاں سے ایک عرصہ بعد جنوب یورپ میں پھیلے۔

پھر دواساز اور طبعی عناصر جس پر معالجہ کا دارومدار ہے نباتات اور کیمیا کے مطالعہ کا باعث بنے۔ یوں یہ دونوں کام بیک وقت اور دومختلف طریقوں سے ہوتے رہے اور اسی طرح عربوں کے ذریعے اس علم کے نئے دور کا فتح باب ہوا۔

دنیائے نباتات میں عرب کی وسعت معلومات کے ثبوت کے لئے یہی کافی ہے کہ انہوں نے "زلیفوریدس" کی جڑی بوٹیوں پر دو ہزار نباتات کا اضافہ کیا۔ ان کی دواسازی میں کئی جڑی بوٹیاں تھیں جن کی یونانیوں کو تو ہوا بھی نہ لگی تھی۔

"سیدیو" رازی رحمۃ اللہ علیہ اور سینا رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہتا ہے کہ:

"یہ دونوں اپنی کتابوں کی وجہ سے پورے یورپ کے مدارس پر عرصہ دراز تک چھائے رہے۔ خصوصیت سے ابن سینا رحمۃ اللہ علیہ جو یورپ میں ایک طبیب کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ پورے چھ سال تک یورپ کے مدارس پر ان کا سکہ جاری رہا۔ ان کی کتاب "القانون" کا پانچ جلدوں میں ترجمہ ہوا اور کئی دفعہ چھپا کیونکہ فرانس اور اٹلی کی یونیورسٹیوں میں تعلیم کا دارومدار اسی پر تھا۔"

(اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو) از جناب ڈاکٹر مصطفٰے سباعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔
باب ۲ بعنوان: (ہماری تہذیب کے تاریخی آثار)
تحتی عنوان (۲۔علوم وفلسفہ) ص ۵۵ تا ۵۷

۳۔ لغت وادب:

جناب ڈاکٹر مصطفٰے سباعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (۳۔لغت وادب) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"اہل مغرب اور بالخصوص سپین کے شعراء عربی ادب سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ مغربی ادب میں شہسواری، شجاعت، مجاز و

استعارہ اور عمدہ اچھوتے مضامین اندلس کے عربی ادب کے راستے سے داخل ہوئے ہیں''۔

''اسپین'' کا مشہور اہل قلم ''ابانیز'' لکھتا ہے:

''عربوں کے اندلس میں داخلے اور جنوبی یورپ میں ان کے اصطبل گھوڑوں اور سواروں کے پھیل جانے سے قبل یورپ، فن شہسواری اور آداب مردانگی سے آشنا نہیں تھا''۔

''روزی'' نے اسلام کے موضوع پر جو کتاب لکھی ہے اس میں اس نے ہسپانوی انشاء پرداز ''الغارو'' کا ایک مراسلہ نقل کیا ہے جس میں اس نے اہل یورپ کی لاطینی زبان سے بے پروائی اور عربی زبان سے شغف پر شدید افسوس کا اظہار کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مغربی ادباء عربی علم و ادب سے کس درجہ متاثر تھے۔ وہ کہتا ہے:

''ذہین اور صاحب ذوق اصحاب پر عربی ترانوں کا جادو اثر کر چکا ہے''۔ پس وہ لاطینی کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں اور دوسری زبانوں کو چھوڑ کر ارباب اقتدار کی زبان لکھتے ہیں۔ ہمارے ایک وطنی حمیت سے سرشار معاصر نے اس پر سخت اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمارے عیسائی بھائی عربی اشعار اور قصص پر فریفتہ ہو گئے ہیں اور ان کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں جنہیں مسلمان فلاسفر اور فقہا نے لکھا ہے۔

یہ مطالعہ وہ ان لوگوں کی تغلیط و تردید کے لئے نہیں کرتے بلکہ فصیح عربی اسلوب سیکھنے کی غرض سے کرتے ہیں۔ مذہبی لوگوں کے سوا آج کون ہے جو تورات و انجیل کی تفاسیر کا مطالعہ کرتا ہے؟

آج کون ہے جو اناجیل و انبیاء و رسل کے صحیفوں کی قرات کرتا ہے؟ افسوس کہ عیسائیوں کی جدید ذہین نسل عربی ادب اور عربی زبان کے ماسوا کسی زبان اور کسی لٹریچر کو اچھا نہیں سمجھتی۔ یہ لوگ عربوں کی کتابوں سے روشنی اخذ کرتے ہیں۔ ان کتابوں پر مشتمل بیش قیمت لائبریریاں جمع کرتے ہیں اور ہر جگہ عربی ذخائر کی تعریف و توصیف کے گیت گاتے ہیں۔ جب وہ مسیحی لٹریچر کے بارے میں سنتے ہیں تو اس پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ شئے لائق التفات نہیں ہے۔ ہائے افسوس!

عیسائی اپنی زبان بھلا چکے ہیں۔ ان میں سے آپ ایک فی ہزار بھی نہیں پائیں گے جو اپنے دوست کو اپنی زبان میں خط لکھے لیکن جہاں تک عربی کا تعلق ہے کتنے ہی لوگ ہیں جو اس کے بہترین اسٹائل میں اظہار خیال کرتے ہیں اور اس میں ایسے اشعار نظم کرتے ہیں جو خود شعرائے عرب کے کلام پر بھی صحت و بلاغت کے لحاظ سے فائق ہیں۔

چودھویں صدی عیسوی اور اس کے بعد یورپ میں متعدد نامور ادیب ایسے گزرے ہیں جن کے ادب و انشاء پر عربی ادب کا مستقل اثر رہا ہے۔

۱۳۴۹ء میں ''بوکاشیو'' نے اپنے افسانے ''دس صحبتیں'' کے نام سے لکھے ہیں جن میں ''الف لیلہ'' کا تتبع کیا ہے۔ شیکسپیر نے اپنے ایک ڈرامے ''ناتان حکیم'' کا پلاٹ بھی وہیں سے مستعار لیا ہے۔ انگریزی میں جدید شعر و شاعری کے بانی ''چاسر'' نے ''بوکاشیو'' کے ہاں سے اکتساب فیض کیا ہے۔ دونوں کی اٹلی میں ملاقات ہوئی تھی اور اس کے بعد ''چاسر'' نے اپنی مشہور حکایات ''کنٹر بری ٹیلز'' لکھیں۔

اسی طرح ''ڈانٹے کی مشہور نظم''، ''ڈیوائن کامیڈی'' جس میں اس نے ایک دوسرے عالم کے سفر کی داستان بیان کی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس کو لکھتے وقت ''ابوالعلاء المعریٰ'' نے رسالہ ''غفران'' اور ابن عربی نے جو کچھ جنات کے متعلق لکھا ہے۔ اس کے اثرات ''ڈانٹے'' کے ذہن پر کام کر رہے تھے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ''ایمپر فرڈرک ثانی'' کے عہد میں صقلیہ میں اقامت پذیر رہا تھا۔ یہ بادشاہ ثقافت کا شیدائی تھا اور عربی ہی میں تہذیبی لٹریچر کے مطالعہ کا شائق تھا اور ان دونوں کے مابین ارسطو کے نظریات پر مذاکرات ہوا کرتے تھے۔ ان کا ذریعہ معلومات عربی کتابیں تھیں۔

''ڈانٹے'' نبی ﷺ کی سیرت طیبہ، قصہ معراج و اسراء اور آسمانوں سے متعلق جو تفصیلات روایات میں بیان ہوئی ہیں ان سے واقف تھا۔

''پیٹر اف یارک'' کا عہد حیات وہ ہے جبکہ عربی ثقافت اٹلی

اور فرانس میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ''مونبلیہ'' اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی تھی اور یہ دونوں درسگاہیں اندلس کی یونیورسٹیوں کے فاضل اصحاب نے قائم کی تھیں اوران میں عربی مولفات پڑھائی جاتی تھیں۔

قرون وسطیٰ میں عربوں کے ہاں جو قصص و حکایات رائج تھے۔ یورپ نے نشاۃِ ثانیہ میں ان سے اثر قبول کیا ہے۔ ان میں ''مقامات مردانگی'' وشہسواری کی داستانیں اور وہ کارنامے شامل ہیں جو مشاہیر عرب نے محبت وعظمت کی خاطر سرانجام دیے تھے۔

اس سلسلہ میں ''الف لیلہ'' کے جوتراجم یورپ کی زبانوں میں بارہویں صدی میں ہوئے ان کا اثر نہایت نمایاں طور پر ہوا۔ اب تک جملہ یورپی زبانوں میں اس کتاب کے تین سو سے زائد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

حتیٰ کہ یورپ کے متعدد ناقدین کا یہ خیال ہے کہ ''سوفٹ'' کا سفرنامہ، ''ڈیفو'' کا سفرنامہ، ''رابنسن کروسو'' دونوں ''الف لیلیٰ'' اور عرب فلسفی ابن طفیل رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''حی بن یقظان'' کے رہین منت ہیں۔

کوئی شخص اس امر میں شک نہیں کرسکتا کہ ''الف لیلہ'' کی کثرت اشاعت یہ ظاہر کرتی ہے کہ اہل یورپ نے اس کتاب کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے اوراس سے متاثر ہوئے ہیں۔

یہاں اس بات کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ضروریات زندگی سے متعلق بہت سے عربی الفاظ تقریباً اپنی اصل شکل میں رائج ہیں۔ مثال کے طور پر انگریزی، کاٹن، مسقس، مسک، لیمن، زیرو، دراصل عربی کے قطن، حریر، مشقی، مسک، لیمون اور صفر ہیں۔ اسی طرح اور بے شمار الفاظ بھی ہیں۔

اس سلسلہ میں تفصیل میں جائے بغیر یہاں مسٹر مائیکل کا قول نقل کردینا ہی کافی ہے۔

''یورپ اپنے ادب لطیف میں عربی ممالک کا ممنون احسان ہے۔ اسی طرح قرون وسطیٰ کے یورپ میں جو روحانی اور فکری انقلاب آیا تھا۔ اس کی پشت پر جو قوتیں کارفرما تھیں۔ انہیں بروئے کار لانے میں بھی

عربی اقوام کا بہت بڑا دخل تھا"۔

(اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو) از جناب ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔
بعنوان: (ہماری تہذیب کے تاریخی آثار تحتی عنوان لغت وادب) اردو ترجمہ ص ۵۸ تا ۶۱

۴۔ قانون سازی:

جناب ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرحوم بعنوان (قانون سازی) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"یورپ کے طلبہ جو اندلس کے اسلامی مدارس میں زیر تعلیم تھے انہوں نے مسلمانوں کے بہت سے فقہی اور تشریعی لٹریچر کا اپنی زبانوں میں ترجمہ کیا۔ اس وقت یورپ کے ممالک میں کوئی مستحکم سیاسی نظام نہ تھا اور نہ کسی قسم کے منصفانہ قوانین رائج تھے۔
مصر کو جب نپولین نے فتح کیا تو مالکی فقہ کی مشہور کتابیں فرانسیسی میں ترجمہ کی گئیں۔
سب سے پہلے "کتاب خلیل" کا ترجمہ ہوا جس نے فرانس کے قانون کے لئے بیج کا کام دیا۔
چنانچہ اس وقت کا فرانسیسی قانون بڑی حد تک فقہ مالکی کے مشابہ تھا۔ سیڈیو کہتے ہیں:
"ہماری نظر خاص طور پر جا کر مذہب مالکی پر ٹھہرتی ہے کیونکہ افریقہ کے ساتھ ہمارے روابط رہے ہیں اور فرانسیسی حکومت نے ڈاکٹروں، پیروں کو ہدایت کی تھی کہ وہ خلیل بن اسحاق بن یعقوب (المتوفی ۱۴۲۲ء) کی مختصر فقہی کتاب کا ترجمہ فرانسیسی میں کریں۔"

(اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو) از جناب ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔
بعنوان: (ہماری تہذیب کے تاریخی آثار) تحتی عنوان (قانون سازی)
اردو ترجمہ ص ۶۱

۵۔ حکومت وسلطنت:

جناب ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی صاحب مرحوم بعنوان (حکومت وسلطنت) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"زمانہ قدیم ومتوسط میں عوام کا یہ حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے حکام کے اعمال کا محاسبہ کریں۔ حاکم ومحکوم کا تعلق آقا وغلام کی طرح تھا۔ حاکم مطلق العنان ہوتا تھا کہ رعایا کے ساتھ جو چاہتا تھا سلوک کرتا تھا۔

مملکت ایک موروثی جائیداد سمجھی جاتی تھی جو دوسرے اموال کی طرح ورثہ میں منتقل ہوتی حتیٰ کہ ایک شہزادی اگر تخت کی وارث ہوتی تھی اور اس کی شادی دوسری مملکت میں ہو جاتی تو دونوں سلطنتوں میں تخت و تاج میں حصہ داری کے مسئلے پر جنگ چھڑ جاتی تھی۔

پھر دو فریقین کے درمیان اگر لڑائی ہوتی تھی تو غالب فریق کے لیے مغلوب کی جان و مال، عزت و ناموس اور آزادی ہر شے مباح ہوتی تھی۔ یہ حالت بدستور ایک مدت تک قائم رہی، حتیٰ کہ اسلامی تہذیب کا دور دورہ ہوا اور اس نے دوسرے اصولوں کے ساتھ اس کا بھی اعلان کیا کہ قوم اپنے حکمرانوں کے اعمال پر تنقید و محاسبہ کا حق رکھتی ہے اور ارباب حکومت محض امین و اجیر ہیں جن کا کام بس یہ ہے کہ وہ امانت و دیانت کے ساتھ قوم کے مفادات کی نگرانی کریں۔

چنانچہ تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ یہ صورت پیش آئی کہ محکوم نے حاکم سے برسر مجلس یہ پوچھا جو لباس اس نے پہن رکھا ہے وہ کہاں سے آیا ہے؟

اور حاکم نے اس شخص کو پھانسی کی سزا نہ دی، نہ اسے قید میں ڈالا اور نہ جلاوطن کیا بلکہ حاکم نے اپنی صفائی پیش کی اور پوزیشن واضح ہو جانے پر سائل اور دوسرے سب لوگ مطمئن ہو گئے۔

تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ واقعہ بھی رونما ہوا کہ رعایا کے افراد میں سے ایک نے صدر ریاست کو یوں مخاطب کیا:

"السلام علیکم" اے اجیر! اس پر امیر نے تسلیم کیا کہ وہ اجیر ہے اور ایک اجرت پر کام کرنے والے کی طرح اخلاص کے ساتھ قوم کی خدمت کرنا اور خیر خواہی کے ساتھ امانت کا حق ادا کرنا اس کا فرض ہے۔ اس تہذیب نے اس اصول کا اعلان کیا اور عملاً اسے نافذ اور منطبق کر کے دکھایا۔

یہ حریت فکر و ضمیر کی روح تھی جو ان تمام اقوام میں پھونکی گئی جو اسلامی معاشرے کے گرد و نواح میں آباد تھیں۔ ان سب نے آہستہ آہستہ کروٹ لی متحرک ہوئیں آمادہ انقلاب ہوئیں اور آخر کار اپنے بندھنوں سے آزاد ہو کر رہیں۔

پورے یورپ میں یہی کچھ ہو کر رہا۔ صلیبی لڑائیوں کے دوران یورپ کے لوگ بلاد شام میں داخل ہوئے۔ اس سے پہلے وہ اندلس کی خلافت میں اس بات کا مشاہدہ کر چکے تھے کہ عوام حکام پر کڑی نگاہ رکھتے ہیں اور حکام کسی غیر کے سامنے نہیں، صرف اپنی قوم کے سامنے جوابدہ ہیں۔

یورپ کے حکمرانوں نے دیکھا کہ مسلمان اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہر دور اور ہر زمانے میں دشمنان اسلام اور ان کے حکام کسی خاص فرد یا طبقے کے ماتحت ہونے کے بجائے پوری قوم کے سامنے مسئول ہیں اور اس کے برعکس وہ ''رومن امپرر'' کے ماتحت ہیں اور جب تک وہ روم کی دینی سیادت کو تسلیم نہ کریں تو آئے دن انہیں ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

چنانچہ جب یہ حکمران اپنے ملکوں میں واپس لوٹے تو انہوں نے رومی اقتدار کے خلاف بغاوت کی، حتیٰ کہ اس سے آزاد ہو گئے اور اس کے بعد ان بادشاہوں کے خلاف ان کے اپنے ہم قوموں نے بغاوت کی۔

یہاں تک کہ انہوں نے اپنی گردنیں چھڑا لیں۔ انقلاب فرانس اس کے بعد وقوع پذیر ہوا ہے اور اس نے کسی ایسے نئے اصول کا اعلان نہیں کیا جس کا اعلان بارہ سو سال پہلے ہماری تہذیب نہ کر چکی ہوتی۔

ہماری تہذیب نے جنگ کے سلسلے میں جن اصولوں کا اعلان کیا تھا وہ یہ ہیں کہ عہد و پیمان کا احترام کیا جائے، عقائد میں آزادی دی جائے، عبادت گاہوں کو اہل عبادت کے پاس رہنے دیا جائے، لوگوں کی شخصی آزادی اور عزت و ناموس پر دست درازی نہ کی جائے جس کے نتیجہ میں اسلامی حکومت کے تحت آنے والی اقوام کے اندر عزت و خودداری کی روح پیدا ہوئی اور ان کے اندر شرافت و انسانیت کا جوہر بیدار ہوا۔

چنانچہ تاریخ نے پہلی مرتبہ یہ منظر دیکھا کہ غیر مسلم رعایا کا ایک فرد رئیس مملکت کے پاس جا کر شکایت کرتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے گورنر کے لڑکے نے میرے لڑکے کے سر پر ناحق کوڑے لگائے ہیں۔

صدر مملکت یہ سن کر غضبناک ہو جاتے ہیں۔ گورنر کے بیٹے سے محاسبہ کرتے ہیں اور اس سے قصاص لیتے ہیں۔ پھر گورنر کو سختی سے ڈانٹتے ہیں اور تنبیہہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''تم نے کب سے لوگوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا''؟

یہ ایک نئی روح تھی جو ہماری تہذیب کے طفیل افراد واقوام میں پھونکی گئی ورنہ جس والد نے یہ شکایت کی تھی اسے ہماری حکومت اور تہذیب سے قبل مارا پیٹا جاتا تھا۔ اس کا مال لوٹا جاتا تھا اور عقائد کے معاملے میں اس پر زبردستی کی جاتی تھی مگر بغاوت کرنا تو درکنار وہ احتجاج اور اظہارِ غم والم بھی نہ کر سکتا تھا بلکہ عزت نفسی کا احساس تک بھی اس کے اندر نہیں پایا جاتا تھا۔ جب ہماری تہذیب کا آفتاب اس پر طلوع ہوا تو اس کی آواز بلند ہوئی اور اس نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا:

''میں اللہ سے آپ رضی اللہ عنہ کے ظلم کے خلاف پناہ طلب کرتا ہوں''۔

یہ ظلم کیا تھا؟ نہ خون ریزی تھی، نہ آبروریزی تھی، نہ مذہب کے معاملے میں جبر تھا اور نہ جائیداد کا غصب تھا فقط اتنی سی بات تھی کہ ایک لڑکے نے دوسرے لڑکے کو دو چابک مار دیئے تھے۔

اہل مغرب کا ہماری تہذیب سے تعارف قرون وسطیٰ میں شام اور اندلس کے واسطے سے ہوا۔ اس سے پہلے بادشاہ دینی پیشواؤں کے خلاف اور عوام بادشاہوں کے خلاف دم نہیں مار سکتے تھے۔

انہیں اس امر کا علم واحساس بھی نہ تھا۔ حاکم کا محاسبہ یا مظلوم کی امداد ان کا ایک بنیادی حق ہے۔ ان کا حال تو یہ تھا کہ مذہب وعقیدہ میں اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کو اس طرح ذبح کر دیتے تھے جس طرح قصاب بکرے کو ذبح کرتا ہے۔ جب انہیں ہم سے واسطہ پڑا تو ان میں بیداری وحریت کا جذبہ پیدا ہوا جس نے بالآخر انہیں آزاد کرایا۔

کیا اس کے بعد بھی آزادی وانسانیت اور حریت عمل کے سلسلہ میں ہماری تہذیب نے جو پارٹ ادا کیا ہے اس کا انکار ممکن ہے؟

یہ زندگی کے پانچ مختلف بڑے بڑے شعبوں میں ہماری

تہذیب کے چند دائمی آثار ہیں۔قوموں اور تہذیبوں کی زندگی میں یہ نمایاں مظاہر ہیں اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری تہذیب نے جن اقوام میں آزادی کی لہر دوڑائی ہے وہ ہماری ممنون احسان ہیں۔

مگر ہم احسان کا بدلہ جھوٹے تفاخر اور باطل تمناؤں کے ذریعے نہیں لینا چاہتے صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اندر خودشناسی پیدا ہوتا کہ ہم اپنی تہذیب کی قدر و قیمت اور اپنے ورثے کی اہمیت سے آگاہ ہوں اور دوبارہ ہم میں اس ''امت وسط'' بننے کی صلاحیت پیدا ہو جو دنیا میں شہادت حق کا فریضہ سرانجام دے اور اہل دنیا کو بھلائی، سچائی اور شرافت کی راہ دکھائے اور اللہ نے چاہا تو توقع ہے کہ ہم ایسا کرسکیں گے۔ وَمَاتَوْفِیْقِی اِلَّا بِاللّٰہِ''

(اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو) از جناب ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی صاحب مرحوم۔

بعنوان: (ہماری تہذیب کے تاریخی آثار)

تحتی عنوان (حکومت وسلطنت) اردو ترجمہ/ص/۶۱ تا ۶۵

ہمارے اسلامی تہذیب وتمدن وثقافت وکلچر کے بنیادی تاریخی آثار کے حوالے سے قارئین کرام نے اوپر کے مذکورہ بالا عناوین کے حوالے سے یقیناً یہ بخوبی طور پر جان لیا ہے کہ ریگستان حجاز کی مسلم قوم اسلامی تہذیب وتمدن وثقافت وکلچر کی وہ کونسی اقدار تھیں، جنکی امین بن کر اور داعی بن کر ارد گرد کی اقوام عالم میں فاتح بن کر مقتدرانہ حیثیت کی حامل ہوئی کہ جن میں قدیم ایران (فارس) اور روم کی سلطنتیں بھی شامل تھیں۔

آپ غور کیجئے کہ مسلم قوم کتاب وسنت ﷺ کے حوالے سے جن تہذیبی وتاریخی آثار اور عناصر کے حوالے سے سرزمین ایران میں مقتدرانہ حیثیت کی حامل ہوئی وہ کیا تھے اور خود قدیم (ایران) کے تہذیبی تاریخی آثار اور عناصر کیا تھے؟

نیز قدیم ایران (فارس) کے قدیم مذہب مثلاً۔زرتشتیت، مانویت اور مزدکیت وغیرہ کے تہذیبی تاریخی آثار اور تمدنی وثقافتی عناصر کے ساتھ دین اسلام کے تہذیبی وتمدنی وثقافتی ودینی و مذہبی عناصر کے ساتھ کیا مناسبت تھی؟ تو آیئے ہم اس موضوع کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

(نعمانی)

ایران (فارس) اور عہد اسلام:

اوپر ہم نے ''دین اسلام'' کے تہذیبی وتاریخی آثار کو آل ورلڈ کے حوالے سے بالخصوص

دنیائے یورپ کے حوالے سے بیان کیا اور متعارف کروایا ہے اب ہم اصل موضوع یعنی ''ایران (فارس) اور عہد اسلام'' کے حوالے سے خامہ فرسائی کرتے ہیں۔

مشہور انگریز مستشرق جناب سر تھامس آرنلڈ صاحب بعنوان (ملک ایران اور وسط ایشیا میں اسلام کی اشاعت) میں بدیں الفاظ رقمطراز ہیں کہ:

''ایشیا کے مغربی ملکوں کو چھوڑ کر اب وسط ایشیا میں اسلام کی تاریخ اشاعت لکھنے کے لئے اہل عرب کی قدیم فتوحات کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں ساسانیوں کے خاندان کو زوال ہوا اور ایران کی وسیع سلطنت جس نے چار سو برس تک روما اور بارنیتم کی طاقت کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا تھا''۔

(دعوت اسلام) از جناب سر تھامس آرنلڈ صاحب۔

اردو ترجمہ رباب ۷رص ۱۷۹/

آگے بعنوان (عربوں کی فتوحات کے زمانے میں ایران کی مذہبی حالت) رقمطراز ہیں کہ:

عربوں کی فتوحات اور ایران کی مذہبی حالت:

''جب ایرانی فوجوں کو اہل عرب سے شکستیں پہنچیں تو ایران کی رعایا نے دشمن کا مقابلہ نہ کیا۔ دولت ساسانیہ کے آخری بادشاہوں کے زمانہ میں سخت طوائف الملو کی پھیلی تھی اور رعایا اپنے بادشاہوں سے اس لئے اور علیحدہ ہوگئی تھی کہ ''زرتشتی مذہب'' نے جو شاہی مذہب تھا لوگوں کو سخت آزار پہنچائے تھے اور بادشاہ ان ظلموں کو جائز رکھتے تھے۔

''مذہب زردتشت'' (زردشت) کے پیشواؤں کو سلطنت میں وسیع اختیارات حاصل تھے اور شاہی مجلسوں میں قریب قریب خودمختاری کا درجہ رکھتے تھے۔

ملکی نظم ونسق کے تمام صیغوں میں ان کو بڑا حصہ ملا ہوا تھا۔ اس قسم کے فرقے ایران میں کثرت سے موجود تھے۔

اول تو ایران کے قدیم مذہب ہی کی بہت سی صورتیں تھیں جن کے ماننے والے جدا جدا فرقے رکھتے تھے پھر عیسائی و یہودی، صابی اور بدھ مذہب کے لوگ اور بہت سے فرقے جن میں نوشک، مانو یہ اور بدھ

مت کے خیالات نے جگہ پائی تھی ملک میں کثرت سے موجود تھے۔
ظلم اور اذیت کے باعث ان سب فرقوں میں زردشتی مذہب
اور شاہی خاندان سے جو اس مذہب کا حامی تھا سخت مخاصمت پیدا ہوگئی۔
اس لیے عرب کی فتوحات کو ایرانیوں نے اپنے حق میں نجات کا باعث
سمجھا اور ان تمام مختلف مذاہب کے معتقدوں کو ایسی حکومت کے سایہ میں
آرام و آرائش کی توقع ہوئی جو جزیہ کی خفیف رقم لے کر سب لوگوں کو مذہبی
آزادی اور فوجی خدمات سے نجات دیتے تھے"۔

(دعوت اسلام) از جناب سر تھامس آرنلڈ صاحب۔ باب ۷ اردو ترجمہ/ص/۱۷۹

اسلامی شریعت کی جانب سے مذہبی آزادی:

جناب سر تھامس آرنلڈ صاحب آگے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:
"اسلامی شریعت نے مذہبی آزادی حاصل رکھنے اور
"جزیہ" ادا کرنے کے حقوق صرف عیسائیوں اور یہودیوں کو نہیں دیئے
تھے بلکہ زردشتیوں، صابیوں اور ان لوگوں کو بھی دیئے تھے جو مورتوں اور
آگ اور پتھروں کو پوجتے تھے۔
یہ کہا جاتا ہے کہ خود پیغمبر ﷺ نے صاف صاف ہدایت فرمائی کہ
زردشتیوں کے ساتھ بالکل ایسا ہی برتاؤ کرو جیسا کہ اہل کتاب کے ساتھ
رکھتے ہو اور حفاظت کے معاوضہ میں ان سے بھی جزیہ لیا جاسکتا ہے۔"

(۱) (دعوت اسلام) از جناب سر تھامس آرنلڈ صاحب۔ اردو ترجمہ باب ۷/ص/۱۷۹/۱۸۰

(۲) (کتاب الخراج) جناب الامام ابو یوسف القاضی رحمۃ اللہ علیہ۔ ص/۷۲

اہل ایران (فارس) کے اکثر مذاہب و ملل نے اسلام کا خیر مقدم کیا:

"شہروں کے لوگ اور مزدور اور پیشہ ور نہایت شوق سے اسلام کی طرف بڑھے۔ یہ
لوگ اپنے پیشوں اور کاموں میں زردشتی مذہب کے موافق آگ یا مٹی یا پانی کو ناپاک کرتے تھے
اس لیے خود ناپاک تصور کیے جاتے تھے جب اس طرح مذہب کے موجب وہ ملیچھ خیال کیے گئے
اور کسی نے ان کے ساتھ مہربانی اور سلوک نہ کیا تو انہوں نے خوشی سے ایسے مذہب کو اختیار کرلیا
جس نے ان کو فوراً آزادی بخشی اور اسلامی اخوت میں سب کے برابر درجہ دیا۔"

(دعوت اسلام) از جناب سر تھامس آرنلڈ صاحب۔

اردو ترجمہ بعنوان (اہل ایران کے اکثر فرقوں نے اسلام کا خیر مقدم کیا) باب ۷، ص ۱۸۰، ۱۸۱

قدیم ایران (فارس) کے قدیم مذاہب اور دین اسلام میں مشابہت:

اس عنوان کے حوالے سے جناب سر تھامس آرنلڈ صاحب اپنے نقطہ نظر کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

''زردشتی مذہب کے جو لوگ مسلمان ہوئے ان کا حال بھی کچھ کم قابل وقعت نہیں۔

''خاندان ساسانیہ'' کی تباہی قوم کے ساتھ ہی مذہب کا عالی شان قصر جس کو بادشاہوں نے اپنے سہارے سے قائم رکھا تھا کھنڈر ہو گیا اب ان کے لئے کوئی مرجع عام نہ تھا اور چونکہ اس کے قدیم مذہب اور اسلام میں بہت سی باتیں مشابہ تھیں اس لئے زردشتی مذہب کو اسلام سے تبدیل کرنا ان کو آسان معلوم ہوا ہوگا۔

ان لوگوں کو قرآن میں وہی اصول دریافت ہوئے جو ان کے مذہب میں بھی موجود تھے گو ان کی شکل کسی قدر مختلف تھی۔ ''ہرمزد اہریمن'' کی جگہ اللہ اور ابلیس ان کو پڑھنا پڑا۔

دنیا کا چھ زمانوں میں پیدا ہونا۔ ابتداء میں آدم علیہ السلام کے بے گناہ ہونے کا قصہ، ملائکہ اور شیاطین، قیامت کو مردوں کا اٹھنا، جنت اور دوزخ دونوں مذہبوں میں ایک تھے۔ روزانہ عبادت میں بھی بہت سی باتیں یکساں تھیں۔ جس طرح اسلام قبول کرنے کے بعد پنج وقتہ نماز کا حکم ہوا اسی طرح ''اوستا'' سے بھی دن میں پانچ وقت عبادت کرنے کی ہدایت تھی۔

ایران کے شمالی حصے میں ایسے فرقے موجود تھے جنہوں نے زردشتی مذہب میں مذہبی پیشواؤں کا محکمہ قائم ہونے کی سخت مخالفت اس بنیاد پر کی تھی کہ ہر شخص اپنے خاندان کا پیشوائے ملت ہے اور اس کام کے لئے کسی غیر کی ضرورت نہیں۔

ایک خدائے برتر کا یقین اور بقائے روح کو تسلیم کر کے وہ اس بات کی تعلیم دیتے تھے کہ اپنے ہمسائے سے محبت رکھو، نفس کو مطیع بناؤ اور نیکی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔ پس ایسے لوگوں کو ترغیب

دینی آسان ہو گئی۔

''علاوہ اس کے ایران کے ان زردشتی فرقوں کے ساتھ جن پر مسیحی مذہب کا پرتو پڑا تھا اسلام کو اکثر عقائد میں مطابقت حاصل تھی۔''

مذکورہ بالا اسباب میں جنہوں نے ایران کے ملک میں اسلام کو جلد رواج دیا ایک سبب یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ایرانیوں کی مفتوحہ قوم کو اسلام کے ساتھ ملکی اور قومی ہمدردی کی ایک وجہ یہ بھی پیدا ہوئی کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شادی شاہ بانو بنت یزدجرد سے ہوئی۔ جو خاندان ساسانیہ کا آخری بادشاہ تھا امام حسین رضی اللہ عنہ اور شاہ بانو کی اولاد کو ایرانیوں نے اپنے قدیم بادشاہوں اور اپنے قومی کارناموں کا وارث خیال کیا اور یہی خیال تھا جس نے ایران کے لوگوں کو اولاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہایت شغف پیدا کر دیا۔

''اسلام میں اہل تشیع کا جدا فرقہ قائم ہونے کی ابتداء اسی خیال سے ہوئی۔''

فاتح مسلم قوم اور اہل ایران کے مذہبی جذبات کا احترام:

جناب پروفیسر سر تھامس آرنلڈ صاحب بعنوان (مسلمانوں نے ایران کو مذہبی آزادی بھی دی) خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''غرض اسلام کی یہ وسیع اشاعت تلوار کے زور سے نہیں ہوئی کیونکہ ان لوگوں کو جو فتح ایران کے بعد اپنے قدیم مذہب ''زردشت'' سے وابستہ رہے مسلمانوں نے مذہبی آزادی دی۔

موجودہ زمانہ میں بھی آتش پرستوں کے گروہ ایران کے بعض اضلاع میں آباد ہیں۔ اگرچہ ایک زمانہ میں ان لوگوں پر سختیاں ہوئیں لیکن ابتدائی صدیوں میں ان کو بالکل مذہبی آزادی حاصل رہی اور ان کے آتشکدوں کا بہت لحاظ کیا جاتا تھا بلکہ خلیفہ ''معتصم باللہ'' کے زمانہ خلافت (۸۴۴ھ۔۸۲۲ھ) میں ایک اسلامی سالار کا حال لکھا ہے جس نے مسجد کے امام اور موذن کو اس جرم میں درّے لگائے تھے کہ سغد کے شہر میں انہوں نے ایک آتشکدہ کو توڑ کر مسجد بنا دی تھی۔

دسویں صدی عیسوی میں فتح ایران کے تین سو برس بعد عراق،

فارس، کرمان، سجستان، خراسان، آذربائیجان اور آران یعنی ایران کے تمام حصوں میں آتشکدہ اور دخمے بنے ہوئے تھے۔ خاص فارس میں بہت کم ایسے شہر تھے جن میں آتش کدے اور آتش پرستوں کے پیشوائے مذہب موجود نہ ہوں۔

شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی (جس کی تحریر بارھویں صدی کی ہے) لکھا ہے کہ خود بغداد کے قریب ''اسفینہ'' میں ایک آتشکدہ موجود تھا۔''

(دعوت اسلام) از جناب پروفیسر تھامس آرنلڈ صاحب۔

اردو ترجمہ باب ۷/ص/۱۸۱

بعنوان: (مسلمانوں نے ایران کو مذہبی آزادی بھی دی)

اسلام ایک پرامن مذہب تھا:

جناب پروفیسر تھامس آرنلڈ صاحب بعنوان (اہل ایران مسلمان ہوئے) تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جب ایسے واقعات دریافت ہوں تو زردشتی مذہب کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسلمان فاتحوں نے زردشتیوں کو زبردستی مسلمان کر کے اس مذہب کو غارت کر دیا''۔

اہل عرب کی فتوحات کے شروع زمانہ میں جن آتش پرست ایرانیوں نے اسلام قبول کیا ان کی تعداد غالباً بہت تھی لیکن قریب کے زمانہ میں زردشتی مذہب کا پھر زندہ ہونا اور زردشتیوں میں سے کبھی کبھی لوگوں کا مسلمان ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام امن کے طریقوں سے پھیلا اور لوگوں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا۔

آٹھویں صدی عیسوی کے خاتمہ پر بلخ کے ایک امیر زادہ نے جس کا نام ''سامان'' تھا اسد ابن عبداللہ حاکم خراسان کی مدد سے زردشتی مذہب ترک کیا اور مسلمان ہو کر اپنا نام اپنے معاون کے نام پر ''اسد'' رکھا اور یہی نومسلم وہ امیر زادہ تھا جس سے دولت ''سامانیہ'' کا نام چلا۔

نویں صدی عیسوی کے شروع میں قابوسیہ خاندان کا کریم ابن شہریار پہلا بادشاہ تھا جو مسلمان ہوا اور ۸۷۳ء میں نصیر الحق ابو محمد کی تعلیم و تلقین سے دیلم میں بہت سے آتش پرست مسلمان ہو گئے۔

۹۱۴ء میں علویہ خاندان کے بادشاہ حسن ابن علی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بحیرہ خزر کے جنوبی سواحل پر فرمانروا تھا اور علم و فراست کے ساتھ مختلف فرقوں کے مذاہب سے بھی واقفیت رکھتا تھا طبرستان اور دیلم کے لوگوں کو جن میں کچھ لوگ بت پرست اور آتش پرست تھے اسلام پر دعوت دی بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور کچھ اپنے مذاہب پر بدستور قائم رہے۔

۳۹۴ھ (۴-۱۰۰۳ء) میں دیلم کے مشہور شاعر ابوالحسن مہیار کو جو پہلے آتش پرست تھا۔ ''شریف الرضا'' نے جو شاعری میں ''ابو الحسن'' کا استاد تھا مسلمان کیا۔ اس قسم کے واقعات اگرچہ بہت کم دریافت ہوتے ہیں لیکن اہل عرب کی فتح کے ساڑھے تین سو برس بعد تک ان واقعات کا تحقیق ہونا اس امر کی صاف شہادت ہے کہ آتش پرست ایرانیوں کو مذہبی آزادی مسلمانوں سے ملی تھی اور ان میں امن کے طریقوں سے اسلام کو اشاعت ہوئی بلکہ کسی قدر بتدریج اسلام ان میں شائع ہوا۔''

(دعوت اسلام) از جناب پروفیسر تھامس آرنلڈ صاحب۔ اردو ترجمہ ص/۱۸۱ تا ۱۸۲
بعنوان: (اہل ایران مسلمان ہوئے)

فرقہ اسماعیلیہ اور اس کے داعی:

جناب پروفیسر سر تھامس آرنلڈ صاحب بعنوان (فرقہ اسماعیلیہ.....اور اس کے داعیان مذہب) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''آٹھویں صدی کے وسط میں ایران میں ایک جدید تحریک 'فرقہ اسماعیلیہ'' کی صورت میں ظاہر ہوئی جس کے حالات دعوت اسلام کی تاریخ میں نہایت دلچسپ ہیں۔ اس جگہ ''فرقہ اسماعیلیہ'' کی تاریخ اور اس کے مذہبی عقائد سے جو اس نے اختیار کیے اور ایسے سوشل اور پولیٹکل اسباب سے جو اس کو اپنی ترقی اور قوت کے لیے میسر آئے ہم کو بحث نہیں ہے البتہ تبلیغ مذہب کے جو حیرت انگیز انتظام اور سلسلہ اس فرقہ نے جاری کیا اس کی طرف توجہ کرنی ہم کو ضروری ہے۔''

(دعوت اسلام) از جناب پروفیسر تھامس آرنلڈ صاحب۔ اردو ترجمہ ص/۱۸۲
بعنوان: (فرقہ اسماعیلیہ اور اس کے داعیان مذہب)

فرقہ اسماعیلیہ کا بانی مذہب اور اس کا مختصر جائزہ:

جناب سر تھامس آرنلڈ صاحب بعنوان (فرقہ اسماعیلیہ کا بانی) تحریر کرتے ہیں کہ:

"مذہب اسماعیلیہ کی اشاعت کا بانی عبداللہ بن میمون تھا۔ یہ شخص انسان کی فطرت کو پرکھنے اور عقائد مذہب کو مختلف طبائع کے موافق مزاج بنانے میں عیسائیوں کے فرقے یسوعی کے بانی سے بھی کہیں بڑھ کر لیاقت رکھتا تھا۔

نویں صدی عیسوی میں اس شخص نے فرقہ اسماعیلیہ میں نئی روح پھونکی اور اس مذہب کے پھیلانے والوں کو طرح طرح کے بھیس بدلوا کر جن میں اکثر صوفیوں اور تاجروں کا بھیس اختیار کرتے تھے مختلف ملکوں کو روانہ کیا۔ بے علم لوگوں کے گروہوں کو شعبدے دکھا کر جو معجزے تصور ہوئے اور مہمل باتیں بتا کر جو تصوف کے بڑے راز اور معمے خیال کئے گئے اور جنکی طرف سننے والوں کو حیرت آمیز شوق پیدا ہوا۔

انہوں نے کثرت سے لوگوں کو اپنے مذہب میں شامل کیا۔ خدا پرستوں کی صحبت میں پہنچے تو نیکی اور تقدس کی مجسم تصویر بن گئے اور جب ایسے لوگوں سے واسطہ ہوا جو مذہب میں بھیدوں اور معموں کو بہت دخل دیتے ہیں تو عام عقائد کے مخفی معنی ان کے سامنے بیان کئے اور لوگوں کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے موافق سحر اور جادو کا سبق پڑھایا جب دیکھا کہ لوگ نہایت شوق سے منتظر ہیں کہ جلد کوئی نجات دینے والا پیدا ہوگا۔

جیسا کہ اس زمانے کے اکثر مذہبوں میں عام تھا تو مسلمانوں کو امام مہدی اور یہودیوں کو مسیح اور عیسائیوں کو فارقلیط کی خبر سنائی کہ اب وہ دنیا میں آتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ تم میں سے ہر ایک کی آرزو اس وقت پوری ہوگی جبکہ آخر میں علی رضی اللہ عنہ سب کے نجات دہندہ دنیا میں خروج کریں گے۔ اہل تشیع میں بیٹھ کر اسماعیلیہ اپنے آپ کو شیعی مذہب کا نہایت پرجوش معتقد ظاہر کرتے ہیں اور اہل سنت والجماعت کی نسبت کہتے ہیں کہ:

انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آل علی پر نہایت سخت ظلم وستم

کئے اور اصحاب ثلاثہ پر تبرا کرتے ہیں۔ جب اس حد تک پہنچ جاتے ہیں تو اپنے خیال کے موافق شیعی مذہب کی تکمیل کے لیے اسماعیلیہ مذہب کے مخفی عقائد کی تعلیم شیعوں کو دینی شروع کرتے ہیں۔

یہودیوں سے اگر ان کو واسطہ ہو تو عیسائیوں اور مسلمانوں کی مذمت کر کے ان سے اس بات میں اتفاق کرتے ہیں کہ مسیح موعود اب دنیا میں آنے والا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی بتدریج یہ یقین پیدا کرتے ہیں کہ مسیح موعود سے سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو اسماعیلیہ کے مسیح موعود ہیں اور کوئی شخص مراد نہیں ہو سکتا۔

اگر عیسائیوں کو اپنے مذہب پر لانے کا ارادہ ہوا تو یہودیوں کی ہٹ اور مسلمانوں کی جہالت کا ذکر چھیڑتے ہیں۔ عیسوی مذہب کے اصولوں سے اتفاق ظاہر کرتے ہیں لیکن اخیر میں بہت نرمی سے کہتے ہیں کہ یہ اصول ظاہر میں اشارات اور علامات ہیں لیکن جو عمیق اور دقیق معنی ان کا مطلب صرف اسماعیلیہ مذہب کی مدد سے تحقیق ہو سکتا ہے۔

علاوہ اس کے بہت احتیاط کے ساتھ عیسائیوں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے فارقلیط کے معنی کو غلط سمجھ لیا ہے کیونکہ سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کوئی سچا فارقلیط نہیں ہے۔ اسی طرح داعیان ملت اسماعیلیہ جب ہندوستان میں اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے وارد ہوئے تو مذہب کی صورت ایسی گڑھی کہ ہندو اس کو جلد قبول کر لیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بشن کا دسواں اوتار بتایا جو پورب دیس سے آئے گا (پورب دیس.....سے مراد اپنے قلعہ الموت سے لی) ایک ''مہدی پران'' لکھ ڈالا اور داماچاریوں کے انداز پر بھجن لکھے جن میں راز اور معمول کی باتیں ایسی تھیں کہ ہندوؤں کو اسماعیلیہ مذہب قبول کرنے کی رغبت ہوئی۔

غرض ان طریقوں سے انہوں نے اپنے مذہب کے لوگوں کو ایسے فرقے میں شامل کر کے جس کا اصلی مقصد چند ہی لوگوں کو معلوم تھا اپنے گروہ کو ترقی دی اسی تحریک میں عبداللہ بن میمون کی اغراض صرف پولیٹکل تھیں۔

لیکن چونکہ اس کی ترقی کیلئے مذہبی طریقے اختیار کیے گئے۔

''امام مہدی'' کا دنیا میں آنا وہ یقین ٹھہرا جس نے اس فرقے کے لوگوں کو اتفاق کی بندش میں جکڑ دیا تو مذہب اسماعیلیہ کی اشاعت کے متعلق جو کچھ اس کی تاریخ میں ملا اس کو بیان کرنا ضروری ہے۔''

(دعوت اسلام) از جناب سر تھامس آرنلڈ صاحب۔

اردو ترجمہ رص ۱۸۲/۱۸۳

بعنوان: (فرقہ اسماعیلیہ کا بانی) باب ۷

انہیں سطور پر ہم باب ۱۱ کو ختم کرتے ہیں اس سلسلے کے آئندہ مباحث کے لیے باب ۱۲ ملاحظہ کیجئے۔

(نعمانی)

باب ۱۲

سرزمین مسلم ایران اور اسلامی علوم وفنون

گذشتہ باب ۱۱ میں آپ نے سرزمین ایران (فارس) میں ''اشاعت اسلام'' کے حوالے سے ہماری نگارشات ومعروضات کوملاحظہ کیا ہے اوراس سلسلہ میں غیر مسلم مستشرق جناب پروفیسر سرتھامس آرنلڈ صاحب کے حوالے سے بھی ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ سرزمین ایران (فارس) میں ''دین اسلام'' کی اشاعت کیونکر ہوئی؟

گذشتہ باب ۱۱ کے آغاز میں ہم نے یہ عرض کیا تھا ''ہماری تہذیب اسلامی کے تاریخی آثار'' درج ذیل ہیں۔

۱۔ عقیدہ ودین

۲۔ علوم وفلسفہ

۳۔ لغت وادب

۴۔ قانون سازی

۵۔ حکومت وسلطنت، وغیرہ وغیرہ

ان عناوین سے ایک باضابطہ ''الٰہی نظام'' یا انکشاف نظام ونظریہ خلافت الٰہیہ کا دینی و مذہبی، علمی وعملی پہلو ''دین اسلام'' نے قدیم ایران (فارس) کی اقوام پر پیش کیا تھا اور جس کی پاکیزہ ومتقی ومجلی تعلیمات نے بالآخر اہل ایران کو علمی وعملی طور پر سر جھکانے پر مجبور کر دیا اور سرزمین ایران (فارس) کو دین رحمت کی بدلی نے کہ جو ریگستان حجاز سے اٹھی تھی باران رحمت سے فیض یاب کر دیا۔

''دین اسلام'' کا علمی وعملی اخلاقی پہلو کیا تھا؟ تو اس سلسلے میں درج ذیل عناوین ہماری آنکھوں کو چکا چوند اور خیرہ کئے دیتے ہیں۔

۱۔ انسان دوستی

۲۔ اسلامی مساوات کی ہمہ گیری اور مذہبی رواداری

۳۔ دین اسلام کی علمی وعملی تعلیمات کی بلند نظری

۴۔ بلند نظری کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس وباطن کی وسعت وکمال

اور دین اسلام کے داعیان حق کی تاریخ مذکورہ بالا عناوین کے حوالے سے سچائی و صداقت کا بہترین مرقع پیش کرتی ہے۔فیاللعجب!

قرآن شریف......دین اسلام:

ارباب علم وفضل ''قرآن مجید'' کی معجز نما حیثیت کو بہتر طور پر جانتے ہیں ''قرآن حکیم'' نے آخری آسمانی کتاب مقدس ہونے کے حوالے سے مذاہب واخلاقیات کی دنیا میں کس قدر بیش قیمت انقلاب برپا کیا اور پھر دین اسلام کے حوالے سے پیغمبر آخر الزماں آنحضرت محمد ﷺ نے اپنی بے مثال شخصیت اور جدوجہد سے جو پیش رفت فرمائی وہ تاریخ مذاہب و ادیان عالم کا ایک درخشندہ وتابندہ باب ہے۔

''قرآن شریف'' کی پرازحکمت تعلیمات واخلاقیات کے علمی وعملی پہلو کی دلنشینی کا اعتراف پرایوں نے بھی کیا ہے:

چنانچہ مشہور فرانسیسی مستشرق جناب موسیو سیّدیو صاحب بعنوان (قرآن شریف......دین اسلام) بدیں الفاظ ان حقائق کا اعتراف کرتے ہیں۔تو سنیئے۔

قرآن شریف:

''یہ کتاب مجید ہے جس کی تعظیم وتکریم واجب ہے۔ لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اس کے حق میں آیا ہے۔قرآن شریف میں وہ تمام حقوق بیان کیے گئے ہیں جو خدا تعالیٰ کے بندوں پر یا بندوں کے خدا پر ہیں۔

اس میں ہر طرح کی باتیں دی گئی ہیں۔ ہر چیز اس نے اپنے اندر محفوظ رکھی ہے تمام برائیاں، بھلائیاں، حقوق، اطاعات اور معاصی سب آگئے ہیں کوئی بات باقی نہیں رہی۔ رسول اللہ ﷺ پر جیسے جیسے واقعات پیش آئے۔

یہ کتاب ان کے حسب حال تھوڑی تھوڑی وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہی ہے۔اسی لیے یہ کتاب قبائل عرب کے درمیان ایک رابطہ اور میل جول کا واسطہ بن گئی۔وحدت دینیہ کا سلسلہ ان کے درمیان قائم ہوگیا۔

اس میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں کوئی چھوٹی کوئی بڑی اخیر کی چالیس سورتوں میں سے کوئی بھی پچاس آیت سے زیادہ نہیں ہے اور نہ کوئی تین آیت سے کم کی ہے۔

یہ ساری کتاب مکہ میں نازل ہوئی صرف اٹھارہ سورتیں مدینہ میں اتری ہیں۔ پہلے مصاحف ''خط کوفی'' میں ہرنوں کے چمڑے پر لکھے جاتے تھے۔ خط نسخ میں قرآن لکھے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ ان میں کسی کی تاریخ تحریر تیسری صدی ہجری سے پیشتر کی نہیں ''۔

(تاریخ عرب) از جناب موسیوسید یوفرانسیسی صاحب

اردو ترجمہ باب ۲ بعنوان (قرآن شریف) ص ر ۱۲۷

دین اسلام:

دین اسلام کے بارے میں جناب مستشرق موسیوسیّد یوفرانسیسی صاحب بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک اعرابی کے بھیس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور اصحاب رضی اللہ عنہ کو سکھانے کے لئے پوچھا کہ:

اسلام کی بنیاد کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزیں ہیں۔

۱۔ شہادت: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ

۲۔ نماز: پڑھنا

۳۔ زکوٰۃ: دینا

۴۔ رمضان: کے روزے رکھنا

۵۔ خانہ کعبہ: کا حج کرنا

اس شخص کے لئے جس کو زادراہ کی استطاعت ہو۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا سچ ہے۔

یہ جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتے تھے جب وہ نازل ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غشی کے آثار طاری ہو جاتے بدن پر پسینہ آجاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو مانتے تھے جس کام کے کرنے کو کہتے کرتے جس سے منع کرتے اس کو نہیں کرتے تھے۔

جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں رہے سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نہایت تعظیم وتکریم کرتے رہے۔''

(تاریخ عرب) از جناب موسیوسید یوفرانسیسی صاحب

اردو ترجمہ بعنوان (قرآن شریف.....دین اسلام) باب ۲ ص ر ۱۳۰/۱۳۱

اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے:

جناب سر تھامس آرنلڈ صاحب بعنوان (تبلیغی مذہب کی تعریف) تحریر کرتے ہیں کہ:

''پروفیسر مکس مولر'' نے مسیحی علیہ السلام مشنوں کی دعا کے جلسہ میں جو دسمبر ۱۸۷۳ء میں ''وسٹ منسٹر ایبی'' میں منعقد ہوا اپنا لیکچر دیا جب سے یہ ایک معمولی بات ہوگئی ہے کہ دنیا کے چھ مذہب تبلیغی اور غیر تبلیغی مذہبوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔

قسم آخر میں یہودی، برہمنی اور زردشتی مذہب داخل ہیں اور قسم اول میں بدھ مت، عیسائی مذہب اور اسلام شامل ہیں۔ پروفیسر مذکور نے تبلیغی مذہب کی تعریف کہ اس سے کیا مراد لینی چاہیے؟ نہایت خوبی سے یہ کی ہے کہ:

''تبلیغی مذہب وہ جس میں سچائی کا پھیلانا اور غیر مذہب والوں کو اپنے مذہب میں لانا بانی مذہب یا اس کے جانشینوں نے جو اس کے قریب زمانہ میں ہوئے مذہبی فرض تک پہنچا دیا ہو''۔

ایمان والوں کے دل کی سچائی کا جوش ہوتا ہے جو چین سے نہیں رہتا تاوقتیکہ وہ خیال سے کلام سے عمل سے اپنے تئیں ظاہر نہ کرے اور اس کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک کہ وہ اپنے پیغام کو ہر انسانی روح تک نہ پہنچا دے اور جس چیز کو وہ برحق یقین کرتا ہے اس کو بنی نوع انسان کا ہر شخص برحق نہ تسلیم کرنے لگے۔''

(دعوت اسلام) اردو ترجمہ باب العنوان (دعوت اسلام)
تحتی عنوان (تبلیغی مذہب کی تعریف)

آگے بعنوان (اسلام بھی ایک تبلیغی مذہب ہے) رقمطراز ہیں کہ:

''مذہب کی سچائی کا ایسا ہی جوش ہے جس نے مسلمانوں میں روح پھونک دی کہ اسلام کی خبر کو جس سرزمین میں داخل ہوں اس کے باشندوں کے پاس پہنچائیں اور یہی جوش ہے جس نے مستحق کیا کہ ان کا ٹھیک ٹھیک ان مذہبوں میں شمار ہو جن کو ہم تبلیغی یا مشنری مذہب کہتے ہیں۔

اسی تبلیغی سرگرمی کے پیدا ہونے کی تاریخ اور اس کے برانگیختہ کرنے والی طاقتوں کا حال اور ان طریقوں کا بیان ہے جن سے اس کتاب کا مضمون مرتب ہوتا ہے۔

سترہ کروڑ تیس لاکھ مسلمان جو آج دنیا کے پردہ پر موجود ہیں وہ اسی مذہبی حمیت کے کاموں کی شہادت ہیں جو بارہ صدیوں میں انجام

ہوئے۔''

(ایضاً) باب ا اردو ترجمہ ص ۲۰

آگے بعنوان (اسلام میں سرمدی اور حیات بخش صداقت ہے) خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''وہ سرمدی اور حیات بخشنے والی صداقت یعنی خدائے واحد کی خبر اہل عرب کی ساتویں صدی عیسوی میں اس نبی ﷺ نے پہنچائی جس کے علم کے نیچے عرب کے منتشر قبیلے جمع ہو کر ایک قوم بن گئے اور اس نئی قومی حیات کی جنبشوں سے پُر ہو کر اور دینی حمیت اور گرم جوشی کے ساتھ جس نے ان کے لشکروں کو قریب قریب وہ طاقت بخشی جو مغلوب ہونا نہ جانتے تھے۔

دنیا کے تین براعظموں پر سیلاب کی طرح پھیل گئے تاکہ فتح کریں اور محکوم بنائیں۔ شام، فلسطین، مصر، شمالی افریقہ، فارس پہلے ملک تھے جنہوں نے اسلامیوں کے سامنے سر تسلیم جھکایا۔ مغرب میں ہسپانیہ کی طرف بڑھ کر اور مشرق میں دریائے سندھ عبور کر کے پیغمبر خدا ﷺ کی امت نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی وفات کے سو برس بعد وہ ایسی سلطنت کی مالک ہے جو ''رومۃ الکبریٰ'' کی شہنشاہی سے بھی جب کہ اس کی سلطنت کا آفتاب نصف النہار پر تھا وسیع تر ہے۔''

(دعوت اسلام) از جناب سر تھامس آرنلڈ صاحب۔
اردو ترجمہ بعنوان (اسلام میں سرمدی اور حیات بخش صداقت ہے)
باب ا ص ۲۰/۲۱

سرزمین مسلم ایران اسلامی علوم وفنون اور علم کی ترویج واشاعت میں اہل عجم کا حصہ:

یہ امر یقیناً لائق تعجب بھی ہے اور اس بارے میں عنوان کے حوالے سے نتیجہ خیز بحث پر بھی مشتمل ہے تو ہم یہ کہیں گے کہ عربوں کے ساتھ ساتھ اہل عجم نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی علوم کی ترویج واشاعت میں بے پناہ حصہ جو لیا تو اس کی وجوہات میں سے درج ذیل اسباب وعلل بھی ہیں۔

۱۔ دین اسلام، انسان دوستی پر مبنی مذہب ہے۔

۲۔ دین اسلام، اسلامی مساوات کی ہمہ گیری کا مذہب ہے۔

۳۔ دین اسلام، انسانی قلوب واذہان وروحانی مقامات میں بلند نظری پیدا کرتا ہے۔

۴۔ دین اسلام، تمام دنیائے انسانیت کو قرآنی نظریہ اجتماع انسانی کے حوالے سے لڑی کے دانوں کی طرح مسلسل ومربوط کر دیتا ہے نیز فکری ونظریاتی ہم آہنگی عطا کرتا ہے۔

۵۔ دین اسلام، انفرادی اور اجتماعی طور پر انسانی تفکر وتدبر، میں وسعت اور کمال پیدا کر دیتا ہے اور دعوت حق کے ایک ہی محور ومرکز کی جانب لا کر ایک ہی نقطہ پر مرتکز کر دیتا ہے وغیرہ۔

تو یہی وہ اسباب وعلل تھے کہ جو غیر عرب اقوام کے اسلام قبول کر چکنے کے بعد ان کے اسلامی علوم وفنون کی ترویج واشاعت کا سبب بننے کا باعث بنے۔

رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ المغربی بعنوان (اسلام میں علم کے علمبردار زیادہ تر عجمی ہیں) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> ''یہ ایک اچھنبے کی بات ہے کہ کیا علوم شرعیہ اور کیا عقلیہ، سب میں عجمی عربوں سے گویا سبقت لے گئے۔
>
> شاذ ونادر ہی مثالیں اس کے خلاف ملیں گی حالانکہ مذہب اسلام عرب سے نکلا اور خود شارع علیہ السلام بھی فخر عرب ہی تھے۔
>
> اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب شروع شروع میں بدوی اور سادہ مزاج ہونے کی وجہ سے علم سے بھی بے بہرہ تھے اور صنعت سے بھی ناواقف تھے اور لوگ احکام شرعیہ کو اوامر ونواہی کی شکل میں سینہ بہ سینہ ایک دوسرے تک پہنچاتے تھے۔
>
> اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کی بدولت یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی تلقین کے طفیل ان احکام کے ماخذ کا کتاب وسنت سے خوب پتہ رکھتے تھے۔
>
> اور یہ وہ وقت تھا کہ عرب میں تالیف وتدوین کا کوئی چرچا یا رواج نہ تھا نہ ہی ان کو اس کی اس وقت ضرورت پڑی تھی۔ غرض اصحاب رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں یونہی علم دین سینہ بہ سینہ چلتا رہا اور اوراق وحروف مکتوبہ کی بندش میں آ کر نہیں گھرا۔
>
> اس دور میں جو حاملین علم ہوتے، ان کو قراء کے لقب سے

پکارے نے کیونکہ وہی کتاب کو پڑھ سکتے اور امیوں میں ان کا شمار نہ ہوتا صحابہ رضی اللہ عنہم چونکہ عرب تھے اس لیے اُمیت کی صفت ان میں عام تھی اور اسی لیے قراء کے لقب امتیازی سے قارئین کتاب اللہ کو امیوں سے ممتاز کیا جاتا تھا۔

گویا یہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پڑھ سکتے اور انہیں سے احکام شرعیہ نکالتے اور حدیث کو تفسیر وتشریح قرآن کا درجہ دیتے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا کہ:

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم ان کو تھامے رہو گے کبھی نہ بھکو گے اور وہ کتاب اللہ ہے اور میری سنت''۔

اب جب سینہ بہ سینہ نقل و روایات کا سلسلہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سست پڑا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ تفسیر و حدیث کے علم کو تصنیف وتالیف کا جامہ پہنایا جائے اس خوف سے کہ کہیں علم یوں ہی ضائع نہ ہو جائے۔

پھر ساتھ ساتھ یہ بھی حاجت معلوم ہوئی کہ اسانید کی صحیح صحیح معلومات بہم پہنچائی جائیں، اور ناقلین روایات کی عدالت وغیر عدالتکی بھی چھان بین کی جائے تاکہ صحیح حدیث غیر صحیح سے ممتاز اور جدا ہو۔

اس کے بعد جزئی جزئی واقعات کا کتاب وسنت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استنباط کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تو اختلاط عجم سے عربی زبان فساد پذیر ہونے لگی۔ جب یہ صورت حال ہوئی تو علم نحو کے قوانین وضع ہوئے اور علوم شرعیہ کے لیے دیگر وسائل علوم کی بھی ضرورت پڑی جن سے عربیت کے قوانین کا بھی علم ہو اور استنباط وقیاس کے قوانین کی بھی معرفت حاصل ہوسکے۔

اور چونکہ الحاد اور بدعت کا بڑا زور ہو گیا تھا اس لیے اس کی بھی حاجت محسوس ہوئی کہ ادلہ عقلیہ سے ''عقائد ایمانیہ'' کا ثبوت دیا جائے اور ان پر سے اعتراضات وشکوک کو رفع دفع کیا جائے۔

لہٰذا یہ سب کے سب علوم، صنائع کی شکل میں آ کر محتاج تعلیم و تعلم ٹھہرے۔ سابق بیانات میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ صنعت، حضریت اور شہریت کا ثمرہ ہے اور یہ بھی کہ عرب حضریت سے کوسوں دور

تھے اس لیے عرب ان علوم سے بھی دور ہی رہے۔

البتہ عجم یا موالی اور وہ حضری اقوام جو صنائع وحرف میں عجم کے دوش بدوش چل رہے تھے پکے شہری تھے اور وہ بھی آج سے نہیں قدیم زمانہ سے۔ اس لیے نوایجاد علوم کا چرچا ان کے ہاں ہوا۔

نحو میں ''سیبویہ'' نے نام پایا۔ اس کے بعد فارسی نے اور پھر زجاج رحمۃ اللہ علیہ نے۔ یہ سب نسب کے اعتبار سے عجمی تھے مگر چونکہ انہوں نے عربی زبان ہی میں آنکھ کھولی تھی اور عرب ہی کی صحبت میں پلے پڑھے تھے اس لیے انہوں نے ''قوانین نحویہ'' کو ایک علم کی شکل میں لا کر بعد میں آنے والوں کی سہولت کی خاطر رواج دیا۔

اس طرح حاملین وحفاظ حدیث بھی عجم ہی تھے جن کی زبان عربی تھی۔ یہی حال علمائے اصول فقہ وعلم کلام کا تھا کہ وہ بھی سب کے سب عجمی تھے اور مفسرین قرآن بھی زیادہ عجمی گزرے ہیں۔

غرضیکہ علم دین کی حفاظت وتدوین کا ٹھیکہ انہیں عجمیوں نے لے رکھا تھا۔ سچ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ:

اگر علم آسمان کے کناروں سے جا لٹکے گا تو بھی عجم اس کو پالیں گے۔''

(مقدمہ ابن خلدون) از علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ الغربی) اردو ترجمہ بعنوان (اسلام میں علم کے علم بردار زیادہ تر عجمی ہیں) فصل ۳۶ ص ۵۲۳/۵۲۴

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''اس کے بعد وہ زمانہ آیا کہ عرب بھی حضریت شناس ہوئے اور انہوں نے بدویت کا جامہ اتار پھینکا۔ مگر پھر یہ سیاست وحکومت کے بکھیڑوں میں ایسے الجھے اور پھنسے کہ ان کو سر کھجانے کی فرصت نہ ملی تو یہ علم کی طرف کیا رخ کرتے؟

پھر ایک یہ صورت بھی تھی کہ علم کا شمار چونکہ صنائع میں تھا اور عرب ریاست کے دھنی اور رؤسا ہمیشہ صنعتوں سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں اس لیے یہ بھی علم سے کنارہ کش ہی رہے اور اس کی حفاظت کی پوری پوری ذمہ داری عجم ومولدین کے سپرد کر دی۔

لیکن عرب حاملین علم کی قدر ومنزلت کیا کرتے تھے کیونکہ وہ

عرب ہی کے دین وعلم کا بارگراں اپنے ذمہ لیے ہوئے تھے۔ پھر جب حکومت کی باگ عربوں کے ہاتھ سے نکل کر عجم کے ہاتھ آئی تو علوم لاوارثی ہوگئے۔ انہوں نے علم سے رشتہ توڑ لیا باقی رہے دیگر حاملین علم، تو ان کی قدر ومنزلت بھی جاتی رہی۔

یہ خیال کر کے کہ یہ لوگ ایسی چیز میں مشغول ہیں جو ملک و سیاست میں بے فائدہ ہے۔ لہٰذا انہیں اسباب مذکورہ سے حاملین علم شریعت زیادہ تر عجم ہوئے۔

یہ علم شریعت کا حال تھا۔ رہے علوم عقلیہ تو وہ اسلام میں اس وقت آئے کہ اہل تصنیف علماء کا فرقہ علیحدہ ممتاز ہو چکا تھا اور علوم صنائع کی شکل میں آگئے تھے اسی لیے عجم ہی کے ساتھ یہ علوم مختص رہے اور عرب اس سے دستکش رہے اور انہوں نے ان کی طرف رخ نہیں کیا۔

چنانچہ بلاد عراق وخراسان اور ماوراء النہر جو حضریت وشہریت کے مرکز تھے علوم کے بھی ساتھ ساتھ مرکز ومنبع بنے رہے۔ پھر جب ان پر بربادی کا دور آیا اور ان کی حضریت مٹی تو اس کے ساتھ علوم نے بھی وہاں سے بستر باندھا اور ان مقامات میں جا کر پناہ لی جو تہذیب وتمدن سے بھرپور تھے۔ مثلاً، فی زمانہ، مصر حضریت کا سب سے بڑا مرکز شمار ہوتا ہے۔

تو آج وہ دنیا میں چوٹی کا شہر ہے۔ اسلام کا گھر ہے اور علوم و صنائع کا سر چشمہ ہے اور ماوراء النہر میں بھی کچھ کچھ حضریت باقی ہے تو اسی مقدار سے وہاں علوم وصنائع بھی رائج ہیں۔

اس کی شہادت ہم کو وہاں کے ایک زبردست فاضل علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اور ان کی تصانیف سے ملتی ہے جو ان شہروں میں ہمارے ہاتھ میں آئی ہیں اور باقی ممالک عجم میں ہم نے سوائے ابن الخطیب رحمۃ اللہ علیہ اور نصیر الدین طوسی کے کسی کو نامور نہیں پایا جو قابلیت میں یکتائے روزگار ہو۔

"وَاللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ"

(مقدمہ ابن خلدون) از علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون

اردو ترجمہ بعنوان: (اسلام میں علم کے علمبردار زیادہ تر عجمی ہیں) ص ۵۲۴/۵۲۵

علوم شرعیہ نقلیہ وعقلیہ کہ جن میں اہل عجم نے اہل عرب کے حوالے سے پیش رفت کی:

اب ہم یہاں پر ان علوم شرعیہ نقلیہ وعقلیہ کہ جن میں اہل عجم۔ نے اہل عرب کے حوالے سے عظیم پیش رفت کی ان کو بعنوان ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

اس دور کے شہری علوم کی اقسام:

اس دور کے شہری علوم کی اقسام کہ جو علم وتحقیق و درس وتدریس کے حوالے سے متعارف تھے۔

علوم شرعیہ نقلیہ اوران کی اقسام:

۱۔ علم تفسیر وقرات: (علوم القرآن)
۲۔ علم حدیث اوراس سے متعلقہ علوم
۳۔ علم فقہ اوراس سے متعلقہ علوم
۴۔ علم الفرائض (میراث) وریاضی
۵۔ اصول فقہ، مع (خلافیات)
"علم جدل" و"مناظرہ"
۶۔ علم کلام
۷۔ علم تصوف
۸۔ علم تعبیر خواب

علوم عقلیہ اوران کی اقسام:

۱۔ علم الاعداد
۲۔ علم الہندسہ
۳۔ علم ہیئت
۴۔ علم منطق
۵۔ علم طبیعیات

۶۔ علم طب

۷۔ علم فلاحت

۸۔ علم الٰہیات

۹۔ علم سحر وطلسمات

۱۰۔ علم کیمیا اور اس کے متعلقات

۱۱۔ اسرار الحروف

وغیرہ کہ جس میں درج ذیل طریقوں کے حوالے سے ''استخراج نتائج'' کیا جاتا تھا۔

۱۔ ''زائچہ عالم'' سے جوابات نکالنے کا طریقہ۔

۲۔ ''ارتباط حرفیہ'' سے ''اسرار خفیہ'' (اسرار مخفیہ) کے معلوم کرنے کا طریقہ۔

۳۔ ''استخراج نتائج'' کے دیگر طریقے۔

۴۔ ''عناصر'' کی قوت دریافت کرنا اور اس کے طریقے وغیرہ

خالص علوم زبان عربی:

عربی زبان کے خاص علوم میں سے درج ذیل چار علوم شمار ہوتے ہیں۔

۱۔ علم النحو

۲۔ علم اللغۃ

۳۔ علم البیان

۴۔ علم الادب

ان علوم شرعیہ اور علوم عقلیہ کی پخت پز اور تنقیح کا دور دسویں صدی ہجری کے حوالے تک چلا جاتا ہے۔ ان علوم کی ترقیات اور پھر شاخ در شاخ پیش ورفت کی روداد نہایت طویل ہے کہ جس کا یہ باب ۱۲، متحمل نہیں ہوسکتا، ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ (تاریخ افکار وعلوم اسلامی) از جناب علامہ راغب الطباخ رحمۃ اللہ علیہ حصہ اول وحصہ دوم کے متعلقہ مباحث۔

۲۔ (اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو) از جناب ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف ابواب۔

۳۔ (قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات) از جناب ایم عبد الرحمٰن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مطبوعہ: ندوۃ المصنفین دہلی رحصہ اول ودوم

۴۔ (تاریخ عرب) از جناب موسیو سیڈیو فرانسیسی صاحب اردو ترجمہ بعنوان (عہد اول کا عربی تمدن)
مقالہ ششم، باب اول/ص ۴۰۹ تا ۵۰۷
باب دوم و باب سوم

۵۔ (تمدن عرب) از جناب ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی صاحب
کتاب ھذا کے مختلف ابواب
''عربوں کے علوم و فنون'' کے حوالے سے (نعمانی)

ایران اور اسلامی علوم وفنون:

جناب پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب بعنوان (ایران میں اسلامی فنون) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''فن تعمیر سے قطع نظر ایرانیوں نے اسلامی عہد میں اپنے جوہر تخلیق کا مظاہرہ دراصل ''فنون لطیفہ'' اصغر کے سلسلے میں کیا ہے یعنی ایرانی قالین بافی، منسوجات، ظروف سازی، دھات کا کام، تصانیف و تالیفات کی تذھیب و تزئین، جلد سازی اور چھوٹی چھوٹی تصویریں بنانا جنھیں اصطلاح میں [Miniature] کہتے ہیں۔

مذہب اسلام بت پرستی کو مانع ہے۔ مسجدوں پر جانداروں کی تصویریں بنائی ہی نہیں جاسکتیں دوسری عمارتوں پر بھی ایسی تصویریں خال خال نظر آتی ہیں۔ اسلامی عہد کے فنکار اپنی عمارتوں پر روغنی اینٹیں جڑتے تھے یا گچ میں نقش و نگار بناتے تھے یا اینٹوں پر اشکال مجردہ بناتے تھے نہیں تو بیل بوٹوں سے کام چلاتے تھے۔

یورپ میں جو لوگ پرانے زمانے کی نادر اشیاء جمع کرنے کا شوق رکھتے ہیں ان میں وہ لوگ بہت نمایاں مقام رکھتے ہیں جو سلطنت روما کے فن کاروں کے بنائے مجسموں کی تلاش میں رہتے تھے۔

اس کے برخلاف ایرانی جب اپنی خوش مذاقی اور ذوق سلیم کا ثبوت دینا چاہتا تھا تو کتابوں کی جستجو میں نکلتا تھا۔ اسلامی عہد کے ایرانی فن کار جو اپنی توجہ روزمرہ کی اشیاء کی طرف منعطف رکھتے تھے تو اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جو خانہ بدوش قومیں ایرانی خطوں پہ حملہ کرتی

تھیں ان کا میلان عمومی یہ ہوتا تھا کہ فن کے ایسے اعلیٰ درجے کے نمونے اٹھا کر لے جائے جو بوجھل نہ ہوں۔

نشاۃ ثانیہ کے بعد مغرب میں عام طور پر گھروں میں بڑی بڑی تصویریں چوکھٹوں میں جڑ کے لٹکائی جاتی تھیں۔ ایرانیوں کے گھروں میں خیموں میں یہ صورت نہ تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دیواری تصویریں بنائی جاتی تھیں لیکن اس فن کے جو نمونے ہم تک پہنچے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فن بھی کتابوں کی تذہیب وتزئین کے اسلوب کی تقلید کرتا تھا۔

مشرق بعید کی دیواری تصویروں میں جو بات ہے وہ یہاں نہیں پائی جاتی۔ نہ یورپ کی سی تصویریں نظر آتی ہیں کہ اکثر جانداروں کی صورت گری سے عبارت ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب ایرانی اسلام کے دائرے میں شامل ہوگئے تو انہیں اقتدار اور شاہیت۔ کے ایک نئے تصور کا شعور حاصل ہوا۔

چنانچہ انہوں نے طمطراق اور عظمت سے دلچسپی لینی ترک کردی۔ اگر چہ ہخامنشی اور ساسانی زمانوں میں طمطراق وعظمت ہی جلالت قدر کی ضامن تھی۔

یورپ اور مشرق بعید کے فن کے مقابلے میں ایرانی فن کے موضوعات نسبتاً سادہ ہیں کہ اسلام میں صورت گری کا تو جواز ہی نہیں کہ بت پرستی کا پہلو نکلتا ہے۔ فقہی احکام جانداروں کی صورت گری کو مانع تھے اور فن کار کے لئے لازم تھا کہ اس کی مزاحمت کو عبور کر کے اپنے جوہر تخلیق کا کام دکھائے۔" (ملخصاً)

(میراث ایران) از جناب پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب
اردو ترجمہ: بعنوان (ایران میں اسلامی فنون) باب ۵/ص ۱۷۱/۱۷۲

آگے رقمطراز ہیں کہ:

"سب جانتے ہیں کہ جب عربوں نے کم وبیش سو سال کے عرصے (۶۱۳ھ-۷۳۳ھ) اپنی مقبوضات کا دائرہ ہسپانیہ سے سندھ اور وسط ایشیاء تک وسیع کر لیا تو ممالک مفتوحہ کے خطوں کو جہاں تہذیب اپنے نقطہ عروج پہ پہنچی ہوئی تھی۔

عربوں سے جو کچھ وہ مذہب، زبان اور رسم الخط سے عبارت تھا۔ اموی خلفاء اس نکتے سے بخوبی آگاہ تھے۔ (۷۴۹ھ،۶۶۱ھ)۔ اسلئے انہوں نے اپنا دارالسلطنت دمشق قرار دیا (شام)۔ اموی عہد حکومت کا فن مختلف عناصر سے مرکب ہے یعنی مشرقی یونان کے اثرات، شامی قبطی اجزاء، بازنطینی پہلو اور ساسانی عہد کی فنی روایات، موخرالذکر کا اثر بہت نمایاں ہے۔

اگرچہ یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہیے کہ اس سے پہلے بھی یونانیوں اور عربوں کے درمیان ثقافتی روابط بہت گہرے تھے۔ ۷۴۹ھ میں مشرقی ایران میں بغاوت ہوئی اور خلفائے عباسیہ نے اس سے فائدہ اٹھا کر امویوں کی جگہ لے لی۔

اسلامی اسلوب فن کی روایت کا آغاز:

اب دارالسلطنت نوتعمیر کردہ شہر بغداد قرار پایا یعنی عباسی اور بھی مشرق کی طرف بڑھے۔ یعنی مصر، شام، ایران، عراق کے فن کار جمع ہوگئے اور اسی شہر کی بین الملی اور زندگی افروز فضا میں اسلوب فن کی روایت پیدا ہوئی اور پروان چڑھی۔

عباسیوں کی حکومت کے اوائل میں فنی روایت کا مقام کتنا بلند تھا اس کا اندازہ ''سامرہ'' کے اکتشافات اثری سے ہوسکتا ہے کہ یہی شہر تھوڑی سی مدت سے قطع نظر، ۸۳۶ھ سے ۸۸۳ھ تک دارالسلطنت رہا۔

''سامرہ'' سے دیواری تصویریں، استرکاری کے نمونے اور روغنی اینٹوں پر نقش ونگار، شیشے کے برتن اور دوسرے ظروف برآمد ہوئے ہیں۔'' (ملخصا)

(میراث ایران) از جناب پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب اردو ترجمہ۔ بعنوان (ایران میں اسلامی فنون) باب ۵/ص ۵/۱۷۶، ۱۷۵ اور مابعد

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''نویں صدی میں خلفاء کا تسلط ایرانی مقبوضات پر کمزور پڑ گیا تھا اور وقتاً فوقتاً جابجا ایرانی الاصل سلطنتیں قائم ہونی شروع ہوگئی تھیں جن

کا عہد حکومت طویل تھا۔

دسویں صدی میں آل بویہ (۹۳۲ھ.....۱۰۵۵ھ) مغربی ایران اور عراق پر قابض ہوگئے اور خلفائے عباسی رحمۃ اللہ علیہ پر ان کا اثر اتنا بڑھ گیا کہ انہیں ''حاجب'' کہتے تھے اور خراسان اور ماوراء النہر سامانیوں کے تصرف میں تھے (۸۱۹ء.....۱۰۰۴ء) یہ لوگ عقیدے کے اعتبار سے ضرور مسلمان تھے لیکن اپنے ماضی سے بھی رابطہ قائم رکھنا چاہتے تھے اور اس بات پر بڑا زور دیتے تھے کہ ہم بہرام ساسانی کی اولاد سے ہیں۔

''فردوسی'' کہ ''شاھنامہ'' کا مولف ہے۔ پہلے سامانیوں ہی کے سایۂ عاطفت ہی میں زندگی بسر کرتا رہا اور سچ یہ ہے کہ سمرقند، بلخ، نیشاپور اور بخارا میں گویا واقعی ادب اور فنون کا احیاء ہوگیا۔'' (ایضاً)

باب ۵/ص/۱۷۷

جناب ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی مستشرق صاحب بعنوان (عربوں کے علوم کے ماٰخذ ان کے اصول تعلیم وتحقیق) کتاب پنجم باب ۱ میں خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''جس وقت عربوں نے اپنی فتوحات شروع کیں دو پرانے تمدن یعنی تمدن ایران اور تمدن حکومت مشرقی کے چراغ ٹمٹمار ہے تھے۔ اس نئی دنیا سے جس میں پیروان اسلام نے قدم رکھا وہ نہایت ہی متاثر ہوئے اور بہت جلد اس دنیا کے علوم وفنون وادب کو اسی مستعدی کے ساتھ تحقیق کرنے لگے جس مستعدی سے انہوں نے ملک کو فتح کیا تھا۔

خلفائے اسلام رضی اللہ عنہم نے حکومت کو مستحکم کرنے کے بعد ہی کل بڑے بڑے شہروں میں تعلیم وتربیت کے مرکز قائم کیے اور کل ایسے علماء کو جو مشہور تصانیف علی الخصوص تصانیف یونان کا ترجمہ کرسکتے تھے۔

خاص اسباب کی وجہ سے علماء کا جمع ہو جانا آسان ہو گیا تھا۔ ایک مدت دراز سے یونان وروم کے علوم وفنون ایران وشام میں پھیل گئے تھے۔'' (ملخصاً)

(تمدن عرب) از ڈاکٹر گستاولی بان صاحب
کتاب پنجم باب ۱/ص/۵۲۷ اردو ترجمہ

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''جب عربوں نے ایران وشام پر قبضہ کیا تو انہیں وہاں ان

علوم یونان کے ذخیرہ کا ایک حصہ ملا۔ عربوں نے ان سریانی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرایا اور جن تصانیف کا ترجمہ اس وقت تک نہیں ہوا تھا، وہ بھی بہت جلد عربی زبان میں آگئیں اور علوم ادب کی تحصیل نہایت مستعدی سے شروع ہوگئی۔

عربوں نے بہت دنوں تراجم پر اکتفانہ کیا اکثر نے ان میں سے تصانیف قدیمہ علی الخصوص یونانی تصنیفات کا اصلی زبان میں پڑھنا اسی طرح سیکھا جیسے انہوں نے کئی صدی بعد اندلس میں زبان لاطینی اور قسطلی سیکھی۔

''اسکوریل'' کے کتب خانہ میں اس وقت عربی، یونانی، عربی، لاطینی اور عربی اسپینی لغات موجود ہیں جن کے مؤلف مسلمان تھے۔''

(ایضا) ص ۵۷۳

آگے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''عربوں نے جو مستعدی تحصیل علم میں ظاہر کی وہ فی الواقع حیرت انگیز ہے اس خاص امر میں بہت سی اقوام ان کے برابر ہوئی ہیں لیکن بمشکل کوئی ان سے بازی لے جاسکی۔ جب وہ کسی شہر کو لیتے تو ان کا پہلا کام وہاں مسجد اور مدرسہ بنانا ہوا کرتا تھا۔

بڑے شہروں میں ان کے مدارس ہمیشہ بکثرت ہوتے تھے۔ ''بنجمن دی تودیل'' جو ۱۱۷۳ء میں مرا ہے بیان کرتا ہے کہ اس نے اسکندریہ میں بیس مدرسے چھوڑے۔

علاوہ عام مدارس تعلیمی کے بغداد، قاہرہ، طلیطلہ، قرطبہ وغیرہ بڑے شہروں میں دارالعلوم تھے جن میں علمی تحقیقات کے کارخانے، رصد خانے، عظیم الشان کتب خانے غرض کل مصالح علمی تحقیقات کا موجود تھا۔ صرف اندلس میں ستر عام کتب خانے تھے۔

مؤرخین عرب کے اقوال کے بموجب ''الحاکم ثانی رحمۃ اللہ علیہ'' کے کتب خانہ میں جو قرطبہ میں تھا چھ لاکھ جلدیں تھیں جن میں سے چوالیس جلدوں میں صرف فہرست کتب تھی۔

اس کے متعلق کسی نے بہت درست کہا ہے کہ چار سو برس بعد جب ''چارلس عاقل'' نے فرانس کے شاہی کتب خانے کی بناء ڈالی تو وہ نو

(۹۰۰) سو جلدوں سے زیادہ جمع نہ کر سکا اور ان میں سے کتب مذہبی کی ایک پوری الماری بھی نہ تھی۔"

(تمدن عرب) از جناب ڈاکٹر گستاؤلی بان صاحب
فرانسیسی اردو ترجمہ: بعنوان (عربوں کے علوم کے مآخذ اور ان کے اصول تعلیم و تحقیق)
کتاب پنجم بعنوان (عربوں کا تمدن)
فصل اول بعنوان (عربوں کے علمی اور ادبی معلومات کے مآخذ)
ص ر ۵۷۴/۵۷۳

تجربہ اور مشاہدہ کو "تحقیقات علمی" کے اصول قرار دینا:

تجربہ اور مشاہدہ کو "تحقیقات علمی" کے اصول قرار دینے کا عمل پہلے پہل عربوں ہی نے اختیار کیا۔ چنانچہ مشہور فرانسیسی مستشرق جناب ڈاکٹر گستاؤلی بان صاحب بعنوان (عربوں کی علمی تحقیقات کے طریقے) بدیں الفاظ رقمطراز ہیں کہ:

"تجربہ اور مشاہدہ کو اقوال اساتذہ کے مقابل تحقیقات علمی کے اصول قرار دینا عموماً "بیکن" کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن اس وقت تسلیم کرنا چاہیے کہ اس کے مؤجد عرب تھے۔ کل محققین یورپ علی الخصوص "ہمبولڈ" جنہوں نے عربی تصنیفات کو دیکھا ہے۔
اب اس امر کے قائل ہیں "ہمبولڈ" یہ لکھنے کے بعد کہ علمی ترقی کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان خود اور اپنے ارادہ سے یعنی بذریعہ تجربہ حوادث طبیعہ کو پیدا کر سکے بطور تمثیل لکھتا ہے۔"
"عربوں نے یہ درجہ جس سے متقدمین بالکل ناواقف تھے حاصل کر لیا تھا"۔

(تمدن عرب) از جناب ڈاکٹر گستاؤلی بان صاحب
اردو ترجمہ۔ کتاب پنجم۔ فصل دوم بعنوان
(عربوں کی علمی تحقیقات کے طریقے) ص ر ۵۷۵

ہم انہیں سطور پر باب ۱۲ کو ختم کرتے ہیں اس سلسلے کی مزید توضیحات کو آئندہ باب ۱۳ میں ملاحظہ کیجئے۔

(نعمانی)

باب ۱۳

اسلامی تصوف اور مسلم ایران

''اسلامی تصوف'' اور ''مسلم ایران'' کے عنوان پر اپنی نگارشات کو ہدیہ قارئین کرنے سے قبل ہم یہ چاہتے ہیں کہ ''اسلامی ثقافت'' پر کسی قدر روشنی ڈالیں تاکہ قارئین کو اس امر کا بخوبی طور پر اندازہ ہو سکے کہ اسلامی تصوف جس کا ثمرہ ہے وہ اسلامی ثقافت کیا ہے نیز یہ کہ وہ کون کون سے علوم و معارف ہیں کہ جنکی سرپرستی خود عرب حکمرانوں نے کی اور اہل ایران (اہل عجم) ہی نہیں بلکہ خود اہل عرب نے بھی سینہ بہ سینہ اور شانہ بشانہ اہل ایران کے ساتھ ساتھ بیش از بیش پیش و رفت کیں۔

تو آیئے ہم اس عنوان کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں: (نعمانی)

ا۔ ثقافت لغوی مفہوم و مطالب:

دنیائے عرب کے مشہور و معروف سکالر جناب علامہ ''راغب الطبّاخ'' صاحب بعنوان (ثقافت، معنیٰ و مفہوم) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''ثَقِفَ، ثَقُفَ اور ثَقَافَۃ کے معنیٰ ہیں۔ زیرکی، دانائی اور کسی کام کے کرنے میں حذاقت و مہارت۔ ثَقُفَ یعنی وہ زیرک اور دانا و حاذق ہوا۔ ثَقِفٌ۔ ثَقُفٌ اور ثَقِیْفٌ زیرک و ذہین اور حاذق شخص کو کہتے ہیں۔

(القاموس المحیط) للفیروزآبادی رحمۃ اللہ علیہ

ثَقِفَ: یعنی کسی نے کسی امر کو پالیا۔ کامیاب اور فتح مند ہوا۔ ثَقِیْفٌ کامیاب اور فاتح شخص۔ ثَقِفَ الحَدِیْثَ یعنی بات تیزی سے سمجھ لی۔

(مصباح) للفیومی رحمۃ اللہ علیہ

حدیث میں آتا ہے کہ ''وَهُوَ غُلَامٌ لَقِنٌ ثَقِفٌ'' یعنی وہ ایک زود فہم اور دانا لڑکا تھا۔
رَجُلٌ ثَقْفٌ وَثَقِفٌ وَثَقُفٌ کا یہ مفہوم بھی آتا ہے کہ جن چیزوں کی ضرورت زندگی میں ہوتی ہے ان کو پوری طرح جان پہچان لیا۔ ثِقَافٌ اس آلہ کو کہتے ہیں جس سے نیزے سیدھے کیے جاتے ہیں۔

اسی مفہوم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفت میں یہ جملہ استعمال کیا تھا کہ:

''وَاَقَامَ اَوَدَهٗ بِثِقَافِهٖ''
یعنی اپنی تدبیر سے مسلمانوں کی کجی کو دور کر کے ان کو سیدھا کر دیا۔

(نہایہ) لابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ

راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''مفردات القرآن'' میں بیان کرتے ہیں کہ کسی چیز کے بھانپ لینے اور کسی کام کے کرنے میں مہارت اور حذاقت کا نام ثَقْفٌ ہے۔ اسی سے مُثَاقَفَۃٌ کا لفظ ماخوذ ہے جس کے معنی باہم شمشیر زنی کے ہیں، وہ ثِقَافٌ کہلاتا ہے۔ ثَقِفْتُ کذا کے اصلی معنی یہ ہیں کہ میں نے دقت نظر سے کسی چیز کو تاڑ لیا پھر اس معنی میں وسعت پیدا کر کے صرف گرفت اور پالینے کے معنی میں بھی اسی لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے خواہ اس کے ساتھ ذکاوت وحذاقت شامل ہو یا نہ ہو۔

جیسا کہ ان آیات میں یہ لفظ مستعمل ہوا ہے:
''وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ''
''اور ان (باغی مقاتلین) کو جہاں پاؤ قتل کردو''

(۲/۱۹۱)

''فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ''
''اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ تو.........''

(۸/۵۷)

''مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا''
''(وہ بھی) پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے اور جان سے مار ڈالے گئے''

(۳۳/۶۱)

''علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ'' اپنی کتاب ''اساس'' میں لکھتے ہیں کہ مجازاً ادب سکھانے اور مہذب بنانے کے معنی میں بھی اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یوں کہا جاتا ہے کہ:
''وَلَوْ لَا تَثْقِيْفُكَ وَتَوْقِيْفُكَ لَمَا كُنْتُ شَيْئًا''

اور اگر تو مجھے نہ سنوارتا اور یا خبر نہ کرتا تو میں کچھ بھی نہ ہوتا۔

اسی طرح یوں بھی کہا جاتا ہے کہ:

''هَلْ تَهَذَّبْتُ وَ تَثَقَّفْتُ اِلَّا عَلٰى يَدِكَ''

میں نے تجھ ہی سے ادب وتہذیب سیکھی۔''

(تاریخ افکار وعلوم اسلامی) از جناب علامہ راغب الطباخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حصہ اول۔ اردو ترجمہ باب العنوان (ثقافت، معنی ومفہوم)

ص ۲۵/۲۶

۲۔ اسلامی ثقافت:

جناب علامہ راغب الطباخ صاحب بعنوان (اسلامی ثقافت) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''لہٰذا اسلامی ثقافت ان علوم و معارف کا نام ہوگا جن سے اس حالت کے بعد، جس میں عرب قوم اپنے زمانہ جاہلیت میں مبتلا تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے سبب امت مسلمہ آراستہ ہوئی۔

نہ صرف وہ علوم و معارف ''اسلامی ثقافت'' قرار پاتے ہیں بلکہ وہ اعمال بھی اسلامی ثقافت میں داخل ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پھر تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم نے قائم فرمایا۔

نیز ان بزرگوں نے جو ان کے بعد ہوئے اور کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی سے منوران (صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم) کی راہ عمل پر گامزن ہوکر معاملات زندگی کی کجی کو سیدھا اور راستوں کو روشن کیا۔

لیکن قبل اس کے کہ اس موضوع پر گفتگو کی جائے۔ چونکہ اسلامی تعلیمات و ہدایات کے لانے والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرب کے ایک باشندہ تھے اس لیے ہمارے لیے ضروری ٹھہرتا ہے کہ پہلے بقدر ضرورت ہم کرہ ارضی پر عرب قوم کے مستقر اور اسلام سے پیشتر ان کے طبائع، ان کے معتقدات، ان کے مذاہب اور ان کی صفات کو بھی پیش نظر رکھیں۔

ساتھ ہی ہمیں اس باب میں کچھ معلومات اس امر کی بھی ہونی

چاہئیں کہ اس قوم (عرب) کے پڑوس میں قابل ذکر کون سی حکومتیں اور ریاستیں تھیں، کون سی اقوام تھیں اور ان کے ساتھ اس قوم (عرب) کے سیاسی اور مذہبی تعلقات کس طرح کے تھے۔

پھر ہم اچھی طرح یہ سمجھ سکیں گے کہ اسلام کے قریب ہونے اور مسلمان بن جانے والے نفوس میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ اور اسلامی علوم نے کیسے کچھ اثرات ڈالے۔"

(تاریخ افکار وعلوم اسلامی) از جناب علامہ راغب الطباخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ: بعنوان (اسلامی ثقافت) حصہ اول باب ا ص ۲۶، ۲۷

یہاں پر ہم ان علوم کا ذکر کرتے ہیں کہ جن کی پذیرائی مسلم خلفاء رضی اللہ عنہم نے کی اور اہل ایران کے شانہ بشانہ اہل عرب نے ان علوم ومعارف میں بیش از بیش پیش ورفت کی۔

مشہور فرانسیسی مستشرق جناب ڈاکٹر گستاؤلی بان صاحب نے اسی سلسلے میں درج ذیل علوم کا ذکر کیا ہے کہ جن میں اہل عرب نے بھی بیش از بیش پیش ورفت کی: (ملاحظہ کیجئے)

۱۔ مذہب واخلاق
۲۔ تمدن عرب کے حوالے سے عربوں کے مآخذ اور ان کے اصول تعلیم وتحقیق
۳۔ زبان وادب، فلسفہ وتاریخ
۴۔ علوم ریاضیہ وہیئات
۵۔ عربوں کا جغرافیہ
۶۔ طبیعات اور ان کا علمی استعمال (علم کیمیا کے بانی عرب ہیں)
۷۔ علم حیوانات ونباتات ومعدنیات وعلم طب
۸۔ فنون عرب
(مصوری، سنگ تراشی، فنون حرفتی)
۹۔ عربوں کا فن تعمیر
۱۰۔ عربوں کی تجارت اور ان کے تعلقات مختلف اقوام کے ساتھ
۱۱۔ عربوں کے تعلقات ہندوستان سے
۱۲۔ عربوں کے تعلقات چین سے
۱۳۔ عربوں کے تعلقات افریقہ سے
۱۴۔ عربوں کے تعلقات یورپ سے
۱۵۔ عربوں کا مرتبہ تاریخ عالم میں

یقیناً عناوین مذکورہ بالا میں سے ہر ایک عنوان ایک علیحدہ تصنیف و تالیف و تشریحات و توضیحات کا متقاضی ہے۔ اب ہم موجود باب ۱۳ کے اصل عنوان یعنی (اسلامی تصوف اور مسلم ایران) کی جانب قارئین کرام کی توجہ کو مبذول کرتے ہیں۔ (نعمانی)

۳۔ اسلامی تصوف:

یہ بات نہاں خانہ قلب و دماغ میں محفوظ رہنی چاہیے کہ ''تصوف'' کا عملی ثبوت صدر اول میں جناب رسالت مآب حضرت ختمی مرتبت محمد رسول اللہ ﷺ کے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ''اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم'' کے ہاں ملتا ہے۔

اگر چہ مستشرقین یورپ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلامی تصوف و الٰہیات، یہودیت و عیسائیت سے مستعار ہیں لیکن ان کا یہ دعویٰ ''اسلامی تصوف و الٰہیات'' پر درست طور پر چسپاں نہیں ہوتا کیونکہ اسلامی الٰہیات کی بنیاد عقیدہ واحدانیت خداوندی پر مبنی ہے جبکہ یہودیت اور عیسائیت کے ہاں عقیدہ توحید اپنی مجرد شکل و صورت میں عنقا ہے۔

اسی طور پر ''اسلامی تصوف'' میں دنیا سے ترک تعلق نہیں ہے بلکہ ''تصوف'' اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔ اسلام میں ترک دنیا نہیں ہے جیسا کہ حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ''

ترجمہ: ''اسلام میں رہبانیت (یعنی ترک دنیا) نہیں ہے۔''

اسی طور پر ''اسلامی تصوف'' ہندو مذہب اور بدھ مذہب کی جوگیانہ تپسیا سے یکسر پاک و صاف ہے۔ اسلامی تصوف کی بنیاد کتاب و سنت نیز حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے عملی پہلو پر مبنی ہے۔

ملاحظہ کیجیے ہماری تالیف:

(حیاۃ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) از راجہ طارق محمود نعمانی ایڈووکیٹ

بعنوان (تصوف) ص ۱۵/۱۶

''اسلامی عقائد و نظریات نیز تصوف و سلوک میں تشکیک کی فضا قائم کرنے کی زیادہ تر کوششیں ''صلیبی جنگوں'' کے دوران یہودی اور عیسائی مشنریوں کی جانب سے کی گئیں جن کا مقصد مسلم قوم کے عقائد و نظریات میں تشکیک کی فضا پیدا کر کے اس کے عزم و ہمت کو ختم کرنا تھا۔

یہی وہ نازک وقت تھا کہ جب حجۃ الاسلام حضرت الامام محمد بن احمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ (۵۰۵ھ) اور ان کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶۱ھ) نے یکے بعد دیگرے

بڑھتے ہوئے صلیبی افکار وتشکیک کے سیلاب کو صاحب دعوت عزیمت انسانوں کی طرح نہ صرف روک دیا بلکہ قیامت تک کے لئے اپنی توحید پرستانہ تعلیمات کے انمٹ نقوش چھوڑ گئے۔

رحمہما اللہ علیہما اجمعین الی یوم الدین

اسلامی تصوف [Islamic-Mysticism]

طواسین [Spirits of Prophet's-Teachings]

کا مظہر ہے۔"

ملاحظہ کیجئے ہماری تالیف:

(حیاۃ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) از راجہ طارق محمود نعمانی ایڈووکیٹ بعنوان (تصوف) ص/۱۶

۴۔ تصوف:

"تصوف" کے لغوی معنی ہیں "صوفی ہونا"، صوفیوں جیسے اخلاق اختیار کرنا۔

(المنجد) تحت مادہ (ت ص و ف) ص/۵۸۲

"صَوَّفَہ" "صوفی بنانا"

"اَلصُّوْفِیَّۃ" عبادت گزاروں کی جماعت۔ واحد "اَلصُّوْفِیُّ" مسلمانوں کے نزدیک صوفی وہ ہے جو خود کو فنا کر کے اللہ سے متعلق رہے جس میں اعلیٰ خلوص اور حقائق کے ادراک کی استعداد ہو۔

(المنجد) ص/۵۸۲

۵۔ لفظ صوفی کا استعمال:

لفظ "صوفی" کا استعمال کب سے شروع ہوا اس بارے میں مختلف آراء ملتی ہیں۔ شمس العلماء علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۱۴ء) بعنوان "صوفی کا لقب کب سے شروع ہوا" بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور رسالے میں لکھتے ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود تک صحابہ رضی اللہ عنہم کے لقب کے سوا اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا تھا کیونکہ شرف صحبت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں ہوسکتا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور پھر تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ کا لقب پیدا ہوا۔

یہ زمانہ بھی ہو چکا، تو بزرگان دین زاہد و عابد کے لقب سے

ممتاز ہوئے لیکن زہد و عبادت کا دعویٰ ہر فرقے کو یہاں تک کے اہل بدعت کو بھی تھا۔

اس لیے جو لوگ خاص اہل سنت والجماعت میں سے زاہد اور اہل دل تھے وہ صوفی کہلائے۔ یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رواج پا چکا تھا۔

صاحب (کشف الظنون) کا بیان ہے کہ سب سے پہلے صوفی کا لقب ابو ہاشم رحمۃ اللہ علیہ صوفی کو ملا جنہوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ امام صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے موقع پر تصوف کی وجہ تسمیہ کی نسبت لکھا ہے کہ:

اس لفظ کے اشتقاق کے متعلق تین رائیں ہیں۔

بعض کا قول ہے کہ: صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جو لوگ اہل صفہ کہلاتے تھے یہ ان کی طرف نسبت ہے۔

بعض کے نزدیک اس کا ماخذ 'صفا'' ہے۔

بعض کے نزدیک صف

لیکن قاعدہ اشتقاق کی رو سے یہ تمام اقوال غلط ہیں۔ یہ احتمال ہوسکتا تھا کہ ''صوف'' سے ماخوذ ہو جس کے معنی پشمینہ کے ہیں لیکن پشمینہ پوش ہونا اس فرقے کی کوئی خصوصیت نہیں۔''

(الغزالی) از شمس العلماء علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ر ۱۱۵/ ۱۱۶

ملاحظہ کیجیے ہماری تالیف: (حیاۃ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)

از راجہ طارق محمود نعمانی رص ر ۱۷/ ۱۸

تصوف کے لقب کی تحقیق:

شمس العلماء علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بعنوان ''تصوف کے لقب کی تحقیق'' بدیں الفاظ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ:

''اس بحث کے خاتمے میں یہ راز بھی ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ تصوف کا لفظ اصل میں ''سین'' سے تھا اور اس کا مادہ 'سوف'' تھا جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں۔

دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا اور چونکہ حضرات صوفیہ میں ''اشراقی حکماء کا انداز پایا جاتا تھا'' اس لیے لوگوں نے ان کو صوفی یعنی حکیم

کہنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ ''سوفی'' سے صوفی ہو گیا۔

یہ تحقیق علامہ ابوریحان بیرونی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الہند میں لکھی ہے۔ صاحب کشف الظنون کی عبارت سے بھی اس کا اشارہ نکلتا ہے۔ چنانچہ تصوف کے عنوان میں لکھتے ہیں:

واعلم الاشراقیین من الحکماء الالھیین کالصوفیین فی المشرب والاصطلاح ولا یبعد ان یوخذ ھذا الاصطلاح من اصطلاحھم۔

ترجمہ: حکمائے اشراقیہ، مشرب اور اصطلاح میں صوفیہ کے مشابہ تھے اور اگر یہ اصطلاح، ان کی اصطلاح سے ماخوذ ہو تو کچھ بعید نہیں۔''

(الغزالی) از شمس العلماء علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ)

بعنوان (تصوف کے لفظ کی تحقیق) ص/۱۲۱

ملاحظہ کیجئے ہماری کتاب

(حیاۃ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)

از راجہ طارق محمود نعمانی ایڈووکیٹ / ص/۱۸

حضرت امام ابی القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ (۴۶۵م) کا موقف:

اپنی مشہور و معروف تالیف ''الرسائل القشیر یہ'' میں حضرات صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال نقل کرتے ہوئے حضرت امام ابی القاسم عبدالکریم بن ہوازن امام القشیری رحمۃ اللہ علیہ بدیں الفاظ رقمطراز ہیں کہ:

''کسی صوفی سے دریافت کیا گیا کہ صوفی کا کیا مطلب ہے؟
تو جواب دیا۔ صوفی میں چار حرف ہیں اور ہر حرف میں اشارہ پایا جاتا ہے، چنانچہ 'ص' سے مراد صوفی کی سیر مع اللہ ہے جو اللہ کے ساتھ مجالست کے ذریعہ سے ہوتی ہے نیز یہ اللہ کی طرف کانوں کا لگانا ہے۔
اور اللہ کی طرف سے آنے والی باتوں کو سمجھنا ہے۔ اپنے تمام ارادوں کو اللہ پر وقف کر دینا ہے اور یہ کہ اللہ ہی کے ساتھ وجد کی قوت ہے اسی لیے کہا جاتا ہے۔
میں اس قدر صبر کروں گا کہ صبر بھی میرے صبر سے عاجز آئے اور سینہ میں اس کے قیام کی زیادتی سے میں ہلاک ہو جاؤں گا۔

مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا ضمیر چھپ کر میرے عشق کی شکایت میرے آنسوؤں سے نہ کر بیٹھے جس سے میرے آنسو بہنے لگیں اور مجھے اس کا علم بھی نہ ہو۔ (ایضاً)

سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے تصوف کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو فرمایا:

''تصوف، فتوت، شجاعت، صدق اور صحت کا نام ہے۔

پھر پوچھا صوفی کون ہے؟ تو فرمایا:

جس کا مال مباح اور خون معاف ہو۔

''جنید رحمۃ اللہ علیہ'' فرماتے ہیں کہ: تصوف، کثرت صوم وصلوۃ کا نام نہیں ہے بلکہ تصوف سینہ کی سلامتی اور نفس کی سخاوت کا نام ہے۔''

(الرسائل القشیریہ) از (حضرت الامام القشیری رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ: فصل ۵/ص/۴۷/۴۸۔ فصل ۶/ص/۵۲

ملاحظہ کیجئے ہماری تالیف:

(حیاۃ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) از راجہ طارق محمود نعمانی ایڈووکیٹ۔

بعنوان (تصوف) ص/۱۹/۲۰

حضرت مخدوم علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۵ھ) کا نقطہ نظر (تصوف) کے بارے میں:

حضرت مخدوم سید علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ ''تصوف'' کی تشریح وتوضیح ومفہوم ومطالب بیان فرماتے ہوئے بدیں الفاظ رقمطراز ہیں کہ:

''لفظ ''تصوف'' باب تَفَعُّل سے ہے اور باب تَفَعُّل عربی میں تکلف کا تقاضا کرتا ہے (یعنی وہ اصلی صوفی نہیں ہوتے بلکہ بتکلف صوفی بنتے ہیں) اور یہ ''متصوف'' اصل (صوفی) کی فرع ہے اور اس معنی کا فرق لغت کی رو سے ظاہر ہے۔

(اَلصَّفَاءُ وَلَايَةٌ وَلَهَا آيَةٌ وَرِوَايَةٌ وَالتَّصَوُّفُ حِكَايَةٌ لِلصَّفَا بِلَا شِكَايَةٍ)

ترجمہ: پس صفائے قلب ولایت ہے جس کی ایک علامت اور روایت ہے اور تصوف بلاشبہ صفائی باطن کی حکایت ہے۔

پس صفا کے معنی روشن اور ظاہر ہیں اور تصوف اس معنی کی حکایت ہے۔

اور ''صوفی'' لوگ اس مقام پر تین قسم کے ہوتے ہیں۔

اول: صوفی

دوم: متصوف

سوم: مستصوف

صوفی:

''تو وہ ہے جو اپنے آپ سے فانی اور حق تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو اور طبعی تقاضوں کے قبضہ سے رہائی پا کر باطن کی حقیقت کے ساتھ ملا ہوا ہو۔''

متصوف:

''وہ ہے جو مجاہدہ اور ریاضت سے اس درجہ (صوفی) کی تلاش میں منہمک ہو اور ہر معاملہ میں صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہ کی طرز زندگی کو پیش نظر رکھتا ہو۔''

مستصوف:

''وہ ہے جو مال و دولت اور جاہ و ثروت کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو صوفیاء کی مانند بنائے رکھنے میں مصروف ہو اور ان دونوں مراتب کی اسے کچھ خبر نہ ہو۔ مشائخ نے فرمایا ہے:

''اَلْمُسْتَصَوِّفُ عِنْدَ الصُّوْفِيَّةِ كَالذُّبَابِ وَعِنْدَ غَيْرِهِمْ كَالذِّئَابِ''

ترجمہ: مستصوف صوفیا کے نزدیک مکھی کی طرح حقیر ہوتا ہے (اور جو کچھ کرتا ہے) وہ ان کے نزدیک حرص ہے اور دوسرے لوگوں کے نزدیک حریص بھیڑیے کی طرح ہوتا ہے جس کی تمام تگ و دو کسی کے پھاڑنے اور مردار کھانے کے لئے ہوتی ہے۔

پس صوفی تو دراصل واصل بحق ہوتا ہے اور متصوف اصول

طریقت پر چلنے والا اور متصوف بالکل بیہودہ، جس کو وصل حق نصیب ہوا۔ وہ اپنے مقصود کے پالینے اور مراد پر پہنچ جانے کی وجہ سے مراد سے بے مراد اور مقصود سے بے مقصود ہو گیا اور جس کی طریقت کا اصل معلوم ہو کہ اس کے مطابق چلا۔

وہ طریقت کے اقوال پر قابو پا گیا اور اس کے اسرار و لطائف میں جا کر بس گیا۔ جسے واہیات باتیں نصیب ہوں وہ ان سب مدارج سے محروم رہا اور فقط اسم کے دروازہ پر بیٹھ گیا اور اسی سے الجھ کر حقیقت سے حجاب میں ہو گیا۔

اور حجاب میں آجانے کی وجہ سے نہ اسے وصل حق نصیب ہوا نہ اصول طریقت سے آگاہ رہا۔ مشائخ طریقت رحمۃ اللہ علیہ نے اس معنی کی تفصیل میں بہت سے رموز بیان کیے ہیں جن کو مکمل طور پر احاطہ میں لانا اگرچہ ممکن نہیں تاہم ان کے بعض رموز کو ہم اس کتاب میں بیان کریں گے۔" (ملخصاً)

(کشف المحجوب) از حضرت مخدوم سید علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ مولوی فیروز الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

تیسرا باب / پہلی فصل / بعنوان (تصوف)

نیز ہماری تالیف ملاحظہ کیجئے۔

(حیاۃ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) از راجہ طارق محمود نعمانی)

بعنوان (تصوف کی حقیقت و ماہیت) ص ۲۰/۲۲

علم تصوف، جدید علم شرعیہ میں شمار ہوتا ہے:

رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ المغربی (۷۳۲ھ (۱۳۳۲ء) تا ۸۰۸ھ (۱۴۰۶ء) بعنوان "علم تصوف" بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"علم تصوف بھی جدید علوم شرعیہ میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی اصلیت یہ ہے کہ طریق تصوف کو صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ہمیشہ وقعت کی نظر سے دیکھا گیا اور اس کو حق و ہدایت کا راستہ سمجھا گیا۔"

(مقدمہ ابن خلدون) از علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون المغربی

اردو ترجمہ: گیارہویں فصل۔ بعنوان: (علم تصوف) ص/۴۴۶

آگے رقمطراز ہیں کہ:

"تصوف کے مقاصد اصلیہ یہ ہیں کہ انسان عبادت الٰہی میں جان کھپائے۔ پوری طرح اللہ کا ہو لے اور دنیا اور دنیا کی لغویات و خرافات سے بالکل منہ موڑے اور عام دنیا دار جن چیزوں پر مٹے پڑے ہیں یعنی لذات دنیویہ، مال و جاہ سے قطعی کنارہ کش ہو جائے۔ عبادت کے لئے عزلت نشینی و گوشہ نشینی پسند کرے وغیرہ وغیرہ۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وسلف عظام رحمۃ اللہ علیہ میں یہ خوبیاں عام تھیں لیکن قرن ثانی میں یا اس کے بعد جب لوگ دنیا کی طرف سمٹے اور دنیا سے پورا دل لگا بیٹھے تو اب عبادات میں اپنی زندگی گزارنے والے اور گوشہ نشین لوگوں کے لئے صوفیہ اور متصوفہ کا لفظ طرہ امتیاز بنا۔" (ملخصاً)

(مقدمہ ابن خلدون) از علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون المغربی۔ اردو ترجمہ: گیارہویں فصل بعنوان: (علم تصوف) ص/۴۴۶

انہیں صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ خاص خاص آداب واصطلاحات بھی ہیں جو انہیں میں رائج ومشہور ہیں۔ مروجہ اوضاع لغویہ چونکہ ان کے خاص معانی ومطالب کی تعبیر سے عاجز وقاصر رہے اس لیے انہوں نے چند اور الفاظ وضع کر لئے جو ان کے مطالب کو سہل تر طریقہ سے ادا کر سکتے ہیں اور یوں ان کی اصطلاحات نے ایک علیحدہ مستقل علم کی حیثیت حاصل کر لی۔" (ملخصاً)

(مقدمہ ابن خلدون) از علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون المغربی

اردو ترجمہ: گیارہویں فصل۔ بعنوان: (علم تصوف) ص/۴۴۷

ملاحظہ کیجئے ہماری تالیف

(حیاۃ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) از راجہ طارق محمود نعمانی) ص/۲۶/۲۷

علم تصوف میں تصانیف کا آغاز:

یہ امر اظہر کالشمس ہے کہ جن حضرات صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں خاص خاص آداب و اصطلاحات، علم تصوف [Mysticism as Seience] کے موضوع پر رائج ومشہور ہوئیں تو ان کی تشریح وتوضیح کے لئے تصنیف وتالیف کا سہارا لینا پڑا۔ یہاں سے علم التصوف کے موضوع پر تصانیف وتالیفات کا آغاز ہوا۔ (نعمانی)

چنانچہ رئیس المورخین علامہ عبد الرحمٰن ابن خلدون المغربی (م ۸۰۸ھ (۱۴۰۶ء)
رقمطراز ہیں کہ:

''اب جس وقت ''علوم شریعت'' تالیف وتصنیف کا جامہ پہن کر کتابی شکل میں آنے لگے اور فقہاء نے فقہ، اصول فقہ، کلام وتفسیر وغیرہ میں کتابوں کے ذخیرے مرتب کرنے شروع کیے تو صوفیاء نے بھی علم تصوف پر قلم اٹھایا۔ بعض نے ورع اور محاسبہ کے مضمون کو اٹھایا اور اس میں کتاب ترتیب دی۔ مثلاً قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الرسالہ لکھی اور سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے (عوارف المعارف) تحریر کی۔

پھر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب (احیاء العلوم) لکھ کر ہر دو امور کو جمع کیا۔ یعنی ورع ومحاسبہ پر بھی تفصیلی بحث کی اور آداب و اصطلاحات صوفیہ پر بھی کافی وشافی گفتگو کی۔ اس طرح وہ علم تصوف جو صرف طریق عبادات یا ان احکام سے عبارت تھا جو کہ سینہ بہ سینہ بزرگوں میں چلے آرہے تھے اب کتابی شکل میں آگیا۔'' (ملخصاً)

(مقدمہ ابن خلدون) از علامہ عبد الرحمٰن ابن خلدون المغربی
اردو ترجمہ: گیارہویں فصل بعنوان: (علم تصوف) ص/۴۴۸ اور ہماری تالیف ملاحظہ کیجیے!
(حیاۃ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) از راجہ طارق محمود نعمانی) ص/۲۸

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''صوفیائے متقدمین جو تصوف و ولایت میں بلند درجہ کے مالک تھے ان کا شمار امت کے بلند پایہ سلف صالحین میں تھا۔ ان کو کشف حجاب کا کبھی شوق نہ رہا۔ وہ ادراکات غیبیہ کے دلدادہ بنے۔ ان کی تمام تر توجہ اتباع سنت واقتدائے شریعت کی طرف مبذول رہی اور جہاں تک ہوسکا اسی کو اہمیت دیتے رہے۔

اگر ان کو کشف حجاب ہوا بھی تو اس کو کچھ پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا بلکہ اور الٹا اس کو ترقی سے مانع اور ایک دردسری کی چیز جانی۔''
(ملخصاً)

(مقدمہ ابن خلدون) از علامہ عبد الرحمٰن ابن خلدون المغربی
اردو ترجمہ: گیارہویں فصل بعنوان: (علم تصوف) ص/۴۵۲ اور ہماری تالیف ملاحظہ کیجیے!
(حیاۃ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، از راجہ طارق محمود نعمانی) ص/۲۸/۲۹

رئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون المغربی مزید خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''متاخرین صوفیاء نے کشف اور ماوراء الحس پر کلام کو اس قدر طول دیا ہے کہ بہت سے تو حلول وحدت کا دعویٰ کر بیٹھے اور اسی کے بیان سے کتابیں رنگ ڈالیں۔

مثلاً ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المقامات لکھی۔ پھر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سبعین رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے دونوں شاگردوں نے ابن العفیف رحمۃ اللہ علیہ، ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ اور النجم الاسرائیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اپنے قصائد اور کتابوں میں اس کو طول دیا۔

دراصل ان کے اسلاف ''فرقہ اسماعیلیہ'' سے بہت ربط وضبط رکھتے تھے اور یہ حلول کے بھی قائل تھے اور الوہیت آئمہ کے بھی۔ اس لیے یہ اسلاف بھی انہیں کے رنگ میں رنگے گئے اور انہی کی سی گانے لگے اور انہی کے ہم خیال وہم عقیدہ ہو گئے۔'' (ملخصاً)

(مقدمہ ابن خلدون)

از علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون المغربی

اردو ترجمہ: گیارہویں فصل

بعنوان: (علم تصوف) ص/۴۵۰

''تاریخ اسلام'' کے ابتدائی ادوار میں مختلف حضرات علماء ومحدثین عظام رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن حکیم اور سنت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں ایسی کتابیں تصنیف وتالیف کیں کہ جن سے عبادات ومعاملات (یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد) نیز دیگر مسائل کے بارے میں نہایت عمدہ طور پر رہنمائی کی گئی تھی۔

ان چند مصنّفین اور ان کی کتب کی فہرست ہم یوں پیش کر سکتے ہیں:

فہرست، مصنّفین وکتب:

مصنف یا مؤلف کا نام	کتاب کا نام
۱۔ عبداللہ بن المبارک المروزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۸۱ھ)	''کتاب الزہد'' اس میں زہد کے بارے میں احادیث جمع کیں
۲۔ حارث بن الاسد المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۴۳ھ)	''الرِّعَايَةُ لِحُقُوقِ اللّٰه'' اور کتاب التوہم تصنیف کیں۔
۳۔ محمد بن علی الحکیم الترمذی رحمۃ اللہ علیہ	اس موضوع پر ایک سے زیادہ کتب تصنیف وتالیف کیں۔

۴۔محمد بن عبدالجبار النفری رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۵۴ھ)	''کتاب المواقف'' اور ''کتاب المخاطبات'' وغیرہ
۵۔ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۹۳ھ)	''بستان العارفین'' تصنیف کی۔ یہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی ''بستان العارفین'' کے علاوہ دیگر تصنیف ہے۔

لیکن درحقیقت درست بات تو یہ ہے کہ حضرت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۸) نے ''کتاب اللمع فی التصوف'' کے نام سے جو کتاب ''علم التصوف'' پر تحریر کی وہ اس سلسلہ میں اپنی قدامت کی بناء پر اپنے سے بعد کی کتب کا مآخذ قرار پاتی ہے۔

اگرچہ کہ بعد کے ادوار میں ''تصوف وسلوک'' پر نہایت عمدہ و نادر کتب تحریر کی گئیں لیکن بنیادی مآخذ یہی ہے۔اس نقطہ نگاہ سے ہم کتب تصوف اور ان کے مصنفین کے اسماء کی فہرست مندرجہ ذیل طریقہ سے ہدیہ قارئین کرسکتے ہیں۔

مصنف کا نام	کتاب کا نام	سال وفات
شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ	کتاب اللمع فی التصوف	(م ۳۷۸ھ)
شیخ ابوبکر الکلاباذی رحمۃ اللہ علیہ	التعرف لمذہب اہل التصوف	(م ۳۸۵ھ)
شیخ ابوطالب المکی رحمۃ اللہ علیہ	قوت القلوب	(م ۳۸۶ھ)
شیخ عبدالرحمن السلمی رحمۃ اللہ علیہ	طبقات الصوفیہ	(م ۴۱۲ھ)
شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ	تذکرہ الاولیاء	(م ۴۲۰ھ)
شیخ ابونعیم الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ	حلیۃ الاولیاء	(م ۴۳۰ھ)
شیخ ابوالقاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ	الرسالۃ القشیریۃ	(م ۴۶۵ھ)
شیخ سید علی بن عثمان الہجویری رحمۃ اللہ علیہ	کشف المحجوب	(م ۷۰۔۴۶۵ھ)
شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	فتوح الغیب	(م ۶۲۔۵۶۱ھ)
شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ	عوارف المعارف	(م ۶۳۲ھ)

مذکورہ بالا فہرست میں ساتویں صدی ہجری کے ربع اول سے چھ، سات سال اوپر تک کا تصنیفی کام دکھایا گیا ہے۔ ہمارے موجودہ دور تک یقینا ایک سے بڑھ کر ایک کتاب مرتب کی گئی ہے لیکن ان تمام کے بنیادی اسالیب انہیں کتب سے مستعار ہیں۔

درحقیقت ان قدماء کو تصوف کے علمی و عملی گوشوں پر مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی۔

ہماری تالیف ملاحظہ کیجئے!
(حیاۃ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ)
از راجہ طارق محمود نعمانی) ص ۳۱/۳۰/۲۹

مسلک حضرات صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم "قرآن حکیم" کی روشنی میں:

قارئین کرام! تصوف اور "علم تصوف" کے موضوع پر ہم گزشتہ اوراق میں اپنے حقیر خیالات کو حوالہ جات کی روشنی میں آپ کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں۔ یقیناً اس موضوع پر بیش از بیش تحریر کیا جا چکا ہے اور زمانہ مستقبل میں نہایت قیمتی نگارشات پیش کی جائیں گی۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مسلک صوفیاء "قرآن حکیم" سے بھی ثابت ہے؟

تو سنیئے:

قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ○

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے صاحب علم بندے ہی ڈرتے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ غالب (اور) مغفرت کرنے والا ہے۔

(سورۃ فاطر، آیت ۲۸)

بلا شک وشبہ خشیت الٰہی کے پیکر وہی لوگ ہو سکتے ہیں کہ جو اللہ رب العزت کے مقام کو سمجھتے ہیں۔ اس آیت ربانی میں خشیت الٰہی کو صاحب علم لوگوں کا طرۂ امتیاز قرار دیا گیا ہے یعنی صاحب علم، بندہ کے اوصاف میں یہ صفت بھی ہے کہ وہ خشیت الٰہی کا پیکر ہو اور خشیت الٰہی، صدق، زہد و ورع اور دیگر آداب و اخلاق کہ جن سے قرآن و سنت کی تعلیمات مملو ہیں۔

دین الٰہی کی عملی روح سے تعلق رکھے اور مقام حقیقت و معرفت خداوندی جن لوگوں کا طرۂ امتیاز ہیں وہ یہی صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی پاکیزہ جماعت ہے کہ جن کے ہاں انہیں آداب و اخلاق کے موضوعات کے عملی نمونے ملتے ہیں۔

"قرآن حکیم" میں ایک مقام پر اللہ رب العزت نے ملائکہ کے بعد اپنے بندوں میں سے افضل و دینی اعتبار سے اعلیٰ مرتبہ رکھنے والوں کا ذکر فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے خود اپنی وحدانیت پر فرشتوں کے بعد انہی بندگان (مقربین) خاص کو گواہ ٹھہرایا۔

اللہ تعالیٰ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ؕ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے گواہی دی اور فرشتوں نے اور صاحب علم (لوگوں) نے انصاف سے قائم ہو کر کہ اس (اللہ) کے سوا کوئی معبود نہیں۔

(سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۸)

جناب ختمی مرتبت، صاحب لولاک، سرور الانبیاء والمرسلین، سید الکونین، خاتم النبیین

آنحضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا:
"اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ"

(سنن ابن ماجہ شریف)

ترجمہ: "علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔"

ملاحظہ کیجئے ہماری تالیف: (حیاۃ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) از راجہ طارق محمود نعمانی)
بعنوان (مسلک صوفیاء قرآن مجید کی روشنی میں) ص ۳۲

حضرت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۸ھ) کا نقطہ نظر بدیں بارہ:

حضرت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۸ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ:
"میرے نزدیک "اولوالعلم" سے مراد ورثۃ الانبیاء علیہم السلام (انبیاء کے وارث) ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے والے، اتباع رسول ﷺ میں مجاہدہ کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی پیروی کرنے والے اور اس کے متقی پسندیدہ بندوں کے راستے پر چلنے والے یہی لوگ ہیں۔

اس کے نیک بندوں کی تین قسمیں ہیں۔ محدثین، فقہا اور صوفیا رحمۃ اللہ علیہم اور ان ہی تین اقسام کے لوگوں کا تعلق، اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ؕ سے ہے جو کہ انبیاء کے وارث ہیں۔

اسی طرح علوم کی بے شمار اقسام ہیں جن میں سے ایک علم دین ہے جس کی تین قسمیں ہیں۔ علم قرآن، علم سنن و بیان اور علم حقائق ایمان اور یہی وہ علوم ہیں جو محدثین اور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم میں حصہ اوّل ہیں۔" (ملخصاً)

(کتاب اللمع فی التصوف) از حضرت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ۔
اُردو ترجمہ: باب ا ص ۳۰۔ نیز ملاحظہ کیجئے ہماری تالیف:
(حیاۃ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ از راجہ طارق محمود نعمانی) ص ۳۳

حضرت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ مسلک صوفیاء قرآن حکیم وسنت رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے۔
"وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنُ"

ہم انہیں سطور پر باب ۱۳ کو ختم کرتے ہیں اور اس باب سے متعلقہ عناوین کو آئندہ باب ۱۴ میں ہدیہ قارئین کریں گے موجودہ باب ۱۳ مذکورہ عنوان کے لئے "تمہید" کی حیثیت کا حامل ہے جو کہ قارئین کرام کے لئے ناگزیر تھی۔

(نعمانی)

باب ۱۴

اسلامی تصوف اور مسلم ایران

گزشتہ سے پیوستہ:

عنوان مذکورہ بالا ایک اہم عنوان ہے کہ گذشتہ باب ۱۳ کو بھی اسی عنوان سے معنون کرنے کے بعد اسے بطور تمہید کے تحریر کرنا پڑا۔ اب ہم اسی عنوان مذکورہ بالا کی جانب اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں۔ (نعمانی)

جیسا کہ ہم نے گذشتہ باب ۱۳ میں اسلامی ثقافت، اسلامی تصوف، لفظ صوفی کا استعمال، تصوف کے لقب کی تحقیق۔

حضرت امام ابی القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۵ھ) کا موقف، حضرت مخدوم علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۶۵ھ) کا نقطہ نظر (تصوف) کے بارے میں، تصوف، جدید علوم شرعیہ میں شمار ہوتا ہے۔ علم تصوف میں تصانیف کا آغاز، فہرست، مصنفین و کتب، مسلک صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہ، قرآن حکیم کی روشنی میں۔ حضرت شیخ ابونصر سراج (م ۳۷۸ھ) کا نقطۂ نظر بدیں بارہ کے عناوین کے حوالے سے طویل نگارشات پیش کر چکے ہیں۔

اب یہاں پر یقیناً درج ذیل سوالات قارئین کے اذہان میں مذکورہ بالا عنوان کے حوالے سے اجاگر ہوں گے۔

۱۔ آیا قرار واقعی ''اسلامی تصوف'' یعنی مروجہ و متعارف اسلامی تصوف نے ایران میں نشو و ارتقاء کی منازل طے کیں؟

۲۔ آیا اسلامی تصوف میں ایران کے قدیم مذاہب مثلاً: زردشتیت، مانویت، مزدکیت اور دیگر مذاہب جیسے صابیوں (ستارہ پرستوں) کے حوالے سے کوئی عنصر در آیا؟

۳۔ درحقیقت قرآن و سنت کے حوالے سے ''اسلامی تصوف'' کیا ہے؟

۴۔ کیا ''اسلامی تصوف'' کے حوالے سے عقائد و نظریات میں کچھ تبدیلی پیدا ہوئی وغیرہ؟

جیسا کہ ہم بخوبی طور پر جانتے ہیں کہ ایران کے مسلم فاتحین نے فتح وتسخیر کو خلیفہ ثالث جناب سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے مبارک دور خلافت میں مکمل کر دیا تھا۔

۱۔ خلافت راشدہ کا دور حکومت (۱۱ھ (۶۳۲ء) سے ۴۰ھ (۶۶۱ء) تک ہے)

۲۔ اموی دور خلافت وحکومت (۴۱ھ (۶۶۱ء) سے ۱۳۲ھ (۷۵۰ء) تک ہے)

۳۔ عباسی دور خلافت وحکومت (۱۳۲ھ (۷۴۹ء) سے ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) تک ہے)

اس طور پر ''خلافت راشدہ'' کے آخری دو حضرات خلفاء رضی اللہ عنہم کے عہود میں نیز خلافت بنوامیہ اور خلافت بنوعباس کے مذہب ومسلک کے حوالے سے زیادہ تر اہلسنت والجماعت کا مذہب ومسلک ایران پر غالب رہا ہے۔

خلافت عباسیہ کے دور خلافت (۱۳۲ھ (۷۴۹ء) سے ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء)) تک تقریباً چھ صد اور پچپن سال (۶۵۵) تک ایران (فارس) پر اہلسنت والجماعت کے عقائد و نظریات کا اکثر وبیشتر غلبہ رہا ہے، اگر چہ کہ ایران (فارس) کے اپنے لوگوں پر قدیم مذاہب مثلاً: زردشتیت، مانویت، مزدکیت اور صابیت وغیرہ کا کسی قدر تاثر قائم رہا تھا پھر بھی مسلم فاتحین سر زمین حجاز سے دین اسلام کے جو عقائد ونظریات اپنے جلو میں لے کر گئے تھے ان عقائد ونظریات کی روح اندر ہی اندر اپنا وجود محفوظ طور پر قائم رکھے رہی۔

یہ بات مغالطہ آمیزی پر مبنی ہے کہ فتح اسلام سے لے کر آج تک ایران پر شیعہ ازم یا زرتشتیت، مانویت اور مزدکیت وغیرہ مذاہب وادیان کے تاثرات چلے آتے ہیں۔

خلافت عباسیہ کے دور حکومت میں ''غزنوی سلاطین'' اور پھر سلاطین سلاجقہ کے ادوار حکومت کا بھی شہرہ وغلغلہ رہا ہے۔ یہ زمانہ خلافت خلیفہ قادر باللہ رحمۃ اللہ علیہ (۳۸۱ھ (۹۹۱ء) سے ۴۲۲ھ (۱۰۳۱ء)) تک سے لے کر خلیفہ مستظہر باللہ رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۷ھ (۱۰۹۴ء) سے ۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء)) تک محیط ہے گویا کہ ابتدائی تقریباً چھ سو سال تک ایران (فارس) پر اہلسنت والجماعت کے مختلف مکاتب فکر کی حکومتیں رہیں اور وہ حکومت وسلطنت وایرانی مذاہب پر اسلامی مذہبی ودینی لحاظ سے غالب رہیں۔

چنانچہ اسلامی تاریخ کا ایک صاحب عقل وخرد قاری یہ بہتر طور پر جان سکتا ہے کہ آیا ابتدائی چھ سو سال تک ایران پر شیعہ ازم، زرتشتیت، مانویت اور مزدکیت کے مذاہب وادیان کا غلبہ وتاثر تھا یا کہ اہلسنت والجماعت کے مذاہب کا؟

اور یہی وہ ابتدائی چھ سو سال اسلامی ادوار حکومت کے ہیں کہ جن میں ایران (فارس) کے حوالے سے اہلسنت والجماعت کے مکتبہ فکر کے بڑے بڑے آئمہ اور صوفیا نے جنم لیا۔ فیاللعجب

اب ہم یہاں پر ''اسلامی تصوف'' کے حوالے سے چند توضیحات مختصراً ہدیہ قارئین کرتے ہوئے اپنے مذکورہ بالا عنوان کی جانب رجوع کریں گے۔ انشاءاللہ

اسلامی تصوف کے حوالے سے ہم درج ذیل عناوین زیر بحث لاسکتے ہیں۔

۱۔ اسلامی تصوف صدر اول میں۔
۲۔ حقیقی تصوف اور اس کی تعلیمات علمی و عملی طور پر کیا ہیں؟
۳۔ اسلامی تصوف کا منشاء ومقصود۔
۴۔ حیات نبوی ﷺ اور زہد وتصوف۔
۵۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تصوف۔
۶۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم (اہل صفہ) اور تصوف۔
۷۔ اسلامی تصوف کا قرآنی مآخذ ومصدر (سولہ آیات قرآنی) اس نقطہ نظر کے حوالے سے پیش کی جاسکتی ہیں۔

یہ وہ مذکورہ بالا سات عناوین ہیں کہ جن کے حوالے سے ہمیں ابتدائی اسلامی تصوف کا مطالعہ کرتے وقت لحاظ کرنا چاہیے۔

تصوف کا منشاء ومقصود:

''تصوف'' ایک نہایت جامع لفظ ہے یہ عبادت گزار اور دنیا سے ترک تعلق کرنے والے اصحاب پر چسپاں تو کیا جاسکتا ہے لیکن سوال یہ اجاگر ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کے عملی نظام عبادت میں ''تصوف'' کا منشاء ومقصود کیا ہے؟

تو سنیئے اسلامی نظام عبادت کے عملی پہلو (ریاضات اور مجاہدات) سے تزکیہ نفوس و باطن سے حقیقت ومعرفت وسلوک الی اللہ کا جو مقام حاصل ہوتا ہے وہ تصوف کا منشاومقصود یعنی،

۱۔ تزکیہ نفس یا (تنقیہ نفس)
۲۔ تصفیہ قلب

انہی مقامات سے علم الیقین، حق الیقین اور عین الیقین کہ ہر سہ مراتب حاصل ہوتے ہیں۔

مسلم ایران کی تقریباً ابتدائی چھ صدیوں میں جو اہلسنت والجماعت کے مختلف مکاتب فکر آئمہ اور صوفیاء کرام پیدا ہوئے، ان کے پیش نظر قرآن وسنت کے علمی پہلو کے ساتھ ساتھ درج ذیل عملی پہلو بھی تھا۔

تہذیب نفس، محاسبہ نفس اور مراقبہ وجذب الی اللہ۔ یہ آئمہ وصوفیا کرام کشف والہام

کی متاعِ بے بہا سے سرفراز ہوئے تھے لیکن یہ راستہ کون سا تھا؟

یہ وہ راستہ تھا کہ جو آنحضرت ﷺ نے بذاتِ خود اختیار فرمایا:

یعنی ''غارِ حرا'' کی ریاضتِ نفس، مراقبہ، جذب الی اللہ کی خصوصی کیفیت و حالت اور خلوت نشینی کہ جو بالآخر ''وحیِ الٰہی'' پر منتج ہو کر رہی۔

حیاتِ نبوی ﷺ زہد و تصوف کا کامل مرقع ہے:

مسلم ایران کے ابتدائی چھ سو سال کے محیط عرصہ میں جنم لینے والے حضرات آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرات صوفیائے عظام رحمۃ اللہ علیہ کے پیشِ نظر کسی قدیم ایرانی مذہب مثلاً، زردشتیت، مانویت اور مزدکیت وغیرہ کی تعلیمات نہ تھیں جیسا کہ قارئین کرام موجودہ کتاب کے حصہ اول قدیم ایران (فارس) کی تاریخ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ بلکہ آنحضرت ﷺ کی ''حیاتِ مبارکہ'' اور زہد و تصوف کا عملی پہلو ان حضرات کیلئے مشعلِ راہ تھا۔

مثلاً آپ ﷺ قناعت و صبر پر عمل پیرا تھے۔ آپ ﷺ لباس ہمیشہ سادہ پہنتے تھے اور آپ ﷺ سادہ غذا استعمال فرمایا کرتے تھے اور زہد و عبادت سے آپ ﷺ کو انتہاء درجہ شغف تھا۔

چنانچہ ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''آنحضرت ﷺ رات رات بھر عبادت فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پائے مبارک متورم ہو جایا کرتے تھے۔

میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ اتنی مشقت کیوں گوارا فرماتے ہیں جبکہ خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔''

آپ ﷺ نے جواب دیا: ''کیا میں خدائے تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''

(رواہ بخاری و مسلم)

اسی طرح جناب ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (صدیقہ کائنات) ہی سے مروی ہے کہ:

''آنحضرت ﷺ ماہ رمضان کا آخری عشرہ، اعتکاف میں بسر فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا سے کنارہ کش ہو گئے۔''

(رواہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ فرماتے تھے:

''میں ہر روز ستر مرتبہ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتا ہوں۔''

(رواہ البخاری)

ایک اور حدیث ہے کہ:

''دنیا سے نفرت کرو! اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا''۔

(الحدیث)

(اس حدیث کو ابن ماجہ، طبرانی اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)

چنانچہ جناب ختمی مرتبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں متعدد مواقع پر لوگوں کو زہد کی ترغیب دی۔ ذکر، توکل، صبر، توبہ اور نوافل کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل کرنے کی دعوت دی۔ ایک موقعہ پر فرمایا:

''اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور دنیا کی نفرت اس کے قلب میں پیدا فرما دیتا ہے اور دنیا کے عیوب اس کے سامنے کھول دیتا ہے۔''

(الحدیث)

(رواہ البیہقی ''فی شعب الایمان'' وعن محمد بن کعب مرسلا)

ایک اور موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو دنیا سے نفرت کرتا ہے، تو اس کا قرب حاصل کرو، وہ تمہیں حکمت بتائے گا''

(الحدیث)

رواہ ابو یعلیٰ ''الترغیب والترہیب'' جامع صبر میں یہ روایت یوں ہے کہ:

''جب تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو دنیا سے نفرت کرتا ہے اور کم گو ہو تو اس کا قرب حاصل کرو وہ تمہیں حکمت سکھائے گا۔''

(الحدیث)

(اس حدیث کو ابن ماجہ اور ابو نعیم نے ''حلیۃ الاولیاء''

اور بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں درج کیا ہے)

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں نے جو کچھ فرض کیا ہے اس پر عمل کر کے بندہ مجھ سے قریب ہو سکتا ہے۔ نوافل کی پابندی کر کے بندہ مجھ سے قریب اور میرا محبوب ہو سکتا ہے، جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو جو کچھ وہ سنتا ہے میں سنتا ہوں۔ جو کچھ وہ دیکھتا ہے میں دیکھتا ہوں۔

میں اس کے ہاتھ سے پکڑتا ہوں اور پاؤں سے چلتا ہوں۔ اگر وہ کچھ مجھ سے مانگتا ہے میں اسے دیتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے میں اسے پناہ دیتا ہوں۔"

(رواہ البخاری)

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"صلاۃ نور ہے، صدقہ برہان ہے اور صبر ضبط ہے"۔

(الحدیث)

(رواہ مسلم عن ابی مالک بن عاصم الاشعری)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"جاننا چاہیے کہ کامیابی، صبر کے ساتھ ہوتی ہے، تکلیف کے بعد فراخی کا دور آتا ہے اور تنگی کے بعد آسانی کا زمانہ آتا ہے۔"

(الحدیث)

(ترمذی نے اسے بالفاظ دیگر روایت کیا ہے)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو! اور اس سے استغفار کرو کیونکہ میں خود دن میں سو مرتبہ خدا سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔"

(الحدیث)

(رواہ مسلم عن الاغر بن یسار رضی اللہ عنہ)

اسی طور پر جناب حبیب کبریا آنحضرت ﷺ کی ذات والا صفات سے کافی ادعیہ ماثورہ منقول ہیں اور کتب احادیث ان سے مملو ہیں کہ جن میں "تصوف" کے ریاضات و مجاہدات نیز محاسبہ نفس اور مراقبہ میں انتہائی طور پر مدد ملتی ہے۔

بعینہٖ اسی طور پر حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال اور شخصیات کے عملی نمونے تاریخ اسلامی کے حوالے سے ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں کہ جو "اسلامی تصوف" کا بہترین علمی و عملی مظہر ہیں۔

"اصحاب صفہ" تو "اصحاب صفہ" ہی ہیں ان کے بارے میں کچھ کہے سنے بغیر اسلامی تصوف و سلوک کا علمی و عملی تاثر اجاگر ہوتا ہے۔

"قرآن حکیم" کی سولہ آیات کریمہ سے "اسلامی تصوف" کے علمی و عملی عنوانات کا پتہ چلتا ہے۔

ملاحظہ کیجیے:

اسلامی تصوف کا قرآنی ماخذ

قرآنی آیات	اُردو ترجمہ
۱۔ اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ.	اپنے ربّ سے مغفرت طلب کرو، اور اس سے توبہ کرو!
۲۔ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.	اللہ سے توبہ کرو اے ایمان والو! تا کہ تم فلاح پاؤ۔
۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا.	اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو! توبہ نصوح۔
۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا.	اے ایمان والو! صبر سیکھو، صبر کرو، اللہ سے رشتہ استوار رکھو۔
۵۔ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ.	اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دیتا ہے۔
۶۔ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ.	جو شخص صبر کرے اور توبہ کرے تو بے شک یہ عزم امور ہے۔
۷۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ.	ہم تمہاری آزمائش کریں گے یہاں تک کہ جان لیں کہ تم میں مجاہدین اور صابرین کون ہیں۔
۸۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ.	اللہ پر بھروسہ کرو، جو زندہ ہے اور جسے موت نہیں آتی۔
۹۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ.	اور وہ اللہ ہی ہے جس پر ایمان والے توکل کرتے ہیں۔
۱۰۔ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ.	جب ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔
۱۱۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ	بے شک زمین و آسمان کی پیدائش میں، لیل و نہار کے اختلاف میں صاحب عقل لوگوں کے یہاں نشانیاں ہیں، جو کھڑے ہوئے۔

قِیٰماً وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.	بیٹھے ہوئے اس کو یاد کرتے ہیں اور زمین و آسمان کی پیدائش (کے اسرار پر) غور کرتے ہیں۔
۱۲۔ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ.	اللہ کے نام کا ذکر کرو۔
۱۳۔ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ.	اپنے رب کی اس وقت تک عبادت کرو، جب تک موت نہ آجائے۔
۱۴۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ.	جان لو دُنیا کی زندگی لعب ولہو ہے۔
۱۵۔ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ.	حیات دنیوی متاع فریب کے سوا کچھ نہیں۔
۱۶۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا.	اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دنیا کی زندگی تمہیں فریب میں مبتلا کر دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصوف:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصوف کی اصل روح کیا ہے تو مشہور سکالر جناب سید رئیس احمد جعفری ندوی بعنوان (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصوف) خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تصوف سکھایا اور جس تصوف کی تعلیم دی وہ خالص تھا، ہر قسم کی آمیزش سے الگ اور جدا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصفیہ نفس پر زور دیا۔ ریاضت کے اصول اور آئین مقرر کیے، تفکر اور عبادت کے آداب سکھائے اور ان کی ایک خاص ترتیب اور وضع قائم کی۔

اسی اصول پر اسلام کی حیات روحیہ کا آغاز ہوا۔ اسلام نے ایک خدا کی طرف قلوب کو متوجہ کیا۔ اس نے جنت کی دعوت بھی دی اور جہنم سے ڈرایا بھی لیکن خدا کی محبت کو ان سب سے بالا رکھا۔ اس نے عمل کو اصل و اساس قرار دیا۔

اس نے دُنیا میں رہ کر دنیا کو برت کر دنیا سے تعلق قائم رکھتے ہوئے دنیا سے الگ رہنے، اس کے زخارف سے متاثر نہ ہونے اور اس کی دلکشی کو بے نیازی کے ساتھ ٹھکرا دینے کا گر سکھایا۔

یہ تصوف خالص اسلام کی پیداوار ہے۔ اس میں دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی تصوف

اسلام کا شریک نہیں ہے نہ ہنود کی ویدانت، نہ زرتشت کی کہانت، نہ عیسائیوں کی رہبانیت، نہ کسی اور حلقہ زہد و عبادت کا آئین۔//

(انوار اولیاء رحمۃ اللہ علیہ) مرتبہ و مؤلفہ جناب سید رئیس احمد جعفری ندوی رحمۃ اللہ علیہ

بعنوان: (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصوف) ص ۱۹/۲۰

حضرات تابعین، تبع تابعین اور تصوف:

چنانچہ جب ہم صدر اول کی اسلامی تاریخ تصوف پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کے بعد حضرات تابعین و تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ کی پاکیزہ جماعت نظر آتی ہے۔

جو اسلامی تصوف کے علمی و عملی حوالے سے زہد و عبادت اور ریاضت و مجاہدہ نفس کے اعتبار سے خاص طور پر نمایاں اور ممتاز نظر آتی ہے۔ تو اس زمرہ میں درج ذیل پاکیزہ اسماء ہمیں روشن اور تابندہ نظر آتے ہیں۔

۱۔ حضرت اویس بن عامر القرنی رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ حضرت عامر بن عبداللہ، بن عبد قیس البصری رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ حضرت مسروق بن عبداللہ، ابو عائشہ، الکوفی رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ حضرت ہرم بن حیان رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ حضرت الحسن بن ابی الحسن ابو سعید البصری رحمۃ اللہ علیہ

بہر کیف ان چند تابعین حضرات کے ماسوائے تابعین کی بہت بڑی جماعت تھی کہ جن کے علم و عمل و کردار و تصوف و سلوک کا محور و مرکز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''اسوہ حسنہ'' اور تعامل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھا۔

تصوف و سلوک میں تابعین رحمۃ اللہ علیہ کے چند گروہ:

تصوف و سلوک و حقیقت و معرفت کے حوالے سے ہم تابعین رحمۃ اللہ علیہ میں درج ذیل چند گروہ کا ذکر پاتے ہیں۔

۱۔ ایک گروہ وہ ہے کہ جو ''نساک'' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔
۲۔ دوسرا گروہ وہ ہے کہ جو ''زہاد'' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔
۳۔ تیسرا گروہ وہ ہے کہ جو ''عباد'' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

۴۔ چوتھا گروہ وہ ہے کہ جو "بکائن" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

دیکھنے میں تو ان چہارم جماعتوں کے اسماء مختلف نظر آتے ہیں مگر درج ذیل عنوانات ان تمام کا منشاء و مقصود تھے۔

۱۔ ذکر الٰہی کی کثرت۔

۲۔ حب دنیا سے بیزاری۔

۳۔ کائنات کے مسائل پر فکر و تامل۔

۴۔ اہل دنیا سے استغناء۔

۵۔ اللہ پر کامل توکل۔

یہ تھے وہ بنیادی عقائد جن پر کردار اور عمل کا سارا دار و مدار تھا اور اسی روشنی میں زہد و تصوف کا قافلہ آگے بڑھ رہا تھا۔

(انوار اولیاء رحمۃ اللہ علیہ) مرتبہ و مؤلفہ از جناب سید رئیس احمد جعفری ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ص ۲۲/۲۳

اسلامی تصوف اور بصرہ اور کوفہ کے مدارس تصوف:

یہاں پر دنیائے اسلام کے مشہور و معروف مکاتب تصوف کا ذکر کرنا بھی نہایت ضروری ہے۔ یعنی:

۱۔ اسلامی تصوف کا کوفی مکتبہ فکر۔

۲۔ اسلامی تصوف کا بصری مکتبہ فکر۔

جناب سید رئیس احمد جعفری ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

"ان مدرسوں میں فقہ، حدیث، علوم الفقہ، شعر اور علم کلام کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی تھی۔

یہاں پر خاص الخاص طریقہ پر زور دیا جاتا تھا، وہ یہ تھے۔

۱۔ ریاضت قلب۔

۲۔ مجاہدہ نفس۔

۳۔ روح کی صفائی اور جلا۔

☆ کوفہ کا مدرسہ یمنی مکتب خیال تھا۔ یہاں نحو و شعر کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی تھی۔ ظاہر حدیث پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ یہ مدرسہ شیعہ شیوخ کی سربراہی میں کام کر رہا تھا۔ اس میں مرجیہ عقائد کے عناصر بھی شامل تھے، زہد و عبادت میں اس کے جو شیوخ تھے، ان میں حسب ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ الربیع بن خثیم، المتوفی ۶۷ھ

۲۔ جابر بن حیان رحمۃ اللہ علیہ۔

۳۔ کلیب الصیداری رحمۃ اللہ علیہ۔

۴۔ منصور بن عمار رحمۃ اللہ علیہ۔

۵۔ ابوالغناہیہ رحمۃ اللہ علیہ۔

☆ بصرہ کا مدرسہ تمیمی مکتب خیال کا حامل تھا۔ یہ مدرسہ مذہب اہل سنت کے اصول پر تھا لیکن یہاں مغربی اور قدری عناصر بھی پائے جاتے تھے۔ یہاں کے شیوخ زہد و عبادت میں حسب ذیل اکابر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۱۰ھ۔

۲۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۸۱ھ۔

۳۔ فضل الرقاشی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۲۹ھ۔

۴۔ رباح ابن عمرو القیسی رحمۃ اللہ علیہ۔

۵۔ صالح ابن بشر المری رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۷۲ھ۔

۶۔ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ المتوفی ۱۷۷ھ۔

اور عین اس وقت جب کوفہ اور بصرہ کو زہد و نسک کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ مملکت اسلامیہ کے دوسرے شہروں میں بھی شیوخ رحمۃ اللہ علیہ زہد پیدا ہو رہے تھے۔ مثلاً: بلادِ خراسان میں۔

۱۔ ابراھیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی ۱۶۱ھ۔

۲۔ شقیق البلخی رحمۃ اللہ علیہ، المتوفی ۱۹۴ھ۔

☆ آخر الذکر اول الذکر کے شاگرد تھے۔

یہ تمام زہاد اور عباد، جو پہلی اور دوسری صدی ہجری میں ظاہر ہوئے۔ ان کے بعد جو لوگ آئے وہ زیادہ تر صوفیہ کے نام سے ملقب ہوئے لیکن یہ سب اس شجر مبارک کی شاخیں اور ٹہنیاں تھیں جس کی مضبوط جڑ حیات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چشمہ نور سے سیراب اور مستحکم ہوتی تھی۔

اس کی شاخیں حیات صحابہ رضی اللہ عنہم کے چشمہ فیض سے بار آور ہوئی تھیں۔ یہ نفوس ذکیہ اور قلوب نقیہ وہ تھے جنہوں نے ریاضت اور مجاہدہ سے اپنے وجود کی تکمیل کر لی تھی پھر اس شجر مبارکہ کی شاخیں بڑھیں، کونپلیں پھوٹیں، پتیاں رنگ لائیں اور پھل پھول نمایاں ہوئے اور فتوحات الٰہیہ کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔

اُن سب کا مسلک ایک ہی تھا یہ کہ دنیا کی رغبت سے کنارہ کشی اختیار کی جائے اللہ تعالیٰ سے لو لگائی جائے اور یہ وہ اصول ہے جو صدر اول سے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور گرامی سے برابر منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا۔"

(انوار اولیاء رحمۃ اللہ علیہ) مرتبہ از جناب سید رئیس احمد جعفری ندی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۵/۲۴/۲۳

اسلامی تصوف کے دو مکاتب فکر:

۱۔ تصوف کا بصری مکتبہ فکر	۲۔ تصوف کا کوفی مکتبہ فکر
بصرہ کا تمیمی مکتبہ فکر اہلسنت والجماعت کا مکتبہ تصوف تھا۔	کوفہ کا یمنی مکتبہ فکر اہل تشیع کا مکتبہ تصوف تھا۔

☆ چنانچہ کتب اسماء الرجال میں ان دو مکاتب فکر کے حضرات علماء وصوفیاء کے حوالے سے حالات وواقعات ملتے ہیں اور بعد کے ادوار میں تصوف کے ان ہر دو مکاتب فکر کے سلاسل دنیا اسلام کے مختلف حصوں میں پھیلے۔ مسلم ایران کہ جو ابتدائی تقریبا چھ سو سال تک اہل سنت والجماعت کی مقتدرانہ حیثیت کا ماتحت رہا، یہاں پر مذکورہ بالا مکاتب فکر نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق راہ ورسم پیدا کیے۔

مشہور صوفی مولانا فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ (۵۱۳ھ ۶۲۷ھ) کا مشہور ''تذکرۃ الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ'' چھیانوے (۹۶) بزرگ اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ پر مشتمل ہے کہ جن کا تعلق اہل سنت والجماعت کے مختلف مکاتب فکر سے ہے۔

☆ اس سلسلے میں دوسری کتاب ''نفحات الانس'' حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی (۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) تا ۸۸۳ھ (۱۴۷۸ء) کی مشہور تذکرہ کی کتاب ہے کہ جس میں چھ سو بائیس (۶۲۲) حضرات صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہ کے حالات درج ہیں۔

اس سلسلے میں ایک تیسری کتاب ''حلیۃ الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ'' علامہ ابو نعیم الاصفہانی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے کہ جو نہایت مبسوط وطویل تذکرۃ الاولیاء کی حیثیت کی حامل ہے۔

اور اسی طرح کی عربی وفارسی زبانوں میں چھوٹی بڑی کتب تعارف وتذکرہ ترتیب دی گئی ہیں تو ان مذکورہ بالا بزرگ اور قدیم مصنفین ومؤلفین کا تعلق سرزمین ایران ہی سے تھا۔ ان کتب تعارف وتذکرہ سے ہمیں اس بات کا بخوبی طور پر علم ہوتا ہے کہ ایران مسلم عہد کی تاریخ کی پہلی چھ صدیوں میں اہلسنت والجماعت کے کس قدر بزرگ علماء وصوفیا پیدا ہوئے۔

☆ جناب سالم قدوائی صاحب (ڈائریکٹر ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کتاب ''(ایرانی تصوف اور اسلام) کے پیش لفظ میں کہ جو ایران کے ممتاز شیعہ عالم جناب سعید نفیسی کی کتاب ''سرچشمہ تصوف وایران'' پر ایک نظر کے حوالے سے جناب کبیر احمد جائسی نے پیش کیا ہے اور جس میں جناب پروفیسر کبیر احمد جائسی نے ''سعید نفیسی'' صاحب کے اہم خیالات کو اردو دان طبقہ میں پیش کیا ہے۔ تحریر کرتے ہیں کہ:

''سعید نفیسی ایک اہم شیعہ عالم ہیں اوران کا تعلق اس گروہ سے ہے جو''ایران گردی'' میں غلو کی حد تک آگے بڑھا ہوا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو دین و مذہب، سیاست وسماج، تہذیب وتمدن اور تاریخ وادب کو ایک خاص نقطہ نظر سے پیش کرتے ہیں کہ ہر چیز ایرانی الاصل ہے اور یہاں تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ ان کا سلسلہ زردشتی عقائد واعمال سے جوڑ دیتے ہیں''۔

ملاحظہ کیجئے:

(ایرانی تصوف اوراسلام) از کبیراحمد جائسی صاحب

پیش لفظ، جناب سالم قدوائی صاحب رص ر۴

آگے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''سرچشمہ تصوف اورایران'' میں بھی سعید نفیسی نے تصوف کی عام تاریخ اوراس کی ابتدائی شخصیتوں سے اعراض کیا ہے اور تصوف کے بنیادی نکات اور تعلیمات کا منبع بودھ مذہب کو قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں خاصی طویل بحثیں کی ہیں۔ زردشتی اور بودھی تعلیمات کے تانے بانے ملائے ہیں۔

آریوں کی ابتدائی تاریخ، ان کی اصل اور نقل مکانی کا ذکر کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ہندوستان اور ایران کے آریا دراصل ایک ہی علاقے کے رہنے والے تھے اور اپنے علاقے سے نکلنے سے قبل ایک ساتھ رہتے اور زندگی گزارتے تھے۔

اس سلسلے میں آگے چل کر انہوں نے دونوں ملکوں کی مشترکہ میراث خاص طور سے مذہبی یکسانیت کی طرف اشارے کیے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ساسانیوں کے وقت سے ایران کا مذہب، بودھی تعلیمات سے پوری طرح متاثر تھا اور اسلام کے آنے کے بعد بھی وہ اثرات اندورنی طور پر باقی رہے۔

ان کا کہنا ہے کہ قدیم ایرانی صوفیا رحمۃ اللہ علیہ کرام کے اقوال بدھوں کے اقوال سے بڑی حد تک ملتے جلتے ہیں۔ اسی طرح سے گوتم بدھ کی زندگی کے بارے میں جو روایات مشہور ہیں وہ بھی ایرانی صوفیاء کے حالات زندگی سے مطابقت رکھتی ہیں۔

انہوں نے ابراھیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ اور گوتم بدھ کی داستانوں کی یکسانیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دونوں ہی کو شاہزادہ کہا گیا ہے اور دونوں ہی نے زندگی کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے دل اس سے اچاٹ ہو گئے اور وہ حقیقت کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

یہ واقعات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں اور اس سے ان کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ ایرانی تصوف میں شروع ہی سے ہندوستانی اثرات شامل رہے ہیں۔ اس کتاب میں اور بھی ایسی باتیں ہیں جو ہمارے لیے بالکل نئی اور چونکا دینے والی ہیں۔

خدا معلوم اس کتاب کی اشاعت کے اثرات ایران میں کیا ہوئے اور وہاں کے لوگوں نے اس سے کیا تاثر لیا، لیکن جہاں تک میرا خیال ہے کہ ہندوستان میں اس کے بارے میں لوگوں کو زیادہ علم نہیں ہے ورنہ یقینی طور پر اس میں بیان کی گئی بہت سی باتیں جو شیعیت پر ضرب لگاتی ہیں ایک نئی بحث کا آغاز بنتیں۔ ممکن ہے اردو میں اس کی موجودہ تلخیص کچھ ردِ عمل پیدا کرے۔ (ملخصاً)

ملاحظہ کیجئے:

(پیش لفظ) از جناب سالم قدوائی صاحب ڈائرکٹر ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ پیش لفظ بر کتاب ''ایرانی تصوف اور ایران''
کبیر احمد جائسی صاحب رص ۶/۵/۴

☆ قارئین اس سلسلے میں ہماری موجودہ کتاب کے حصہ اول کے حوالے سے ذرا قدیم ایران (فارس) کی تاریخ مذاہب مثلاً۔ زردشتیت، مانویت اور مزدکیت، صائبیت نیز شیعیت پر غور کریں تو آپ ضرور ملاحظہ کریں گے کہ ان قدیم ایرانی مذاہب کی موجودہ نمائندہ حیثیت اگر کسی مذہب کو حاصل ہے تو وہ غالباً ایران کا شیعہ ازم ہی ہے۔

۱۔ بدھ مذہب اور اسلامی تصوف۔
۲۔ ہندو مذہب اور اسلامی تصوف۔
۳۔ زردشتیت اور اسلامی تصوف۔
۴۔ مانویت اور اسلامی تصوف۔
۵۔ مزدکیت اور اسلامی تصوف۔
۶۔ یہودیت اور اسلامی تصوف۔

۷۔ نصرانیت اور اسلامی تصوف۔

کے حوالے سے ان مذاہب و ادیان کے اصول وقواعد کو ''دین اسلام'' اور ''اسلامی تصوف'' کے اصول وضوابط پر منطبق کرنا حقیقت سے انحراف کے مترادف ہے۔ (نعمانی)

شیعہ مذہب میں قدیم فلسفہ مذاہب کے اثرات کا ایک مختصر جائزہ:

مذکورہ بالا نگارشات کے پیش نظر ہم یہاں پر جناب پروفیسر ڈاکٹر شیخ محمد ابو زہرہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (پروفیسر لاء کالج جامعۃ القاہرہ مصر) کی نگارشات کو بطور حوالہ کے نقل کرتے ہیں، ڈاکٹر شیخ محمد ابو زہرہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (شیعہ مذہب میں قدیم فلسفہ کے اثرات) کے تحت عنوان (شیعہ مذہب کے مصادر و مآخذ) بدیں الفاظ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''بلا شبہ شیعہ ایک اسلامی فرقہ ہے مگر عبداللہ ابن سبا کے متبعین جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائل تھے اسلام سے بہت دور نکل گئے۔ یہ بھی درست ہے کہ شیعہ اپنے تمام افکار و معتقدات میں قرآنی نصوص اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احتجاج کرتے ہیں۔

مگر بایں ہمہ ان کے نظریات کچھ فلسفیانہ آراء پر بھی مشتمل تھے جن کا مصدر و مآخذ علماء مشرق و مغرب کی نگاہ میں وہ فلسفی و دینی مذاہب تھے جو ظہور اسلام سے قبل پائے جاتے تھے۔ مزید برآں شیعہ مذہب اس فارسی تہذیب سے بھی متاثر ہوا تھا جو ظہور اسلام سے ختم ہوگئی۔

بعض یورپی مستشرقین جن میں سے پروفیسر ڈوزی بھی ہیں یہ خیال رکھتے ہیں کہ شیعہ مذہب ایران و فارس کی پیداوار ہے۔ ان کے نزدیک اس کی دلیل یہ ہے کہ عربوں کا ایمان انسانی حریت و آزادی پر ہے۔

اس کے برعکس اہل فارس خاندانی بادشاہت و حکومت کے معتقد تھے۔ ان کی نگاہ میں انتخاب خلیفہ کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نرینہ اولاد موجود نہ تھی (اہل فارس کے نزدیک) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا حق سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچتا تھا لہٰذا جو لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ قرار پائے

مثلاً حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین، غصب خلافت کے مرتکب ہوئے تھے۔

اہل فارس، سلاطین کو تقدس وطہارت کی نگاہ سے دیکھنے کے بھی عادی تھے۔ چنانچہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو بھی مقدس مانتے تھے اور کہتے تھے کہ امام کی اطاعت فرض اولین ہے اور اس کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہودی آثار کے علاوہ شیعہ مذہب میں بعض ایشیائی مذاہب مثلاً۔ ''بدھ مت'' کے عقائد بھی شامل ہیں۔''

(السیادۃ العربیۃ)

بحوالہ: (اسلامی مذاہب)

ڈاکٹر شیخ محمد ابوزہرہ صاحب:

اردو ترجمہ۔ ص/۵۷

جناب ڈاکٹر شیخ محمد ابوزہرہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آگے بعنوان (شیعہ مذہب اور یہودیت) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''غالباً شیعہ مذہب کے یہودیت سے ماخوذ ہونے کا مستشرقین نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور محدث ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سے اخذ کیا ہے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ شیعہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ:

شیعہ اس امت کے یہود ہیں۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الفصل میں لکھتے ہیں:

شیعہ بھی یہود کی راہ پر چلے جن کا خیال ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی اور فنحاس بن عازو ابن ہارون علیہما السلام اب تک بقید حیات ہیں۔ اسی طرح بعض صوفیاء حضرات خضر اور الیاس علیہما السلام کو تاحال زندہ تصور کرتے ہیں۔

حق بات یہ ہے کہ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ شیعہ اسلامی حکومت وخلافت کے موروثی ہونے کے بارے میں فارسی افکار سے متاثر ہوئے تھے۔ جیسا کہ شیعہ مذہب اور فارسی نظم مملکت کی باہمی مماثلت سے واضح ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اکثر اہل فارس اب تک شیعہ

چلے آتے ہیں۔اولیں شیعہ بھی فارس کے رہنے والے تھے۔

''یہودیت'' شیعہ مذہب سے اس لیے قریبی مماثلت رکھتی ہے کہ شیعی فلسفہ مختلف مذاہب سے ماخوذ ہے۔تشیع پر فارسی تخیلات کی چھاپ صاف نمایاں ہے اگرچہ وہ اسے اسلامی افکار کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

آج کل اعتدال پسند شیعہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ عبداللہ ابن سبا شیعہ تھا۔وہ اسے شیعہ تو کجا مسلمان بھی نہیں مانتے۔ہم اس بات میں شیعہ کے ہمنوا ہیں اور ان کے اس دعویٰ کی تائید کرتے ہیں۔''

(اسلامی مذاہب) از جناب ڈاکٹر شیخ محمد ابوزہرہ صاحب

اردو ترجمہ/ص/۵۸

بہرکیف ''اہلسنت والجماعت'' کے ایرانی حضرات آئمہ وحضرات صوفیاء رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بڑی جماعت کو ایرانی شیعہ علماء اور صوفیاء کی صف میں شامل کر کے تمام پر ایک ہی حکم لگانا نہایت علمی بد دیانتی پر مبنی ہے اور تاریخی، دینی و مذہبی حقائق سے چشم پوشی برتنا محض تجاہل عارفانہ نہیں تو اور کیا ہے۔فیا للعجب

(نعمانی)

ہم انہیں سطور پر باب ۱۴ کو ختم کرتے ہیں اس سلسلے کے بقیہ مباحث کو آئندہ باب ۱۵ میں ملاحظہ کیجیے۔

(نعمانی)

باب ۱۵

بغداد کا مدرسۂ اسلامی تصوف اور
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

گزشتہ باب ۱۴ میں ہم نے کوفہ، بصرہ اور خراسان کے مدارس تصوف کی جانب اشارہ کیا تھا یعنی ۶۷ھ سے لے کر ۱۹۴ھ تک اجمالی جائزہ لیا تھا لیکن تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) اور ''بغداد کا مدرسۂ اسلامی تصوف'' یہ ایک اہم عنوان ہے کہ جسے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے وگرنہ ہمارا مبصرانہ موضوع ہنوز تشنہ تکمیل رہتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ''بغداد کا مدرسۂ اسلامی تصوف'' اور ''حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ'' کی شخصیت نے (بغدادی مکتبہ تصوف) کے حوالے سے ''اسلامی تصوف'' کی تاریخ میں ایک اہم رول ادا کیا ہے الٰہیات و دیگر متصوفانہ عنوانات پر اپنی تشریحات اور صوفیانہ افکار و خیالات کا نہایت قیمتی اور عمدہ اثاثہ چھوڑا ہے۔ یہاں پر ہم عنوان مذکورہ بالا کے حوالے سے مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔ (نعمانی)

عروس البلاد بغداد تیسری صدی ہجری میں:

جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب (صدر شعبہ دینیات، الازہر یونیورسٹی، مصر) خامہ فرسائی فرماتے ہیں کہ:

> ''تیسری صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) میں شہر بغداد جسے وجود میں آئے اس وقت تک ایک صدی سے تھوڑا ہی زمانہ اوپر گزرا تھا ارتقاء کے کئی مراحل اجتماعی، اقتصادی، سیاسی اور روحانی طے کر چکا تھا۔ اس ام البلاد کے بازنطینی، ایرانی اور ہندوستانی تہذیبوں کے ساتھ بہت سے تعلقات، کسی سے کم کسی سے زیادہ قائم ہو چکے تھے اور اس نئی صدی میں ان گوناں گوں تعلقات کا اثر تہذیب و ثقافت کے ہر شعبے میں نمودار ہوتا تھا۔ یہ چیز خصوصیت کے ساتھ علمی اور تعلیمی دنیا میں نمایاں نظر آتی تھی یعنی الٰہیات، فقہ، لسانیات، ادب اور فلسفے کے میدانوں میں۔

اس صدی کے اثناء میں بعض انتہا پسند رجحانات سیاسی تحریکوں کی صورت میں نمودار ہوئے۔ عمرانیات کے دائرے میں ایک ایسی مہذب اور اقبال مند سوسائٹی کو پس منظر میں رکھ کر، جس کی دولت وثروت دور دراز کی تجارت سے حاصل ہوتی تھی۔

ہم ان چھوٹے طبقوں یعنی زنجیروں اور غلامان بصرہ کی سماجی بے چینی کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں جنہوں نے ۲۶۴ھ میں بغاوت کا علم بلند کیا تھا نیز قرامطہ کی مذہبی اور طبقاتی مساواتی، بغاوت کا حوالہ بھی دے سکتے ہیں جو ۲۷۸ھ میں واقع ہوئی۔"

(جنید بغداد) از جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ: بعنوان تمہید رص ر ۱۸/۱۷

بغداد کا مدرسۂ اسلامی تصوف:

جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"مذہب کے دائرے میں ایک جدید تحریک سامنے آئی اور وہ تھی "بغداد کا مدرسہ تصوف" یہ عراقی مدرسہ اپنی ابتداء ہی سے کچھ ایسی خصوصیات کا حامل تھا جو اسے تمام دوسرے صوفیانہ مدارس سے ممیز کرتی تھیں۔

اس مدرسے کے لوگ "شث" (یعنی لبریزی)، عبادۃ (خدا تعالیٰ کی حمد وثنا) اور لسان (فصاحت و بلاغت) کے کلمات کا استعمال ایک بالکل انوکھے اور غیر مانوس طریقے پر کرتے تھے۔

اس زمانے کا معاصر لٹریچر اس حقیقت کا شاہد ہے کہ بغدادی مدرسہ تصوف کے افکار دوسرے صوفی مدارس سے بہت مختلف تھے اور اس میں خاص طور پر خراسانی مدرسے کے ساتھ ان کے اختلاف کی واضح نشاندہی ملتی ہے جس کے ساتھ بغداد کا ایک مسلسل ربط اور تبادلہ فکر وخیال چلا آتا تھا۔

"بغداد" کا یہ صوفی مدرسہ ان وقتوں میں نہایت اہم قرار دیا جاتا تھا اور نہ صرف معاصر اسلامی افکار پر اس کے اثرات بہت گہرے تھے بلکہ تمام صوفیہ پر آج کے زمانے تک۔

اس کے اثرات واضح طور پر مرتب ہوتے رہے۔ اس مدرسے نے خدا اور انسان کے بارے میں از سر نو بحث و استفسار کا دروازہ کھولا۔ ذاتی تجربے کی بہت اہمیت جتائی اور یوں ہر اس روایتی تصور کی چولیں ہلا ڈالیں جو اس وقت تک مسلمہ سمجھا جاتا تھا لیکن روایتی تصورات کو متزلزل کرنے کے ساتھ اس نے اسلامی روایات کو ایک نئی زندگی اور نیا آہنگ بھی عطا کیا اور انہیں عام سطح سے اٹھا کر نئی اخلاقی اور تخیلی بلندیوں پر جا پہنچایا۔

یہ بغدادی مدرسۂ تصوف، جس نے اخلاقی معیارات اور مسلمانوں کی دینی روح کے باطنی اور بیرونی جذبات کو بلند ترین رفعتوں پر فائز کیا تھا اس کے بارے میں پوری تحقیق آج تک نہیں ہو پائی۔

قریبی زمانے میں کچھ نئے مواد کے دریافت ہونے پر اس اسکول کے بعض پہلوؤں پر نئے تحقیقاتی کام کا راستہ کھل گیا تھا چنانچہ ''مسینوں''، ''نکلسن''، ''ہارٹمین''، ''آربری'' اور ''مارگریٹ اسمتھ'' جیسے اہل علم نے اس سلسلے میں قابل قدر کارنامہ سرانجام دیا۔

اس مدرسہ تصوف کی ایک اسی زمانے کی اصل دستاویز ابو القاسم الجنید رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تصنیف اب حال ہی میں سامنے آئی ہے جس کا تاحال مطالعہ نہیں کیا گیا۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ ہمیں آگے معلوم ہوگا تیسری صدی کے نصف آخر میں بغدادی مدرسے کے استاذ و مرشد اور معلم، ملہم قرار پائے۔ آج ہم ان کی شخصیت کا جس قدر زیادہ مطالعہ کرتے ہیں بغداد کے صوفی سکول پر خصوصاً اور تصوف کی اہم ابتدائی نشوونما پر عموماً اسی قدر زیادہ روشنی پڑتی ہے۔''

(جنید بغداد رحمۃ اللہ علیہ) از جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب

اردو ترجمہ: بعنوان (تمہید) ص ۱۸،۱۹

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ:

جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب (صدر شعبہ دینیات، الازہر یونیورسٹی، مصر) بعنوان (ابتدائی زندگی اور تعلیم) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

خاندان:

''ابوالقاسم الجنید ابن محمد ابن الجنید رحمۃ اللہ علیہ الخزاز القواریری، اگرچہ بغداد ہی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی لیکن ان کے آباء واجداد ایران میں صوبہ جبال کے شہر ''نہاوند'' کے رہنے والے تھے اور یہ امر بغداد میں ان کے معاصرین کو بھی معلوم تھا۔''

(جنید بغداد) از جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب

اردو ترجمہ: بعنوان (ابتدائی زندگی اور تعلیم)

باب ا ص/۳۵

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ (۸۱۷ھ (۱۴۱۴ء) تا ۸۸۳ھ (۱۴۷۸ء))
فرماتے ہیں کہ:

کنیت ولقب:

''آپ بھی دوسرے طبقہ کے ہیں۔ کنیت ابوالقاسم ہے اور آپ کا لقب ''قواریری'' ہے اور ''زجاج'' و ''خراز'' ہے۔ ''زجاج'' اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے والد شیشہ بیچا کرتے تھے اور تاریخ یافعی میں ہے کہ ''خراز'' خاء معجمہ اور راء مشددہ کے ساتھ اور آپ کو خراز اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ ''موزہ دوز'' کا کام کرتے تھے۔ آپ دراصل ''نہاوند'' کے رہنے والے تھے اور پیدائش بغداد کی تھی۔''

نفحات الانس

از حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ بعنوان: (سیدالطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۱۱۱/۱۱۲

تاریخ پیدائش:

جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب بعنوان (تاریخ پیدائش) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''حضرت جنید کی تاریخ پیدائش تو کہیں درج نہیں ہے لیکن ان کا سال وفات سن ۲۹۶ھ یا ۲۹۷ھ یا ۲۹۸ھ (۹۰۸، ۹۰۹، یا ۹۱۰ عیسوی) بتایا جاتا ہے۔
ان میں سے زیادہ تصدیق آخری سال ہی کی کی جاتی ہے۔''

(ایضاً) ص/۳۷

تعلیم و تربیت:

ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:

''سوداگری کے شغل کے ساتھ ساتھ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جوانی کے ایام میں ابوثور رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ اور حدیث کی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۴۰ ہجری میں واقع ہوئی اور بتایا جاتا ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ جب ان کے یہاں تعلیم پاتے تھے تو ان کی عمر اس وقت بیس سال تھی۔

تادیب و تربیت کا یہ کورس چونکہ عموماً تین سال سے پانچ سال کا ہوتا تھا اس لئے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی زیادہ قرین قیاس تاریخ پیدائش ۲۱۵ ہجری ہی پڑتی ہے۔

تعلیم و تربیت کا یہ کورس مکمل کر لینے کے بعد جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی توجہ تصوف کی طرف مبذول کی۔'' (ملخصاً)

(جنید بغداد) جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب بعنوان: (تاریخ پیدائش) ص ر ۳۷

حضرت جنید بغداد رحمۃ اللہ علیہ کوچہ تصوف میں:

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب رکھتے تھے جو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے شاگردوں میں ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ:

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب رکھتے تھے۔ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ اور حارث محاسی و محمد قصاب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے ہیں اور ان کے شاگردوں میں ہیں۔

آپ صوفیوں کے امام و سردار ہیں اور خراز و رویم و نوری و شبلی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہم سب آپ کی طرف نسبت درست کرتے ہیں۔ ابوالعباس عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''اِمَامُنَا فِیْ هٰذِهِ الْعِلْمِ وَ مَرْجَعُنَا الْمُقْتَدٰی بِهٖ الْجُنَیْدُ''

ترجمہ: ''جنید اس علم میں ہمارے امام ہمارے مرجع ہمارے پیشواء ہیں۔''

خلیفہ بغداد نے رویم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا:

''اے بے ادب! اس نے کہا: میں بے ادب ہوں حالانکہ میں آدھا دن جنید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہا ہوں جو شخص آدھا دن بھی ان سے صحبت رکھے گا وہ بے ادبی نہیں کر سکتا۔ پھر اس کا کیا حال ہے جو کہ زیادہ تر ان کی صحبت میں رہا ہو''۔

''شیخ ابوجعفر حداد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر عقل مرد ہوتی تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی شکل پر

ہوتی۔"

(نفحات الانس) از حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ
اردو ترجمہ۔ بعنوان (سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ) ص ۱۱۲/

انتقال:

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ مزید خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:
"کہتے ہیں کہ اس صوفیہ کے گروہ میں تین شخص گزرے ہیں کہ جن کا چوتھا نہیں ہے۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ، بغداد میں، ابوعبداللہ جلا رحمۃ اللہ علیہ، شام میں، ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ، نیشاپور میں، ۲۹۷ھ میں ان کا انتقال ہوا ایسا ہی "کتاب الطبقات" اور رسالہ "قشیریہ" میں ہے اور تاریخ یافعی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ ۲۹۸ھ میں ان کا انتقال ہوا، بعض کے نزدیک ۲۹۹ھ میں فوت ہوئے۔ واللہ اعلم۔"

(ایضا) ص ۱۱۲/

آپ کی تربیت کا بے مثال انداز:

"ایک دن جنید لڑکپن میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:
"مَاتَقُوْلُ فِیْ شُکْرٍ یَا غُلَامُ"
ترجمہ: اے لڑکے! شکر کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟
جنید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں کہا:
"اَلشُّکْرُ اَنْ لَّا تَسْتَعِیْنَ بِنِعْمَۃٍ عَلٰی مَعَاصِیَۃٍ"
ترجمہ: "شکر یہ ہے کہ نعمت کے ساتھ اس کے گناہوں پر مدد نہ طلب کرے۔"
سری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ:
"میں اس سے بہت ڈرتا ہوں کہ تیرا حصہ یہی تیری زبان سے ہو۔"
جنید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:
"میں ہمیشہ اس بات سے ڈرتا تھا یہاں تک کہ ایک دن ان کے پاس آیا اور جو کچھ ان کے لئے ضروری تھا ہمراہ لے گیا۔"
انہوں نے مجھے کہا:
تجھے خوشخبری ہو کیونکہ میں نے حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے درخواست کی تھی کہ اس کو کسی اور توفیق یافتہ کی معرفت مجھ تک پہنچا دے۔"

[نفحات الانس] ص ۱۱۲/

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"جنید رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ: سری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کہا کہ:
وعظ کیا کر اور لوگوں کو سنایا کر لیکن میں اپنے آپ کو متہم جانتا تھا اور اس کا مستحق خیال نہ کرتا تھا یہاں تک کہ ایک جمعرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا کہ:
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔
"کَلِّمْ عَلَی النَّاس"
ترجمہ: لوگوں کو وعظ سنایا کر۔
پھر میں جاگا اور صبح سے پہلے سری رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پر گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ انہوں نے کہا کہ:
"تم نے مجھے سچا نہ سمجھا، جب تک تم کو کہا نہ گیا۔"
پھر صبح کے وقت میں نے مجلس میں وعظ کہنا شروع کیا یہ خبر مشہور ہوگئی کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ وعظ کرتا ہے۔ ایک جوان کافر لیکن کفر کے لباس میں تھا وہ مجلس کے ایک کنارے پر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا۔

(اَیُّهَا الشَّیْخُ مَا مَعْنٰی قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ.)

ترجمہ: اے شیخ! حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے کیا معنی ہیں؟ یعنی مومن کی دانائی سے ڈرو کیونکہ بے شک وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔
جنید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک گھنٹہ سر نیچے کر لیا بعد ازاں سر اٹھا کر اس سے کہا کہ اسلام لا! تمہارے اسلام لانے کا وقت آ پہنچا ہے۔
"امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:
لوگ گمان کرتے ہیں کہ اس میں جنید رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہے اور میں کہتا ہوں کہ ایک چھوڑ دو کرامتیں ہیں۔ ایک تو اس کے کفر پر اطلاع پانا۔
دوم: اس بات سے واقف ہو جانا کہ وہ اسی وقت اسلام لائے گا۔"
"جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ:
تم یہ علم کہاں سے رکھتے ہو؟ کہا کہ اگر کہیں سے ہوتا تو وہاں تک ختم ہو جاتا یعنی اس کی حد کوئی نہیں۔ انہوں نے کہا کہ:
ایک گھڑی بدون علاج کے بیٹھے۔"

(نفحات الانس) اردو ترجمہ: ص ۱۱۲/۱۱۳

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

بے علاج یہ ہے کہ بے ڈھونڈھے پالینا اور بے دیکھے دیدار کر لینا کیونکہ دیدار میں دیکھنے والا بیمار ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ:

اِسْتِغْرَاقُ الْوَجْدِ فِی الْعِلْمِ خَیْرٌ مِّنَ الْاِسْتِغْرَاقِ الْعِلْمِ فِی الْوَجْدِ

وجد کا علم میں غرق ہو جانا علم کے وجد میں غرق ہو جانے سے بہتر ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے:

اَشْرَفُ الْمَجَالِسِ وَ اَعْلَاهَا الْجُلُوْسُ مَعَ الْفِكْرِ فِیْ مَیْدَانَ التَّوْحِیْدِ

ترجمہ: مجلسوں میں سب سے بڑھ کر فکر کے ساتھ توحید کے میدان میں بیٹھنا ہے۔

اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے:

اَصْرِفْ هَمَّكَ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ اِیَّاكَ اَنْ تَنْظُرَ بِالْعَیْنِ الَّتِیْ بِهَا تُشَاهِدُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَتَسْقُطَ عَیْنِ اللّٰهِ.

ترجمہ: اپنی ہمت کو اللہ عزوجل کی طرف پھیر اور بچ اس سے کہ جس آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھے اسی آنکھ سے غیر اللہ کو دیکھے پھر خدا کی آنکھ سے گر جائے۔

اور یہ بھی کہا ہے کہ:

یاروں کے ساتھ موافقت کرنا ان پر مہربانی کرنے سے بہتر ہے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

فرمانبرداری تعظیم کرنے سے بہتر ہے۔

اور یہ بھی کہا ہے کہ:

لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد ہوں۔ میں تو محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ قصاب کا شاگرد ہوں۔"

تصوف کیا ہے؟

میں نے ان سے پوچھا کہ "تصوف کیا ہے؟

انہوں نے کہا کہ میں نہیں جانتا۔

الٰكِنْ خُلُقٌ كَرِیْمٌ یُظْهِرُ الْكَرِیْمُ فِیْ زَمَانٍ كَرِیْمٍ مِّنْ رَّجُلٍ كَرِیْمٍ بَیْنَ قَوْمٍ كَرِیْمٍ.

ترجمہ: لیکن (اس کے لوازم یہ ہیں) وہ خلق کریم ہے جس کو کریم مرد بزرگ زمانہ میں کریم شخص سے بزرگ قوم میں ظاہر کرتا ہے۔

شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ:

یہ بات عمدہ اور خوب ہے کہ پہلے یوں کہا کہ:

'میں نہیں جانتا' پھر کہا کہ: وہ ایک بزرگ خلق ہے، جس کو بزرگ مرد، بزرگ زمانہ بزرگ لوگوں کی قوم میں ظاہر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ خلق کیا ہے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

اِذَا صَافِیْ عَبْدًا اِرْتَضَاهُ بِخَالِصَةٍ وَّعَدَّهٗ مِنْ خَاصَّةٍ اَلْقِیْ اِلَیْهِ کَلِمَةً کَرِیْمَةً مِّنْ لِّسَانٍ کَرِیْمٍ فِیْ وَقْتٍ کَرِیْمٍ عَلٰی مَکَانٍ بَیْنَ قَوْمٍ کِرَامِ الْکَلِمَةِ الْکَرِیْمَةَ۔

ترجمہ: یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اپنی خاص محبت کے لئے پسند کرتا ہے اور اس کو خاص بندوں سے شمار کرتا ہے تو اس کو بزرگ کلمہ القاء کرتا ہے۔ کریم کی زبان سے کریم وقت میں کریم مکان میں بزرگ قوم میں جو کہ بے ہودہ باتوں سے آسودہ ہیں۔

تازہ بات بے خودی کے ہاتھ سے خدا کی طرف بھیجی ہے اور آسودہ کان کو اکھاڑ کر پیاسے دل پر کاٹنے والی اور جان پر جو کہ ازل کو دیکھنے والی ہے پہنچادی ہے وہ دوستی کی بات ہے اور دوست کا نشان دیتی ہے۔ پیاس کے لئے شراب ہے، بیمار کے لئے علاج ہے اس کا سننا آسان ہے اور اس سے چھوٹ نہیں سکتے۔

دَخُلُوْكَ مِنْ بَابِ الْهَوٰی اِنْ اَرَدْتَهٗ یَسِیْرٌ وَّ لٰکِنِ الْخُرُوْجَ عَسِیْرٌ

ترجمہ: یعنی اگر چاہے تو عشق کے دروازہ سے داخل ہونا آسان ہے لیکن اس سے نکلنا مشکل ہے۔

''مِنْ لِّسَانٍ کَرِیْمٍ'' ایسی زبان سے جو کہ خدا کی ترجمان ہے اور ایسے خطہ سے ہے جو صحبت کے عنوان والا ہے۔ یہ تو کہنے والے نے جانا اور نہ سخن کی زبان نے سب لوگ کان سے سنتے ہیں اور وہ جان سے ''فِیْ وَقْتٍ کَرِیْمٍ'' کسی زمانہ میں ایسے زمانہ میں کہ خدا کے سوا اور کچھ اس میں یاد نہیں اور گذشتہ عمر اس کی بہتری سے شرمسار ہے اور لوگوں کی عمر اس کی آرزو سے روتی ہے''۔

''عَلٰی مَکَانٍ کَرِیْمٍ'' ایسی جگہ پر کہ جہاں نہ دل پراگندہ ہے اور نہ زمان طلبگار ہے اور نہ سننے والا دیکھ رہا ہے''۔

بَیْنَ قَوْمٍ کِرَامٍ نزدیک محقق کہنے والے سننے والے، چلنے والے اور دیکھنے والے، پوچھنے والے کے۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

ایک دفعہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ، ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ فلیح رحمۃ اللہ علیہ مجنون کے پاس گئے۔ اس کو کہا کہ: کیا مجھے بتلاتا نہیں کہ یہ تیرا جنون کیوں ہے؟

جواب دیا کہ:

"حُبِسْتُ فِی الدُّنْیَا مُجِنْتُ بِفِرَاقِہٖ"

ترجمہ: یعنی میں دنیا میں مقید ہوا پس خدا کی جدائی میں دیوانہ ہو گیا ہوں۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ:

بلا کیا چیز ہے؟

فرمایا: "اَلْبَلَاءُ هُوَ الْغَفْلَةُ عَنِ الْمُبْلِی"

ترجمہ: یعنی بلا یہ ہے کہ بلا بھیجنے والے سے غافل ہو جائے۔

اور شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ:

آرام کیا چیز ہے؟

کہا: "اَلْعَافِیَةُ قَرَارُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰہِ لَحْظَةً"

ترجمہ: یعنی آرام یہ ہے کہ:

اللہ کے ساتھ ایک لحظہ دل قرار پائے۔"

(نفحات الانس) از مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ/ص/۱۱۳/۱۱۴

حجاب کیا ہے؟

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"ایک شخص نے جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ:

خراسان کے پیروں کو میں نے اس امر پر پایا ہے کہ:

"حجاب" تین ہیں:

۱۔ ایک تو خلقت کا۔

۲۔ دوم دنیا کا۔

۳۔ سوم نفس کا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں کہا کہ:

یہ دل کا حجاب عام ہے اور خاص دوسری چیز سے ہی پردہ میں ہے۔

"رُؤْیَةُ الْاَعْمَالِ وَ مُطَالَعَةُ الثَّوَابِ عَلَیْهَا وَ رُؤْیَةُ النِّعَمِ"

ترجمہ: یعنی اپنے اعمال کو دیکھتا ہے۔ اس کا دل خدا سے پردہ میں ہے اور جو شخص نعمت دینے والے سے نعمت کو دیکھتا ہے وہ بھی پردہ میں ہے۔

واسطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"مُطَالَبَةُ الْاَغْوَاضِ عَلَى الطَّاعَاتِ مِنْ نِسْيَانِ الْفَضْلِ"

ترجمہ: یعنی عبادت کے بدلہ کو مدنظر رکھنا اور ثواب فضل کا طلب کرنا خدا تعالیٰ کے احسان کو بھلا دینا ہے۔

اور واسطی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں:

"اِيَّاكُمْ وَالَذَّاتِ الطَّاعَاتِ فَاِنَّهَا سُمُوْمٌ قَاتِلَةٌ"

ترجمہ: یعنی طاعات کی لذتوں سے بچو کیونکہ قاتل زہر ہیں۔

فارسی عیسیٰ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

"حَلَاوَةُ الطَّاعَاتِ وَالشِّرْكِ سَوَاءٌ"

ترجمہ: عبادت کی شیرنی اور شرک دونوں برابر ہیں۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

جب تک تو اپنے آپ کو نہ پسند کرے گا تجھے اچھا معلوم نہ ہوگا اور لذت نہیں پائے گا اور اپنے آپ کو پسند کرنا شرک ہے۔ علم اور سنت کی شرط کے موافق جس طرح حکم ہے بندگی کر اور پھر اس کو پسند نہ کر، اسی کے سپرد کر اور اپنے پسند کے دیو کے منہ پر مار۔

اِذَا مَحَا سِنِيَ اللَّاتِيْ أُسَرُّ بِهَا
هِيَ الذُّنُوْبُ فَقُلْ لِيْ كَيْفَ اعْتَذِرُ

ترجمہ: جب میری وہ نیکیاں جن سے میں خوش ہوتا ہوں گناہ ہیں تو پھر مجھ سے کہو کہ میں کیسے گناہ کا عذر کروں۔

سُئِلَ الْجُنَيْدُ يَكُوْنُ عِطَاءٌ مِنْ غَيْرِ عَمَلٍ؟

یعنی حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ: کیا بخشش بغیر عمل کے ہوتی ہے؟

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

"فَقَالَ كُلُّ الْعَمَلِ مِنْ عَطَائِهٖ"

جو عمل ہیں وہ بخشش ہی سے ہوتے ہیں۔"

(نفحات الانس)

از حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ۔

اردو ترجمہ: ص ۱۱۴/۱۱۵

آپکے بارے میں حضرت مخدوم علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا نقد و تبصرہ:

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت مخدوم سید علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ بدیں الفاظ نقد و تبصرہ فرماتے ہیں کہ:

"تبع تابعین رحمہم اللہ علیہ میں سے ایک طریقت میں شیخ المشائخ اور شریعت میں اماموں کے امام، حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید البغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اہل ظاہر اور ارباب قلوب میں یکساں طور پر مقبول تھے اور فنون علم کے کامل، فروغ و اصول اور معاملات دین میں مفتی اور امام تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہوئے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بہت بلند ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے احوال کامل ہیں یہاں تک کہ سب اہل طریقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی امامت پر متفق ہیں۔

اور کسی مدعی اور متصرف کو آپ رحمۃ اللہ علیہ پر کوئی اعتراض نہیں اور حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ:

کسی مرید کا درجہ اپنے پیر سے بلند ہو سکتا ہے؟

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں

اس کی دلیل بالکل واضح ہے جنید رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ میرے درجہ سے اونچا ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا قول تواضع کی وجہ سے تھا اور جو کچھ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا وہ بصیرت سے فرمایا ہے ورنہ کوئی شخص اپنے سے اوپر نہیں دیکھ سکتا دیکھنا نیچے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور آپ کا یہ قول اس امر کی دلیل واضح ہے کہ آپ نے جنید رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے سے اوپر درجے میں دیکھا جب دیکھا اگرچہ اپنے اوپر دیکھا لیکن وہ درجہ دراصل نیچے کا ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں مریدوں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ:

اے شیخ! ہمیں کوئی ایسی نصیحت فرمایئے جس سے ہمارے دلوں کو راحت ہو۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قبول نہ کیا اور فرمایا کہ:
جب تک میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ (حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ)
موجود ہیں میں کوئی نصیحت نہیں کر سکتا۔
یہاں تک کہ ایک رات آپ رحمۃ اللہ علیہ سو رہے تھے کہ
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا،
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جنید!
لوگوں کو نصیحت کی بات کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ
کے کلام کو ایک عالم کی نجات کا سبب بنا دیا ہے۔"

(کشف المحجوب)
از حضرت مخدوم سید علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ
اُردو ترجمہ/اکتیسویں فصل
بعنوان (حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ)
ص ۲۰۳/۲۰۴

گذشتہ صفحات میں ہم مذکورہ بالا واقعہ کو مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف (نفحات الانس) کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔ قارئین کرام وہاں ملاحظہ فرمائیں یہاں پر ہم نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام وروحانی ودینی وعلمی منزلت کو حضرت مخدوم سید علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ہدیہ ناظرین کیا ہے اور بخوف طوالت تمام واقعہ نقل کرنے سے گریز کیا ہے۔

حضرت جنید بغداد رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ ومشائخِ تصوف:

حضرت جنید بغداد رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ ومشائخِ تصوف میں سے درج ذیل کے اسماء گرامی مشہور ومعروف ہیں۔

۱۔ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ:

جنید رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ آپ کے شاگردوں میں "النوری" ابن مسروق، العوی رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن فضل السقطی رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم الحرمی رحمۃ اللہ علیہ اور العباس الشکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بھی تھے۔
حضرت سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھانوے ۹۸ برس کی عمر پائی۔

۲۔ معروف الکرخی رحمۃ اللہ علیہ:

آپ رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم المرتبہ صوفی ابو محفوظ معروف ابن فیروز الکرخی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰۰ھ یا ۲۰۱ھ) کے شاگرد تھے۔

۳۔ ابوعبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ
(متوفی ۲۷۵ھ)

۴۔ ابوجعفر محمد ابن علی القصاب رحمۃ اللہ علیہ۔

۵۔ ابوجعفر الکرنی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ
یہ ابوعبداللہ بہرائی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے۔

۶۔ القنطری، شیخ ابوبکر محمد ابن مسلم بدالرحمٰن القنطری رحمۃ اللہ علیہ
آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مع روف کرخی رحمۃ اللہ علیہ، اور دشر بن الحارث الحافی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم وتربیت پائی تھی۔
(متوفی ۲۶۰ھ)

۷۔ حضرت ابد عفص رحمۃ اللہ علیہ عمر بن سلمی الحدادالنیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ
آپ رحمۃ اللہ علیہ شیخ خراسان تھے۔
(متوفی ۲۶۰ھ)

۸۔ حضرت یحیٰ ابن معاذ رحمۃ اللہ علیہ اور بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ، ابوجعفر حضرت یحیٰ ابن معاذ ابن جعفر الرازی رحمۃ اللہ علیہ
(متوفی ۲۵۸ھ)

۹۔ حضرت ابویعقوب یوسف ابن الحسین ابن علی الرازی رحمۃ اللہ علیہ
(متوفی ۳۰۴ھ)

بعض سوانح نگار حضرت بنید رحمۃ اللہ علیہ کو "نو ں" کا لقب بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ بعضوں ۔ کے نزدیک یہ نسبت ان کے ا ادابوثور رحمۃ اللہ علیہ کی جا ب ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کا تعلق (؛ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ) کے فق ، اسکول سے ہے جوا ہ وقت میں کافی مشہور تھا۔

حضرت جنید بغداد رحمۃ اللہ علیہ کے حضرات مشائخ کرام کا

روحانی شجرہ تصوف

ہم یہاں پر روحانی مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ''روحانی شجرہ تصوف'' ہدیہ قارئین کرتے ہیں کہ جو مشہور انگریز مستشرق جناب ''رینالڈ ایلن نکلسن'' صاحب نے اپنی مشہور و معروف کتاب (سٹڈیز ان اسلامک مسٹک ازم) میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

|

حضرت علی رضی اللہ عنہ (۶۱ھ)

|

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۸ھ)

|

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ (۷۳۷ھ)

|

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ (۷۸۱ھ)

|

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ (۸۱۵ھ)

|

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ (۸۶۷ھ)

|

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (۹۰۹ھ)

|

حضرت مرتعش بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (۹۳۹ھ)

|

حضرت ابونصر السراج الطوسی رحمۃ اللہ علیہ (۹۸۸ھ)

|

حضرت ابوالفضل حسن سرخسی رحمۃ اللہ علیہ

|

حضرت ابوسعید ابن ابی الخیر رحمۃ اللہ علیہ

Studies in Islamic Mysticism.

By Reynold Alleyne Nicholson.

Litt.D,LL.D.

Pag No:10

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردان رشید:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی فہرست میں بڑے بڑے صاحب عظمت و جلالت اصحاب علم وفضل ومعرفت وسلوک کے نام ملتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ الجریری: حضرت ابو محمد احمد بن محمد ابن الحسین الجریری رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۳۱۱ ھجری)

۲۔ شبلی: حضرت ابوبکر دلف ابن جحد الشبلی رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۳۳۴ ھجری)

۳۔ حلاج: حضرت ابومغیث الحسین ابن منصور الحلاج رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۳۰۹ ھجری)

۴۔ حضرت جعفر الخلدی: ابومحمد جعفر ابن نصیر ابن القاسم الخواص البغدادی الخلدی رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۳۵۲ ھجری)

۵۔ حضرت ابوسعید الاعرابی احمد ابن محمد ابن زیاد ابن بشر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۳۴۱ ھجری)

۶۔ حضرت ابوعلی احمد محمد الروذباری البغدادی رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۲۲ ھجری)

۷۔ حضرت ابوبکر محمد ابن الکتانی البغدادی رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۳۲۲ ھجری)

۸۔ حضرت ابوالحسن علی بن محمد المزین رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۳۲۸ ھجری)

۹۔ حضرت ابومحمد عبداللہ بن محمد المرتعش رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۳۲۸ ھجری)

۱۰۔ حضرت ابویعقوب اسحٰق ابن محمد النہرجوری رحمۃ اللہ علیہ: (المتوفی ۳۳۰ ھجری)

جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب ان مذکورہ بالا شخصیات کے بارے میں خامہ فرسائی کرتے ہوئے بدیں الفاظ فرماتے ہیں کہ:

> ”یہ سب آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ ہم نے صرف ان چند حضرات کے نام گنوائے ہیں ورنہ ان کے علاوہ بغداد میں بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے اور تلامذہ تھے اور ایک خاصی تعداد ان کی بھی تھی جو بیرون بغداد سے آکر آپکے حلقہ وعظ وارشاد میں شامل ہوئے تھے۔“

(جنید بغداد رحمۃ اللہ علیہ) از جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب

اردو ترجمہ: ص/۱۰۹ تا ۱۱۵ بعنوان (حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ)

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف:

جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب خامہ فرسائی فرماتے ہیں کہ:
''حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی جو تحریریں موجود ہیں ان میں اول ''رسائل جنید رحمۃ اللہ علیہ'' ہیں جو صحت علی مخطوطہ نمبر (۱۳۷۴) ہے۔
اس کتاب میں ان کی مندرجہ ذیل تحریریں شامل ہیں۔

۱۔ رسالة الیٰ بعض اخوانه: (مکتوب...... ایک بھائی کے نام)

۲۔ رسالة اِلیٰ یحیٰ ابن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ: (مکتوب...... یحیٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ)
یہ وہ مکتوب نہیں ہے جو سراج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اللمع میں نقل کیا ہے۔

۳۔ رسالة اِلیٰ بعض اِخوانہٖ: (مکتوب...... ایک بھائی کے نام)

۴۔ رسالة اِلیٰ ابی بکر الکسائی الدینوری رحمۃ اللہ علیہ: (مکتوب...... ابوبکر الکسائی الدینوری رحمۃ اللہ علیہ)
جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے اس میں اس خط کا صرف آخری حصہ ہے۔
سراج رحمۃ اللہ علیہ نے البتہ ''کتاب اللمع'' میں صفحات ۲۳۹...... ۲۴۱ پر اسے مکمل نقل کیا ہے۔

۵۔ ایک اور مکتوب بغیر عنوان کے: (یہ خط بروکلمین نے نہیں دیا)

۶۔ رسالة اِلیٰ عمر بن عثمان المکی رحمۃ اللہ علیہ: (مکتوب...... عمر بن عثمان المکی کے نام)
یہ مکتوب مکمل نہیں ہے۔

۷۔ رسالة اِلیٰ یوسف بن الحسین الرازی رحمۃ اللہ علیہ: (یوسف بن حسین الرازی رحمۃ اللہ علیہ کے نام)
یہ مکتوب بھی مکمل نہیں ہے۔ اس کے صفحہ ۴۵ الف پر ''سکر اور'' ''افاقہ'' پر کچھ باب ملتے ہیں جو مسودے میں مختلف ہیں اور جیسا کہ ہمیں آگے چل کر معلوم ہوگا جنید رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے نہیں ہیں۔

۸۔ دواء الارواح: (روحوں کا علاج)
یہ رسالہ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ کی ''حلیة الاولیاء'' میں بھی نقل ہوا ہے۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حارث المحاسبی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف بتایا ہے لیکن یہ ممکن نہیں ہے اس لیے کہ اس کا اسلوب جنید رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ ''محاسبی رحمۃ اللہ علیہ'' کا بالکل نہیں ہو سکتا ہے کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے

الفاظ میں وہ معانی بیان کر دیئے ہوں جو ''محاسبی رحمۃ اللہ علیہ'' نے اپنی کسی بحث کے دوران میں کہے ہوں۔

۹۔ کتاب الفناء: (فنا کے بارے میں)

۱۰۔ کتاب المیثاق: (عہد و پیمان کے بارے میں)

۱۱۔ کتاب الالوهیة: (مقام خداوندی کے بارے میں)

۱۲۔ کتاب فی الفرق بین الاخلاص و الصدق: (اخلاص اور صدق کے فرق کے بارے میں)

۱۳۔ باب آخر فی التوحید: (توحید پر ایک مفید باب)

۱۴۔ مسالة الاخرٰی: ایک دوسرا مسئلہ: (توحید ہی کے بارے میں)

۱۵۔ مسالة الاخرٰی: ایک دوسرا مسئلہ...... یہ رسالہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

۱۶۔ مسالة اخرٰی: ایک اور مسئلہ...... (توحید ہی کے بارے میں)

۱۷۔ مسالة اخرٰی: ایک اور مسئلہ...... (توحید ہی کے بارے میں)

۱۸۔ مسالة اخرٰی: ایک اور مسئلہ...... (توحید ہی کے بارے میں)

۱۹۔ مسالة اخرٰی: ایک اور مسئلہ...... (توحید ہی کے بارے میں)

۲۰۔ آخر مسئلہ: ...... (آخری مسئلہ توحید کے باب میں)

۲۱۔ ادب المفتقر الی اللہ: (خدا تعالٰی کے ایک حاجتمند کے آداب کے بارے میں)

۲۲۔ کتاب دواء التفریط: (قصور و کوتاہی کا علاج)

اس رسالے کا اکثر حصہ (حلیة الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ) میں بھی منقول ہے۔

۲۳۔ رسالة الی بعض اخوانه: (مکتوب ایک بھائی کے نام)

۲۴۔ ''جنید رحمۃ اللہ علیہ'' کا مکتوب بنام ابو العباس الدینوری رحمۃ اللہ علیہ

۲۵۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ'' کا مکتوب بنام ابو اسحٰق المارستانی رحمۃ اللہ علیہ

۲۶۔ رسالة الی بعض اخوانه: (مکتوب...... ایک بھائی کے نام)

۲۷۔ رسالة الی بعض اخوانه: (مکتوب...... ایک بھائی کے نام)

''سراج رحمۃ اللہ علیہ'' نے کتاب اللمع میں اچھی خاصی تعداد ان قطعات کی بھی نقل کی ہے جن میں جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکاتیب کی تمہید بیان کی ہے اور اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تحریروں کے حوالے دیئے ہیں۔

۲۸۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوب بنام یحیٰی ابن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک حصہ

۲۹۔ ''شرح شطحیات'' بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

مندرجہ بالا تصانیف بلاشبہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کی ہیں۔ وہ اسی اسلوب میں لکھی گئی ہیں جس کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور ان میں معانی وصورت اظہار کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔

چنانچہ ہم انہیں بطور تصانیف جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ہی قبول کرتے ہیں۔

''بروکلمین'' نے جنید رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور تصنیف کا ذکر کیا ہے لیکن ہم اس کا جائزہ نہیں لے سکے۔

۳۰۔ قصیدہ صوفیہ رحمۃ اللہ علیہ''

(جنید بغداد رحمۃ اللہ علیہ) از جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب

اردو ترجمہ: بعنوان (تصانیف)

ص/۱۴۱/۱۴۲/۱۴۳/۱۴۴

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ناپید تصانیف:

جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''مندرجہ بالا رسائل کے علاوہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کی مزید تصانیف بھی ہیں جن کے نام اور حوالے متعدد مصنفین کے یہاں ملتے ہیں لیکن جو معلوم ہوتا ہے ضائع ہو گئی ہیں۔

۱۔ امثال القرآن: (قرآن میں تشبیہات اور مثالیں) 'فہرست' (ابن الندیم) ص/۲۶۴

۲۔ تصحیح الارادہ: (ارادہ ونیت کی اصلاح) کشف المحجوب'' (ہجویری) ص/۳۳۸

۳۔ کتاب المناجاۃ: (دعا کی کتاب) کتاب اللمع للسراج رحمۃ اللہ علیہ۔ ص/۲۵۹

۴۔ منتخب الاسرار فی صفات الصدیقین والابرار: (صدیقین وابرار کی صفات کے بارے میں) ''مواقی'' (ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۱۶ تا ۳۰

''بروکلمین'' نے دو مزید کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے لیکن یہ کتابیں جنید رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف نہیں ہو سکتیں۔

۵۔ حکایات: ''عالم'' (سخاوی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۱۶/۴۱...... یہ کتاب ''الخلدی رحمۃ اللہ علیہ'' کی تصنیف معلوم ہوتی ہے۔

۶۔ المتفرقات الماثور عن الجنید والشبلی وابی یزید البسطامی رحمۃ اللہ علیہ

(جنید رحمۃ اللہ علیہ، شبلی رحمۃ اللہ علیہ، اور بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متفرق اقوال) ''المنقذ من الضلال'' (غزالی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۱۲۳

یہ بھی درحقیقت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ محض صوفی مشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے متفرق

اقوال کا ایک مجموعہ ہے۔"

(جنید بغداد رحمۃ اللہ علیہ) از جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب

اردو ترجمہ: بعنوان (ضائع شدہ تصانیف)

ص ۱۴۴/۱۴۵

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے غلط طور پر منسوب کی جانے والی تصانیف:

''حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے غلط طور پر منسوب کی جانے والی تصانیف، ہم درج ذیل طریقہ سے ذکر کر سکتے ہیں۔

۱۔ ابوالقاسم الجنید رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب یوسف بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ کے نام...... ''بروکلمین'' نے اس مکتوب کو جنید رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف بتایا ہے۔ یہ مکتوب ہمارے استنبول کے نسخے (صحت علی مخطوطہ۔ ۱۳۷۴) میں بطور یوسف بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ کے جواب میں نقل کیا گیا ہے جو اس نے بعد میں دیئے ہوئے مکتوب جنید رحمۃ اللہ علیہ کے جواب میں دیا تھا۔ یہ مکتوب اوپر نمبر ۷ پر ذکر ہوا ہے، لفظ ''جواب'' اس نسخے میں واضح طور پر نہیں پڑھا جاتا، تاہم ''حلیۃ الاولیاء'' ج ۱۰/صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱ میں نیز قشیری کے ''رسالہ'' صفحہ ۲۲ میں یوسف بن الحسین کے اس جواب میں سے کچھ حصے نقل کیے گئے ہیں۔

اس خط کا اسلوب بہت نفیس اور سلجھا ہوا ہے اور جنید رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب سے کافی مختلف ہے پھر یہ کہ اس خط کے لکھنے والے نے اپنے بعض اساتذہ کے نام گنوائے ہیں اور یہ شیوخ، ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ اور ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ، جنید رحمۃ اللہ علیہ کے نہیں بلکہ یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہی کے اساتذہ ہیں۔

۲۔ رسالۃ فی السکر و رسالۃ فی الافاقۃ: (ایک مکتوب مدہوشی کے بارے میں، اور ایک مکتوب ہوش کے بارے میں)

''مسینوں'' اور ''بروکلمین'' کی رائے میں یہ دو مکتوب بھی حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہیں، لیکن پروفیسر آربری کہتا ہے کہ:

درحقیقت کسی متاخر اہل قلم کی تصنیف ہیں۔ اس لئے کہ اس کے صفحہ ۴۹۶ پر دوسرے صوفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خود حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ ملتا ہے۔

۳۔ کتاب القصد الی اللہ: (ذات خداوندی کی جانب بڑھنے کے بارے میں) مخطوطہ لکھنو و آصف ا،ص/۳۹۰ اس کتاب کو جنید رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرار دیا ہے (ج ۲/ص/۱۶۰۸) نکلسن نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے لیکن وہ

اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ:

یہ کتاب جنید رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ اس میں ایک قطعہ کی تاریخ ۳۹۵ھ پڑی ہوئی ہے۔ (دیکھیے، Islamica II 401-15)

۴۔ معالی اللھمم: (ہمتوں کی بلندیاں)

یہ کتاب بھی حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں جنید رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ نکلسن نے Islamica میں اس کی کوئی تصدیق نہیں کی۔ آربری رسالہ [Islamic Culure.1937] کے صفحہ ۹۵ پر کہتا ہے کہ:

جنید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس کتاب کی نسبت یقیناً غلط ہے اس لیے کہ اس میں نہ صرف ان لوگوں کا تذکرہ ہے جن کا زمانہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے بہت بعد کا ہے بلکہ اس میں ایک جگہ خود جنید رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی ہے۔

''آربری'' کے نزدیک یہ کتاب ابوالقاسم العارف رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

۵۔ السرفی انفاس الصوفیة: (صوفیہ کے نفسی کیفیات کے اسرار)

یہ کتاب بھی حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ آربری نے بمبئی برانچ کے جرنل ر ج ر ۱۵ (۱۹۳۷ء) ص ر ۱ پر اس تصنیف کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ کتاب یقیناً جنید رحمۃ اللہ علیہ کی نہیں ہے۔''

(جنید بغداد رحمۃ اللہ علیہ) از جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب

اردو ترجمہ: بعنوان

(تصانیف جو غلط طور پر جنید رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کی جاتی ہیں)

ص ر ۱۴۵ تا ۱۴۷

بغداد کا مدرسہ تصوف:

اب ہم یہاں پر بغداد کے مدرسہ تصوف کے دینی و علمی و فکری و روحانی رجحانات کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔

جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''بغداد کے مدرسہ تصوف کے اولین مؤسس سقطی رحمۃ اللہ علیہ اور محاسبی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ سقطی رحمۃ اللہ علیہ ''فارسی الاصل'' تھے، محاسبی رحمۃ اللہ علیہ عرب لیکن دونوں سنی تھے۔ یعنی اسلام کی راسخ اور مروجہ روایت کے پیروکار۔

اور ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

جہاں ''سقطی''، توحید کے بارے میں اپنی جراءت مندانہ تحقیق کے پیش نظر اس مدرسہ کے ترقی پسند جزو کی نمائندگی کرتے تھے۔ وہاں ''محاسبی رحمۃ اللہ علیہ'' اپنے سوچے سمجھے اعتدال اور عملی زندگی کے اخلاقی معاملات میں دلچسپی رکھنے کے باعث روایت پسند جزو کے نمائندہ تھے۔''

(جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ) از جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب

اردو ترجمہ: جنوان

(بغداد کا مدرسہ تصوف) باب ۳ ص ۹۵

جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (مدرسہ کی اشاراتی خصوصیات) رقمطراز ہیں کہ:

''بغدادی مدرسہ تصوف کا اصل موضوع یقیناً توحید تھا اور اس مدرسہ کے افراد اپنے معاصرین میں ''ارباب التوحید'' کے نام سے مشہور تھے۔ انہوں نے اس ''توحید'' کی معرفت کی تلاش میں بہت ہی خطرناک بلندیوں کو جا لیا تھا۔

اس سلسلے میں انہوں نے اپنے خاص عقائد اور اصول وضع کیے۔ ان کا ایک نظام قائم کیا اور مخفی طور پر ان کی تعلیم دینے لگے۔ اس راز داری کو قائم رکھنے کی خاطر وہ اپنے خیالات اور تعلیمات کا اظہار ایک ایسی اشاراتی زبان میں کرتے تھے جو خاص اس مقصد کے لئے وضع کی گئی تھی۔

کہتے ہیں کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کی تعداد جن کے ساتھ وہ تصوف کے موضوع پر گفتگو کرتے تھے صرف بیس تک محدود کی ہوئی تھی۔ درحقیقت انہیں اس بات کا احساس تھا کہ ان کی تعلیم بہت ہی راز دارانہ قسم کی ہے اور اگر یہ عام ہو جائے تو خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ اس کے سمجھنے میں لوگوں کا غلط فہمی میں مبتلا ہو جانا یقینی ہے۔

وہ جب اپنے کسی دوست کو خط لکھتے تو الفاظ کا انتخاب بہت احتیاط سے کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک خط میں وہ لکھتے ہیں:

تمہارے ساتھ تبادلہ خیال میں مجھے یہ امر مانع تھا کہ میرا خط کہیں کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ لگ جائے جس کے پاس وہ علم ہی نہ ہو۔ جو تمہارے پاس ہے۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے ''اصفہان'' اپنے ایک

دوست کو ایک خط لکھا۔ کسی نے اسے کھول لیا لیکن اس کے سمجھنے میں اسے دشواری ہوئی۔

جس کا فی الواقع مجھے بہت افسوس ہوا۔ انسان کو ان لوگوں کے معاملے میں رحمدل ہونا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ ان کے ساتھ جو بات کرے وہ ایسے انداز میں ہو کہ ان کی سمجھ میں آسکے۔ خدا تمہیں اپنی حفظ و امان میں رکھے...... تمہیں اپنی زبان کے معاملے میں محتاط رہنا چاہیے اور اپنے ہمسروں کو سمجھنا چاہیے۔

گفتگو کرتے ہوئے ہمیشہ وہی بات کہو جو وہ سمجھ سکتے ہوں اور وہ بات حذف کر دو، جو ان کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔"

(جدید بغداد رحمۃ اللہ علیہ) از جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب

اردو ترجمہ: بعنوان (مدرسہ کی اشاراتی خصوصیت) باب ۳ ص ۹۵/۹۶

آگے رقمطراز ہیں کہ:

"صوفیہ کا خیال تھا کہ ملتہیانہ مذہبی سچائیاں اپنے اندر ہمیشہ ایک راز کا عنصر رکھتی ہیں اور یہ عنصر غیر تربیت یافتہ لوگوں پر کبھی ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ "حقیقت الوہیت" کے راز افشاء کرنا ایک بدعت اور مذموم حرکت ہے۔

بعض کا نظریہ یہ تھا کہ:

اگر حقیقت الوہیت کا راز افشاء کر دیا جائے تو القاء والہام کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔

وہ کہا کرتے تھے کہ:

القاء والہام کے اندر جو راز ہے وہ اگر فاش کر دیا جائے تو علم کا وجود باقی نہیں رہتا۔

اور اگر رازہائے علم کھول دیئے جائیں تو علم طبیعی کا وجود بھی باقی نہیں رہے گا...... یہ تمام حالات بتلاتے ہیں کہ صوفیاء اپنے مخفی اور راز دارانہ علم کی نوعیت سے بخوبی آگاہ تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اس علم کے ظاہر طور پر بدعتی اور خلاف شرع نظر آنے کے باعث راسخ العقیدہ لوگوں کو اس کی تعلیم دینا بے حد دشوار ہے۔

وہ خاص فضا اور ماحول جس میں یہ اہل فکر رہا کرتے تھے اس

کا اندازہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے شعور و احساس سے ہوتا ہے کہ مقام الوہیت کی معرفت اس قدر وسیع و ارفع ہے کہ خود انہیں اور ان کے افراد حلقہ کو اس میں سے بہت تھوڑا حصہ ملا ہے۔'' (ملخصاً)

(جنید بغداد رحمۃ اللہ علیہ) از جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب

اردو ترجمہ: بعنوان

(مدرسہ کی اشاراتی خصوصیت) ص ۹۷/۹۸

بغدادی مدرسۂ تصوف کے دینی و علمی و فکری نظریات:

ہم یہاں پر طول وطویل نگارشات سے گریز کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم بغدادی مدرسۂ تصوف کے دینی و علمی و فکری نظریات کا درج ذیل عنوانات سے اندازہ بخوبی طور پر لگا سکتے ہیں۔

۱۔ عقیدۂ توحید۔
۲۔ نظریۂ میثاق۔
۳۔ نظریۂ فنا۔
۴۔ نظریۂ حالی ہوش (صحو)۔
۵۔ معرفتِ الٰہی۔ وغیرہ وغیرہ

''اب صوفی کے دینی جذبے کا نقطہ آغاز اس عظیم فاصلے کا احساس ہے جو انسان اور خدا کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یہ بنیادی احساس ایک صوفی کے تمام شعور و ادراک پر چھایا رہتا ہے۔ بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ بنیادی شعور و احساس بذات خود ایک ''ثنویت'' ہو۔

اور اگر اسے ''ثنویت'' نہ بھی تسلیم کیا جائے تو بھی ایک ناتواں انسان اور قادر مطلق خدا کے درمیان فاصلے کا احساس باقی رہتا ہے۔

صوفیہ ہمیشہ اس دوری سے آگاہ رہتے ہیں۔ اور اس احساس کا ایک ایجابی تکملہ ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس خلیج کو عبور کر کے خالق و مخلوق کے درمیان اس فاصلے کو کم کر دیں۔

یہاں اگر یہ سوال کیا جائے کہ وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے اہل تصوف انسان اور خدا کے اس درمیانی فاصلے کو طے کر سکتے ہیں۔

تو ہمیں سب سے پہلے یہی جواب ملے گا کہ یہ ذریعہ ''تصوف'' ہے۔'' (ملخصاً)

(جنید بغداد رحمۃ اللہ علیہ) از جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب۔ اُردو ترجمہ بعنوان (تمہید) حصہ دوم (نظریات'' ص ۱۵۱)

بغداد کا مدرسۂ تصوف......اسلامی دنیا کا ایک نمائندہ ادارہ:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے "اسلامی مدرسۂ تصوف" نے اسلامی دنیا کی کس طرح دینی وعلمی وروحانی وفکری رہنمائی عملی طور پر کی اور کس طرح اس حوالے سے ایک نمائندہ ادارہ کی حیثیت اختیار کر لی؟

تو سنیئے: جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب رقمطراز ہیں کہ:

"بغداد اس زمانہ میں اسلامی دنیا کا روحانی اور ثقافتی دارا لخلافہ تھا۔ شہر کے اس پس منظر میں بغداد کا مدرسۂ تصوف پھلا پھولا اور اس لحاظ سے یہ اسلامی دنیا کا ایک "نمائندہ ادارہ" بن گیا۔ دور دراز تک اس کے اثرات پھیلے۔ مغرب میں واقع ممالک مثلاً، شام، مصر، سعودی عرب اور افریقہ تک، اور مشرق میں خراسان تک اس مدرسہ کی صدائے بازگشت سنائی دی۔

اس مدرسہ نے ان تمام قدیم اور معاصرانہ صوفیانہ رحمۃ اللہ علیہ افکار کو یکجا کر دیا تھا جو اس وقت دنیائے اسلام کے اندر پائے جاتے تھے۔" (ملخصاً)

(جنید بغداد رحمۃ اللہ علیہ) از جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب

اردو ترجمہ: بعنوان

(بغدادی مدرسۂ تصوف کے رجال رحمۃ اللہ علیہ) باب ۳/ص/۱۱۵

ہم انہیں سطور پر باب ۱۵ کو ختم کرتے ہیں اس سلسلہ کی آئندہ نگارشات باب ۱۶ میں ملاحظہ کیجئے۔

(نعمانی)

باب ۱۶

طبقات حضراتِ صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
ایک اجمالی تعارف

باب ۱۶ کے حوالے سے ہم ''طبقاتِ'' حضرات صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ایک اجمالی تعارف (خاکہ) ہدیۂ قارئین کرام کرنا چاہتے ہیں تا کہ قارئینِ کرام کو حضراتِ صوفیاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہ کے سلاسل کے ''طبقات'' بخوبی طور پر واضح ہو سکیں۔ (نعمانی)

تمہید:

جناب شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''مخلوقات الٰہی میں انبیاء علیہم السلام کے بعد اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ سب سے افضل و اعلیٰ ہے۔ کیونکہ یہ حضرات بمصداق آیت:

''یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ''

خدا تعالیٰ کے سچے عاشق بھی ہیں اور اس کے محبوب بھی۔

اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت ہر زمانہ میں موجود رہی ہے اور ہمیشہ موجود رہے گی۔

کیونکہ دنیا کا قیام انہیں کے مبارک وجود سے قائم ہے۔ جیسا کہ شیخ پیر علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''کشف المحجوب'' میں فرمایا ہے کہ:

''خدائے تعالیٰ کسی وقت بھی زمین کو بے حجت نہیں رکھتا اور اس امت کو بغیر ولی کے نہیں رکھتا۔''

اس کے استشہاد میں آنحضرت ﷺ کی حدیث شریف بیان فرمائی ہے کہ:

''میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا رہے گا جو نیکی پر قائم رہے گا اور میری امت کے چالیس آدمی سنت ابراھیمی علیہ السلام پر ہمیشہ قائم رہیں گے''۔

پس انبیاء علیہم السلام کے بعد خدا سے نزدیک اس گروہ کے علاوہ اور کوئی نہیں اور اعزاز و اکرام کے اعتبار سے بھی اس گروہ سے زیادہ خدا کے نزدیک کوئی نہیں۔

اس گروہ سے زیادہ نہ کوئی بلند حوصلہ اور عالی ہمت ہوسکتا ہے اور نہ کوئی ایسا بے نیاز اور کامل ترین جیسا کہ اولیائے کاملین رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت ہوتی ہے۔ حلم و بردباری، شجاعت و دلیری، سخاوت و جواں مردی وغیرہ اور اخلاق حمیدہ میں ان کا کوئی ہمسر نہیں ہوسکتا۔

کسی نے شیخ ابو عبداللہ سالمی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ:

اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اللہ کو کس طرح پہچانا جاسکتا ہے؟

فرمایا: زبان کی لطافت و نرمی، حسن اخلاق اور کشادہ روئی و خندہ پیشانی، اعتراض سے احتراز کرنا، عذر قبول کرنا، خلق خدا سے شفقت و محبت کرنا خدا سے محبت کرنا ہے۔ ان کی صحبت میں رہنا خدا کے قرب کا سبب ہے۔

ان کی تلاش خدا کی طلب ہے۔ ان سے تعلق و اخلاص رکھنا خدا سے تعلق و تقرب کے مترادف ہے۔''

(سفینۃ الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ) از جناب شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ: محمد علی لطفی صاحب۔

بعنوان: (تمہید) ص ۱۸/۱۹

مطبوعہ: نفیس اکیڈیمی اردو بازار کراچی

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''شیخ الاسلام حضرت خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ فرمایا کرتے تھے: خدایا! یہ عجیب بات ہے کہ جس نے اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی جستجو کرلی اس نے تجھے پالیا اور جب تیری معرفت نہیں حاصل ہوگی اولیاء

شناسی ممکن نہیں۔"

""شیخ ابوالخیر حبشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

جواں مرد کو چاہیے کہ جواں مرد کی جستجو کرے اور جس نے جواں مرد کی جستجو کر لی گویا وہ خدا تک پہنچ گیا۔"

ان پاک باطن گروہ کے خدا شناسی کے طریقے مختلف ہیں۔ ہر ایک کا ایک علیحدہ مشرب اور جدا طریق ہے۔ بعض پوشیدہ ہیں اور بعض آشکارا اور بعض سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے اور ان کے نزدیک کرامات کا ظہور ایک لازمی شئے ہے لیکن اولیاء کا اصل مقصود اس سے بلند و بالاتر ہے۔

بعض اولیاء رحمۃ اللہ علیہ غرور نفس کے خطرہ کی وجہ سے کرامات کا اظہار غیر ضروری بلکہ مضر سمجھتے ہیں۔ اس لئے کرامات کے اخفاء کی کوشش کرتے ہیں۔

بعض اولیاء اس پر مامور نہیں ہیں۔ ان سے جو کچھ بھی صادر ہوتا ہے۔ محض الہام غیبی سے صادر ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ حکم الٰہی نہ ہو وہ اپنی زبان بند رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کے کھانے پینے پہننے چلنے پھرنے وغیرہ کے جملہ افعال اذن الٰہی پر موقوف ہوتے ہیں اور جب تک اس طرف سے کوئی ان کو مجبور نہ کرے وہ نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں، نہ پہنتے ہیں اور نہ کلام کرتے ہیں۔

بعض کا طریق ترک ماسوی اللہ ہے۔ وہ کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور نہ کسی چیز سے لذت حاصل کرتے ہیں۔" (ملخصا)

(سفینۃ الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ) از جناب شہزادہ دارا شکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ: بعنوان: (تمہید) ص/۱۹

"طبقات" حضرات صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین:

یہ جاننا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس کائنات ہستی کو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے توسل سے ہدایت سے سرفراز فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق خدا کی دین و دنیا ہر دو میں رہنمائی فرمائی۔ پروردگار عالم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرچشمہ معرفت و حقیقت بنایا اور تمام حضرات انبیاء علیہم السلام و اصفیاء رحمۃ اللہ علیہ کے سردار

وپیشوا آپ ﷺ کی ذات گرامی قدر ہے۔

گزشتہ صفحات میں ہم مختلف عنوانات کے تحت علمی بحث کو احاطہ تحریر میں لا چکے ہیں۔ یہاں پر اس بات کی ضرورت تھی کہ "طبقات صوفیہ رحمۃ اللہ علیہ" کو مدارج و مراتب کے تحت ہدیہ قارئین کیا جائے تا کہ ان کی مختصر فہرست قارئین کی نگاہ سے گزر جائے۔

"تصوف" کے حضراتِ آئمہ کرام رضی اللہ عنہم (حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم):

جناب حضرت سید مخدوم علی الجویری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہوری (م ۴۶۵ھ) رقمطراز ہیں:

"دراصل صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہ کے امام و مقتداء خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ سب سے پہلے اہلِ تحریر کے امام اور اہلِ تفرید کے مقتداء حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو تمام انسانی آفات سے محفوظ تھے اور کامل جود وسخا اور صدق ووفا کے پیکر۔ آپ رضی اللہ عنہ سے بے شمار کرامتیں ظہور میں آئی ہیں۔

مشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو کشف ومشاہدہ میں سب سے مقدم رکھا ہے۔

دوسرے فراست و اصابت کے شہنشاہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے جو ارباب مجاہدہ کے سرتاج اور وقت کے سب سے بڑے ملہم اور محدث تھے اور حق کے بے باک ترجمان تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی بھی لاتعداد کرامتیں ہیں۔

تیسرے دُرِ حیا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو تسلیم ورضا اور خلت وصفا کی سچی علامت تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بے شمار مناقب وفضائل اور کرامتیں مشہور ہیں۔

چوتھے فخر موجودات ﷺ کے برادرِ محترم، اولیاء واصفیاء کے پیشواء حضرت سیدنا ابوالحسن علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو طریقت میں بہت بلند رتبہ رکھتے ہیں اور حقیقت ومعرفت کے تمام اصول کا سرچشمہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس سے بے حساب کرامتیں ظہور پذیر ہوئی ہیں۔"

(کشف المحجوب) از جناب حضرت مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ: جناب مولوی فیروز الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ ساتواں باب، ص ۶۲۵/۶۲۶

حضراتِ آئمہ اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین:

حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

''یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم میں سے جو ازلی طہارت وتقدس سے مخصوص ہیں ہر ایک کو معرفت کے حقائق میں حظ وافر حاصل تھا اور سب کے سب صوفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے برگزیدہ طائفہ کے مقتداء ہیں۔

تاہم ان میں سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ، امام باقر رحمۃ اللہ علیہ اور امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر علوم ظاہری اور باطنی میں دستگاہ رکھتے تھے اور بہت سی کرامتیں ان سے عالم وجود میں آئی ہیں۔''

(کشف المحجوب) از جناب حضرت مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ: آٹھواں باب/ص/۲۲۶

حضراتِ اصحابِ صفہ رضوان اللہ علیہم اجمعین:

حضراتِ ''اصحابِ صفہ'' کی جماعت اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی وہ جماعت ہے کہ جس کو سب سے پہلی حضراتِ صوفیاء رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ جماعت تمام صوفیاء امت پر بھاری ہے۔ کیوں نہ ہو جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی تربیت یافتہ جماعت تھی۔

حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''تمام امت کا اتفاق ہے کہ اصحاب صفہ جن کی بود وباش مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھی اور دنیا سے قطع تعلق کر کے ہمیشہ ذکر الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے اور فقر ومجاہدہ کے باوصف خوش وخرم اور کامل مطمئن تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسندیدہ اصحاب رضی اللہ عنہم تھے۔

حق تعالیٰ کے نزدیک یہ اتنے محترم اور باعظمت تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی صحبت اختیار کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔

یہ سب اصحاب رضی اللہ عنہم ''صوفیہ'' کے امام اور پیشواء تھے۔

خصوصاً مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ، محرم احوال

نبی ﷺ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہ بن جراح، عمار ابن یاسر، عبد اللہ بن مسعود، مقداد بن الاسود، حباب بن حارث، صہیب بن سنان رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

ان بزرگوں کے بہت سے فضائل و مناقب ہیں اور مشائخ میں ان کی عجیب وغریب کرامتیں مشہور ہیں۔ حضور اکرم ﷺ ان کی بڑی قدر کرتے تھے اور ان کو ان کی مطابقت کرنے والوں کو جنت میں اپنے رفقاء فرمایا ہے۔"

(کشف المحجوب) از جناب سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ: نواں باب/ص/۶۲۶

پروردگارِ عالم کے حضور میں دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی (اصحابِ صفہ) کی مطابقت کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم کو بھی جنت میں جناب ختمی مرتبت ﷺ اور ان اصحابِ صفہ کی رفاقت نصیب ہو۔ آمین ثم آمین!

حضرات آئمہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین:

حضرات آئمہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پاکیزہ جماعت و برگزیدہ جماعت ہے کہ جس نے آنحضور ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اکتساب فیض کیا اور دنیا و عاقبت کی سرخروئی سے شادکام ہوئے۔

حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین میں بھی بعض بزرگ ایسے تھے جو عالم باطن کے اسرار و معارف کے محرم تھے اور مشائخ کے جلیل القدر مقتداء۔"

(کشف المحجوب) از جناب سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ: دسواں باب/ص/۶۲۷

آئمہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں مندرجہ ذیل بزرگ شخصیات رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسماء گرامی قدر بطور مثال کے پیش کیے جاسکتے ہیں۔

۱۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت شیخ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے گو حضور اکرم ﷺ کا عہد

سعید تو پایا تھا لیکن غلبہ حال اور ناتواں والدہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کی وجہ سے دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر نہ ہو سکے، آپ حقیقت و معرفت میں بہت بڑی دستگاہ رکھتے تھے"۔

یہ وہی بزرگ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"قیامت کے دن ربیعہ اور مضر کے قبیلوں کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر میرے امتی صرف اویس رحمۃ اللہ علیہ کی شفاعت سے بخشے جائیں گے"۔

(کشف المحجوب) از جناب سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ: دسواں باب/ص/۶۲۷

۲۔ هرم بن حیان رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت شیخ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"هرم بن حیان" ہیں آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کے تربیت یافتہ اور طریقت کے بڑے بزرگ ہیں"۔

(کشف المحجوب) از جناب سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ: دسواں باب/ص/۶۲۷

۳۔ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت شیخ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ اپنے وقت کے امام اور طریقت کے بزرگ ترین مشائخ میں شمار ہوتے ہیں"۔

(کشف المحجوب) از جناب سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ) اردو ترجمہ: دسواں باب/ص/۶۲۷

۴۔ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت شیخ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

"سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ باطنی علوم کے ساتھ ساتھ ظاہری علوم کے بھی بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ خصوصاً فقہ، حدیث اور تفسیر میں اپنی مثال آپ تھے۔

یہ سب بزرگ اہل طریقت کے امام گزرے ہیں۔ ان کے بہت سے اقوال اور عجیب و غریب کرامات ہیں"۔

(کشف المحجوب) از جناب سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ) اردو ترجمہ: دسواں باب/ص/۶۲۷

حضرات آئمہ تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین:

حضرات تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وہ بزرگ ہیں جنہوں نے حضرات تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اکتساب فیض کیا۔ تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بھی نہایت عمدہ صوفیا کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین گزرے ہیں جنہوں نے ''تجدید و احیائے دین'' کے لیے نہایت عمدہ کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ ان حضرات کے بارے میں۔

حضرت شیخ سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

> ''تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بھی چند ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے احیائے دین اور تجدید سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں''۔

(کشف المحجوب) از جناب سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، دسواں باب رص ر ۱۲۷

ہم یہاں پر حضرات آئمہ تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت حبیب العجمی رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ حضرت حبیب ابن اسلم راعی رحمۃ اللہ علیہ (آپ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے صحبت یافتہ تھے)
۴۔ حضرت ابو حازم مدنی رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ
۷۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ
۸۔ حضرت ابو علی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ
۹۔ حضرت ابو الفیض ذوالنون ابن ابراہیم مصری رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ
۱۲۔ حضرت ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بسطامی رحمۃ اللہ علیہ
۱۳۔ حضرت حارث بن اسد رحمۃ اللہ علیہ

۴۲۔ حضرت ابوبکر محمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ
۴۳۔ حضرت ابوسعید احمد خراز رحمۃ اللہ علیہ
۴۴۔ حضرت ابوالحسن علی بن محمد اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ
۴۵۔ حضرت ابوالحسن محمد بن اسمٰعیل خیر النساج رحمۃ اللہ علیہ
۴۶۔ حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ علیہ
۴۷۔ حضرت ابوالعباس احمد بن مسروق رحمۃ اللہ علیہ
۴۸۔ حضرت ابوعلی بن حسن جرجانی رحمۃ اللہ علیہ
۴۹۔ حضرت ابومحمد بن حسین حریری رحمۃ اللہ علیہ
۵۰۔ حضرت ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل آملی رحمۃ اللہ علیہ
۵۱۔ حضرت ابوالمغیث الحسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ
۵۲۔ حضرت ابواسحاق ابراہیم بن احمد رحمۃ اللہ علیہ
۵۳۔ حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ
۵۴۔ حضرت ابوبکر بن دلف بن حجد دشبلی رحمۃ اللہ علیہ
۵۵۔ حضرت ابوعلی محمد بن قاسم رودباری رحمۃ اللہ علیہ
۵۶۔ حضرت ابوقاالعباس سم سیاری رحمۃ اللہ علیہ
۵۷۔ حضرت ابوعبداللہ محمد بن خفیف رحمۃ اللہ علیہ
۵۸۔ حضرت ابوعثمان سعید بن سلام مغربی رحمۃ اللہ علیہ
۵۹۔ حضرت ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی رحمۃ اللہ علیہ
۶۰۔ حضرت ابومحمد بن جعفر خالدی رحمۃ اللہ علیہ
۶۱۔ حضرت ابوالعباس قاسم سیاری رحمۃ اللہ علیہ
۶۲۔ حضرت ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصرآبادی رحمۃ اللہ علیہ
۶۳۔ حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم حضرمی رحمۃ اللہ علیہ
۶۴۔ حضرت ابوعثمان سعید بن سلام مغربی رحمۃ اللہ علیہ

حضراتِ صوفیائے متاخرین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین:

بعد کے دور کے صوفیائے کرام میں سے ہم مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی پیش کرسکتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابوالعباس احمد قصاب رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ حضرت ابوسعید فضل اللہ بن محمد میہنی رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ حضرت ابوعلی بن حسین دقاق رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ حضرت ابوعبداللہ محمد بسطامی رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ حضرت ابوالفضل محمد بن حسن ختلی رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ حضرت ابوالقاسم عبدالکریم قشیری رحمۃ اللہ علیہ
۷۔ حضرت ابوالعباس احمد بن اشقانی رحمۃ اللہ علیہ
۸۔ حضرت ابوالقاسم بن علی گرگانی رحمۃ اللہ علیہ
۹۔ حضرت ابواحمد مظفر بن حمدان رحمۃ اللہ علیہ...... وغیرہ۔

دُنیائے اسلام کے دیگر علاقوں کے حضراتِ صوفیائے کرام:

''شام اور عراق'' کے حضراتِ صوفیائے کرام:

۱۔ حضرت شیخ زکی بن علاء رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ حضرت ابوالحسن بن سالبہ رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ حضرت ابواسحاق ابن شہریار رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ حضرت ابوالحسن علی بن بکران رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ حضرت ابومسلم ہروی رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ حضرت ابوطالب رحمۃ اللہ علیہ

''آذربائیجان'' کے حضراتِ صوفیائے کرام:

۱۔ حضرت شیخ شفیق زنجانی رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ حضرت شیخ ابوعبداللہ جنیدی رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ حضرت شیخ ابوطاہر مکشوف رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ حضرت خواجہ حسن سمنانی رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ حضرت شیخ سہلکی رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ حضرت احمد بن شیخ خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

''کرمان'' کے حضراتِ صوفیائے کرام:

۱۔ حضرت خواجہ علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ حضرت شیخ محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ

''خراسان'' کے حضراتِ صوفیائے کرام:

۱۔ حضرت ابوالعباس دامغانی رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ حضرت ابوجعفر محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ حضرت ابوجعفر ترشیزی رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ حضرت خواجہ محمود نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ حضرت شیخ محمد معشوق رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ حضرت مظفر ابن ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ
۷۔ حضرت شیخ جمادی سرخی رحمۃ اللہ علیہ
۸۔ حضرت شیخ احمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ
۹۔ حضرت شیخ ابوالحسن علی بن ابی علی الاسود رحمۃ اللہ علیہ

''ماوراء النہر'' کے حضراتِ صوفیائے کرام:

۱۔ حضرت ابوجعفر محمد بن حسین حرفی رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ حضرت خواجہ فقیہ رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ حضرت ابومحمد پاسغری رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ حضرت احمد ایلاقی رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ حضرت علی بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ حضرت ابوالفضل بن اسدی رحمۃ اللہ علیہ
۷۔ حضرت اسماعیل شاشی رحمۃ اللہ علیہ
۸۔ حضرت شیخ سالار طبری رحمۃ اللہ علیہ
۹۔ حضرت محمد بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۔ حضرت سعید بن ابی سعید رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۔ حضرت ابوالعلاء عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ
۱۲۔ حضرت شیخ اوحد قسورۃ بن محمد جزدیری رحمۃ اللہ علیہ

ملاحظہ کیجئے:

(کشف المحجوب) از جناب حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ) اردو ترجمہ، باب ۱۱/ باب ۱۲/ باب ۱۳

نیز ملاحظہ کیجئے ہماری تالیف: (حیاۃ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) از راجہ طارق محمود نعمانی ایڈووکیٹ۔
ص/۳۴ تا ۴۴

حضراتِ صوفیائے کرام کے مکاتب فکر:

گذشتہ صفحات میں ہم نے حضراتِ صوفیہ کرام کے طبقات کو تحریر کر دیا ہے ان حضرات صوفیہ کرام کا تعلق مختلف صوفیانہ مکاتبِ فکر سے تھا جن کے عبادت و ریاضت کے طریقے اپنے اپنے تھے۔

حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ المعروف ''داتا گنج بخش'' لاہوری (م ۴۶۵ھ) ان مکاتب فکر کا ذکر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''صوفیائے کرام کے بارہ گروہ ہیں جن میں دو گرہ مردود ہیں
اور باقی دس گروہ مقبول ہیں۔
اگرچہ ان فرقوں کی ریاضت و مجاہدہ میں اختلاف پایا جاتا ہے
لیکن توحید و شریعت کے اصول و فروع میں سب ایک ہی ہیں۔'' (ملخصاً)

(کشف المحجوب) از جناب حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اردو ترجمہ: جناب مولوی فیروز الدین صاحب
باب ۱۴/ص/۶۳۶

۱۔ فرقہ محاسبیہ:

حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

''یہ ابو عبداللہ حارث ابن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کا پیرو ہے۔ آپ اپنے وقت کے بہت مقبول اور عارف باللہ تھے۔ اس فرقہ کے نزدیک ''رضا'' تصوف کے مقامات میں سے کوئی مقام نہیں۔ بلکہ یہ احوال بندہ سے تعلق رکھتی ہے۔''

(کشف المحجوب) از جناب حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ
اردو ترجمہ: باب ۱۴/ص/۶۳۶

۲۔ فرقہ قصاری:

حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

''یہ ابو صالح بن حمدون بن احمد عمارۃ القصارہ رحمۃ اللہ علیہ کا پیرو

ہے۔آپ ملامت کو پسند کرتے تھے۔آپ کا ارشاد ہے:

تیرے پاس اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم مخلوقات کے علم سے اچھا پختہ ہونا چاہیے۔"

(کشف المحجوب) از جناب حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ) اردو ترجمہ: باب ۱۴ص ۶۴۶/

۳۔ فرقہ طیفوریہ:

حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

"یہ گروہ، ابویزید طیفور بن عیسیٰ سروشان بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا پیرو ہے۔آپ کا طریقہ غلبہ اور مستی کا تھا۔آپ کا ارشاد ہے کہ:

طریقت میں صرف اس شخص کی اقتداء چاہیے جو احوالِ گردش سے نجات پا جائے اور اس کی طبیعت سکر پر قائم ہو۔"

(کشف المحجوب) از جناب حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ) اردو ترجمہ: باب ۱۴ص ۶۴۶/

۴۔ فرقہ جنیدیہ:

حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

"یہ گروہ ابوالقاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ بن محمد کی اتباع کرتا ہے۔ آپ "سید الطائفہ" اور "طاؤس العلماء" کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔آپ کا طریقہ "طیفوریوں" کے برعکس "صحو" پر قائم ہے۔آپ کا مسلک نسبتاً زیادہ مقبول ہے۔اکثر برگزیدہ مشائخ اسی مسلک پر ہوئے ہیں۔اس فرقہ کے نزدیک کسی صاحب کمال کی صحبت سے استفادہ کے لئے ہوش میں آنا ضروری ہے۔"

(کشف المحجوب) از جناب حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ) اردو ترجمہ: باب ۱۴ص ۶۴۶/

۵۔ فرقہ نوری:

حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"یہ گروہ، ابوالحسن احمد بن محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع کرتا ہے۔یہ صوفی علماء رحمۃ اللہ علیہ میں بہت بلند پایہ اور نیک خصلت عالم تھے۔اہل تصوف کے نزدیک آپ کا مسلک کافی پسند کیا جاتا ہے۔

اس فرقہ کے اصول میں کسی اہل کمال کی صحبت سے استفادہ کے لیے "ایثار" کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔اس کے بغیر دستور زندگی قابل اعتماد نہیں۔"

(کشف المحجوب) از جناب حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ: باب ۱۴ص ر ۶۴۷

۶۔ فرقہ سہیلیہ:

حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

"یہ گروہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا پیرو ہے۔ آپ اپنے زمانے کے روحانی بادشاہ تسلیم کیے جاتے تھے۔آپ کا طریقہ اجتہاد اور دریافت کا طریقہ ہے کیونکہ ریاضت و مجاہدہ انسان کو راہ راست پر لاتا ہے۔"

(کشف المحجوب) از جناب حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ: باب ۱۴ص ر ۶۴۷

۷۔ فرقہ حکیمیہ:

حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

"یہ گروہ، ابو عبداللہ محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع کرتا ہے۔ آپ حکیم ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور تھے۔ظاہری اور باطنی علوم میں اپنے وقت کے امام تھے۔آپ کا طریقہ روحانیت اور ولایت کی بنیاد پر ہے۔"

(کشف المحجوب) از جناب حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ: باب ۱۴ص ر ۶۴۷

۸۔ فرقہ خرازیہ:

حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں۔

"یہ گروہ، ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کرتا ہے۔ تجرید و انقطاع میں آپ بڑی شان رکھتے تھے۔ تصوف میں فنا و بقا کی

اصطلاحات آپ ہی نے وضع کی ہیں۔آپ کی تمام ملفوظات ان ہی دو لفظوں پر مبنی ہیں۔"

(کشف المحجوب) از جناب حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ: باب ۱۴ ص ر ۶۴۷

۹۔ فرقہ خفیفیہ:

حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"یہ گروہ، ابوعبداللہ محمد بن خفیف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع کرتا ہے۔علم طریقت میں آپ کی کئی کتابیں ہیں۔آپ ظاہری اور باطنی علوم میں یکتائے روزگار تھے آپ کا طریقہ غیبت اور حضور پر مبنی ہے۔"

(کشف المحجوب) از جناب حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ: باب ۱۴ ص ر ۶۴۷

۱۰۔ فرقہ سیاریہ:

حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"یہ فرقہ، ابوالعباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ کا پیروکار ہے۔آپ تمام علوم میں اپنے وقت کے امام تھے۔آپ کا طریقہ جمع و تفریق پر قائم ہے۔"

(کشف المحجوب) از جناب حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ: باب ۱۴ ص ر ۶۴۷

مردود گروہ:

مردود گروہ کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ مخدوم سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"ان مذکورہ بالا گروہوں کے علاوہ دو مردود گروہ ہیں۔جو قرآن و سنت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اجماع امت کے خلاف سراسر باطل عقائد کے حامل ہیں۔ان میں سے ایک کا عقیدہ ہے کہ:
بندہ حق تعالیٰ میں سرایت کرتا ہے اور دوسرا گروہ روح کو ایک

شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اور جہالت سے اپنے خیالات کو ابو سلمان دمشقی رحمۃ اللہ علیہ اور حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

''حلول'' اور تناسخ'' کا یہ عقیدہ قرامطیوں اور ہندوؤں میں پایا جاتا ہے جو بالکل خلاف توحید اور تحقیق ہے۔''

(کشف المحجوب) از جناب حضرت سید مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ) اردو ترجمہ: باب ۱۴ص ۶۴۸

نیز ملاحظہ کیجئے ہماری تالیف:

(حیاۃ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) از راجہ طارق محمود نعمانی ایڈووکیٹ

ہم انہیں سطور پر باب ۱۶ کو اور موجودہ کتاب کے حصہ دوم کو ختم کرتے ہیں۔

(نعمانی)

مولوی ہرگز نہ نشد مولائے رُوم   تاغلامی شمس تبریزی نشد

سوانح حیات شمس المعارف

حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

(حصہ سوم)

مشتمل برعناوین:

''شاہانِ خوارزم'' تبریز، مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ معرفت، حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا اسم اور خاندان، آپ کے سلسلہ کے بعد حضرات مشائخ کرام اور ان کا مختصر تعارف، ذریعہ معاش، حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات اور تعارف کا حال، حضرت شیخ شمس الدین کی مراجعت، شادی، غیوبت یا شہادت، وغیرہ وغیرہ دلچسپ حالات و واقعات سے مزین ہے۔

باب ۱۷

''شاہانِ خوارزم''

زمانہ ۴۴۰ھ (۱۰۷۷ء) تا ۶۲۸ھ (۱۲۳۱ء)

تمہید:

اس سے قبل کہ ہم حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ صاحب اور مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے حالات وسوانح نیز علمی ودینی وروحانی کمالات کو ہدیہ قارئین کرام کریں یہ امر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دور کے سیاسی وتاریخی حالات کو قلمبند کیا جائے۔

تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ کون سے حالات و واقعات تھے کہ جنہوں نے ایسی عظیم شخصیات کو جنم دیا اور اللہ تعالیٰ رب العزت نے ان شخصیات کے دینی وعلمی وروحانی کمالات کے باوصف ''مسلم معاشرہ'' کے تہذیب وتمدن وثقافت وکلچر کے انحطاط اور زوال کے دور میں کہاں تک اصلاح وارشاد کے روحانی وعلمی ودینی مقامات کو طے کرا کر ''مسلم معاشرہ'' کی اس آڑے وقت میں خدمات انجام دلوادیں۔

جن کی دینی وعلمی وروحانی درخشندگی وتابندگی آج بھی اسلامی تاریخ کے ایک زریں باب کا ایک اہم مرقع ہے۔ تو آیئے ہم حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اس دور کے تاریخی وسیاسی حالات کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں۔ (نعمانی)

مشہور انگریز مستشرق جناب ''لین پول'' صاحب بعنوان (۶۹......شاہان خوارزم) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> ''غزنین کے سلطان بلکا تگین کا ایک غلام انشتگین نامی رحمۃ اللہ علیہ، سلجوقی سلطان ملک شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا ساغر بردار (یا ساقی) ہوا۔ جس کو اس نے خوارزم (حال خیوا) کا گورنر بنایا۔ اس کا بیٹا ''اتسیز''

خوارزم شاہ کے لقب سے اس کا جانشین ہوا۔ ''آتسیز'' خوارزم شاہی خاندان کا پہلا شخص تھا جس نے خودمختاری کی کوشش کی۔

لیکن ''سلطان سنجر'' نے اس کی بغاوت ۱۱۳۸ء (۵۳۳ھ) کو فرو کر کے اس کو ''خوارزم'' سے نکال دیا۔ تھوڑے ہی دن بعد ''آتسیز'' خوارزم کو واپس ہوا اور پھر ''خوارزم شاہ'' خودمختار بن گئے۔ ''آتسیز'' نے اپنی حکومت کو ''دریائے سیحون'' کے ''شہر جند'' تک وسعت دی۔ اس کے بعد تکش نے خراسان ''رے'' اور اصفہان پر قبضہ کر لیا۔

۱۱۹۳ء (۵۸۹......۵۹۰ھ) میں اس کے بیٹے علاء الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ نے، خراسان میں غزنوی سلاطین کے خلاف سخت جنگ کر کے ۱۲۱۰ء (۶۰۷ھ) تک ایران کا بیشتر حصہ فتح کر لیا اور بخارا اور سمرقند بھی اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔

اور ''گور خاں'' کے ملک ''قراخطائے'' پر حملہ آور ہو کر اس کے پایہ تخت ''اترار'' پر قبضہ کر لیا۔

۱۲۱۴ء (۶۱۱ھ) میں شیعی مذہب اختیار کر کے عباسی سلطنت (خلافت) کو ختم کرنے کی تیاریاں شروع کیں۔

چنگیز خان کی مغل تاتاری افواج نے اس کی ''شمالی سرحد'' پر تاخت کر کے علاء الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ کی ساری فتوحات پر پانی پھیر دیا۔ اس کو تاتاریوں کے آگے بے تحاشا بھاگنا پڑا اور وہ حالت یاس میں ''بحر کسپین'' کے ایک جزیرہ میں جا چھپا اور وہیں وفات پائی۔

۱۲۲۰ء (۶۱۷ھ) میں اس کے تین بیٹے کچھ مدت ایران کے صوبہ جات میں بھٹکتے پھرے۔ ان میں سے ایک جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دو برس کے لئے ہندوستان میں بھی پناہ لی۔ مگر دس برس کی دوا دوی کے بعد (جس کے دوران میں ۶۲۲ھ سے ۶۲۸ھ تک وہ آذربائیجان پر تسلط حاصل کر سکا)

مغلوں نے بالآخر ۱۲۳۱ء (۶۲۸ھ) میں اس کو وہاں سے نکال دیا۔ خوارزم شاہیوں کی حکومت ایک زمانہ میں سلجوقیوں کی سرحد کے قریب تک پھیلی ہوئی تھی لیکن یہ وسعت بمشکل بارہ برس تک قائم رہ سکی۔''

(مسلمان شاہی خاندان اور ان کے سلسلے) از جناب لین پول صاحب۔ بعنوان:

(۶۹......شاہانِ خوارزم) اردو ترجمہ: ص/۱۰۶/۱۰۷

آگے بعنوان (نوٹ) لین پول صاحب بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"علاء الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تکش کے تین بیٹے تھے، ناصر الدین ملک شاہ، حاکم خراسان (وفات، ۵۹۳ھ) یونس خان، حاکم رے۔ تاج الدین علی شاہ، حاکم کردستان۔

علاء الدین کے دوسرے بیٹے رکن الدین گورسنجی (وفات، ۶۱۹ھ) غیاث الدین شیر شاہ (وفات، ۶۲۷ھ)۔"

ا۔ (ایضاً) (۶۹......شاہانِ خوارزم) اردو ترجمہ

ص/۱۰۷/۱۰۸:

۲۔ (تاریخ اسلام) از مولانا محمد اکبر شاہ خان صاحب، نجیب آبادی رحمۃ اللہ علیہ

حصہ دوم: بعنوان: (اتابکانِ خوارزم شاہیہ)

ص/۶۰۳/۶۰۴

خوارزم شاہی سلاطین کا دور درج خلفائے بنی عباسی رحمۃ اللہ علیہ کا دور خلافت تھا۔

۱۔ خلیفہ مستظہر باللہ بن مقتدی رحمۃ اللہ علیہ: زمانہ خلافت (۴۸۷ھ (۱۰۹۴ء) تا ۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء)
۲۔ خلیفہ مسترشد باللہ بن مستظہر رحمۃ اللہ علیہ: زمانہ خلافت (۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء) تا ۵۲۹ھ (۱۱۳۴ء)
۳۔ خلیفہ راشد باللہ بن مسترشد رحمۃ اللہ علیہ: زمانہ خلافت (۵۲۹ھ (۱۱۳۵ء) تا......)
۴۔ خلیفہ مقتفی لامر اللہ بن مستظہر رحمۃ اللہ علیہ: زمانہ خلافت (۵۳۰ھ (۱۱۳۵ء) تا ۵۵۵ھ (۱۱۶۰ء)
۵۔ خلیفہ مستنجد بن مقتفی رحمۃ اللہ علیہ: زمانہ خلافت (۵۵۵ھ (۱۱۶۰ء) تا ۵۵۶ھ (۱۱۷۰ء)
۶۔ خلیفہ مستضی بامر اللہ بن مستنجد رحمۃ اللہ علیہ: زمانہ خلافت (۵۵۶ھ) (۱۱۷۰ء) تا ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء)
۷۔ خلیفہ ناصر الدین اللہ بن مستضی رحمۃ اللہ علیہ: زمانہ خلافت (۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) تا ۶۲۳ھ (۱۲۲۵ء)
۸۔ خلیفہ ظاہر بامر اللہ رحمۃ اللہ علیہ: زمانہ خلافت (۶۲۳ھ (۱۲۲۵ء) تا......)
۹۔ خلیفہ مستنصر باللہ رحمۃ اللہ علیہ: زمانہ خلافت ۶۲۳ھ (۱۲۲۶ء) تا ۶۴۰ھ (۱۲۴۳ء)

گویا کہ "خوارزم شاہی" کا زمانہ سلطنت نو (۹) عباسی خلفاء کا دور خلافت بنتا ہے۔

تاتاریوں کی "بلاد اسلامیہ" کی جانب یلغار:

رئیس المورخین جناب علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون المغربی رحمۃ اللہ علیہ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''تاتاری، ترکوں میں سے ہیں ۶۱۶ھ میں اس گروہ نے بلاد اسلامیہ کی جانب سے خروج کیا سرزمین چین میں ''طمغاج'' کے پہاڑوں پر یہ گروہ رہتا تھا جو بلاد ترکستان سے چھ مہینے کی مسافت پر واقع ہے۔

اس کے بادشاہ کا نام ''چنگیز خان'' تھا۔ جو ترکوں کے قبیلہ تمرجی سے تھا۔ اس نے بلاد ترکستان اور ماوراءالنہر پر فوج کشی کی اور اس کو ''خطا'' کے قبضہ سے نکال کر خود قابض و متصرف ہو گیا۔ بعدازاں خوارزم شاہ سے جا بھڑا تا آنکہ اس کو زیر کر کے اس کے مقبوضہ شہروں صوبہ خراسان اور بلاد جبل پر قبضہ حاصل کر لیا۔

بعدہ ''ارانیہ'' کی جانب بڑھا اور اس پر قبضہ کر کے شروان، ''لان'' اور ''لکز'' کے شہروں کی جانب رخ کیا اور مختلف گروہوں پر مستولی ہو کر ''بلاد قفچاق'' کو بھی لے لیا۔

انہی تاتاریوں کا ایک گروہ غزنی اور ان شہروں کی طرف نکل گیا جو ہندوستان، سجستان اور کرمان سے ملحق و متصل تھے۔ چنانچہ ایک ہی سال میں یا کچھ زائد زمانہ میں تاتاری، دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک کے مالک بن بیٹھے۔

خونریزی، لوٹ مار اور غارت گری کی کوئی حد نہ تھی وہ ظلم و ستم ان کے ہاتھوں سے وقوع میں آئے کہ جن سے عالم کے کان، سلف سے اس وقت آشنا نہیں ہوئے تھے۔''

(تاریخ ابن خلدون) از علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون المغربی
اردو ترجمہ: خلافت بنو عباس / حصہ دوم
بعنوان (تاتاریوں کی یلغار) ص ۶۴۰

خوارزم شاہ کی وفات:

علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون المغربی رحمۃ اللہ علیہ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''خوارزم شاہ نے ان تاتاریوں سے شکست کھا کر طبرستان کے جزیرہ میں جا کر دم لیا اور وہیں ۶۱۷ھ میں اپنی حکومت کے اکیسویں برس جاں بحق تسلیم ہوا۔ خوارزم شاہ کی شکست کے بعد اس کے بیٹے جلال

الدین کوتا تاریوں نے غزنی میں شکست دی۔''

جلال الدین ہندوستان میں:

''چنگیز خاں، دریائے سندھ تک تعاقب کرتا چلا گیا۔ جلال الدین، دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان میں داخل ہو گیا اور بہزار خرابی ان کے پنجہ غضب سے بچ گیا۔ ایک مدت تک ہندوستان میں ٹھہرا رہا۔

بعد ازاں، ۶۲۲ھ میں خراسان اور عراق کی جانب معاودت کی آذربائیجان اور آرمینیہ پر قابض ہو گیا تا آنکہ اس کو مظفر نے قتل کر ڈالا۔'' (ملخصاً)

(تاریخ ابن خلدون) از علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون المغربی
اردو ترجمہ: خلافت بنو عباس / حصہ دوم
بعنوان: (خوارزم شاہ کی وفات) ص / ۶۴۰

''فتنہ تاتار'' اور دنیائے اسلام کا الم ناک انجام:

بہر کیف ''خوارزم شاہی سلاطین'' کی تاتاریوں کے ساتھ ان بن نے بالآخر ''مشرقی خلافت بغداد'' کو بھی ایسے الم ناک انجام سے دو چار کر دیا کہ مہذب دنیائے انسانیت آج بھی اس پر ماتم کناں ہے۔

جناب جسٹس سید امیر علی صاحب مرحوم خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''بغداد کی تباہی و بربادی کا خاکہ کھینچنے کے لئے ''گبن'' جیسے جید عالم کا قلم درکار ہے۔ عورتیں اور بچے جو پناہ مانگنے کے لئے ہاتھوں میں قرآن لے کر نکلے۔ موت کی آغوش میں دھکیل دیئے گئے۔

ناز پروردہ خواتین جنہوں نے کبھی غیر مردوں کی صورتیں تک نہ دیکھی تھیں۔ مکانوں سے کشاں کشاں باہر لائی گئیں اور ان کی سخت بے حرمتی و پردہ دری کی گئی۔

وہ علم و ہنر کے خزانے جو بادشاہوں نے سخت جانفشانی سے جمع کئے تھے اور جن میں قدیم ایران کی ترقی کے بچے کھچے گوہر چن چن کر رکھے گئے تھے۔ چند گھنٹوں میں ضائع و برباد ہو گئے۔ تین دن تک گلیوں

میں خون کی ندیاں بہتی رہیں اور دریائے دجلہ کا پانی میلوں تک ارغوانی ہو گیا۔ لوٹ مار، قتل و غارت اور کشت وخون کا بازار چھ ہفتوں تک گرم رہا۔

وحشیوں نے محلات، مساجد اور مزارات آگ کی نذر کر دیئے یا ان کے سنہرے کلس اتار کر انہیں کھنڈر بنا دیا۔ ہسپتالوں میں بیمار اور مریض، کالجوں میں طلباء اور پروفیسر تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

مزاروں میں شیخوں اور مقدس اماموں کی غیر فانی یادگاریں کتب خانوں میں عالموں اور فاضلوں کے نہ مٹنے والے کارنامے خاک کا ڈھیر ہو گئے یا جہاں کہیں دریا نزدیک تھا۔ پانی کی آغوش میں غرق کر دیئے گئے۔

پانچ صدیوں کی محنت شاقہ سے جمع کیے ہوئے خزانے جہالت پر قربان ہو گئے قوم کا چمنستان علم و ہنر، ہمیشہ کے لئے اجڑ گیا اور ایوان ترقی منہدم ہو گیا۔

چار دن کے کشت وخون کے بعد ۲۰ محرم ۶۵۶ھ یا ۲۷ جنوری ۱۲۵۸ء کو خلیفہ مستعصم رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے بیٹوں اور خاندان کے سر برآوردہ افراد کے ذبح کر دیا گیا اور خاندانِ عباسیہ کے صرف چند نونہال جانیں سلامت لے کر نکل سکے۔

بغداد میں قتل و غارت سے قبل بیس لاکھ نفوس کی آبادی تھی۔ ابن خلدون کے قول کے مطابق سولہ لاکھ جانیں تلف ہوئیں اور اس کی تباہی کے ساتھ مغربی ایشیا پر جہالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا گیا۔"

(تاریخ اسلام) از جناب جسٹس سید امیر علی صاحب مرحوم

اردو ترجمہ: جناب حسین رضوی صاحب

بعنوان: بغداد کی تباہی: ص ۱/۳۷۱/۳۷۲

آگے رقمطراز ہیں کہ:

"تیسری صدی عیسوی میں وحشی مشرکوں کی بدولت جو بربادی اسلامی دنیا پر وارد ہوئی۔ عرب اور ایرانی مؤرخ اس کا بیان بڑے درد انگیز لہجہ میں کرتے ہیں اور کوئی شخص سوائے جاہل اور سیہ باطن کے بنی نوع انسان کے اس قدر جانی اتلاف اور تمدنی نقصان پر چار آنسو بہائے

بغیر نہ رہے گا۔

''ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ'' لکھتا ہے کہ:

''مغلوں کا حملہ سخت مصیبت اور خوفناک تباہ کاری تھی جو دنیا پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً نازل ہوئی اور جس کی مثال شاید مستقبل میں بھی ڈھونڈنے سے نہ ملے گی۔ اگر کوئی کہے کہ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک ایسا قہر الٰہی نازل نہ ہوا تھا تو وہ بالکل سچ کہتا ہے کیونکہ تاریخ میں اس قسم کا واقعہ نہیں ملتا۔''

(تاریخ اسلام) از جناب جسٹس سید امیر علی صاحب مرحوم
مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ کراچی
اردو ترجمہ: ص ۳۷۲

''عبداللطیف'' مغلوں کے حملہ کی نسبت تحریر کرتا ہے ''یہ ایسی مصیبت تھی جس کے سامنے ساری مصیبتیں ہیچ ہیں۔''

''جوینی'' مصنف ''جہاں کشا'' جو چنگیز خاں کا ملازم تھا لکھتا ہے ''وہ انقلاب جس نے دنیا کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا، علم کو تباہ اور عالموں کو فنا در دیا، خراسان کو جو روشنی کا مرکز اور علماء کا مامن تھا، کالعدم کر دیا، علم و ہنر کے وارث تلوار کی نذر ہو گئے اور زمانہ میں سائنس اور علوم کا قحط پڑ گیا۔''

(تاریخ اسلام) از جناب سید امیر علی جسٹس صاحب
اردو ترجمہ بر صفحہ ۳۷۲

چنگیز خان کا ایران پر حملہ: (۶۱۶ھ۔ ۱۲۱۹ء)

بریگیڈیر جنرل سر پرسی سائیکس اپنی تاریخ ''اے ہسٹری آف پرشیا'' میں لکھتا ہے کہ:

''چنگیز خاں کے تعلقات خوارزم شاہوں کے ساتھ دوستانہ تھے۔ منگول سردار نے ایک دستہ خوارزم شاہ کے لیے بہت سے تحائف دے کر روانہ کیا اور ساتھ یہ کہلا بھیجا کہ منگول سردار شہزادہ محمد کو اپنے بیٹے ہی کی طرح سمجھیں گے۔

خوارزم شاہ نے اس دستے کی آمد سے یوں سمجھا کہ شاید چنگیز خان ان سفیروں کو بھیج کر اور شہزادہ محمد کو ''بیٹا'' کہہ کر اپنی حکومت کو تسلیم کرانا چاہتا ہے۔ چنانچہ خوارزم شاہ نے ان.........سے چنگیز خان کے

بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کر کے ایک دوستانہ جواب دے کر واپس کر دیا۔

اس کے بعد چنگیز خان نے اپنے کچھ تاجروں کو بھیج کر ایرانی مال خریدنے کا سودا کیا۔ چنانچہ جب منگول اس سارے مال تجارت کو ساتھ لے کر ایران سے جا رہے تھے تو سرحد کے قریب ایک گاؤں ''اترار'' میں اس علاقے کے گورنر کے حکم سے اس بڑے قافلے کو روک لیا گیا۔ مال بحق سرکار ضبط کر کے تمام اراکین قافلہ کو جاسوس قرار دے کر گرفتار کر کے جیل میں ٹھونس دیا گیا اور بادشاہ کو اطلاع دی کہ:

''ایک کاروان جو ایرانی مال ناجائز طور پر لے جا رہا تھا پکڑ لیا گیا ہے۔ اب اس کاروان کے تمام افراد کو پھانسی کی سزا دینے کا حکم دیا جائے۔ بادشاہ نے تفصیل میں جانے کے بغیر ان لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔''

''چنگیز خان'' کو جب تجارت کرنے والے اس قافلے کے اس حشر کا پتہ چلا تو اس نے ایک اور ایلچی شاہ کے دربار میں اس مطالبہ کے ساتھ بھیجا کہ ''(اترار) کے گورنر کو بدلہ لینے کے لئے ان کے حوالہ کر دیا جائے۔ ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ اس سفیر کو بھی قتل کر دیا گیا۔

اس قتل کا لازمی نتیجہ ایک خوفناک جنگ تھا۔ ۶۱۶ھ یعنی ۱۲۱۹ء میں خوارزم شاہ نے نتائج سے بے خبر ہو کر اور اپنی طاقت کے نشہ میں چور ہو کر چنگیز خان سے مقابلے کا اعلان کر دیا۔

اور اپنے بیٹے شہزادہ محمد کو چار لاکھ ایرانی سپاہیوں کی فوج دے کر چنگیز خان کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ شہزادہ محمد کا مقابلہ کرنے کے لیے چنگیز خان کا بیٹا ''جوجی'' ایک جرار لشکر لے کر آگے بڑھا۔ اوش اور سنگر کے مقام پر دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی۔ ایرانی لشکر، منگولوں کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور شہزادہ محمد یہ تصور کر کے بھاگ نکلا کہ چنگیزی فوج ایران کے تھوڑے سے علاقے پر قبضہ کر کے خود بخود رک جائے گی اور معاملہ ختم ہو جائے گا۔

لیکن چنگیزی کی فوج کی اس فتح نے ان کے عزائم میں مضبوطی اور جذباتِ تسخیر میں وسعت پیدا کر دی۔ چنگیز خان نے اب یہ ضروری

تصور کیا کہ اب ایران کے جس قدر زیادہ علاقے ہاتھ لگ سکیں ہتھیا لینے چاہئیں۔ چنانچہ اس کے باقی تین بیٹے اپنی فوج کے تھوڑے تھوڑے حصوں کے ساتھ ایران کے مختلف علاقوں پر حملہ آور ہو گئے اور بڑھتے گئے۔

''چنگیز خان'' خود بخارا کی طرف روانہ ہوا۔ بخارا پر حملہ کرنے کے لیے اس نے اپنی فوج کی وافر تعداد کو ساتھ لیا۔ اس حملہ کے دوران اس نے قلعہ ''اترار'' کا محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ چھ ماہ تک جاری رہا۔ آخر کار ''اترار'' کے گورنر کو مناسب کمک نہ پہنچنے کی وجہ سے ہتھیار ڈالنا پڑے۔

''چنگیز خان'' نے گورنر کو زندہ گرفتار کر لیا اور منگول تاجروں کی ہلاکت کی پاداش میں اس گورنر کی آنکھوں اور کانوں میں گرم گرم پگھلی ہوئی چاندی انڈیل کر ہلاک کر دیا۔

ادھر ''جوجی'' نے جند کے علاقے کو بھی فتح کر لیا۔ چنگیز خان نے بخارا کا چند دن محاصرہ کیا اور بالآخر کامیابی سے اس شہر میں داخل ہوا۔ شہر کی حفاظت کے لئے اس وقت بیس ہزار سپاہی جان کی بازی لگائے کھڑے تھے۔ قلعہ تسخیر ہونے کے فوراً بعد ایرانی سپاہی بھاگنے لگےلیکن منگولوں نے ان سب بھگوڑوں کو چن چن کر ہلاک کرنا شروع کر دیا۔

''چنگیز خان'' کی آنکھوں میں اس وقت اس قدر خون اتر آیا کہ اس کے دماغ میں سوائے قتل و غارت اور تاخت و تاراج کے اور کوئی بات ہی نہ سماتی تھی۔''

(تاریخ ایران) ابتداء سے عصر حاضر تک از جناب سید اصغر علی شاہ جعفری صاحب

ایم اے، ایم او ایل، ایل ایل بی

بعنوان: (چنگیز خان کا ایران پر حملہ) (۶۱۶ھ بمطابق ۱۲۱۹ء)

ص/۶۰۵/۶۰۶

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''چنگیز نے بغداد کی مسجدوں کی بے حرمتی کی اور اپنی فتح کے جشن منانے کے لئے اس نے مساجد کے صحنوں کو اپنا مرکز بنایا۔ جہاں کہ

ایرانی عورتوں کی عصمتوں کو لوٹا۔ شراب کے مٹکے انڈیل دیئے اور ہر قسم کے تعیش کو روا رکھا۔ بخارا میں جشن فتح منانے کے بعد سارے شہر کو آگ لگا دی گئی۔

وہاں کے باشندوں کو غلام بنایا گیا۔ عورتوں کو جنسی ہوس کا نشانہ بنایا گیا اور اہل بخارا کو کھائیاں کھودنے میں مصروف کر دیا۔ جب وہ خندقیں گہری کھد گئیں تو بے شمار زندہ بخاریوں کو ان خندقوں میں زندہ دفن کر دیا گیا۔'' (ایضاً)

(تاریخ ایران) ابتداء سے عصر حاضر تک از جناب سید اصغر علی شاہ جعفری صاحب

ایم اے، ایم او ایل، ایل ایل بی

بعنوان: (چنگیز خان کا ایران پر حملہ) (۶۱۶ھ بمطابق ۱۲۱۹ء)

ص ر ۶۰۷/۶۰۸

بہر کیف ''چنگیز خان'' کی صورت میں تاتاریوں کا یہ طوفان بے تمیزی ''چنگیز خان'' کی موت ۶۲۴ھ بمطابق ۱۲۲۷ء پر ختم ہوا۔ وہ ۱۲۲۵ء میں اپنے ملک کو واپس لوٹ گیا تھا۔ ''چنگیز خان'' کی صورت میں یہ تاتاریوں کی پہلی یلغار تھی۔

یہاں پر ہم قارئین کرام کی معلومات کے لئے ''چنگیز خان'' کا شجرہ نسب ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

(نعمانی)

''چنگیزی خاندان'' کا شجرہ نسب:

چنگیز خان کی نسل میں سے ایلخانی خاندان زمانہ ۶۵۴ھ تا ۷۵۰ھ بمطابق ۱۲۵۶ء تا ۱۳۴۹ء کا خاندانی شجرہ نسب اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجیے!
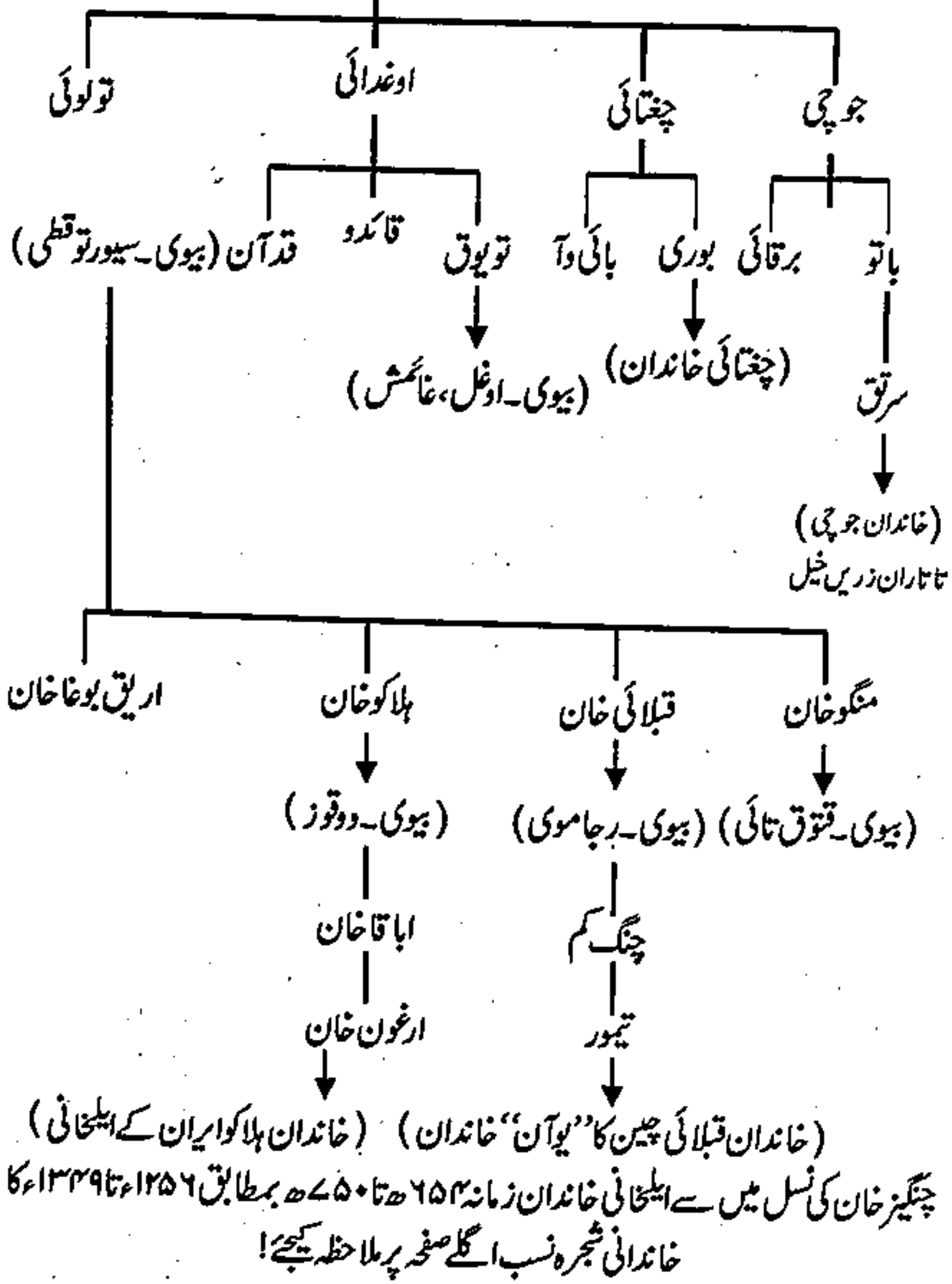
"ایلخانی خاندان" کا شجرۂ نسب:

(زمانہ ۶۵۴ھ تا ۷۵۰ھ بمطابق ۱۲۵۶ء تا ۱۳۴۹ء)

سلاطینِ ایلخانی درج ذیل تھے:

۱۔ ہلاکو خان (ایل خان بن تولی خان بن چنگیز خان): زمانہ: ۶۵۴ھ تا ۶۶۳ھ
۲۔ اباقا خان بن ہلاکو خان: زمانہ: ۶۶۳ھ تا ۶۸۰ھ
۳۔ احمد نکودار بن ہلاکو خان: زمانہ: ۶۸۰ھ تا ۶۸۳ھ
۴۔ ارغون خان بن اباقا خان: زمانہ: ۶۸۳ھ تا ۶۹۰ھ
۵۔ گیخاتو خان بن اباقان خان: زمانہ: ۶۹۰ھ تا ۶۹۴ھ
۶۔ بائدو خان آغول بن تراغائی بن ہلاکو خان: زمانہ: ۶۹۴ھ تا ۶۹۴ھ
۷۔ غازال خان بن ارغون خان: زمانہ: ۶۹۴ھ تا ۷۰۳ھ
۸۔ الجائتو خان محمد خدابندہ بن ارغون خان: زمانہ: ۷۰۳ھ تا ۷۱۶ھ
۹۔ ابوسعید بہادر خان بن محمد خدابندہ: زمانہ: ۷۱۶ھ تا ۷۳۶ھ
۱۰۔ ارپا خان از اولادِ ارتق بوقا ہرد ہلاکو خان: زمانہ: ۷۳۶ھ تا ۷۳۶ھ
۱۱۔ موسیٰ بن علی بن بائدو خان: زمانہ: ۷۳۶ھ تا ۷۳۶ھ
۱۲۔ محمد بن قتلق بن تیمور بن انبارچی بن منگو تیلو بن ہلاکو خان: زمانہ: ۷۳۶ھ تا ۷۳۹ھ
۱۳۔ طغا تیمور از نسلِ برادر چنگیز خان: زمانہ: ۷۳۹ھ تا ۷۵۲ھ
۱۴۔ جہاں تیمور بن الف رنگ بن کیخاتو خان: زمانہ: ۷۳۹ھ تا ۷۴۱ھ
۱۵۔ ساتی بیگ شہزادی ہمشیرہ ابوسعید بہادر خان: زمانہ: ۷۳۹ھ تا ۷۴۰ھ
۱۶۔ سلیمان خان از اولادِ یشموت بن ہلاکو خان: زمانہ: ۷۳۹ھ تا ۷۴۵ھ
۱۷۔ نوشیروان خان: زمانہ: ۷۴۵ھ تا ۷۵۰ھ

نوٹ: نمبر شمار ۱۳ سے ۱۷ کے سلاطین کے اَدوار میں سلطنتِ ایران مختلف حصوں میں منقسم ہو کر مختلف سلاطین کے ماتحت ہو گئی!

چنگیز خان کی اولاد میں سے "ہلاکو خان" (ایل خان) کا شجرہ نسب اگلے صفحے پر ہدیہ قارئین کرام کرتے ہیں۔ (نعمانی)

"ہلاکوخان" (ایل خان) کی اولاد کا شجرۂ نسب:
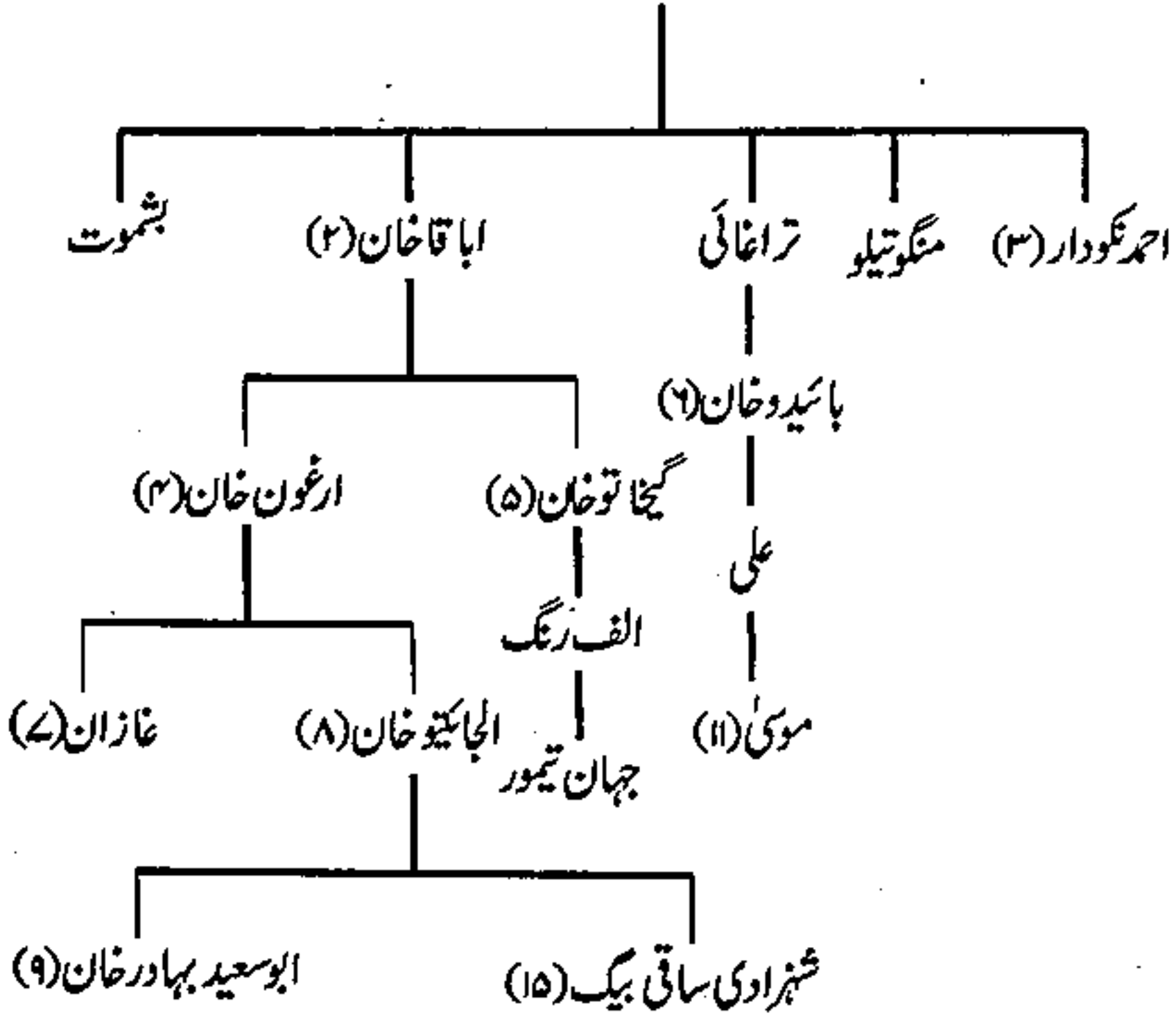
نوٹ:

شجرہ نسب میں جن بعض ناموں کے ساتھ نمبر دیئے گئے ہیں گزشتہ "شجرہ نسب" بعنوان (ایلخانی خاندان) کا شجرہ نسب کی فہرست میں "ایل خانی بادشاہوں" کی ترتیب کو ظاہر کرتے ہیں۔ (نعمانی)

ملاحظہ کیجئے: (تاریخ ایران)
(ابتداء سے عصر حاضر تک) از سید اصغر علی شاہ صاحب
ایم اے، ایم او ایل، ایل ایل بی
ص ۶۰۲/۶۱۴/۶۱۵
نیز ملاحظہ کیجئے (مسلمان شاہی خاندان)
از جناب لین پول صاحب، متعلقہ مقامات۔

اگلے صفحے پر ہم "شاہان خوارزم" کا شجرہ نسب بھی ہدیہ قارئین کرام کرتے ہیں!

''شاہان خوارزم'' کا شجرۂ نسب:

(زمانہ ۱۰۷۷ء تا ۱۲۳۱ء بمطابق ۴۷۰ھ تا ۶۲۸ھ)

انشتگین ۱۰۷۷ء (۴۷۰ھ) تا ۱۰۹۷ء (۴۹۰ھ)

|

قطب الدین محمد بن (۱) ۱۱۲۷ء (۵۲۱ھ)

|

اتسیز بن (۲) ۱۱۵۶ء (۵۵۱ھ)

|

ایل ارسلان بن (۳) ۱۱۷۲ء (۵۶۸ھ)

|

سلطان شاہ محمد بن (۴) (وفات ۱۱۷۲) ء (۵۸۹ھ)

|

تکش بن (۴) ۱۱۹۹ء (۵۹۶ھ)

|

علاء الدین محمد بن (۶) ۱۲۲۰ء (۶۱۷ھ)

|

جلال الدین منگ برتی بن (۷) ۱۲۳۱ء (۶۲۸ھ)

خوارزم شاہی سلطان علاء الدین کے عہد حکومت میں ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں چنگیز خان نے حملہ کیا تھا اور چنگیز خان کی یہ خوفناک یلغار ۶۲۱ھ (۱۲۲۴ء) تک جاری رہی۔ مرکزی ایشیاء میں وہ ایک سال تک خاموش مقیم رہا۔ ۶۳۲ھ (۱۲۲۵ء) میں وہ اپنے ملک کو واپس لوٹ گیا۔ بعد اس کی اولاد ایشیاء میں برسر پیکار ہوتی رہی۔

یہاں ہم قارئین کرام کی معلومات کیلئے ''سلاجقۂ روم'' (ایشیائے کوچک) کا ''شجرہ نسب'' پیش کرتے ہیں۔ (اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو!)

"سلاطینِ سلاجقہ روم" کا شجرہ نسب:

(ایشیائے کوچک)

(زمانہ ۱۰۷۷ء تا ۱۳۰۰ء بمطابق ۴۷۰ھ تا ۷۰۰ھ)

۱۔ سلیمان اول بن قطلمش، الپ ارسلان کا عم زاد بھائی، نیقیہ دارالحکومت ۱۰۸۴ء کے بعد قونیہ ۱۰۹۲ء (۴۸۵ھ) دور تعطل: زمانہ: ۱۰۷۷ء (۴۷۰ھ) تا ۱۰۸۶ء (۴۷۹ھ)

۲۔ قلیج ارسلان داؤد نیقیہ سے صلیبیوں نے اس کو بھگا ڈالا (جون ۱۰۹۷ء) یکم جولائی کو عکی شہر کی لڑائی میں اس کو شکست ہوئی۔ زمانہ: ۱۱۰۶ء (۵۰۰ھ)

۳۔ ملک شاہ اول۔ زمانہ: ۱۱۱۶ء (۵۰۰۔۵۱۰ھ)

۴۔ مسعود اول۔ زمانہ: ۱۱۵۶ء (۵۵۱ھ)

۵۔ عزالدین قلیج ارسلان دوم۔ زمانہ: ۱۱۸۸ء (۵۵۱۔۵۸۴ھ)

۶۔ قطب الدین ملک شاہ دوم۔ زمانہ: ۱۱۹۲ء (۵۸۸ھ)

۷۔ غیاث الدین کیخسرو اول۔ زمانہ: ۱۲۰۰ء (۵۹۷ھ)

۸۔ رکن الدین سلیمان دوم۔ زمانہ: ۱۲۰۳ء (۶۰۰ھ)

۹۔ قلیج ارسلان سوم۔ زمانہ: ۱۲۰۴ء (۶۰۱ھ)

کیخسرو دوبارہ حکمران۔ (۱۲۱۰ء)

۱۰۔ عزالدین کیکاؤس اول۔ زمانہ: ۱۲۱۹ء (۶۱۶ھ)

۱۱۔ علاء الدین کیقباد اول۔ زمانہ: ۱۲۳۶ء (۶۳۴ھ)

بادشاہ بزمانہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۔ غیاث الدین کیخسرو دوم۔ زمانہ: ۱۲۴۵ء (۶۴۳ھ)

۱۳۔ عزالدین کیکاؤس دوم۔ زمانہ: ۱۲۴۵ء (۶۴۳ھ) تا ۱۲۵۷ء (۶۵۵ھ)

۱۴۔ رکن الدین قلیج ارسلان چہارم۔ زمانہ: ۱۲۶۷ء (۶۶۶ھ)

۱۵۔ غیاث الدین کیخسرو سوم۔ زمانہ: ۱۲۸۳ء (۶۸۲ھ)

۱۶۔ غیاث الدین مسعود دوم۔ زمانہ: ۱۲۹۶ء (۶۹۶ھ)

۱۷۔ علاء الدین کیقباد دوم۔ زمانہ: ۱۳۰۰ء (۷۰۰ھ)

قارئین کرام ہم نے آپ کی خدمت بالترتیب "چنگیز خان"، "ہلاکو خان" (ایل خان) ہلاکو خان،، ایلخان کی اولاد نیز خوارزم شاہی سلاطین اور سلاطین سلاجقہ روم کے شجرہ ہائے نسب کو

پیش کیا ہے۔ حضرت شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ ان حکومتی خاندانوں کے ادوار حکومت میں پیدا ہوئے تھے۔

اس قدر تفصیلات سے ہمارا مقصد یہ بتلانا ہے کہ وہ کون سے پریشان کن حالات و واقعات تھے کہ جن کے حوالے سے حضرت شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے جنم لیا۔ اس وقت کے دینی و علمی و معاشرتی و سماجی حالات کیا تھے؟ نیز ان شخصیات نے مختلف حکومتی خاندانوں کے کون کون سے تاجدار و سلاطین کے ادوار میں جنم لیا اس کا بآسانی علم ہو سکے گا۔ انشاء اللہ!

ہم انہیں سطور پر باب ۱۷ کو ختم کرتے ہیں۔

(نعمانی)

باب ۱۸

آذربائیجان اور تبریز

(تاریخ وجغرافیہ)

تاریخی پس منظر:

شمس المعارف حضرت مولانا شمس تبریز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے آپ کی سوانح حیات پر نگارشات پیش کرنے سے قبل یہ ضروری امر ہے کہ سب سے اول آپ کے آبائی وطن کے حوالے سے آپ کا تعارف کروادیا جائے۔ کہ وہ کونسی سرزمین تھی کہ جس کے ایک گل سرسبد آپ بھی تھے۔ وہ کون سی مردم خیز زمین تھی کہ جس کے ایک درشہوار آپ بھی تھے۔ وہ کونسی فضلیت و بزرگی تھی کہ جسے فیاض ازل نے آپ کی صورت میں سرزمین تبریز رحمۃ اللہ علیہ میں ودیعت فرمایا تھا۔ فیاللعجب۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا   ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

فتح آذربائیجان:

مشہور وقدیم مسلم مؤرخ اور جغرافیہ نویس جناب علامہ احمد بن یحیٰ بن جابر الشہیر البلاذری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۷۹ھ) بعنوان (فتح آذربائیجان) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں۔

> ''ہم سے الحسین بن عمر اردبیلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا، اور ان سے ''واقد الاردبیلی'' نے بڑے بوڑھوں کے حوالے سے بیان کیا کہ:
> المغیرہ بن شعبہ، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی جانب سے الکوفہ کے والی ہو کے آئے۔ ان کے ساتھ حذیفہ بن الیمان کے نام

آذربائیجان کی ولایت کا پروانہ تھا۔ المغیرہ نے وہ پروانہ حذیفہ کے پاس بھیج دیا.............. حذیفہ رضی اللہ عنہ اس وقت نہاوند میں یا اس کے قریب تھے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ وہاں سے چل کر اردبیل آئے۔ یہ آذربائیجان کا مستقر حکومت تھا۔ "مرزبان" یہیں رہتا تھا اور اسی کے لئے یہاں خراج کی آمدنی وصول کی جاتی تھی۔

"مرزبان" نے ان سے جنگ کرنے کیلئے باجروان، میمذ، النریر، سراۃ، الشیز اور المیانج وغیرہ کے باشندوں میں سے سپاہی جمع کیے۔ چندروز مسلمانوں نے شدید جنگ کی پھر تمام اہل آذربائیجان کی طرف سے آٹھ (اوقیہ) وزن کے آٹھ لاکھ درہم پر اس شرط سے صلح کر لی کہ:

ان میں سے کسی کو قتل نہ کیا جائے۔ سبی (قیدی) نہ بنایا جائے۔ ان کا کوئی آتش کدہ منہدم نہ کیا جائے اور "بلاسجان" و "سبلان" و "ساترودان" کے کردوں کے مقابلے میں انہیں غیر محفوظ نہ چھوڑا جائے اور خاصتۂ اہل الشیز کو ان کی عیدوں میں زفن (رقص) سے اور (اس موقع پر) جو اعمال وہ کرتے ہیں ان سے نہ روکا جائے۔

"حذیفہ رضی اللہ عنہ" نے اس کے بعد موقان و جیلان پر حملہ کیا اچانک ٹوٹ پڑے اور ان سے خراج پر صلح کر لی۔ کہتے ہیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا اور عتبہ بن فرقد السلمی رضی اللہ عنہ کو "آذربائیجان" کا والی مقرر کیا۔ وہ الموصل سے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شہرزور سے۔ اس رستے جوان دنوں "معاویۃ الاودی" کے نام سے معروف ہے یہاں آئے اور اردبیل میں داخل ہوئے اور غنیمت لی۔ عتبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عمرو بن عتبہ الزاھد رضی اللہ عنہ بھی تھے۔"

(فتوح البلدان) جناب علامہ احمد بن یحیٰی بن جابر الشہیر البلاذری رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۲۷۹ھ) بعنوان (فتح آذربائیجان)

اردو ترجمہ: حصہ دوم (حصہ ہفتم) ص ۴۸۰/۴۸۱

علامہ احمد بن یحیٰی بن جابر الشہیر البلاذری رحمۃ اللہ علیہ آگے رقمطراز ہیں کہ:

"الواقدی رحمۃ اللہ علیہ" اپنی اسناد سے روایت کرتا ہے کہ "المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان پر الکوفہ سے ۲۲ھ میں دھاوا کیا۔ وہاں

پہنچے۔ بزور فتح کیا اور خراج مقرر کیا۔

ابو مخنف رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ابن الکلبی رحمۃ اللہ علیہ راوی ہے کہ المغیرہ رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان پر ۲۰ھ میں حملہ کیا اور فتح کیا۔ پھر انھوں نے نافرمانی کی۔ الاشعث بن قیس الکندی نے ان پر حملہ کر کے حصن باجروان فتح کیا اور انہوں نے الاشعث سے ویسی ہی صلح کر لی جیسی المغیرہ رضی اللہ عنہ سے کی تھی۔ جو آج تک قائم ہے۔

ابو مخنف لوط بن یحییٰ کہا کرتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان کا حاکم سعد رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ پھر عمار رضی اللہ عنہ کو پھر المغیرہ رضی اللہ عنہ کو اور دوبارہ پھر سعد رضی اللہ عنہ کو۔ جس سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تمام امراء بلاد کو مدینہ مبارک آنے کو لکھا تھا۔ اسی وجہ سے سعد رضی اللہ عنہ شوریٰ میں شریک ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ جو "خلافت" پر قائم ہو وہ سعد رضی اللہ عنہ کو ان کی حکومت پر واپس کرے۔"

(فتوح البلدان) بعنوان (فتح آذربائیجان) اردو ترجمہ: حصہ دوم (حصہ ہفتم) ص ۴۸۱

"ابو مخنف کے سوا دوسروں نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت الکوفہ پر ان کی جانب سے المغیرہ رضی اللہ عنہ والی تھے۔ اپنے جانشین کو وصیت کی کہ سعد رضی اللہ عنہ کو الکوفہ کا اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو البصرہ کا والی کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دونوں کو والی کیا مگر بعد میں معزول کر دیا۔

مجھ سے المدائنی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا، ان سے علی بن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے، ان سے محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اور ان سے الزہری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:
اللہ نے جب مشرکوں کو نہاوند میں ہزیمت دی تو لوگوں نے اپنے اپنے شہروں کا رخ کیا۔ صرف اہل کوفہ، حذیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ پھر آذربائیجان پر حملہ کیا اور ایک لاکھ (درہم) پر صلح کر لی۔"

علامہ احمد بن یحییٰ بن جابر الشہیر البلاذری رحمۃ اللہ علیہ

(فتوح البلدان) بعنوان (فتح آذربائیجان) اردو ترجمہ: حصہ دوم (حصہ ہفتم) ص ۴۸۱

"پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے الاشعث کو آذربائیجان کا والی کیا۔ وہ جب یہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اہل آذربائیجان میں بہت سے اسلام لے آتے ہیں اور قرآن پڑھتے ہیں۔ عربوں میں سے اہل العطاء واہل الدیوان کی ایک جماعت اردبیل میں آباد کی اور

ایک مسجد بنائی جسے بعد کو وسیع کیا گیا۔

حسین بن عمرو رحمۃ اللہ نے کہا مجھے واقد رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی، کہ:

جس زمانے میں عرب، آذر بائیجان پر خیمہ زن تھے ان کے اہل وعیال مصرین والشام سے آذر بائیجان کی طرف نکل کھڑے ہوئے جس کو جہاں جگہ ملی آباد و متصرف ہو گیا۔

ان میں سے بعض نے عجمیوں سے زمینیں خریدیں۔ اہل القریٰ نے ان نو واردوں کی پناہ لی اور ان کے کاشت کار بن گئے۔'' (ملخصاً)

علامہ احمد بن یحییٰ بن جابر الشہیر البلاذری رحمۃ اللہ علیہ

(فتوح البلدان) بعنوان (فتح آذر بائیجان) اردو ترجمہ: حصہ دوم (حصہ ہفتم) ص/۴۸۴

ولایت آذر بائیجان کا جغرافیہ و تاریخی حالات:

مشہور انگریز مستشرق جناب جی۔لی۔ اسٹرینج صاحب بعنوان (آذر بائیجان) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''جھیل اُرمیہ۔ تبریز۔ سراؤ۔ مراغۃ اور اس کے دریا پسوا اور ''اُشنہ''، شہر ارمیہ اور سلماس۔ خوئی اور مرند۔ نخچوان۔ دریائے ارس کے پل کوہِ سبلان۔ اردبیل اور آھر۔ سفید رود اور اس کے معاون، میانج۔ خلخال اور فیروز آباد۔ دریائے شال اور شاہ رود کا علاقہ۔''

(جغرافیۂ خلافتِ مشرقی) جناب جی۔لی۔اسٹرینج صاحب

اردو ترجمہ: بعنوان (آذر بائیجان) باب ۱۱۔ بعنوان (آذر بائیجان) ص/۲۰۶

''آذر بائیجان'' کا کوہستانی علاقہ، جس کا تلفظ موجودہ فارسی میں (آذر بائیجان) ہے دورِ خلافت میں اتنی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ جتنی کہ مغلوں کی یورش کے بعد زمانہ وسطیٰ کے آخری حصہ میں اسے حاصل ہو گئی۔

ابتداء میں یہ صوبہ تجارت کے اس کاروبار سے دور پڑتا تھا۔ جس کا سلسلہ خراسان کی سڑک سے، جو صوبہ جبال [Media] میں سے ہو کر گزرتی تھی۔ برابر جاری تھا۔

''مقدسی رحمۃ اللہ علیہ'' کہتا ہے کہ:

''یہ دور افتادگی اس وجہ سے اور زیادہ ہو گئی تھی کہ آذر بائیجان کے پہاڑوں اور مرتفع میدانوں میں ستر سے زیادہ زبانیں بولی جاتی تھیں اور اس کے علاوہ صوبہ کے شہروں میں کوئی بڑا شہر نہ تھا۔''

(جغرافیۂ خلافتِ مشرقی) جناب جی۔لی۔اسٹرینج صاحب

اردو ترجمہ: بعنوان (آذر بائیجان) باب ۱۱۔ بعنوان (آذر بائیجان) ص/۲۰۶

حاشیہ:

''آذر بائیجان'' کے بارے میں حاشیہ میں جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب مزید تحقیقات پیش فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

''اس صوبہ کا قدیم ایرانی نام ''آذر بادگان'' تھا۔ جسے یونانیوں نے بگاڑ کر ''اتروپاتینی'' [Atropatene] کرلیا۔ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ (ص۳۰۳) نے لکھا ہے کہ' آذر بائیجان، ارّان اور آرمینیہ ایک ہی صوبے کے مختلف حصے ہیں اور اس صوبے کو اس نے ''اقلیم رحاب'' (مرتفع میدانوں کا علاقہ) لکھا ہے اوراس طرح اسے صوبہ جبال کے کوہستانی علاقے اور میسوپوٹیمیا کی نشیبی (اقور) سرزمین سے ممیّز کردیا ہے۔''

(جغرافیہ خلافت مشرقی) جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب

اردو ترجمہ: بعنوان (آذر بائیجان) باب ۱۱

بعنوان (آذر بائیجان) ص/۲۰۶

''آذر بائیجان، کے صوبہ کا سب سے زیادہ مخصوص طبعی منظر جھیل ارمیہ ہے۔ یہ جھیل شمال سے جنوب کی طرف اسی میل سے زیادہ لمبی ہے اور جہاں زیادہ سے زیادہ چوڑی ہے وہاں اس کا عرض اپنے طول کا ایک ثلث ہے۔

یہ ''تبریز'' کے مغرب میں واقع ہے اور شہر ارمیہ کے نام پر جو اس کے مغربی کنارے پر ہے۔ اس کا یہ نام ہوا ہے۔ اس کا نام مختلف کتابوں میں مختلف طور پر آیا ہے۔ ''زنداوستا'' میں چائی چاستا: [Chaechasta] لکھا ہے اور یہی قدیم ایرانی نام ''چی چشت'' میں موجود ہے۔ جو ''فردوسی'' نے ''شاہنامہ'' میں استعمال کیا ہے۔

''مستوفی رحمۃ اللہ علیہ'' کے زمانے تک یہی نام مروج تھا۔ چوتھی (دسویں) صدی میں مسعودی رحمۃ اللہ علیہ اور ابنِ حوقل رحمۃ اللہ علیہ نے ''بحیرہ کبوذان'' لکھا ہے۔ یہ نام ایک ''آرمنی'' لفظ سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ''نیلی'' جھیل کے ہیں۔ کیونکہ ''کپائڈ'' [Gaboid] اس زبان میں ''نیلے'' کو کہتے ہیں۔ ''اصطخری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جھیل ارمیہ لکھا ہے۔

''مقدسی رحمۃ اللہ علیہ'' نے اس کی پیروی کی ہے۔ بعض جگہ ''اصطخری رحمۃ اللہ علیہ'' نے اسے ''بحیرۃ الشراۃ'' (خارجیوں کا سمندر) لکھا ہے۔ کیونکہ بہت سی مختلف قومیں جو اس کے کنارے

آباد تھیں۔ان کے عقائد عام مسلمانوں سے مختلف تھے۔

''اصطخری رحمۃ اللہ علیہ'' نے اس جھیل کے پانی کو سخت کھاری لکھا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے زمانے میں یہ جھیل کشتیوں سے پٹی رہتی تھی۔ان سے ارمیہ اور مراغنہ کے شہروں میں مال تجارت کی آمد ورفت رہتی تھی۔

جھیل کے وسط میں ایک جزیرہ تھا۔جس کا نام ''ابن سراپیون'' نے ''کبوذان'' لکھا ہے۔اس میں چھوٹا سا شہر تھا۔جس میں ملاح آباد تھے۔''اصطخری رحمۃ اللہ علیہ'' نے لکھا ہے کہ اس جھیل میں مچھلیاں بکثرت تھیں اور ایک عجیب وغریب مچھلی تھی؛ جسے کلب الماء (پانی کا کتا) کہتے تھے۔

اور ابنِ حوقل رحمۃ اللہ علیہ لکھتا ہے کہ اس میں مچھلیاں بالکل نہ تھیں۔سردی کے موسم میں طوفان سے بڑی بڑی موجیں اٹھتی تھیں اور کشتیاں چلانی خطرناک ہو جاتی تھیں۔

ابو الفداء نے اس جھیل کو ''بحیرہ تلا'' لکھا ہے لیکن اس نام کے معنی معلوم نہیں لیکن 'قزوینی' لکھتا ہے کہ نمک اور توتیا اس جھیل سے بہت پیدا ہوتا تھا اور ان کا دساور بکثرت باہر بھیجا جاتا تھا۔

''مستوفی رحمۃ اللہ علیہ'' نے (جیسا کہ اوپر آچکا ہے) اس جھیل کو ''چی چست'' اور دریائے شور لکھا ہے۔کہیں کہیں اسے ''بحیرہ طروج یا طسوج بھی کہا ہے۔طروج یا طسوج اس جھیل کے شمالی کنارے پر ایک شہر تھا اور اسی شہر کے نام پر اس جھیل کا یہ نام لیا گیا ہے۔مستوفی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابرو رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے اس جھیل میں ایک جزیرہ کا (جس کی شکل پانی کم ہونے پر جزیرہ نما کی ہو جاتی تھی) ذکر کیا ہے جس کا نام ''شاع'' تھا۔

اس میں ایک بڑا قلعہ، پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔یہ محل ''ہلاکو'' اور دوسرے مغل شاہزادوں کا مدفن تھا۔شاھا کے قلعے کا ذکر تیسری (نویں) صدی کی تاریخوں میں بھی ملتا ہے۔

چنانچہ ابن مسکویہ رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں ہارون الرشید کے پوتے متوکل علی اللہ کی خلافت کا حال لکھا ہے وہاں شاھا اور یکندر کے دو قلعوں کا بھی ذکر کیا ہے۔جو اس زمانے میں یہاں کے باغی سرداروں کے قبضے میں تھے۔ساتویں (تیرھویں) صدی میں ہلاکو خان نے شاھا کو (جسے حافظ ابرو رحمۃ اللہ علیہ نے بحیرہ ارمید کا قلعہ تلا لکھا ہے)۔

دوبارہ تعمیر کرایا اور اس میں اپنا تمام خزانہ جو بغداد اور خلافت کے صوبوں سے لوٹا تھا جمع کیا تھا۔چونکہ یہ مقام بعد میں ہلاکو کا مدفن بنا اس لیے فارسی میں اسے گور قلعہ (قبر والا قلعہ) کہنے لگا۔تیمور کے عہد میں، جب حافظ ابرو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب لکھی، وہ بالکل غیر آباد تھا۔''

(جغرافیۂ خلافتِ مشرقی)

جناب جی۔لی۔اسٹرینج صاحب

اردو ترجمہ: بعنوان (آذربائیجان) ص ر۲۰۷/۲۰۸

تبریز:

ولایت (صوبہ) ''آذربائیجان'' کے حالات بیان کرنے کے بعد ہم اصل مرکزی نقطہ یعنی ''تبریز'' کی جانب قارئین کرام کی توجہات کو مبذول کرتے ہیں اور اس باب ۱۸ میں منشاء و مقصود دراصل ''تبریز'' کا تعارف کروانا ہے۔ کہ جس میں شمس المعارف حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے جنم لیا تھا۔ تو آیئے ہم ذرا صوبہ آذربائیجان کے مشہور شہر تبریز کا مختصراً تاریخی جغرافیائی طور پر جائزہ لیتے ہیں۔

مشہور انگریز مستشرق جناب جی۔ بی۔ اسٹرینج صاحب بعنوان (تبریز) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں۔

''تبریز کا شہر اس جھیل کے کنارے سے تقریباً بتیس میل کے فاصلے پر ایک دریا پر واقع ہے اور یہ دریا ''شاھا'' کے جزیرہ یا جزیرہ نما کے قریب سے نکلتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ تیسری (نویں) صدی تک تبریز محض ایک گاؤں تھا۔ خلیفہ متوکل علی اللہ کے عہد میں ایک شخص ''ابن الرواد'' وہاں آ کر بسا۔ اس نے اور اس کے بھائی اور بیٹے نے اپنے اپنے لیے محل تیار کرا لیے اور آخر اس تمام آبادی کو جو ان محلوں کے گرد پیدا ہوگئی تھی ایک فصیل سے گھیر دیا۔ بعد کی ایک روایت یہ مشہور ہے کہ اس شہر کو ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ رحمۃ اللہ علیہا نے بسایا تھا۔'' (ملخصاً)

(جغرافیہ خلافتِ مشرقی) جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب

اردو ترجمہ: باب ۱۱ ص ر۲۰۹

مشہور اور قدیم عرب مسلم مؤرخ جناب علامہ احمد بن یحییٰ بن جابر الشہیر البلاذری رحمۃ اللہ علیہ ''تبریز'' کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ:

''تبریز میں الرواد الاذری رحمۃ اللہ علیہ فروکش ہوا، پھر ''الوجناء بن الرواد رحمۃ اللہ علیہ'' اور اس کے بھائیوں نے مکانات بنائے۔ گرداگرد دیوار بنوائی اور اس کو محفوظ کیا۔ اس کے بعد لوگ یہاں اس کے ساتھ آباد ہو گئے۔''

(فتوح البلدان) از جناب علامہ احمد بن یحییٰ بن جابر الشہیر البلاذری رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ: حصہ دوم (حصہ ہفتم) ص ۲۸۶ بعنوان: فتح آذر بایجان

بہر کیف صوبہ آذر بایجان کی تسخیر بشمول تبریز خلیفہ ثانی جناب سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ۲۱ھ یا ۲۲ھ کو ہوئی تھی۔

جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب رقمطراز ہیں کہ:

''ایک روایت یہ مشہور ہے کہ اس شہر کو ''ہارون الرشید'' کی ملکہ زبیدہ رحمۃ اللہ علیہا نے بسایا تھا لیکن پرانے مؤرخوں سے اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہیں پتہ نہیں چلتا کہ زبیدہ کبھی ''آذر بایجان'' آئی تھی۔

''مقدسی رحمۃ اللہ علیہ'' نے چوتھی (دسویں) صدی میں ''تبریز'' کو ایک خوبصورت شہر بتلایا ہے۔ جس میں ایک جامع مسجد تھی۔ شہر کے گرد میووں کے بارآور باغ تھے اور آبادی میں پانی کی بہتات تھی۔ ''یاقوت رحمۃ اللہ علیہ'' جو ۶۱۰ھ (۱۲۱۳ء) میں آیا تھا۔ تبریز کو آذر بایجان کا سب سے بڑا شہر بتلاتا ہے اور قزوینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اضافہ کیا ہے کہ تبریز ''کا عتابی'' جو ایک ریشمیں کپڑا تھا۔ یہاں کی مخملیں اور دیگر قسم کے کپڑے مشہور تھے۔

جب ۸۱۶ھ (۱۲۲۱ء) میں مغلوں نے اس شہر کو فتح کیا تو اہل شہر نے فوراً فدیہ دے کر اس کو گویا خرید لیا۔ بعد کو ایلخانیوں کے عہد میں تبریز جیسا کہ ہم لکھ آئے ہیں، اس نواح کا سب سے بڑا شہر بن گیا''۔

''مستوفی رحمۃ اللہ علیہ'' نے تبریز کا حال تفصیل سے لکھا ہے وہ کہتا ہے کہ:

یہ شہر دو مرتبہ زلزلوں سے برباد ہوا اور دونوں مرتبہ پھر تعمیر کیا گیا۔ پہلا زلزلہ ۲۴۴ھ (۸۵۸ء) میں آیا اور دوسرا ۴۳۴ھ (۱۰۴۳ء) میں۔ اس زلزلہ میں چالیس ہزار باشندے ضائع ہوگئے۔

جب آخری مرتبہ اس کو تعمیر کیا گیا ہے تو اس کے گرد ایک فصیل بنائی گئی۔ جو دور میں (۶۰۰۰) ہزار قدم تھی اور اس میں دس دروازے تھے۔ یہ شکل آٹھویں (چودھویں) صدی تک قائم رہی۔ جب کہ غازان خان نے پرانی فصیل کے باہر ایک نئے شہر کی عمارتیں بنوانی شروع کیں اور ان عمارتوں کے گرد ایک نئی فصیل بنوادی۔ اس نئی فصیل میں چھ دروازے تھے اور اس کے دور میں ولیان کی پہاڑی بھی آگئی تھی۔ اس

فصیل کا دَور (۲۵۰۰۰) ہزار قدم تھا۔

''مستوفی رحمۃ اللہ علیہ'' نے ''تبریز'' کی اندر والی اور باہر والی فصیلوں کے دروازوں کے نام لکھے ہیں۔ (مگر قلمی نسخوں میں ان ناموں کے بارے میں بہت کچھ اختلاف ہے) ''مستوفی رحمۃ اللہ علیہ'' لکھتا ہے کہ غازان خان ۷۰۳ھ (۱۳۰۳ء) میں اپنے ہی تعمیر کیے ہوئے نئے شہر کے محلہ یا ربض شام میں دفن کیا گیا تھا۔

اس کے جانشینوں نے شہر کے اندر اور شہر کے باہر ''ربض رشیدی'' میں جو ولیان کی پہاڑی کی ڈھال پر واقع تھا۔ متعدد مسجدیں اور دیگر عمارات عامہ تعمیر کرائیں۔ ''تبریز'' کے باغ ''مھران رود'' کے پانی سے سیراب ہوتے تھے۔ یہ دریا کوہ سھند سے جو شہر کے جنوب میں تھا نکلتا تھا۔ تبریز کے گرد سات اضلاع اور تھے جن کے نام اکثر ان دریاؤں کے ناموں پر تھے جو ان میں بہتے تھے۔

''مستوفی رحمۃ اللہ علیہ'' نے ان اضلاع اور ان کے قرب و جوار کے قریوں کے نام تفصیل سے نقل کیے ہیں لیکن ان میں سے اکثر نام ایسے ہیں جن کے پڑھنے میں شبہ رہ جاتا ہے۔

''ابن بطوطہ'' ۷۳۳ھ (۱۳۳۴ء) میں تبریز آیا تھا۔ وہ اس شہر کے شام کے محلہ کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ شہر کے باہر تھا اور اس میں غازان کا بنایا ہوا، ایک عالی شان مدرسہ اور خانقاہ تھی۔

''ابن بطوطہ رحمۃ اللہ علیہ'' شہر تبریز میں باب بغداد سے داخل ہوا تھا اور اس نے قازان کے بازار، اور جوہریوں کے بازار کا، جہاں ہر قسم کے جواہرات بکثرت فروخت کے لئے موجود رہتے تھے ذکر کیا ہے۔

اسی کے قریب مشک و عنبر کا بازار تھا۔ وہ کہتا ہے کہ یہاں کی جامع مسجد ''غازان رحمۃ اللہ علیہ'' کے وزیر علی شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیر کرائی تھی۔ مسجد کا فرش سنگ مرمر کا تھا، اس کے حوض کے لئے ایک نہر سے پانی آتا تھا۔ دیواروں پر روغنی یعنی قاشانی کام کیا گیا تھا اور مسجد کے دائیں طرف خانقاہ اور بائیں طرف مدرسہ تھا۔

''مھران رود'' جو تبریز کی بیرونِ شہر بستیوں میں سے گزرتا تھا اور سر درود کے جنوب مغرب میں بہتا تھا۔ دونوں کوہ سھند جو تبریز کے

جنوب میں تھا سے نکلتے تھے اور دونوں ''دریائے سراؤ'' میں مل جاتے تھے جو شہر کے شمال میں تھوڑے فاصلے پر تھا۔

''سراؤ رود'' جس کا دوسرا نام ''دریائے سرخاب'' تھا۔ سبلان کوہ سے نکلتا تھا۔ جو تبریز سے (۲۰۰) میل کی مسافت پر شہر اردبیل کے سر پر کھڑا تھا۔ یہ دریا بہت طویل چکر کاٹنے، بہت سی شور مردابوں میں سے گزرنے اور بہت سے معاون دریاؤں کو ساتھ لینے کے بعد ایک مقام پر جو تبریز سے چالیس میل مغرب میں تھا۔ جھیل ارمیہ میں گر جاتا تھا۔

''کوہ سبلان'' اور ان دونوں پہاڑوں میں سے نکلنے والے دریاؤں کا حال ''مستوفی رحمۃ اللہ علیہ'' نے خوب تفصیل سے لکھا ہے۔ ''سراؤ'' یا سراب'' کا شہر جس کے نام پر ''سراؤ رود'' کا نام مشہور ہوا تھا۔ تبریز سے اردبیل جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ مستوفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتا ہے کہ شہر سراؤ یا سراب کے گرد ''ورزند'' درند، برغوش، اور سقھیر کے چار اضلاع تھے۔

ابتدائی عرب جغرافیہ نویس، سراب کو سرات لکھتے ہیں۔ ابن حوقل رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ ایک خوبصورت مقام تھا۔ جس میں بہت سی چکیاں (طواحین) تھیں، اور شہر کے گرد میووں کے باغ اور کھیت تھے۔ جن میں غلہ اور میوہ بکثرت پیدا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ سرات میں بہت سی سرائیں اور عمدہ بازار تھے۔ یاقوت نے جو اس شہر کا نام سراؤ یا سرو لکھتا ہے۔ بیان کیا ہے کہ یہ شہر ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) کی تاتاری یورش میں برباد ہو گیا تھا اور اس کے اکثر باشندے قتل کر دیئے گئے تھے لیکن آئندہ صدی میں جب ''مستوفی رحمۃ اللہ علیہ'' نے اپنی کتاب لکھی ہے تو پھر بارونق ہو گیا تھا۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ شہر تبریز سے تین دن اردبیل سے دو دن کی مسافت پر واقع تھا۔

''سَرَاَوْرُوْذ'' کے بائیں (جنوبی) کنارے پر ''اُوْجَانْ'' یا ''اُوْجَانْ'' کا شہر تبریز سے دس فرسخ کے فاصلے پر اس سڑک پر واقع تھا جو تبریز سے میانہ کو جاتی تھی لیکن اس کو مغلوں نے برباد کر دیا تھا اور مستوفی کی زندگی میں غازان خان نے جو چند روز یہاں رہا تھا اسے دوبارہ تعمیر کرایا۔ اس کا نام بدل کر اس نے ''شہر اسلام'' رکھا اور اس کے گرد چونے گچ کی ایک سنگین فصیل، جو دور میں (۳۰۰۰) قدم تھی۔ تعمیر کرائی۔ اس

کے نواح کی زمینیں زرخیز تھیں اور ان میں غلہ، روئی اور میوہ بکثرت پیدا ہو تا تھا۔ اس کا دریا "آب اوجان"، کوہ سھند کی ایک مشرقی شاخ سے نکلا تھا۔

اس پہاڑ کے جنوب مغرب میں، تبریز سے تقریباً ساٹھ میل، اور جھیل ارمیہ کے ساحل سے چار فرسخ کے فاصلے پر، داخرقان کا بڑا گاؤں تھا۔

"ابن حوقل رحمۃ اللہ علیہ" اور دوسرے عرب جغرافیہ نویسوں نے اس نام کو اسی طرح لکھا ہے۔

لیکن اہل ایران اسے "دہ خوارقان" لکھتے ہیں۔ یاقوت نے "داخرقان" کا دوسرا نام دہ نخیر جان لکھا ہے اور بتلایا ہے کہ اس کے معنی "نخیر جان" کا گاؤں (دہ) ہیں۔ نخیر جان ساسانی بادشاہ خسرو کا خزانچی تھا۔ مستوفی نے اس کو چھوٹا سا قصبہ بتایا ہے۔ جس کے گرد ملحقات اور گاؤں تھے۔ جہاں میوہ اور غلہ بہت پیدا ہوتا تھا۔"

(۱) (جغرافیۂ خلافتِ مشرقی) از جناب جی۔ بی۔ اسٹرینج صاحب اردو ترجمہ: باب ۱۱، بعنوان (آذر بائیجان) تحتِ عنوان (تبریز) ص ۲۱۱/۲۱۲/۲۱۳

(۲) (سفر نامہ ابن بطوطہ) از ابن بطوطہ اردو ترجمہ بعنوان (شہر تبریز میں آمد) ص ۲۹۲/۲۹۳

تبریز کی تاریخی اہمیت:

جناب جی۔ بی۔ اسٹرینج صاحب "تبریز" کی تاریخی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"زمانہ مابعد کے مختلف عہدوں میں متعدد شہر یکے بعد دیگرے صوبے کے صدر مقام تھے۔ پہلے شروع کے عباسی خلفاء کے عہد میں اردبیل صدر مقام تھا۔ پھر بعد کے خلفاء کے زمانے میں "تبریز" کو یہ شرف حاصل ہوا۔

لیکن تاتاریوں کی یورش کے بعد کچھ مدت کے لئے یہ درجہ "مراغہ" کو مل گیا۔ ایل خانیوں کے عہد میں تبریز نے پھر اپنا پہلا عروج

حاصل کرلیا۔

لیکن خاندان صفوی کے ابتدائی بادشاہوں کے زمانے میں اردبیل کے سامنے کچھ نہ رہا۔اس کے بعد جب گیارہویں (سترھویں) صدی میں شاہ عباس صفوی نے اصفہان کو تمام ایران کا دارالسلطنت قرار دیا اور اردبیل ویران ہو گیا۔تو تبریز ایک مرتبہ آذربائیجان کا صدر مقام ہو گیا۔

چنانچہ اس وقت تک اس کی یہ حیثیت قائم ہے اور وہ ایران کے شمال مغربی حصے کا بڑا شہر ہے۔"

(۱)(جغرافیۂ خلافتِ مشرقی)از جناب جی۔بی۔اسٹرینج صاحب اردو ترجمہ:باب۱۱،بعنوان (آذربائیجان) تحتی عنوان (تبریز) ص/۲۰۷

(۲)(اسلامی انسائیکلوپیڈیا) جناب سید قاسم محمود صاحب بعنوان (تبریز) جلد اول/ص/۵۱۵/۵۱۶

ہم انہیں سطور پر باب ۱۸ کو ختم کرتے ہیں۔

(نعمانی)

باب ۱۹

شمس المعارف حضرت مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ معرفت

جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضرت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہٗ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہٗ

حضرت سیدنا قاسم فقیہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدنا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہٗ ابن ابی طالب

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہٗ

حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدنا امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدنا امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدنا امام اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

("فرقہ اسماعیلیہ" کے ساتویں امام تھے،
آپ کے بعد اس فرقہ کے خفیہ (باطنی) "اماموں" کا سلسلہ چلتا ہے!)

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

......(شجرہ جاری ہے، اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

حضرت سیدنا امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

حضرت خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ (۲)

حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (۳)

حضرت ابو علی رود باری رحمۃ اللہ علیہ (۴)

حضرت ابو علی کاتب رحمۃ اللہ علیہ (۵)

حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ (۶)

حضرت ابو القاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ (۷)

حضرت شیخ ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ (۱)

حضرت شیخ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۲)

حضرت امام ابو بکر نساج رحمۃ اللہ علیہ (۱)

حضرت امام الشیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۲)

برادر حضرت شیخ امام احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (۳)

حضرت شیخ رکن الدین سنجاسی رحمۃ اللہ علیہ (۴)

حضرت شیخ مولانا شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ (۵)

شمس المعارف، حضرت مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے شجرۂ معرفت کی توضیحات:

قارئین کرام ہم نے گزشتہ صفحہ میں شمس المعارف حضرت مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ معرفت (یعنی شجرہ تصوف وسلوک) پیش کیا ہے کہ جس کے باوصف ہمیں آپ کے بارے میں درج ذیل امور کا بخوبی علم ہوتا ہے وہ یہ کہ:

☆...... حضرت مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ معرفت یعنی (شجرہ تصوف وسلوک) ایک سلسلہ (واسطہ) سے جناب سیدنا حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے جناب سیدنا خلیفہ اول حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

☆...... دوسری جانب آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شجرہ معرفت یعنی (شجرہ تصوف وسلوک) جناب سیدنا خلیفہ چہارم حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔ اور پھر جناب سیدنا خلیفۂ چہارم حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ تک حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے شمس المعارف حضرت مولانا شمس الدین تبریز کا شجرۂ ارادت پہنچتا ہے۔

☆...... اور آنحضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تو "لولاک" کا مصداق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات سراج ہدایت اور قمر منیر ہے۔ حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

تو اصل وجود آمدی از نخست
دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

ترجمہ: یعنی اے (حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو روز ازل سے اصل موجود ہیں اور تمام مخلوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاخیں ہیں۔

سب سے اول خلاقِ ازل (اللہ تعالیٰ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور یعنی (نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم) تخلیق فرمایا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ ہدایت سے تمام جہان کو منور فرمایا گیا۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

حضرت مولانا شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی:

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا

اسم گرامی بدیں الفاظ بیان فرمایا ہے:

''مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داوٗ دالتبریزی رحمۃ اللہ علیہ''

(نفحات الانس) از مولانا الشیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، بعنوان (۴۹۲۔ مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داوٗ دالتبریزی رحمۃ اللہ علیہ ص/۴۸۹

شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

نام محمد بن علی بن ملک داد رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

ملاحظہ کیجئے: (سفینۃ الاولیاء) اردو ترجمہ، ص/۲۲۷

بعنوان (حضرت مولانا شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ)

آپ کے آداب والقاب:

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ آپ (حضرت مولانا شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ) کے القاب وآداب کا ذکر فرماتے ہوئے بدیں الفاظ رقمطراز ہیں کہ:

''مولوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے القاب میں یہ لکھا ہے۔''

المولٰی الاعز الداعی الی الخیر خلاصۃ الارواح ستر المشکوٰۃ و الزجاجۃ والمصباح شمس الحق والدین نور اللّٰہ فی الاولین والآخرین.

ترجمہ: ''المولیٰ صاحبِ شرف، خیر کی جانب دعوت دینے والے ارواح (مومنین) میں سے خاص، سترِ مشکوٰۃ (یعنی اسرارِ الٰہی کے چراغ دان کے رمز آشنا اور اس کے شیشے کے محرم راز اور اس کی قندیل کے پہچاننے والے، حق اور دین کے روشن سورج، اور اولین وآخرین میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایت کے نور۔'' (نعمانی)

(نفحات الانس) از حضرت مولانا الشیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، بعنوان (مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داوٗ دالتبریزی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۴۸۹

حضرت مولانا الشیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے عبارت مذکورہ بالا میں یوں فرمایا ہے کہ:

''یعنی وہ مولانا عزیز تر خیر کی جانب بلانے والے، ارواح کا خلاصہ، طاق اور شیشہ کے اوپر چراغ کے بھید ہیں۔ حق اور دین کے آفتاب اولین وآخرین میں خدا کے نور ہیں۔''

(نفحات الانس)

از مولانا الشیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، ص/۴۸۹

آپ کا خاندان:

شمس العارف حضرت مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وسوانح نیز خاندانی حالات اور خاندانی پس منظر کے بارے میں کتب تذکرہ تفصیلات کے حوالے سے خاموش ہیں۔

آپ کے خاندانی سلسلہ (شجرہ) میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک آپ کے والد محترم "خاوند علاؤ الدین کیا بزرگ امید" کی اولاد میں سے تھے۔

جناب رئیس احمد جعفری ندوی صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام "علاؤ الدین" تھا۔ وہ کیا بزرگ کے خاندان سے تھے، جو فرقہ اسمٰعیلیہ کا امام تھا لیکن انہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا"

(انوار اولیاء کامل) از جناب مولانا رئیس احمد جعفری ندوی صاحب بعنوان (مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ) تحتی عنوان (شمس تبریز کی ملاقات) ص ۱۴۲

والد محترم کی اصلاح مذہب:

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ:

مولانا علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ موصوف اپنے آبائی مذہب سے بیزار ہو گئے تھے اور خاندانی غیر اسلامی کتب ورسائل نذر آتش کر کے ان مقامات کا رخ کیا جہاں سخت کفر والحاد تھا۔

تبلیغ وارشاد:

چنانچہ مولانا علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ موصوف نے ان مقامات کا رخ کیا کہ جہاں سخت کفر و الحاد تھا اور تبلیغ اسلام کے لئے دعوت وتبلیغ اور ارشاد اور پند ونصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔

حضرت خواجہ شمس الدین تبریز علیہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ولادت:

بعض سوانح نگاروں کا خیال ہے کہ:

حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ یہیں تبریز میں متولد ہوئے تھے۔ تبریز میں آپ کے والد ماجد جناب مولانا علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ موصوف کپڑے کا کاروبار کیا کرتے تھے۔ آپ، حضرت بابا کمال جندی کے مرید باصفا تھے۔ یا پھر آپ نے حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ سلہ باف اور حضرت رکن الدین سنجاسی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم دینی کی تحصیل وتکمیل کی۔

حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا تحصیل علوم فرمانا:

حضرت شیخ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

آپ فرماتے ہیں کہ:

''میں ابھی مکتب میں تھا اور بالغ نہ ہوا تھا۔ اگر چالیس روز مجھ پر گذرتے۔ سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی وجہ سے مجھ کو کھانے کی آرزو نہ ہوتی تھی اور کھانے کی باتیں کرتے تو ہاتھ اور سر سے منع کر دیتا۔''

(نفحات الانس) از مولانا الشیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، بعنوان (۴۹۲۔ مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داؤد التبریزی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۴۸۹

آپ کا روحانی حلقہ ارادت:

حضرت شیخ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''آپ حضرت شیخ ابوبکر زنبیل باف تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت شیخ رکن الدین سنجاسی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ حضرت شیخ اوحدالدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے مرید ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بابا کمال الدین جندی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔''

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''ممکن ہے کہ سب کی خدمت میں پہنچے ہوں اور سب سے تربیت پائی ہو۔''

(نفحات الانس) از مولانا الشیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، بعنوان (۴۹۲۔ مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داؤد التبریزی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۴۸۹

یہ کہا جاتا ہے کہ:

آپ کے والد محترم جناب موصوف مولانا علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ نے جب گذشتہ مذہب ''فرقہ اسمٰعیلیہ'' سے توبہ کر کے دعوت وارشاد و پند و نصیحت کا سلسلہ شروع فرمایا تھا اس دور میں آپ نے حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو تحصیل علوم کے لئے ''تبریز'' بھیج دیا تھا۔

لیکن ہم ابھی تحریر کر چکے ہیں کہ:

حضرت خواجہ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ ''تبریز'' میں متولد ہوئے تھے۔

حضرت غلام دستگیر صاحب نامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ کو خدا نے نہایت حسین پیدا کیا

تھا۔ بدنظر اور نااہل لوگوں کے آسیب سے محفوظ رکھنے کے لئے آپکی تربیت مستورات میں کی گئی اور انہی سے آپنے "زردوزی" کا کام سیکھا اور اسی وجہ سے "زردوز" مشہور ہوئے۔"

(سوانح حیات حضرت شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ صاحب)

مئولفہ حضرت پیر غلام دستگیر صاحب نامی رص ۵

آپ (حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ) کے سن ولادت کے بارے میں کتب تذکرہ خاموش ہیں۔ بدیں صورت اس بارے میں کچھ کہنا سننا سعی لا حاصل کے مترادف ہے۔[نعمانی]

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات:

ہم یہاں پر علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کو بھی ہدیہ قارئین کرام کرتے ہیں علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بدیں الفاظ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ وہ "کیا" بزرگ کے خاندان سے تھے جو فرقہ اسمٰعیلیہ کا امام تھا لیکن انہوں نے آبائی مذہب ترک کر دیا تھا۔ شمس رحمۃ اللہ علیہ نے تبریز میں علم ظاہری کی تحصیل کی۔ پھر بابا کمال الدین جندی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئےلیکن عام صوفیوں کی طرح پیری مریدی اور بیعت وارادت کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔" (ملخصا)

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۱۲

علامہ شبلی نعمانی رقمطراز ہیں کہ:

"معاش کا طریقہ یہ رکھا تھا کہ کبھی کبھی ازار بند بن لیتے اور اسی کو بیچ کر کفاف مہیا کرتے۔"

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۱۲

سیر وسیاحت اور پیشہ (طریقہ معاش):

آپ کے تذکرہ کے مطالعہ سے یہ بخوبی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ سیر وسیاحت کے نہایت درجہ شائق تھے اور اسی راہ سے اکتسابِ علوم کے حوالہ سے افادہ واستفادہ کا طریقہ جاری

رکھے ہوئے تھے۔

حضرت شیخ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''آخر حال میں ہمیشہ سفر کرتے تھے۔ کالا نمدا پہنے رہتے تھے۔ جہاں جاتے کاروانسرائے میں ٹھہرتے، کہتے ہیں کہ جب خطہ بغداد میں پہنچے۔ شیخ اوحدالدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملے اور پوچھا کہ کس کام میں ہو؟

کہا کہ: چاند کو پانی کے طشت میں دیکھتا ہوں۔

مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

اگر گردن پر دنبل نہیں رکھتا تو کیوں آسمان پر نہیں دیکھتا؟

کہتے ہیں کہ:

اس وقت جبکہ مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ، بابا کمال جندی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں تھے۔ شیخ فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ بھی شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق وہیں رہتے تھے۔ جو فتح اور کشف شیخ فخرالدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی ہوتی تھی۔''

(نفحات الانس) از مولانا الشیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۸۹

آپ کی مضامینِ تصوف وسلوک میں عملاً کمال مہارت:

اس کو نظم و نثر کے لباس میں ظاہر کرتے تھے اور بابا کمال جندی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں گذارتے تھے۔ شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ اظہار نہ کرتے تھے۔

ایک دن بابا کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا:

''اے فرزند شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ! جو اسرار وحقائق کہ فرزندِ فخرالدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ ظاہر کرتا ہے۔ تجھ پر ان میں سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔''

کہا:

''اس سے بڑھ کر مشاہدہ ہوتا ہے لیکن اس وجہ سے کہ وہ بعض اصطلاحات اختیار کرتا ہے۔ وہ ایسا کر سکتا ہے، کہ ان کو اچھے لباس میں جلوہ دے لیکن مجھے اس کی طاقت نہیں۔''

(نفحات الانس) از مولانا الشیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۸۹

حضرت بابا کمال جنبدی رحمۃ اللہ علیہ کی آپ کے حق میں دعا:

بابا کمال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''حق سبحانہٗ وتعالیٰ تم کو مصاحبی نصیب کرے کہ اولین وآخرین کے معارف تمہارے نام پر ظاہر کردے اور حکمت کے چشمے جو اس کے دل سے زبان پر جاری ہوتے ہیں اور حرف اور آواز کے لباس میں آتے ہیں۔ اس لباس کا نقش تیرے نام پر ہو۔'' (ملخصاً)

(نفحات الانس) از مولانا الشیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ ص ۴۸۹

مراقبہ و دُعا و مناجات:

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''سوداگروں کی وضع میں شہروں کی سیاحت کرتے رہتے۔ جہاں جاتے کاروان سرائے میں اترتے اور حجرے کا دروازہ بند کر کے مراقبہ میں مصروف ہوتے۔ معاش کا طریقہ یہ رکھا تھا کہ کبھی کبھی ازار بند بن لیتے اور اسی کو بیچ کر کفاف مہیا کرتے۔''

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''ایک دفعہ مناجات کے وقت دعا مانگی کہ:
الٰہی! کوئی ایسا بندہ خاص ملتا جو میری صحبت کا متحمل ہوسکتا۔
''عالم غیب'' سے اشارہ ہوا کہ روم جاؤ۔'' (ملخصاً)

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۲

ہم انہیں سطور پر باب نمبر ۱۹ کو ختم کرتے ہیں۔

(نعمانی)

باب ۲۰

حضرت مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے بعض حضرات مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین الی یوم الدین آمین

قارئین کرام! ہم نے حضرت شمس المعارف، جناب مولانا شیخ خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ مرشد مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا "شجرہ معرفت" اور ازاں بعد "توضیحات شجرہ" آپ کی خدمت میں گذشتہ باب ۱۷ میں پیش کیئے ہیں۔ کہ جس میں آپ کے سلسلہ تصوف و سلوک کے حضرات مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین الی یوم الدین آمین کے جن جلیل القدر بزرگان کرام کے اسماء دیئے گئے ہیں ان میں سے بعض کی اہمیت کے پیش نظر ان کا مختصراً تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

بدیں سبب ان میں بعض حضرات مشائخ کرام و حضرات صوفیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مختصراً تذکرہ ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے۔ (نعمانی)

اس سلسلہ میں ہم درج ذیل حضرات مشائخ کرام کا تذکرہ اہم سمجھتے ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ ابو علی رودباری رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ حضرت شیخ ابو علی کاتب رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ حضرت شیخ ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ حضرت شیخ ابو القاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ حضرت شیخ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ حضرت شیخ ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ
۷۔ حضرت سید مخدوم علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ

۸۔ حضرت شیخ ابوبکر نساج رحمۃ اللہ علیہ

۹۔ حضرت شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ ...... وغیرہ وغیرہ

آپ کے "شجرۂ" معرفت میں جن حضرات مشائخ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء گرامی درج ہیں ان میں حضرت امام احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبتاً قریبی حلقہ ارادت رکھنے والے حضرات، مشائخ کرام کے حالات کتب تعارف و تذکرہ میں نہایت تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ ابو علی رود باری رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کے والد ماجد کا نام محمد بن قاسم بن منصور رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے۔ نسبتِ نسبی، شاہِ فارس کسریٰ (نوشیرواں) تک پہنچتی ہے۔

حضرت شیخ ابو عبداللہ رود باری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بھانجے تھے۔ آپ سید الطائفہ حضرت شیخ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بلا واسطہ مرید تھے۔ آپ ۳۲۲ھ میں فوت ہوئے آپ کا مزار مصر میں ہے۔

(سفینۃ الاولیاء) از شہزادہ دارا شکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ: ص/۱۰۷

۲۔ حضرت شیخ ابو علی کاتب رحمۃ اللہ علیہ:

جناب شہزادہ دارا شکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

"آپ کے آباء و اجداد مصر کے رہنے والے تھے۔ اکثر مشائخ رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو شرف صحبت حاصل تھا۔ شیخ ابو علی رود باری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہیں۔

آپ فرماتے کہ:

"جب کوئی مشکل مجھے پیش آئی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھتا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا حل معلوم کر لیتا۔

آپ کی وفات ۳۴۶ھ میں دوسری روایت میں ۳۵۶ھ کو ہوئی، مزار مصر میں ہے۔"

(سفینۃ الاولیاء)

از شہزادہ دارا شکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ: ص/۱۰۷

۳۔ حضرت شیخ ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ:

جناب شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''آپ کا نام سعید بن سلام رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ مغرب کے رہنے والے ہیں۔ ابوالحسن صالح دینوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید، اور شیخ علی کاتب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید، شیخ یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ، حبیب مغربی رحمۃ اللہ علیہ اورابوعمروزجاج رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی صحبتوں میں آپ رہتے تھے۔ برسوں مکہ معظمہ کے مجاور رہے۔

شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ:

آپ تیس سال کامل مکہ معظمہ میں رہے اور احترام ہی کبھی حرم شریف میں آپ نے پیشاب تک نہیں کیا۔

۳۷۳ھ میں آپ کی وفات نیشاپور میں ہوئی اور مزار مبارک حضرت ابوعثمان جرمی رحمۃ اللہ علیہ اور عثمان نصیبی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں نیشاپور میں ہے۔''

(۱) (سفینۃ الاولیاء) از شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ: ص/۱۰۷

(۲) (تذکرۃ الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ) از حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ باب ۹۰ اردو ترجمہ ملاحظہ کیجئے (حضرت شیخ ابوعثمان سعد بن سلام مغربی کے حالات)

ص/۴۳۱ تا ص/۴۳۴

(۳) (نفحات الانس) از حضرت مولانا الشیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ: (ابوعثمان مغربی قدس اللہ سرہ) ص/۱۲۰

۴۔ حضرت شیخ ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ:

جناب شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''آپ کا نام علی ہے اور نسبتِ ارادت باطنی آپ کو دو سلسلہ سے حاصل ہے۔ ایک شیخ عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے، دو واسطہ سے شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی ہے اور دوسری نسبت شیخ حسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ سے بواسطہ شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب کشف المحجوب ابتدائی دور میں

ان کی صحبت میں پہنچے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:
آپ اپنے وقت کے قطب اور مدار علیہ گذرے ہیں۔
شیخ ابوسعید الخیر قدس سرہ کی صحبت حاصل کی۔ آپ کی وفات
۴۵۰ھ میں ہوئی۔"

(۱) (سفینۃ الاولیاء) از شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ اردو ترجمہ: ص/۱۰۷/۱۰۸
(۲) (کشف المحجوب) از حضرت شیخ سید مخدوم علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ اردو ترجمہ، فصل ۹/ص/۲۶۲ تا ۲۶۴
(۳) (نفحات الانس) از حضرت مولانا الشیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ
اردو ترجمہ: ص/۳۴۳/۳۴۴
بعنوان: (شیخ ابوالقاسم گرگانی قدس اللہ سرہ)

۵۔ حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ:

جناب شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:
"آپ کا نام عبد الکریم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ ہے۔
خراسان کے مشائخ کبار میں سے ہیں۔ رسالہ قشیریہ اور تفسیر لطائف ا
لاشارات آپ کی تصانیف ہیں۔ شیخ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور داماد
ہیں۔ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔
صاحب کشف المحجوب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ
سے میں نے آپ کے ابتدائی حالات کی بابت سوال کیا۔
فرمایا کہ:
ایک مرتبہ مجھے اپنے مکان کا ایک سوراخ بند کرنے کے لئے
ایک پتھر کی ضرورت تھی۔ جو پتھر میں اٹھاتا۔ میں ہو جاتا۔ اس کو ڈال
دیتا۔ آپ کی وفات ربیع الآخر میں ۴۶۵ھ میں ہوئی۔"

(۱) (سفینۃ الاولیاء) از شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ
اردو ترجمہ: ص/۲۱۰/۲۱۱ بعنوان (حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ)
(۲) (کشف المحجوب) از حضرت سید مخدوم علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ
اردو ترجمہ، فصل ۷/ص/۲۶۰/۲۶۱
بعنوان (حضرت شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ)
(۳) (نفحات الانس) از حضرت مولانا الشیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ: ص/۳۴۹/ ۳۵۰

بعنوان: (شیخ ابوالقاسم قشیری قدس اللہ سرہ)

(۴) (تذکرۃ الاولیاء) از حضرت شیخ فریدالدین العطار رحمۃ اللہ علیہ اردو ترجمہ

بعنوان (حضرت ابوالقاسم نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۴۳۸/ ۴۳۹/ ۴۴۳ تا ۴۴۴

۶۔ حضرت شیخ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ:

جناب شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''آپ کا نام فضیل محمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ فارمد کے رہنے والے تھے۔ جو مضافات طوس (طرس) میں ایک قریہ ہے۔ آپ کو خراسان کا شیخ الشیوخ کہا جاتا تھا۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات وصحبت کا شرف حاصل تھا۔ آپ کی وفات ۴۷۷ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک طوس میں واقع ہے۔''

(۱) (سفینۃ الاولیاء) از شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ: ص/۱۰۸ العنوان (حضرت شیخ ابوعلی فارندی رحمۃ اللہ علیہ)

(۲) (نفحات الانس) از حضرت مولانا الشیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ: ص/۳۹۹/ ۴۰۰/ ۴۰۱ بعنوان: (شیخ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ)

۷۔ حضرت سید مخدوم علی الہجویری رحمۃ اللہ علیہ:

جناب شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''آپ کی کنیت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ والد کا نام عثمان بن ابی لجلابی الغزنوی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ ''صحو'' تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ میرے شیخ جنیدی رحمۃ اللہ علیہ مذہب رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ:

''سکر'' بچوں کا کھیل ہے اور ''صحو'' مردوں کا کارنامہ۔

میں علی بن عثمان الجلابی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کے قدم بقدم ہوں کہ صاحب سکر کا کمال حال صحو ہوتا ہے اور ادنیٰ درجہ صحو کا دیدار سے محرومی ہے۔ کیونکہ بشریت کا حجاب غالب ہے۔ پس وہ صحو جو آفت معلوم ہو۔ وہ

عین سکر سے بدر جہا بہتر ہے۔

آپ شیخ ابوالفضل بن حسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں اور وہ حضری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور وہ شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔

آپ نے شیخ ابو القاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابوالقاسم القشیری وغیرہ بہت سے مشائخ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ مذہباً آپ حنفی تھے۔ غزنین کے رہنے والے تھے جلاب اور ہجویر شہر غزنین کے دو محلوں کے نام ہیں کہ ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں آپ منتقل ہو گئے تھے۔

آپ کی والدہ کی قبر غزنین میں واقع ہے اور ایک مسجد بھی جو آپ نے خود تعمیر کرائی تھی۔ جس کا محراب دوسری مساجد کی نسبت جنوب کی طرف جھکا ہوا ہے۔

روایت ہے کہ اس وقت کے علماء نے اس محراب کے ٹیڑھا ہونے کی بابت اعتراض کیا تھا۔ ایک دفعہ آپ نے سب کو جمع کیا امامت کرائی اور بعد نماز سب کو خطاب کیا کہ:

دیکھو کعبہ کس طرف ہے۔ تمام حجابات درمیان میں اٹھے ہوئے تھے اور کعبہ حجازی نظر آتا تھا۔ آپ کی قبر اپنی مسجد کے موافق سمت میں ہے۔ والدۂ ماجدہ کی قبر بھی غزنین میں ہے۔ پیر علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے متصل، آپ کا تمام خاندان زہد و تقوی کے لئے مشہور تھا۔ آپ کی تصانیف بے شمار ہیں۔ کشف المحجوب زیادہ مشہور ہے اور کسی کو اس کتاب پر کوئی کلام نہیں۔ یہ تصنیف درحقیقت کامل رہنما ہے۔ کتب تصوف میں ایک مرشد کامل ہے۔ فارسی زبان میں ایسی کامل کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔

آپ کے خوارق و کرامات بے شمار ہیں۔ بارہا آپ نے تجرید و توکل پر سفر کیا ہے۔ بڑی سیر و سیاحت کے بعد دارالسلطنت لاہور میں آ کر سکونت اختیار فرمائی۔ اس اطراف کے تمام باشندے آپ کے مرید و معتقد ہیں۔

لاہور ایک نہایت متبرک اور بزرگ شہر ہے۔ بہت سے مشائخ اور اولیاء کے مزارات ہیں۔ ایک روایت ہے کہ شہر لاہور کے محلہ

طلا میں اس وبا سے قبل جو شہر لاہور میں پھیلی تھی۔ مرد و عورت چھوٹے بڑے کئی ہزار حفاظ موجود تھے اور اس محلہ میں آج بھی کافی حفاظ موجود ہیں۔

آپ کی وفات ۴۵۶ھ یا ۴۶۵ھ کو ہوئی۔ قبر مبارک لاہور کے مغربی قلعہ میں واقع ہے۔ ہر جمعرات کو آپ کے روضہ اطہر پر ہزاروں آدمی حاضر ہوتے ہیں اور مشہور ہے کہ جو شخص چالیس دن کامل روضہ کا طواف کرے اس کی ہر ضرورت پوری ہوتی ہے۔ یہ عاجز بھی آپ کے روضہ مبارک اور آپ کے والدین اور ماموں تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر حاضری دے آیا ہے۔"

۱۔ (سفینۃ الاولیاء) از شہزادہ دارا شکوہ حنفی قادری رحمۃ اللہ علیہ
اردو ترجمہ، بعنوان (حضرت شیخ پیر علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ) ص ۲۰۹/۲۱۰

۲۔ (نفحات الانس) از حضرت شیخ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ
بعنوان (۳۷۳۔ علی بن عثمان بن علی الجلابی غزنوی رحمۃ اللہ علیہ)
ص ۳۵۲/۳۵۳

۳۔ (انوار الاولیاء کاملؒ) از جناب سید رئیس احمد جعفری ندوی صاحب
بعنوان (حضرت ابوالحسن ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) ص ۳۹۱/۳۹۲ تا ۴۰۲

۴۔ (انوار اصفیاء) مرتبہ ادارہ تصنیف و تالیف اردو
بعنوان (حضرت ابوالحسن علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) ص ۹۷ تا ۱۱۱

حضرت مولانا پیر غلام دستگیر صاحب نامی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

"امام محمد غزالی برادر شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ ۴۵۰ھ (۱۰۵۸ء) میں پیدا ہوئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے صرف پندرہ برس داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ پایا اور امام احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بھائی محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے چھیاسٹھ برس بعد (۵۱۷ھ) میں جان بحق تسلیم ہوئے۔"

(سوانح حیات حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ صاحب) ص ۷

۸۔ حضرت شیخ ابوبکر نساج طوسی رحمۃ اللہ علیہ:

جناب شہزادہ دارا شکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

"آپ کا آبائی وطن طوس ہے۔ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کے

مرید ہیں۔ شیخ ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت ارادت کی بابت خواجہائے بزرگوار کے بیان میں لکھا جاچکا ہے۔ یہ سلسلہ کبرویہ خواجہائے بزرگوار کے سلسلہ کے ساتھ شیخ ابوالقاسم رحمۃ اللہ علیہ پر جاکر مل جاتا ہے۔ شیخ ابو بکر نساج رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوبکر دینوری رحمۃ اللہ علیہ سے صحبت رکھتے تھے۔

کسی نے شیخ ابونساج رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مطلوب کا دیدار کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: صدق کی آنکھ سے، طلب کے آئینہ میں مطلوب کا دیدار کیا جاسکتا ہے۔"

۱۔(سفینۃ الاولیاء) از شہزادہ دارا شکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ، اردو ترجمہ بعنوان (حضرت شیخ ابوبکر نساج رحمۃ اللہ علیہ) ص/۱۳۹

۲۔(نفحات الانس) از حضرت شیخ مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ، اردو ترجمہ بعنوان (شیخ ابوبکر بن عبداللہ طوسی نساج رحمۃ اللہ علیہ) ص/۲۰۱/۲۰۲

۹۔ حضرت شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ:

جناب شہزادہ دارا شکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

"آپ کا اصل وطن طوس ہے۔ شیخ ابوبکر نساج رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ حجۃ السلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی ہیں۔ بڑے عالم تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں پوری دسترس حاصل تھی۔ آپ کی وفات ۵۲۰ھ میں واقع ہوئی۔ مزار قزوین میں ہے۔"

۱۔(سفینۃ الاولیاء) از شہزادہ دارا شکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ، اردو ترجمہ بعنوان (حضرت شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۱۳۹

۲۔(نفحات الانس) از حضرت شیخ مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ، اردو ترجمہ بعنوان (شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۴۰۵/۴۰۶

حضرت ابوبکر نساج رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ ان کی معتبر تصنیفات اور بے نظیر رسالے ہیں۔ ان میں سے ایک رسالہ "سوانح" ہے کہ شیخ فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی "لمعات" اسی طرز پر ہے۔ چنانچہ لمعات کے دیباچہ میں انھوں نے لکھا ہے:

امابعد! یہ چند کلمہ مراتب عشق میں ہیں۔ جو کہ سوانح کی طرز پر زبان وقت میں لکھے گئے ہیں۔ سوانح کے فصول میں سے ایک فصل یہ ہے کہ معشوق ہر حال میں خود معشوق ہے۔ پس استغناء اس کی صفت ہے اور عاشق ہر حال میں خود عاشق ہے۔ پس اس کی صفت احتیاج ہے۔

عاشق کو ہمیشہ معشوق پالیا کرتا ہے۔پس ہمیشہ کا احتیاج اس کی صفت ہے اور معشوق کو کوئی شئے پا نہیں سکتی۔اس لئے اس کی صفت استغناء ہے۔(ملخصاً)

(نفحات الانس) اردو ترجمہ/ص/۴۰۵

آگے رقمطراز ہیں کہ:''ایک دن وعظ کی مجلس میں قاری نے یہ آیت پڑھی:

''یا عبا دی الذین اسرفو''

''یعنی اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو، الخ۔آپ نے فرمایا: (ترجمہ) یعنی ان کی شرف یا اضافت کی وجہ سے ہے جو خدائے تعالیٰ نے یا عبادی کہہ کر اپنی طرف ان کو منسوب کیا ہے۔پھر یہ شعر پڑھا، یعنی مجھ پر دشمنوں کی ملامت اس کی محبت کے مقابلے میں بہت آسان معلوم ہوتی ہے۔

دشمنوں کا یہ قول کہ وہ مفلس بے اعتبار ہے۔ مجھ کو جب میرے نام سے پکارتے ہیں تو بہرا بن جاتا ہوں اور جب مجھے یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں محبوب کا غلام ہے تو پھر میں سننے کے لئے تیار ہوں۔'' ایک دن ایک شخص نے ان کے بھائی حجتہ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا حال پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟ کہا کہ وہ خون میں ہیں۔سائل نے ان کو تلاش کیا تو مسجد میں ملے۔اس نے شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے تعجب کیا اور اس قصہ کو حجتہ الاسلام (امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ) سے کہا۔وہ فرمانے لگے کہ:

''میرے بھائی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ کہا ہے۔میں اس وقت مستحاضہ عورت کے ایک مسئلہ کی فکر میں تھا۔ایک صوفی، قزوین سے طوس میں آیا اور حجتہ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے اس سے اپنے برادر شیخ احمد کا حال پوچھا، جو کچھ وہ جانتا تھا بتلایا۔

''حجتہ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ: تمہارے پاس اس کا کلام بھی ہے؟

اس نے کہا: ہاں ہے!''

ایک جزو تھی جو سامنے پیش کی۔

آپ نے اس پر غور کیا اور کہا: سبحان اللہ! جس کو ہم طلب کرتے تھے۔شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حاصل کرلیا ہے۔''

''کہتے ہیں کہ: وہ جب کہ نزع کی حالت میں تھے۔ان کی

گھوڑی کھل گئی اور بھاگ گئی۔ لوگوں نے ان سے بیان کیا یا خود کشف سے معلوم کرلیا۔ فرمایا: جب ہم اس سے اتر پڑے اب جو چاہے سوار ہو جائے (۵۱۷ھ) میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی قبر قزوین میں ہے۔"

(نفحات الانس) از حضرت شیخ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ، اردو ترجمہ بعنوان (شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۴۰۵/۴۰۶

حضرت شیخ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا سال وفات ۵۱۷ھ تحریر کیا ہے۔ جبکہ شہزادہ دارا شکوہ قادری الحنفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا سال وفات ۵۷۰ھ تحریر کیا۔

واللہ اعلم (نعمانی)

ہم انہیں سطور پر باب ۲۰ اور کتاب کے حصۂ سوم کو بھی ختم کرتے ہیں اس سلسلہ کے مزید حالات وواقعات آئندہ ابواب میں ملاحظہ کیجئے۔

(نعمانی)

سوانح حیات

حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ

(حصہ چہارم)

مشتمل برعناوین:

''صوبہ خراسان'' اور بلخ کے تاریخ و جغرافیہ، حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے والد، شیخ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب، سلاطین روم، قونیہ، حضرت شیخ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت، آپ کی تعلیم وتربیت، جناب شیخ برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ، حضرت شمس المعارف خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات۔

تمہید

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

قارئین کرام! ہم نے کتاب کے حصہ سوم میں صاحب سوانح شمس المعارف، حضرت خواجہ مولانا شیخ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح سے متعلقہ ضروری عنوانات مثلاً:

۱۔ حضرت مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا "شجرۂ معرفت" وشجرہ کی توضیحات۔

۲۔ حضرت مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کا اسم اور خاندان۔

۳۔ آپ کے سلسلہ کے بعض حضرات مشائخ کرام کا تعارف۔

۴۔ ذریعہ معاش اور حضرت مشائخ کرام سے اکتساب علم اور تصوف وسلوک میں استفادہ وغیرہ پر نگارشات پیش کی ہیں۔

اس سلسلہ میں ہمارا سب سے اہم موضوع ہے۔

شمس المعارف حضرت خواجہ شیخ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے مابین ملاقات وتعارف وغیرہ۔

اور ازاں بعد شمس المعارف حضرت خواجہ شیخ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ (صاحب مثنوی مولوی معنوی رحمۃ اللہ علیہ) نے تصوف و سلوک میں کیا کچھ اکتساب فیض کیا اور پھر آپ کے اس روحانی فیض نے مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ کے قلب کے دریچے میں کون کون سے اسرار الٰہی کے رموز پنہاں کر دیئے۔

حضرت خواجہ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ کے قلب وذہن میں روحانی جذب وشوق، تصوف وسلوک اور حقیقت ومعرفت ربانی کا کونسا ولولہ موجزن فرمادیا کہ آپ نے حال جذب وشوق میں حضرت خواجہ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے غلبہ حال کے بیش از بیش تاثر کا اعتراف کرتے ہوئے خود ہی فرمایا کہ:

مولوی ہرگز نشد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نشد

اب شمس المعارف خواجہ شیخ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ملاقات اور تعارف کا مرحلہ آ پہنچا ہے تو ہمارے لیے یہ ضروری امر تھا کہ ہر دو بزرگ حضرات کے تعارف و ملاقات کے حالات و واقعات کو بیان کرنے سے قبل حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے خود اپنے حالات و واقعات نیز خاندانی پس منظر وغیرہ کو ہدیہ قارئین کرام کیا جائے۔ تا کہ حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ (مولانائے روم صاحب مثنوی مولوی معنوی) کا مناسب تعارف و تبصرہ ان کی اپنی باوزن شخصیت کے حوالے سے قارئین کرام کے مشاہدہ سے گزر جائے۔ تو ہماری موجودہ کتاب کا یہ حصہ حضرت جناب شیخ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے تعارف و تبصرہ سے مختص ہے اور ایسا ہونا بھی ضروری بلکہ ناگزیر تھا۔

اس کا سبب یہ ہے کہ ہر دو شخصیات (تعارف و ملاقات) کے مرکزی نقطہ پر ایک دوسرے کی شخصیت کے حوالے سے لازم و ملزوم ہو جاتی ہیں کیونکہ یہ نقطہ روحانی طور پر باہمی انجذاب کا مقام ہے بقول شاعر:

من تو شدم، تو من شدی
من تن شدم، تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں
من دیگرم، تو دیگری

تو آیئے ہم مختصر عرصہ تک کے لئے حضرت مرشدی مولانائے جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ (صاحب مثنوی مولوی معنوی) کی بارگاہِ علم و حکمت میں چند لحات بسر کرتے ہیں تاوقتیکہ مرشد رومی حضرت شمس المعارف جناب خواجہ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ اپنے قدومِ میمنت لزوم سے بارگاہ شیخ مولانائے جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کو نواز دیں۔

(نعمانی)

باب ۲۱

''صوبۂ خراسان'' و ''بلخ'' کا تاریخ وجغرافیہ

''صوبہ خراسان'' تاریخ وجغرافیہ:

مشہور انگریز مستشرق جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب بعنوان (خراسان) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''خراسان کے چار ربع۔ ربع نیشاپور۔ شہر نیشاپور اور شادیاخ۔ علاقہء، نیشاپور۔ طوس اور مشہد اور اس کا مقام۔ بیہق اور سبزوار (جوین) جاجرم اور اسفراین۔ استوا، اور کوچان۔ مرادکان۔ نسا اور ابیورد۔ کلات۔ خابران اور سرخس۔''

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''قدیم فارسی زبان میں ''خرسان'' کے معنی ''مشرقِ زمین'' کے ہیں۔ زمانہ وسطیٰ کی ابتداء میں اس نام کا اطلاق اس ملک پر ہوتا تھا جس میں تمام اسلامی صوبے، بادیہ ایران کے مشرق سے شروع ہو کر ہندوستان کے پہاڑوں کی سرحد تک واقع ہوئے تھے۔

ان وسیع معنوں میں خراسان کی حدود کے اندر سمت شمال مشرق میں تمام ملک ماوراء النھر اور سمت جنوب میں سجستان معہ کوہستان شامل ہو جاتا تھا اور خراسان کی دور کی سرحدیں وسط ایشیاء کی طرف ''دشت تین'' اور ہندوستان کی طرف ہندوکش کے سلسلوں تک پہنچی تھیں۔ اس کے بعد خراسان کی حدود اتنی وسیع نہیں رہیں اور زمانہ وسطیٰ کے ایران کے صوبہ خراسان کے متعلق یہی سمجھنا آسان ہوگا کہ شمال مشرق میں یہ صوبہ دریائے جیحون تک پھیلا ہوا تھا۔ مگر ابھی تک ''ہرات'' سے

آگے پہاڑی علاقے جو اب افغانستان کا شمالی حصہ ہیں اس میں شامل تھے۔ ان کے علاوہ دریائے جیحون کے بالائی حصہ کا ملک ''پامیر'' کی سمت کا، جہاں تک کہ عربوں کو اس کا علم تھا۔ خراسان کے اضلاع بعید میں شمار ہوتا تھا۔

عربوں کے خراسان کو یا یہ سمجھئے کہ زمانہ وسطیٰ کو آسانی کی غرض سے چار ربعوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور یہ چاروں ربع چار بڑے شہروں کے نام پر تھے۔ جو مختلف زمانوں میں کبھی علیحدہ علیحدہ اور کبھی بشمول دیگر خراسان، کے دار الحکومت رہے تھے۔ یہ چاروں ربع نیشاپور، مرو، ہرات اور بلخ تھے۔

شروع زمانہ کی اسلامی فتوحات کے بعد خراسان کا دار الحکومت مرو اور بلخ میں رہا لیکن خاندان طاہریہ کے بادشاہوں نے مرکز حکومت کو مغرب کی طرف منتقل کیا اور ان کے عہد میں نیشاپور کل صوبہ خراسان کا اور چاروں ربعوں میں سب سے زیادہ مغربی ربع کا صدر مقام بن گیا۔''

(جغرافیہ خلافت مشرقی) از جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب

اردو ترجمہ، باب ۲۷ بعنوان (خراسان) ص ۵۸۲/۵۸۳

''صوبہ خراسان'' کے مختصر تعارف کے بعد ہم یہاں پر ''بلخ'' کے تاریخ و جغرافیہ کو ہدیہ قارئین کرام کرتے ہیں۔

''بلخ'' کا تاریخ و جغرافیہ:

''خراسان'' کا ربع بلخ اور نو بہار۔ علاقہ جوزجان۔ طالقان اور جرزوان۔ میمنہ یا یہودیہ۔ فاریاب۔ شبرقان۔ انبار اور اندک خود۔ علاقہ طخارستان۔ خلو۔ سمنجان اور اندرابہ۔ ورو الیز اور طالقان۔ خراسان کی پیداواریں۔ خراسان اور قوہستان میں سے گزرنے والی بڑی سڑکیں۔

جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب بعنوان (خراسان۔ ختم) اس کے مشہور ''بلخ'' کے حالات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

''خراسان کے چوتھے ربع کا نام ''ام البلاد'' بلخ کے نام پر ربع بلخ تھا اور دار الحکومت بلخ کے ضلع کو چھوڑ کر یہ ربع مغرب میں جوزجان اور

مشرق میں طخارستان کے دو بڑے علاقوں میں منقسم تھا۔

تیسری (نویں) صدی میں یعقوبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بلخ تمام صوبہ خراسان کا سب سے بڑا شہر تھا۔ پرانے زمانہ سے اس کی تین فصیلیں چلی آتی تھیں۔ ایک کے اندر ایک واقع ہوتی تھیں اور اس میں تیرہ دروازے تھے۔

''مقدسی رحمۃ اللہ علیہ'' لکھتا ہے کہ قدیم زمانہ میں اس شہر کو جس نام سے پکارتے تھے وہ فارسی کا ایک جملہ تھا۔ جو ''بلخ البهية'' کا مترادف تھا۔ شہر کے باہر نوبہار کی مشہور و معروف آبادی تھی اور مکانات تین مربع میل رقبہ میں پھیلے ہوئے تھے۔

''یعقوبی رحمۃ اللہ علیہ'' لکھتا ہے کہ شہر میں چالیس مسجدیں تھیں۔'' اصطخری رحمۃ اللہ علیہ'' کا بیان ہے کہ شہر ایک ہموار زمین پر واقع تھا۔ اس کا فاصلہ قریب سے قریب کے پہاڑوں سے جو ''جبلِ کوہ'' کہلاتے تھے چار فرسخ تھا۔ شہر کے مکانات کچی اینٹوں کے تھے اور شہر پناہ بھی ایسی ہی اینٹوں کی تھی۔ جس کے باہر ایک گہری خندق تھی۔ بازار اور بڑی جامع مسجد، شہر کے وسط میں تھی۔ جس ندی سے بلخ کو پانی پہنچتا تھا۔ اسے ''دہ آس'' کہتے تھے۔

''ابن حوقل رحمۃ اللہ علیہ'' لکھتا ہے کہ اس (فارسی) لفظ کے معنی دس چکیاں ہیں۔ یہ چکیاں شہر کے باب ''نوبہار'' کے پاس، جہاں سے دریا گزرتا تھا۔ پانی کے زور سے چلتی تھیں۔ دریا یہاں سے آگے بڑھ کر ''سیاہ جرد'' کی زمینوں اور کھیتوں کو سیراب کرتا تھا۔

''سیاہ جرد''، ترمذ جانے والی سڑک پر واقع تھا۔ بلخ کے گرد باغات تھے۔ جن میں نارنگیاں، نیلوفر اور ''نے شکر'' پیدا ہوتا تھا۔ یہ چیزیں اور یہاں کے تاکستانوں کے انگور، فروخت ہونے کو باہر بھیجے جاتے تھے۔

یہاں کے بازاروں میں سوداگروں کی آمد و رفت بکثرت رہتی تھی۔ شہر کے سات دروازے تھے۔ یعنی:

باب نوبہار، باب رحبہ (چوک والا دروازہ)، باب الحدید، (آہنی دروازہ)، باب ہندوان، (ہندوؤں کا دروازہ)، باب

الیھود، باب شصت بند اور باب یحییٰ۔

''مقدسی رحمۃ اللہ علیہ'' نے بلخ کی شان و شوکت، خوشحالی اور دولت مندی اور وہاں کی متعدد نہروں اور کم خرچ میں گزارہ ہونے کا۔ کیونکہ کھانے پینے کی چیزیں یہاں بافراط ملتی تھیں۔ تذکرہ کیا ہے کہ شہر کی بے شمار چوڑی چوڑی سڑکوں، عالی شان مسجد اور شہر پناہ اور وہاں کے بہت سے خوش تعمیر قصر و عمارات کی بھی تعریف کی ہے۔

''بلخ'' کی یہ آسودہ حالی اور رونق چھٹی (بارھویں) صدی کے وسط تک قائم رہی اس کے بعد ۵۵۰ھ (۱۱۵۵ء) میں ترکی قبائل غز کی یورش نے اس کو پہلی مرتبہ تباہ کیا۔ جب یہ غارت گر چلے گئے تو شہر کے لوگ جو نکل گئے تھے واپس آئے اور دوسری جگہ، مگر برباد شہر سے بالکل متصل انہوں نے ایک نیا شہر بسالیا۔

زیادہ مدت نہیں گزرنے پائی تھی کہ بلخ نے ایک حد تک اپنی پرانی شان پھر حاصل کر لی۔ شہر کی ان پر رونق حالت کا ذکر ساتویں (تیرھویں) صدی کے اوائل میں یاقوت نے کیا ہے۔ یہ زمانہ مغلوں کی یورش سے، جس میں یہ شہر دوبارہ غارت ہوا کچھ ہی پہلے کا ہے۔

''مسعودی رحمۃ اللہ علیہ'' کا بیان ہے کہ بلخ کی بڑی آبادی (ربض) میں، جسے نوبہار کہتے ہیں۔ ساسانیوں کے عہد میں گبر کا ایک آتشکدہ تھا۔ جو ان کے بزرگ ترین آتشکدوں میں شمار ہوتا تھا۔ یاقوت نے اس ربض نوبہار کے حالات عمر بن الازرف کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے بہ تفصیل نقل کیے ہیں اور ایسا ہی تذکرہ اس آبادی کا قزوینی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں بھی ملتا ہے۔

''بلخ'' کے آتشکدہ کا موبد موبدان ''برمک'' تھا۔ یہی برمک مورث اعلیٰ برامکہ کا تھا اور اسی کے خاندان کے لوگ ساسانیوں کے عہد میں بلخ میں نسلاً بعد نسل اس آتشکدہ کے موبد موبدان ہوتے رہے۔ نوبہار کے جو حالات مصنفوں نے بیان کئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آتشکدہ کی تعمیر میں مکہ معظمہ کے بیت الحرام کی نقل اتاری گئی تھی اور اس کو بیت الحرام کا ہی ہم سر بنانا چاہا تھا۔ اس کی دیواریں قیمتی جواہرات

سے مرصع تھیں۔ ہر جگہ دیبا اور کمخواب کے پردے پڑے رہتے تھے۔
دیواروں پر مقررہ زمانہ میں عطریات ملے جاتے تھے۔

خصوصاً موسم بہار میں، کیونکہ نو بہار کے معنی ہی (نئی بہار) یا آغاز بہار کے ہیں اور یہی موسم تھا جبکہ دور دور کے لوگ یہاں زیارت کو آتے تھے۔ آتشکدہ کی خاص عمارت پر ایک بہت بڑا اور بلند قبہ یا گنبد تھا جسے الاستن کہتے تھے اور جو سو (۱۰۰) ذرع سے بھی زیادہ بلند تھا۔

یہ عمارت بیچ میں تھی اور اس کے گرد تین سو ساٹھ حجرے تھے۔
جن میں وہ خدام اور موبد جو وہاں خدمت گزار تھے، سکونت رکھتے تھے۔
ہر سن کے ہر دن کے لئے ایک موبد خدمت پر حاضر رہتا تھا۔ قبہ کی چوٹی پر ایک علم تھا۔ جس میں حریر کا ایک پھریرا لگا تھا۔ بعض وقت اس پھریرے کا ہوا کے زور سے اڑ کر اتنی دور گرنا بیان ہوا ہے کہ جس کا یقین کرنا مشکل ہے۔

یہ بڑی عمارت مورتوں اور بتوں سے بھری ہوئی تھی۔ ان میں ایک بڑا بت وہ تھا، جس کے سامنے کابل، ہندوستان اور چین کے زائرین خاص کر سجدہ کرتے تھے اور پھر برمک کے ہاتھ کو بوسہ دیتے تھے۔ جو یہاں کا موبد موبدان تھا۔

''آتشکدہ نو بہار'' کی زمینیں جن کا رقبہ سات فرسخ مربع تھا، اس زیارت گاہ کی ملک تھیں اور ان سے آمدنی کثیر ہوتی تھی۔ اس عظیم الشان پرستش گاہ یعنی نو بہار کی عمارت کو قیس بن احنف رضی اللہ عنہ نے منہدم کر دیا تھا۔ یہ زمانہ وہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قیس رضی اللہ عنہ خراسان کو فتح کر کے اہل خراسان کو دائرہ اسلام میں شامل کر رہے تھے۔

''مغلوں'' نے ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں بلخ لوٹا اور غارت کیا۔
ابن بطوطہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کے مطابق:
''چنگیز خان'' نے پوشیدہ خزانہ کی تلاش میں یہاں کی بڑی جامع مسجد کا ایک تہائی حصہ کھدوا ڈالا۔

آٹھویں (چودھویں) صدی کے اوائل میں ابن بطوطہ رحمۃ اللہ علیہ اس علاقہ میں پہنچا ہے تو اس وقت بلخ بالکل ویران اور غیر آباد پڑا تھا لیکن شہر پناہ سے باہر بہت سے مقبرے اور مزار تھے۔ جہاں عقیدت مند لوگ

زیارت کے لئے اب تک حاضر ہوا کرتے تھے۔

آٹھویں (چودھویں) صدی کے اواخر میں تیمور کی فوجی مہموں کے حالات میں، بلخ کا ذکر اکثر آتا ہے اور اس زمانہ میں اس شہر نے اپنی پرانی شان کسی قدر پھر ضرور حاصل کرلی ہوگی۔

''تیمور'' نے شہر کے باہر والے قلعہ کی جو قلعہ ہندوان کہلاتا تھا، مرمت کرائی اور پھر یہ تیموز کے مقرر کردہ حاکم کی قیام گاہ ہوگیا۔ اس کے بعد تیمور نے پرانے شہر کے ایک بڑے حصہ کو بھی از سر نو تعمیر کرایا۔

آج کل بلخ موجودہ افغانستان کا ایک بڑا شہر ہے اور خصوصاً اس کی بڑی تجارت گاہ یعنی مزار شریف بہت مشہور ہے۔

عام روایت یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو شاہ مردان کہلاتے ہیں۔ یہاں دفن ہیں۔ خواند میر کی تحریر کے مطابق، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ فرضی قبر ۸۸۵ھ (۱۴۸۰ء) میں اس وقت دریافت ہوئی جب تیمور کی اولاد میں سے ایک شخص ''مرزا بیقرا'' بلخ کا حاکم تھا۔ اس سال سلطان سنجر سلجوقی کے عہد کی لکھی ہوئی تاریخ کی ایک کتاب ''مرزا بیقرا'' کو دکھائی گئی۔

جس میں مذکور تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بلخ سے تین فرسخ کے فاصلہ پر خواجہ خیران کے گاؤں میں مدفون ہیں۔ یہ دیکھ کر حاکم صوبہ فوراً وہاں گیا اور تلاش کے بعد قبر کا ایک تعویذ ملا۔ جس پر عربی میں لکھا تھا کہ:

''یہ اسد اللہ ولی اللہ اخو رسول اللہ کی قبر ہے۔''

چنانچہ اس قبر پر ایک بڑی عمارت بنادی گئی اور اس وقت سے یہ مقام وسط ایشیاء کے لوگوں میں خاص طور پر مقدس سمجھا جاتا ہے اور آج کل بھی ایک مشہور زیارت گاہ ہے۔''

(۱) (جغرافیۂ خلافتِ مشرقی) از جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب
اردو ترجمہ: باب ۳۰ بعنوان (خراسان۔ ختم) ص ۶۴۸ تا ۶۵۲

(۲) (سفر نامہ ابن بطوطہ) از ابن بطوطہ، اردو ترجمہ
بعنوان (شہر بلخ کی زیارت)
ص ۴۳۹/۴۴۰/۴۴۱

ہم نے حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندانی سلسلہ نسب کو احاطہ تحریر میں لانے سے قبل صوبہ خراسان اور اس کے مشہور شہر ''بلخ'' کا تاریخ و جغرافیہ مختلف مؤرخین اور عرب جغرافیہ نویسوں کے حوالے سے مختصراً بیان کر دیا ہے۔

یہ بات قارئین کرام کو احاطہ ذہن میں ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم ملقب بہ ''بہاؤ الدین رحمۃ اللہ'' کا وطن بلخ تھا، اسی بناء پر ہم نے صوبہ خراسان اور اس کے مشہور شہر بلخ کا مختصر تعارف کرا دیا ہے کہ انہیں آپ کے آبائی وطن کا پس منظر معلوم رہے۔

ہم انہیں سطور پر باب ۲۱ کو ختم کرتے ہیں، اس سلسلہ کے بقیہ حالات آئندہ باب ۲۲ میں ملاحظہ کیجیے۔

(نعمانی)

باب ۲۲

حضرت شیخ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ
اور آپ کے والد محترم
حضرت شیخ مولانا بہاؤ الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب

سلسلۂ نسب آباؤ اجداد:

حضرت شیخ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ) آپ کا سلسلہ نسب بدیں الفاظ بیان فرماتے ہیں کہ:

آپ کا نام محمد بن الحسن بن احمد خطیب بکری رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

(نفحات الانس) از جناب شیخ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ
اردو ترجمہ، بعنوان (۴۸۹۔ شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ) ص ۴۸۳

جناب شہزادہ دارا شکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب بیان کرتے ہوئے بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

آپ شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ اسم مبارک آپ کا محمد بن حسین بن احمد الخطی الکبریٰ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

(سفینۃ الاولیاء) از جناب شہزادہ دارا شکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ
اردو ترجمہ، ص ۱۴۶

مولانا شیخ بہاؤ الدین ولد بلخی صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

جناب شہزادہ دارا شکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں۔ آپ کی والدہ علاؤ الدین محمد بن خوارزم شاہ کی لڑکی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

منشاء واشارہ سے علاؤالدین محمد نے اپنی لڑکی حسین بن احمد کے نکاح میں دے دی تھی۔ آپ سے شیخ بہاؤالدین پیدا ہوئے۔ آپ نہایت بزرگ اور صاحب کرامات تھے۔ آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردی سے ملاقات کی ہے۔ آپ کی وفات ۶۲۸ھ میں ہوئی۔ مزار ''قونیہ'' میں ہے۔''

(نفحات الانس) از جناب شیخ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ
اردو ترجمہ، بعنوان (۴۸۹۔ شیخ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ) ص ۴۸۳/
(سفینۃ الاولیاء) از جناب شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ
بعنوان (حضرت شیخ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ) اردو ترجمہ، ص ۱۳۶/

نام ونسب نیز آپ کا لقب وعرف:

علامہ شبلی نعمانی مرحوم حضرت شیخ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ نسب بیان کرتے ہوئے بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں۔

''محمد نام، جلال الدین لقب، عرف مولانائے روم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔''

جواہر المضیہ میں سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے کہ:

محمد بن محمد بن محمد بن حسین بن احمد بن قاسم بن میتب بن عبد اللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ۔

اس روایت کی رو سے حسین بلخی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا کے پردادا ہوتے ہیں لیکن سپہ سالار نے ان کو دادا لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔ حسین بہت بڑے صوفی اور صاحب حال تھے۔ سلاطین وقت اس قدر ان کی عزت کرتے تھے کہ محمد خوارزم شاہ نے اپنی بیٹی کی ان سے شادی کر دی تھی۔ بہاؤ الدین اسی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اس لحاظ سے سلطان محمد خوارزم شاہ رحمۃ اللہ علیہ، بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کا ماموں اور مولانا کا نانا تھا۔

(۱) (سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (نام ونسب.....) ص ۱/
(۲) (مدینۃ العلم) ملا رسیتی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ (سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

جناب مولانا قاضی سجاد حسین صاحب شارح ومترجم (مثنوی مولوی معنوی رحمۃ اللہ علیہ) خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''محمد نام، جلال الدین لقب، اور شہرت مولانائے روم کے عنوان سے

ہے۔نسب کا سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔محمد صرف مولانا ہی کا نام نہیں بلکہ مولانا کے والد اور دادا بھی مولانا کے ہمنام ہیں۔ مولانا کے والد کا لقب، بہاؤالدین اور وطن بلخ ہے۔" (ملخصاً)

(مثنوی مولوی معنوی) مترجم اردو، مولانا قاضی سجاد حسین صاحب

بعنوان (مقدمہ) ص ۲/

مولانا سید رئیس احمد جعفری ندوی صاحب بعنوان (مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ) خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"محمد نام، جلال الدین لقب، عرف مولانائے روم، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔حسین بلخی مولانا کے پردادا بہت بڑے صوفی اور صاحب کمال تھے۔سلاطینِ وقت اس قدر ان کی عزت کرتے تھے کہ محمد خوارزم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیٹی کی ان سے شادی کر دی۔ حضرت بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ اسی کے بطن سے پیدا ہوئے۔اسی لحاظ سے سلطان محمد خوارزم شاہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کا ماموں اور مولانا کا نانا تھا۔"

(۱) (انوار اولیاء کامل) از مولانا سید رئیس احمد جعفری ندوی صاحب

بعنوان (نام ونسب......) ص ۱۴۲/

(۲) (انوار اصفیاء) مرتبہ ادارہ تصنیف وتالیف

بعنوان (مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ) ص ۲۷۴/

ہم نے موجودہ کتاب کے حصہ سوم میں "خوارزم شاہی سلاطین" اور "سلاطینِ سلاجقہ" کے حکومتی سلسلہ کے سلاطین کے جدول (شجرۂ نسب) کی صورت میں تحریر کر دیے ہیں۔ قارئین کرام وہاں رجوع فرمائیں۔یہاں پر تکرار کی حاجت نہیں ہے۔

علامہ شبلی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ:

"محمد خوارزم شاہ سلسلہ خوارزمیہ کا بہت بڑا با اقتدار فرمانروا تھا۔خراسان سے لے کر تمام ایران، ماوراء النہر، کاشغر اور عراق تک اس کے زیر اثر تھا۔اخیر میں ارادہ کیا کہ سلطنت عباسیہ کو مٹا کر اس کے بجائے سادات کی سلطنت قائم کرے، اس ارادہ سے بغداد کو روانہ ہوا لیکن راہ میں اس قدر برف پڑی کہ واپس آیا۔ ۶۱۶ھ میں چنگیز خانیوں سے شکست کھائی اور بالآخر ناکامی کی حالت میں ۶۱۷ھ میں وفات پائی۔"

(تذکرہ دولت شاہ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ)

بحوالہ (سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی / حاشیہ / ص / ۱

حضرت مولانا بہاؤالدین ولد کا تبحر علمی اور قناعت:

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ آگے رقمطراز ہیں کہ:

"مولانا کے والد کا لقب بہاؤالدین اور بلخ وطن تھا۔ علم وفضل میں یکتائے روزگار گنے جاتے تھے، خراسان کے تمام دور دراز مقامات سے بھی انہی کے ہاں فتوے آتے تھے۔ بیت المال سے کچھ روزینہ مقرر تھا۔ اسی پر گذر اوقات تھی۔ وقف کی آمدنی سے مطلقاً متمتع نہیں ہوتے تھے۔"

(سوانح مولانا روم) ص / ۱ / ۲

درس وتدریس نیز وعظ وحلقہ، تصوف وسلوک:

معمول تھا کہ صبح سے دوپہر تک علومِ درسیہ کا درس دیتے، ظہر کے بعد حقائق اور اسرار بیان کرتے، پیر وجمعہ کا دن وعظ کیلئے خاص تھا۔

سوانح مولانا روم ص / ا، ص / ۲

حضرت مولانا بہاؤالدین ولد رحمۃ اللہ علیہ نے بچپن ہی سے نہایت غم واندوہ کے مراحل مشاہدہ کئے تھے۔ چنانچہ آپ ابھی دو برس ہی کے تھے کہ آپ کے والد ماجد انتقال فرما کر رہگزرائے عالم عاقبت ہوگئے۔

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے علمی کمالات وروحانی استعدادات کا ذکر کرتے ہوئے بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"جب شعور کے سال تک پہنچے۔ علوم دینی، معارف یقینی میں مشغول ہوئے۔ آپ کا کمال یہاں تک پہنچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں ان کا لقب "سلطان العلماء" رکھا۔ جب آپ کا پورے طور پر ظہور ہوا اور خاص وعوام کے مرجع بن گئے تو علماء کی ایک جماعت جیسے امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کو ان پر حسد ہوا اور سلطان وقت پر خروج کرنے سے ان کو متہم کیا۔

جب بغداد پہنچے، ایک جماعت نے پوچھا:
کہ یہ لوگ کس گروہ کے ہیں اور کہاں جاتے ہیں؟

مولانا بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مِنَ اللّٰہِ وَ اِلَی اللّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

یعنی: اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ اللہ کی طرف جاتے ہیں اور گناہوں سے پھرنے اور عبادت کی قوت بجز توفیق خدائی نہیں ہے۔"

حضرت مولانا بہاؤالدین ولد اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی:

یہ بات شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچادی گئی۔ تو انہوں نے فرمایا:

مَاھٰذَا اِلَّا بَھَا وُالدِّیْنِ الْبَلْخِیُّ

یعنی: "یہ کام سوائے بہاؤالدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے اور کسی کا نہیں ہے۔"

شیخ نے آپ کا استقبال کیا۔ جب شیخ، مولانا کے برابر پہنچے تو خچر سے اتر پڑے اور مولانا کے زانو کو چوما اور خانقاہ کی طرف جانے کی التماس کی۔

مولانا نے کہا: "ہم غلاموں کو مدرسہ زیادہ مناسب ہے۔"

اس لیے "مدرسہ مستنصریہ" میں اترے۔ شیخ نے اپنے ہاتھ سے آپ کے موزے اتارے۔ تیسرے دن مکہ مبارکہ کا قصد کیا اور لوٹنے کے بعد روم کی طرف متوجہ ہوئے۔

(نفحات الانس) از حضرت شیخ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ)

اردو ترجمہ، بعنوان: (۴۸۹......شیخ بہاؤالدین ولد رحمۃ اللہ علیہ) ص ۴۸۳

حضرت مولانا بہاؤالدین ولد رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی حلقۂ ارادت کی وسعت خاص وعوام میں:

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

"یہ خوارزم شاہیوں کی حکومت کا دور تھا اور محمد خوارزم شاہ رحمۃ اللہ علیہ جو اس سلسلہ کا گل سر سبد تھا۔ مسند آراء تھا۔ وہ بہاؤالدین کے حلقہ بگوشوں میں تھا اور اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اسی زمانہ میں امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے اور خوارزم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے بھی خاص عقیدت تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب محمد خوارزم شاہ، بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو امام صاحب بھی ہمرکاب

ہوتے۔

بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ اثنائے وعظ میں فلسفہ یونانی اور فلسفہ دانوں کی نہایت مذمت کرتے اور فرماتے کہ:

''جن لوگوں نے ''کتب آسمانی'' کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور فلسفیوں کی تقویم کہن پر جان دیتے ہیں، نجات کی کیا امید کر سکتے ہیں۔''

امام صاحب کو ناگوار گذرتا لیکن خوارزم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے لحاظ سے کچھ نہ کہہ سکتے۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۲

آپ کا عوام میں چرچا اور سلطان خوارزم شاہ کا خائف اور متردد ہونا:

حضرت مولانا بہاؤالدین ولد رحمۃ اللہ علیہ کی خاص و عوام میں شہرت اور مقبولیت نے سلطان وقت خوارزم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی خائف اور متردد بنا دیا۔ تاریخ اسلام کے صفحات اٹھا کر ملاحظہ کیجئے آپ کو اس مرحلہ پر جا بجا نادر مثالیں مل سکیں گی۔ کہ اگر ایک جانب روحانی مسند اقتدار کے پیشواؤں کے روحانی حلقہ ارادت کی مسند اقتدار بچھی ہے تو دوسری جانب دنیوی سلطنت کے کجکلاہ ان کے اس روحانی اقتدار کے سامنے خائف، متردد اور لرزہ براندام نظر آتے ہیں۔[نعمانی]

تو ایسی ہی ایک مثال حضرت مولانا بہاؤالدین ولد رحمۃ اللہ علیہ اور سلطان خوارزم شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مابین پیش آمدہ بھی سنئے:

ایک دن خوارزم شاہ رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بہاؤالدین کے پاس گیا تو ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا۔ شخصی سلطنتوں میں جو لوگ مرجع عام ہوتے ہیں۔ سلاطین وقت کو ہمیشہ ان کی طرف سے بے اطمینانی رہتی ہے۔

مامون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بناء پر حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کو عیدگاہ میں جانے سے روک دیا تھا۔ جہانگیر نے اسی بناء پر مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو قید کر دیا تھا۔

بہرحال، خوارزم شاہ نے حد سے زیادہ بھیڑ بھاڑ دیکھ کر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ: کس غضب کا مجمع ہے؟

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس قسم کے موقع کے منتظر رہتے تھے۔ فرمایا: ہاں! اور اگر ابھی سے تدارک نہ ہوا تو پھر مشکل پڑے گی۔

خوارزم شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب کے اشارہ سے ''خزانہ شاہی اور قلعہ کی کنجیاں بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیج دیں اور کہلا بھیجا کہ:

اسباب سلطنت سے صرف یہ کنجیاں میرے پاس رہ گئی ہیں یہ بھی حاضر ہیں۔

مولانا بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''اچھا، جمعہ کو وعظ کہہ کر یہاں سے چلا جاؤں گا''

جمعہ کے دن شہر سے نکلے، مریدان خاص میں سے تین سو (۳۰۰) بزرگ ساتھ تھے۔ خوارزم شاہ کو خبر ہوئی تو بہت پچھتایا اور حاضر ہو کر بڑی منت ساجت کی لیکن یہ اپنے ارادہ سے باز نہ آئے۔ راہ میں جہاں سے گذر ہوتا تھا رؤسا، وامراء زیارت کو آتے تھے۔ ۶۱۰ھ میں نیشاپور پہنچے، خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملنے کو آئے، اس وقت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی عمر چھ برس کی تھی لیکن سعادت کا ستارہ پیشانی سے چمکتا تھا۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ:

''جوہر قابل سے غافل نہ ہونا''۔ یہ کہہ کر اپنی مثنوی (اسرار نامہ) مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت کی۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳/۲/

سلاطینِ سلاجقۂ روم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا بہاؤالدین ولد رحمۃ اللہ علیہ:

علامہ محمد شبلی نعمانی مرحوم تحریر کرتے ہیں کہ:

''چونکہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں ''سلاطین روم'' کا ذکر جا بجا آئے گا اور ان سلاطین میں سے اکثروں کو مولانا سے خاص تعلق رہا ہے۔ اس لئے مختصر طور پر اس سلسلہ کا ذکر ضروری ہے۔ اس زمانہ میں جو لوگ سلاطین روم کہلاتے تھے۔ وہ سلجوقیہ کی تیسری شاخ تھی جو ایشیائے کوچک پر قابض ہو گئی تھی۔

اور اس زمانہ میں ''ایشائے کوچک'' ہی کو روم کہتے تھے۔ یہ سلطنت ۲۲۰ سال تک قائم رہی اور ۱۴ حکمران ہوئے۔ اس سلسلہ کا پہلا فرمانروا قطلمش رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ جو طغرل بک سلجوقی رحمۃ اللہ علیہ کا برادر عمزاد تھا۔ قتلمش رحمۃ اللہ علیہ، الپ ارسلان کے مقابلہ میں باغی ہو کر ۴۵۶ھ میں مارا گیا۔

مولانا اپنے والد کے ساتھ جب ان اطراف میں آئے، تو اس وقت علاؤ الدین کیقباد رحمۃ اللہ علیہ تخت سلطنت پر متمکن تھا۔ وہ بڑی عظمت وجلال کا بادشاہ تھا اور اس کی حدود سلطنت بہت وسیع ہو گئی تھی۔ ۶۳۴ھ میں مرگیا اور اس کا بیٹا غیاث الدین کیخسرو رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ ہوا۔

اس کے زمانہ میں ۶۴۱ھ میں تاتاریوں نے بہ سرداری ''تابجو'' روم کا رخ کیا۔ غیاث الدین نے ان کو روکنا چاہا لیکن خود شکست کھائی اور مجبور ہو کر مطیع ہو گیا۔ ۶۵۶ھ میں وفات پائی۔ اس نے تین بیٹے چھوڑے۔ علاؤ الدین کیقباد رحمۃ اللہ علیہ، عزالدین کیکاوس رحمۃ اللہ علیہ، رکن الدین قلیج ارسلان، علاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کو خاص قونیہ کی حکومت ملی۔ ۶۵۵ھ میں وہ ہلاکو خان کے بھائی منجو خان سے ملنے کے لئے قونیہ سے چلا اور اسی سفر میں مر گیا۔

''منجو خان'' نے بلاد روم کو اس کے دو بھائیوں میں تقسیم کر دیا اور یہ دونوں بھائی ''منجو خان'' کے باجگذار رہے۔'' (ملخصاً)

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۳/۴

(سلاجقہ روم رحمۃ اللہ علیہ) از ابن بی بی

اس سے قبل کہ ہم حضرت مولانا بہاؤ الدین ولد رحمۃ اللہ علیہ اور مابعد کے واقعات کو قلمبند کریں یہ امر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم سلطنت روم (ایشیائے کوچک) اور اس کے حوالے سے '(قونیہ)' کے مختصر تاریخی و جغرافیائی حالات تحریر کریں، تا کہ رُوم (ایشیائے کوچک) کے حسین شہر ''قونیہ'' کہ جس سے حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ منسوب ہیں اس کے حوالے سے مختصر تعارف قارئین کرام کو ہو جانا نہایت ضروری ہے۔

ہم انہیں سطور پر باب ۲۲ کو ختم کرتے ہیں اس سلسلے کے مزید حالات کو آئندہ باب ۲۳ میں ملاحظہ کیجئے۔

(نعمانی)

باب ۲۳

سلطنتِ رُوم (ایشیائے کوچک) و"قونیہ" کا تاریخ و جغرافیہ "سلطنتِ رُوم" (ایشیائے کوچک)

مشہور انگریز مستشرق جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب بعنوان (روم یا ایشیائے کوچک) اس کے تاریخ وجغرافیہ کے بارے میں بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"بلاد الروم یا یونانی سلطنت۔ "ملطیہ" سے "طرسوس" تک قلعوں کا سلسلہ۔ کوہ ٹارس کے پار جانے کے لئے دو درے۔ قسطنطنیہ کی شاہراہ "سلی شین گیٹس"۔ طرارند قسطنطنیہ کے تین محاصرے۔ ایشیائے کوچک پر مسلمانوں کی فوج کشیاں۔ خلیفہ معتصم باللہ عباسی رحمۃ اللہ علیہ نے عموریہ کو تاراج کیا۔ سلجوقیوں کے ایشائے کوچک پر حملے۔ آرمینیہ خورد کی سلطنت۔ صلیبی مجاہدین۔ سلجوقیوں کی رومی سلطنت کے بڑے بڑے شہر۔

مسلمانوں میں بازنطینی سلطنت کے صوبہ جات مجموعی طور پر "بلاد روم" (یونانیوں کی سرزمین) کہلائے جاتے تھے۔ روم سے مراد روما اوائی [Romaioi] یعنی رومن لوگ تھے۔ رومن کا لفظ شروع زمانہ اسلام میں عیسائی کے مترادف تھا۔ خواہ وہ عیسائی، یونانی ہو یا لاطینی۔

بحر متوسط کو بھی بالعموم بحیرہ روم (یعنی رومیوں کا سمندر) کہتے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ کچھ زمانہ میں "بلاد روم" صرف روم میں مختصر ہو کر ان ملکوں کا خصوصیت کے ساتھ نام ہو گیا۔ جو مسلمانوں کی سرحد سے قریب ترین تھے۔ اس طریقے سے ایشیائے کوچک کے صوبے کا عربی نام "روم" ہو گیا اور آخر کار پانچویں (گیارھویں) صدی میں جب اس وسیع صوبے

کو سلجوقیوں نے فتح کر لیا تو اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہو گیا۔''

(جغرافیۂ خلافتِ مشرقی) از جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب
اردو ترجمہ، باب ۹، بعنوان: (روم یا ایشیائے کوچک) ص ۱۶۲

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''افسوس ہے کہ عہد وسطیٰ کی مستند تصانیف موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہم ایشیائے کوچک کے مفصل تاریخی حالات اور وہاں کی تاریخی جغرافیہ کی پوری کیفیت کے متعلق جو اس زمانہ میں اس ملک کی تھی خواہ اس وقت وہاں عیسائیوں کی حکومت ہو خواہ مسلمانوں کی بہت کم واقفیت رکھتے ہیں۔

شروع کے عرب جغرافیہ نویسوں کے لئے یہ ایک قدرتی امر تھا کہ وہ اس ملک کے حالات سے جو ان کے زمانہ میں رومی سلطنت کا ایک صوبہ تھا بہت کم واقفیت رکھتے تھے اور جب سلجوقی اس پر مستولی ہو گئے، تب بھی ہمارے مسلمان مصنف اس دور افتادہ صوبے کو تقریباً نظر انداز ہی کرتے رہے۔ بناء بریں، دوسرے صوبوں کے تفصیلی اور مسلسل حالات کی طرح اس صوبے کے حالات ہم تک نہیں پہنچے۔ سب سے پہلے مصنف جنہوں نے اسلامی ایشیائے کوچک کے مکمل حالات لکھے ہیں، وہ حاجی خلیفہ ہیں لیکن یہ حالات گیارہویں (سترھویں) صدی میں شروع ہوتے ہیں۔ جبکہ یہ صوبہ تقریباً دو صدی تک سلطنت عثمانی کے زیر فرمان چلا آتا تھا۔''

(جغرافیۂ خلافتِ مشرقی) از جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب
اردو ترجمہ، باب ۹، بعنوان: (روم یا ایشیائے کوچک) ص ۱۶۳/۱۶۴

خلفائے بنی امیہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اور اسی طرح خلفاء عباسیہ رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں اس وقت سے کچھ اوپر ڈیڑھ صدی پہلے تک کہ عباسیوں کا خاندان مغلوں کی یورش کی وجہ سے بالکل تباہ ہو جائے مسلمانوں اور بازنطینیوں میں کوہ ثارس اور اینٹی ٹارس کے سلسلے حد فاصل بنے رہے۔

یہاں قلعوں کا ایک طولانی سلسلہ جنہیں عرب ''الثغور'' کہتے تھے۔ دریائے فرات کے کنارے کے شہر ''ملطیہ'' سے لے کر ساحل بحیرہ روم کے قریب کے شہر طرسوس تک سرحد کی نشاندہی اور حفاظت کرتا تھا۔ یہ قلعے بار بار جیسا کہ لڑائی کا انجام ہو کبھی مسلمانوں اور کبھی بازنطینیوں کے قبضے میں آئے اور کبھی قبضے سے نکل گئے۔

''قلعوں'' کے اس سلسلہ کو عام طور پر دو مجموعوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ایک مجموعے کے قلعے وہ تھے جو شمال میں ''میسوپوٹیمیا'' کی حفاظت کرتے تھے۔ ان قلعوں کو ''ثغور الجزیرہ'' کہتے تھے اور دوسرے مجموعے کے قلعے یعنی ثغور الشام جنوب مغرب میں شام کی حفاظت کرتے تھے۔

''ثغور الجزیرہ'' میں ''زبطرہ حصن منصور'' ''بھسنا'' اور ''الحدث'' کے قلعوں کے علاوہ جن کا ذکر گذشتہ باب میں ہو چکا ہے۔ مرعش، ''ہارونیہ''، ''الکیسہ'' اور ''عین زربہ'' کے قلعے شامل تھے۔ دوسرے مجموعے یعنی '' ثغور الشام'' کے قلعے، خلیج اسکندریہ [Alexanderetta] کے شمالی ساحل کے قریب واقع تھے اور شام کی حفاظت کرتے تھے۔ یہ ''المصیصہ أذنہ''، اور ''طرسوس''
تھے۔ (ملخصاً)

(جغرافیہ خلافتِ مشرقی) از جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب
اردو ترجمہ، باب ۹، بعنوان: (روم یا ایشیائے کوچک) ص ۱۶۳/۱۶۴
(سفرنامہ ابن بطوطہ) از ابن بطوطہ اردو ترجمہ، بعنوان
(بلادِ روم...... ایشیائے کوچک) ص ۳۴۴/۳۵۲

قونیہ:

مشہور مستشرق جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب ''قونیہ'' کے بارے میں تحریر کرتے ہوئے بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> ''سلجوقی سلاطین رحمۃ اللہ علیہ قونیہ کا خاندان دو صدی سے زیادہ عرصہ تک، یعنی ۴۷۰ھ سے ۷۰۰ھ (۱۰۷۷۔۱۳۰۰ء) تک قائم رہا لیکن حقیقت میں ان کی اصلی طاقت کا خاتمہ اس وقت ہو گیا۔ جب مغلوں نے سقوط بغداد سے ایک سال پہلے ۶۵۵ھ (۱۲۵۷ء) میں قونیہ کو فتح کر لیا۔ ایشیائے کوچک کی سطح مرتفع میں سلجوقی سلطنت کی ابتداء اور طارس کے کوہستانی علاقے میں آرمینیہ خورد کی عیسائی سلطنت کا قائم ہونا یہ دونوں واقعے ہم زمانہ ہیں۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سیس جس کو سیسیہ بھی لکھا جاتا ہے روپن کا جو نئے شاہی خاندان کا بانی ہوا پایہ تخت ہو گیا۔
>
> ایک صدی بعد یعنی ۵۹۴ھ (۱۱۹۸ء) ''لیو'' نے بادشاہ کا لقب اختیار کر لیا۔ آرمینیہ خورد کے بادشاہ مغلوں کے طوفان کو جھیلنے کے بعد آخر کار ۷۴۳ھ (۱۳۴۲ء) میں خاتمے کو پہنچ گئے۔ سیس سے شروع کر

کے اس سلطنت نے اس قدر ترقی کی کہ وہ تمام کوہستانی ملک، جسے دریائے سیحان وجیحان سیراب کرتے تھے بحیرہ روم تک مع مصیصۃ اذنہ اور طرسوس کے شہروں کے اور طرسوس کے مغرب میں دور تک ساحل سمندر کے سب شہر اسی میں شامل ہو گئے۔

سِیَس یا سیسیہ یعنی شہر ''فلاویو پولس'' [Flavioplois]

عباسیوں کے ابتدائی زمانہ میں ''عین زربہ'' کے علاقے کا بیرونی قلعہ سمجھا جاتا تھا اور اس کی فصیل، خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے خلیفہ متوکل رحمۃ اللہ علیہ نے دوبارہ تعمیر کرائی تھی۔ بعد میں سِیَس کو بازنطینوں نے فتح کر لیا اور ابو الفداء رحمۃ اللہ علیہ جس نے اپنی کتاب ۷۲۱ھ (۱۳۲۱ء) میں لکھی تھی بیان کرتا ہے کہ اس کی فصیل آرمینیہ خورد کے بادشاہ لیوثانی (ابن لاوُون) الملقب بہ اعظم نے حال ہی میں دوبارہ تعمیر کرائی ہے۔

اس کا محل جس کے گرد تری دیواریں تھیں پہاڑی کی ایک چوٹی پر واقع تھا اور اس کے باغات درجہ بدرجہ نیچے ہو کر دریا کے کنارے تک پہنچتے تھے۔ یہ دریائے جیحان کا معاون تھا۔

یاقوت نے لکھا ہے کہ اس کے زمانہ میں یہ شہر عام طور پر سیس کہلاتا تھا۔

سلطنت آرمینیہ خورد کے مغرب اور شمال کی طرف سلجوقی سلاطین کی عملداری تھی۔ ایشیائے کوچک کی سطحاتِ مرتفع پر ان سلجوقی سلاطین کی حکومت کے ابتدائی سو سال کے اندر تین مرتبہ صلیبی مجاہدوں کی فوجیں ان قطعات پر سے گزریں۔

پہلی صلیبی جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۴۹۰ھ (۱۰۹۷ء) میں قلیج ارسلان اول کو جو اس سلطنت کے بانی سلطان سلیمان کا بیٹا تھا نعیہ چھوڑنا پڑا اور صلیبی مجاہدوں کا جم غفیر قونیہ کے پاس سے گزرتا ہوا طرسوس پہنچ کر سمندر کے کنارے آ گیا اور یہاں سے سوار ہو کر فلسطین چلا گیا۔

دوسری صلیبی جنگ میں قلیج ارسلان رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے سلطان مسعود رحمۃ اللہ علیہ کو دریائے میاندر کے کنارے لوئی ہفتم شاہ فرانس نے ۵۴۲ھ (۱۱۴۷ء) میں شکست دی۔ اس کے بعد فرنگ قوم کی فوجوں کو انطالیہ کی بندرگاہ تک پہنچنے میں کوہستانی زمین پر شدید نقصان اٹھانے

پڑے۔

تیسری صلیبی جنگ میں قیصر فریڈرک باربروسا کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے ۵۸۶ھ (۱۱۹۰ء) میں سلجوقیوں کے دارالسلطنت قونیہ کو سلطان مسعود کے بیٹے قلیج ارسلان ثانی سے فتح کر لیا تھا لیکن آگے بڑھ کر فریڈرک سلوقیہ [Seleucia of Cilieia] کے قریب نہر لس میں اتفاقاً ڈوب کر مر گیا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں شروع کے خلفاء عباسیہ کے زمانہ میں مسلمان اور عیسائی قیدیوں کا تبادلہ ہوتا تھا۔ یا فدیہ وصول ہونے پر آزاد کر دیئے جاتے تھے۔

''سلجوق سلاطینِ روم رحمۃ اللہ علیہ'' جس ملک پر حکومت کرتے اس کی وسعت کبھی کم اور کبھی زیادہ ہونا تین باتوں پر منحصر تھا۔

۱۔ ایک یہ کہ آیا بازنطینی سلطنت کو انحطاط ہوا یا اس نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو پھر حاصل کر لیا۔

۲۔ دوسرے آرمینیہ خورد کی عیسائی سلطنت کا نمو۔

۳۔ اور تیسرے اس کے قرب و جوار کی ایسی سلطنتوں کی حالت جن کو صلیبی مجاہدوں نے جزاً مغلوب کر لیا تھا اور جہاں فرنگی شہزادے مسلمان رعایا پر حکومت کرتے تھے۔''

''روم'' میں سلجوقی سلطنت کی جو حیثیت کہ وہ ۵۸۷ھ (۱۱۹۱ء) میں رکھتی تھی اور اس کے بڑے شہروں کے نام اس ملکی تقسیم سے دریافت ہو جاتے ہیں۔ جو اسی سنہ میں سلطان قلیج ارسلان ثانی سے اپنے گیارہ بیٹوں کے لئے عمل میں آئی تھی۔

''قونیہ'' [Iconium] جیسا کہ بیان ہو چکا ہے دار السلطنت تھا اور دوسرے درجہ کا شہر'' قیصریہ'' تھا ....
[Caesarea Mazaka] تھا۔ ''ملطیہ'' [Melitene] دریائے فرات کی سرحد پر مشرقی صوبے کا صدر مقام تھا۔ شمال میں'' سیواس'' [Sebastia] ''نکیسار'' یا ینکسار۔

قدیم [Neo-Caesarea] تاقوت اور اماسیہ [Amasia] کے شہر ایک ایک شہزادے کے حصے میں آئے تھے۔

شمال مغرب میں انگوریہ [Angora] اور مغربی سرحد برغلوجو

غالباً آج کل کے شہر "الوبرلو" سے مطابق ہوتا ہے اور جو جھیل "اِگرِدُور" کے مشرق میں واقع ہے۔ ایک ایک شہزادے کو ملا۔ جنوبی سرحد پر قونیہ سے مغرب کی طرف، بڑے بڑے شہر حسب ذیل تھے۔

"اراکلیہ" [Hera clia] نِکیدَہ یا نکدہ اور اُبُلستان، جو بعد کو اَلبُستان ہو گیا۔ اور دراصل یونانی میں (Arabissus) تھا۔"

قلیج ارسلان رحمۃ اللہ علیہ دوم کا پوتا سلطان علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنی سلطنت کو شمالاً جنوباً بحیرہ اسود کے ساحل سے لے کر بحیرہ روم تک وسیع کیا۔ بحیرہ اسود کے ساحل پر اس نے سینوب [Sinope] کو فتح کیا اور جنوبی ساحل پر علایا کی ایک بڑا بندرگاہ اپنے نام پر قائم کی۔ یہاں جہاز بنانے کے سامان اور اسی قسم کی دیگر مصنوعات کے نشانات جن کا تعلق سلجوقیوں کی عظیم الشان قوت سے تھا اب تک نظر آتے ہیں۔

"سلطان علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ" نے شمال مغرب میں اپنی سلطنت کو صاری بولی کے شہر تک بڑھایا۔ اسی سلطان رحمۃ اللہ علیہ کے دور حکومت میں حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے شہرت ہوئی۔ قونیہ میں ان کی زندگی بسر ہوئی اور اسی شہر میں ان کا انتقال ہوا۔

"سلطان علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ" نے ۶۳۴ھ (۱۲۳۷ء) میں وفات پائی اور اس کے بیس برس بعد مغلوں کی فوجوں نے سلجوقیوں کی قوت توڑ دی۔

سلاطین سلجوق کے سلسلہ کے آخری چار آدمی بادشاہ نہ تھے۔ بلکہ ایران کے ایلخانیوں کے ماتحت صوبہ داروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ آخر کار ۷۰۰ھ (۱۳۰۰ء) میں روم کا صوبہ دس ترکمان امیروں میں، جو کسی زمانہ میں سلجوقیوں کے باجگذار تھے تقسیم ہو گیا۔"

(جغرافیۂ خلافتِ مشرقی) از جناب جی۔ لی۔ اسٹرینج صاحب اردو ترجمہ، باب ۹ بعنوان (روم یا ایشیائے کوچک) دیکھئے قونیہ، ص ۱۶۲ تا ۱۸۲

چھٹی صدی ہجری کے مشہور مسلم سیاح ابن بطوطہ بعنوان (شہر قونیہ) بدیں الفاظ خامہ

فرسائی کرتے ہیں۔

''پھر ہم قونیہ میں وارد ہوئے۔ یہ شہر بڑا ہے یہاں کی عمارتیں خوب صورت، پانی وافر، نہروں، باغات اور پھلوں کی پیداوار بکثرت ہے۔ یہاں ایک قسم کی مشمش ہوتی ہے۔ قمرالدین کہتے ہیں اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے اور یہاں سے دیار مصر، شام وساور بھیجی جاتی ہے۔

اس کے راستے چوڑے اور بازار نادر الترتیب ہیں۔ جس میں ہر پیشہ کے لوگ علیحدہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس شہر کی بنیاد سکندر۔ نے ڈالی تھی۔

ہم یہاں قاضی کے زاویہ میں اترے۔ جسے ابن قلم شاہ کہتے ہیں۔ یہ الفتیان میں سے ایک ہے اور اس کی خانقاہ تمام خانقاہوں میں بہت بڑی ہے۔ اس کے شاگردوں کا بہت بڑا گروہ ہے۔ الفتوۃ میں ان کی سند کا سلسلہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب تک پہنچتا ہے۔ ان کے پاس جو لباس رہتا ہے وہ ایسے پاجامے ہیں جیسے صوفیاء خرقہ پہنتے ہیں۔

اسی شہر میں الشیخ الامام الصالح القطب جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ المعروف بمولنا کا مزار مبارک ہے۔ آپ بہت مرتبہ والے شخص تھے۔ سر زمین روم میں ایک گروہ ہے جو اپنے آپ کو آپ کی طرف منسوب کرتا ہے اور آپ ہی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انہیں الجلالیہ کہتے ہیں۔

جس طرح الاحمدیہ عراق میں اور الحیدریہ خراسان میں مانا جاتا ہے۔ آپ کے مزار مبارک پر ایک بہت بڑا زاویہ ہے۔ جہاں سے ہر وارد وصادر کو کھانا ملتا ہے۔'' (ملخصاً)

(سفر نامہ ابن بطوطہ) از ابن بطوطہ اردو ترجمہ

بعنوان (شہر قونیہ) ص ۲۵۲/۳۵۳

ہم انہیں سطور پر باب ۲۳ کو ختم کرتے ہیں۔

(نعمانی)

باب ۲۴

حضرت مولانا شیخ بہاؤالدین وُلد رحمۃ اللہ علیہ کی قونیہ میں آمد

گزشتہ باب ۲۱ میں ہم نے حضرت مولانا شیخ بہاؤالدین وُلد رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے بغداد میں ملاقات و باہم متعارف ہونے کا ذکر کیا ہے۔

قونیہ میں آمد:

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''تیسرے دن مکہ کا قصد کیا، اور لوٹنے کے بعد روم کی طرف متوجہ ہوئے۔ چار سال آذربائیجان روم میں رہے۔ سات سال لارندہ میں۔

''مولانا جلال الدین (رومی) کی اٹھارویں سال شادی کر دی۔ ۶۲۳ھ میں سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے تھے۔ جب سلطان ولد بڑے ہوئے تو ہر شخص ان کو پہچانتا نہ تھا۔ اور مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھائیوں کی آنکھ سے پہچانتے۔ بعد ازاں سلطان نے ان کو لارندہ سے قونیہ بلالیا اور بہاؤالدین ولد وہیں خدا کی رحمت سے جا ملے۔''

(نفحات الانس) از حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، بعنوان (۴۸۹۔ شیخ بہاؤالدین وُلد رحمۃ اللہ علیہ) ص ۴۸۳/۴۸۴

علامہ شبلی نعمانی مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''مولانا بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ، نیشاپور سے روانہ ہو کر بغداد پہنچے۔ یہاں مدتوں قیام رہا۔ روزانہ شہر کے تمام امراء و رؤسا و علماء ملاقات کو آتے تھے اور ان سے معارف و حقائق سنتے تھے۔ اتفاق سے انہیں دنوں بادشاہ روم کیقباد کی طرف سے سفارت کے طور پر کچھ لوگ بغداد میں آئے تھے۔ یہ لوگ مولانا بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں

شریک ہو کر مولانا کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ واپس جا کر علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ سے تمام حالات بیان کیے وہ غائبانہ مرید ہو گیا۔ شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ، بغداد سے حجاز اور حجاز سے شام ہوتے ہوئے زنجان میں آئے۔ زنجان سے آق شہر کا رخ کیا۔ یہاں خاتون ملک سعید فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت خلوص سے مہمانداری کے لوازم ادا کیے۔ پورے سال بھر یہاں قیام رہا۔ زنجان سے لارندہ کا رخ کیا۔ یہاں سات برس تک قیام رہا۔

اس وقت مولانا کی عمر ۱۸ برس تھی۔ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سن میں ان کی شادی کر دی۔ مولانا کے فرزند سید سلطان ولد ۶۲۳ھ میں یہیں پیدا ہوئے۔

''لارندہ'' سے شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کیقباد کی درخواست پر قونیہ کو روانہ ہوئے۔ کیقباد کو خبر ہوئی تو تمام ارکان دولت کے ساتھ پیشوائی کو نکلا اور بڑے تزک و احتشام سے شہر میں لایا۔ شہر پناہ کے قریب پہنچ کر علاؤ الدین گھوڑے پر سے اتر پڑا اور پیادہ ساتھ آیا۔ مولانا کو ایک عالیشان مکان میں اتارا اور ہر قسم کے ضروریات و آرام کے سامان مہیا کیے اکثر مولانا کے مکان پر آتا اور فیض صحبت اٹھاتا۔''

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۵

حضرت مولانا شیخ بہاؤ الدین وُلد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات:

جناب شہزادہ داراشکوہ قادری الحنفی صاحب آپ کی وفات کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:

''آپ کی وفات ۶۲۸ھ میں ہوئی۔ مزار قونیہ میں ہے۔''

(سفینۃ الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ) از جناب داراشکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، بعنوان (حضرت شیخ بہاؤ الدین وُلد رحمۃ اللہ علیہ) ص/۱۴۶

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''بعد ازاں سلطان نے ان کو ''لارندہ'' سے ''قونیہ'' میں بلا لیا۔ اور بہاؤ الدین وُلد رحمۃ اللہ علیہ وہیں خدا کی رحمت سے جا ملے۔''

(نفحات الانس) از حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، بعنوان (۴۸۹۔ شیخ بہاؤ الدین وُلد رحمۃ اللہ علیہ) ص/۴۸۴

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ:
شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ کے دن ۱۸ ربیع الثانی ۶۲۸ھ میں وفات پائی۔
(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ
از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۵

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ:

(متولد ۶ / ربیع الاوّل ۶۰۴ھ...... متوفی ۵ / جمادی الثانی ۶۷۲ھ)

ابتدائی حالات:

قدیم تذکرہ نگار حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شیخ جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے ''ابتدائی حالات'' تحریر کرتے ہوئے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''مولانا کی ولادت ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ کو بلخ میں ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ پانچ سال کی عمر میں روحانی صورتوں اور غیبی شکلوں یعنی ملائکہ لکھنے والوں نیک کاروں۔ جنوں، انسانوں پر جو کہ عزت کے قبوں میں چھپے ہیں ظاہر ہوا کرتے تھے اور ان کے ہم شکل بن جایا کرتے تھے۔

مولانا بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر میں لکھا ہوا پایا گیا ہے کہ جلال الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ، شہر بلخ میں چھ سال کے تھے۔ جمعہ کے دن چند اور لڑکوں کے ساتھ ہمارے گھروں کے کوٹھوں پر سیر کر رہے تھے۔ ایک بچے نے دوسرے بچے سے کہا کہ:

اس مکان سے دوسرے مکان پر کود جائیں۔''

جلال الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''اس قسم کی حرکت تو کتے، بلی اور جانوروں میں ہوتی ہے۔ افسوس ہے کہ آدمی اس میں مشغول ہو جائے اگر تمہاری جان میں قوت ہے تو آؤ آسمان پر اڑیں۔''

اس حالت میں بچوں کی نگاہ سے غائب ہو گئے۔ بچے فریاد کرنے لگے۔ ایک لحظہ کے بعد ان کا رنگ اور طرح کا اور آنکھیں بدلی ہوئی واپس آئے اور کہا:

''جب میں تم سے باتیں کرتا تھا تو میں نے دیکھا کہ ایک جماعت سبز کپڑے پہنے ہوئے آکر مجھ کو تم سے اٹھا کر لے گئی ہے اور آسمانوں کے گرد اگرد چکر دیا۔ عالم بالا کے عجائبات مجھ کو دکھائے لیکن جب تمہاری فریاد کی آواز سنی تو پھر اسی جگہ اتار لائے۔''

''کہتے ہیں کہ اسی عمر میں دن میں ایک دفعہ کھایا کرتے تھے کہ جب آپ مکہ معظمہ گئے۔ نیشاپور میں شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں پہنچے تھے شیخ نے ''کتاب اسرار نامہ'' ان کو دی تھی۔ جس کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔''

مولوی کہتے ہیں کہ ''میں یہ جسم نہیں ہوں کہ عاشقوں کی نگاہ میں منظور ہوں بلکہ وہ ذوق اور وہ خوشی ہوں کہ مریدوں کے باطن میں میرا کلام سر نکالتا ہے۔ اللہ اللہ جب اس دم کو پائے اور اس ذوق کو چکھے تو غنیمت سمجھ اور شکر کر کہ میں وہ ہوں۔''

(نفحات الانس) از حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، بعنوان (۴۹۱۔ مولانا جلال الدین محمد البلخی رحمۃ اللہ علیہ) ص ۴۸۴/۴۸۵

ابتدائی تعلیم و تربیت اور مولانا سید برہان الدین محقق رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذ:

علامہ محمد شبلی نعمانی مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ:

''مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ بہاؤالدین سے حاصل کی۔ شیخ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سید برہان الدین محقق رحمۃ اللہ علیہ بڑے پایہ کے فاضل تھے۔ مولانا کے والد نے مولانا کو ان کی آغوشِ تربیت میں دیا۔

وہ مولانا کے اتالیق تھے اور استاد بھی۔ مولانا نے اکثر علوم و فنون انہیں سے حاصل کیے۔ ۱۸ یا ۱۹ برس کی عمر میں جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ اپنے والد کے ساتھ قونیہ میں آئے۔ جب ان کے والد نے انتقال کیا تو اس کے دوسرے سال یعنی ۶۲۹ھ میں جب ان کی عمر ۲۵ برس کی تھی۔ تکمیل فن کے لئے شام کا قصد کیا۔'' (ملخصاً)

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

از علامہ محمد شبلی نعمانی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ) ص ۶

دمشق (شام) کا علمی سفر:

شام کا شہر (دمشق) اس وقت دنیائے اسلام میں عروس البلاد کی حیثیت رکھتا تھا۔ بالخصوص تعلیمی و دینی و علمی نقطہ نظر سے اس وقت دنیائے اسلام میں وہ اپنی مثال آپ تھا۔ بدیں وجہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے دمشق کے سفر کا ارادہ فرمایا۔

دمشق کا قدرتی حسن:

چنانچہ اندلس کا مشہور مسلم سیاح (محمد ابن جبیر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ) کہ جو چھٹی صدی (ساتویں صدی) المتوفی ۶۱۴ھ میں ہو گزرا ہے۔ "دمشق" کی سیاحت کا ذکر کرتے ہوئے خامہ فرسائی کرتا ہے کہ:

"ماہ ربیع الآخر ۵۸۰ھ، ۱۱ر جولائی کو بدھ کی شب چاند دکھائی دیا۔ آج کل ہم دمشق میں جامع مسجد کے پیچھے دار الحدیث میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

یہ شہر مطلع حسن اور ممالک شرقی کی جنت ہے۔ ہماری سیاحت میں اسلامی مقاموں میں سے یہ آخری شہر، ہماری دیکھی ہوئی آبادیوں میں گویا یہ ایک دلہن ہے۔ ریاحین کی کثرت نے اس عروس کو پھولوں کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔ باغوں کے احاطے نے گویا سبز ریشم کا لباس پہنایا ہے۔ یہ بستی اپنی خوبی کے اعتبار سے نہایت مناسب جگہ پر موزوں ہوئی ہے۔ اور اپنی مسند عروسی پر خوشنما جلوہ دکھا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے قدم پاک سے مشرف فرمایا ہے۔ آپ کی پیدائش کا ٹیلہ اور پانی کا چشمہ اسی جگہ ہے۔ درختوں کا سایہ گنجان اور پانی خوشگوار ہے۔ ہر طرف پانی کی نہریں سفید سانپ کی سی لہریں لے رہی ہیں۔

باغوں کی ہوا بیماروں کو تندرست کرتی ہے۔ مشتاقوں کو اپنی خوبی اور صفائی دکھا کر زبان حال سے اس طرح پکارتی ہے۔

"آرام گاہ حسن" میں آیئے۔ پانی کی یہ کثرت ہے کہ زمین شادابی سے تنگ آ کر تشنہ کاموں کی مشتاق ہے۔ سخت سے سخت پتھر کا یہ

کلام ہے۔

ارکض بر جلك هذا مغتسل بارد و شراب

ترجمہ: ''اپنے پاؤں سے زمین کو ٹھکرا دو۔ تمہارے نہانے اور پینے کے لئے یہ ٹھنڈا پانی حاضر ہے۔''

(سورہ ص/آیت/۴۱)

آبادی کے چاروں طرف باغات کا حلقہ ہے جیسے ماہتاب کے گرد ہالہ یا پھول کے گرد شگوفہ اس کے مشرق میں غوطہ دمشق حد نظر تک سرسبز و شاداب ہے۔ جس طرف نظر جاتی ہے۔ سبزہ زاروں میں الجھ کر رہ جاتی ہے۔ اس کی تعریف میں لوگوں نے سچ کہا ہے کہ:

''جنت اگر زمین پر ہے تو دمشق ہے اور اگر آسمان پر ہے تو اس کے مقابل ہے۔'' (ملخصا)

(سفرنامہ ابن جبیر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ) از محمد ابن جبیر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، باب ۱۱، بعنوان (دمشق) ص/۲۱۷/۲۱۸

دمشق کے شفاخانے اور مدارس:

محمد ابن جبیر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ شہر دمشق کے شفاخانوں اور مدارس کا ذکر بدیں الفاظ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

''شہر میں ۲۰ مدرسے اور دو شفاخانے (ہسپتال) ہیں۔ ایک شفاخانہ پرانا اور ایک نیا بنا ہوا ہے۔ نیا شفاخانہ پرانے سے بڑا ہے اور خوش قطع ہے۔ اس شفاخانے کے مصارف کے واسطے پندرہ دینار مقرر ہیں۔ اور اس کے بہت سے نگہبان ہیں۔ جن کے پاس بیماروں کے نام اور ان کی دوا و غذا و غیرہ کے مصارف کی فہرستیں رہتی ہیں۔''

آگے رقمطراز ہیں کہ: بعنوان (مدرسہ نور الدین رحمۃ اللہ علیہ)

''یہ شفاخانے اور مدرسے اہل اسلام کی حکومت کے سامان تفاخر میں داخل ہیں۔ سب سے خوش قطع اور نفیس عمارت نور الدین کے مدرسے کی ہے۔ اس مدرسے میں اس کی قبر ہے۔

یہ عمارت قصر کی طرح نہایت خوش منظر اور بارونق ہے۔ اس عمارت میں ایک نہر ہے اور اس میں آبشار کے ذریعے سے پانی آتا

ہے۔آبشار کا پانی حوض میں جمع ہو کر ایک گول کے ذریعہ سے بڑی نہر میں جو وسط مکان میں واقع ہے جاتا ہے۔

اس دلفریب منظر کے دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے۔ اور نور الدین کے حق میں دعائے خیر نکلتی ہے۔ مدرسہ میں بہت سے مکان اہل تصوف کے رہنے کے واسطے بنے ہوئے ہیں ان مکانوں کو خانقاہ کہتے ہیں۔ یہ مکانات بہت خوش قطع ہیں۔ اور ہر مکان میں بڑے لطف سے پانی جاری ہے۔

ان مکانوں کے رہنے والے گویا اس ملک کے بادشاہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے واسطے ایسے مکانات جن کو دیکھ کر قصر جنان یاد آتے ہیں عطا کیے ہیں۔ ان میں سے وہ لوگ کتنے خوش نصیب ہیں جن کو فضل خدا سے دنیا و آخرت دونوں کی نعمتیں میسر ہیں۔ ان کا طریق عبادت، طرز معاشرت اور پابندی اوقات نہایت عمدہ اور بہتر ہے۔ ان کی سماع کی مجلس بہت مؤثر اور مؤدب ہوتی ہے۔

کبھی کبھی سماع میں ان لوگوں پر رقت اور شوق کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ دنیا سے انتقال کر جاتے ہیں۔ غرض کہ ان لوگوں کا طریقہ نہایت پاکیزہ ہے اور انہیں عشرت جاوید کی امید ہے۔''

(سفرنامہ ابن جبیر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ) از محمد ابن جبیر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، باب ۱۱، بعنوان (دمشق) ص/۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰

اندلسی سیاح محمد ابن جبیر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قریب العہد مسلم مشہور سیاح ابن بطوطہ نے بھی دمشق کا ذکر اپنے ''سفرنامہ'' میں کیا ہے اور دمشق کو ''جنت الشرق'' کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ ابن بطوطہ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''دمشق میں میرا داخلہ ۹ رمضان المعظم، ۷۲۶ھ (مطابق ۱۳۲۶ء) کو ہوا۔ یہاں کے ایک مدرسہ مالکیہ جو شرالشبیہ کے نام سے عام طور پر معروف ہے میں مقیم ہوا۔

دمشق کو بلا مبالغہ کے بالکل بجا طور پر حسن و جمال، رعنائی و زیبائی، دلکشی اور سحر طرازی کے باعث دنیا کے تمام شہروں پر تفوق اور برتری حاصل ہے زیادہ سے زیادہ تطویل اور تفصیل کے ساتھ بھی اگر اس کے محاسن بیان کیے جائیں اور جو بظاہر یکسر غلط معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن وہ

درحقیقت اصل خوبیوں سے کم ہی ہوں گے، کون سی زبان ہے جو اس کی تعریف کر سکتی ہے؟ اور کونسا قلم ہے جو اس کی مدح سرائی کا حق ادا کر سکتا ہے؟

مشہور سیاح عالم ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے دمشق کے محاسن کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ حرف آخر ہے۔ میں کہنا چاہوں تو بھی اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔"

(سفرنامہ ابن بطوطہ) از ابن بطوطہ اردو ترجمہ، ص ۱۴۳/

بعنوان (جنت الشرق، دنیا کا سب سے زیادہ حسین و جمیل خطہ رعنا)

ابن بطوطہ نے "دمشق" کے حالات اپنی کتاب الرحلۃ میں مبسوط طور پر بیان کیے ہیں۔ انہوں نے درج ذیل مدارس کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۔ مدرسہ شافعیہ۔

۲۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد کے تیرہ امام تھے۔

۳۔ مدرسین و معلمین اور انداز اصول تعلیم و تدریس کا بھی مفصل ذکر کیا ہے۔

۴۔ دمشق کے مدارس شافعیہ کہ جو تعداد میں بہت سے تھے۔

۵۔ دمشق کے مدارس احناف کہ جو تعداد میں بہت سے تھے ان کا سب سے بڑا مدرسہ سلطان نور الدین رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔

ملاحظہ کیجئے (سفرنامہ ابن بطوطہ) از ابن بطوطہ

تو ہم اوپر ذکر کر رہے تھے حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کے دمشق (شام) کے علمی و دینی سفر کا تو اس سلسلہ میں شہر دمشق کی دینی و علمی و تہذیبی، تمدنی و ثقافتی حیثیت کا ذکر کرنا گزیر تھا۔ تو اب ہم "آمدم برسر مطلب" کے مصداق اصل عنوان کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

علامہ محمد شبلی نعمانی مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

"جب ان کے والد نے انتقال کیا۔ تو اس کے دوسرے سال یعنی ۶۲۹ھ میں جب ان کی عمر ۲۵ برس کی تھی۔ تکمیل فن کے لئے شام کا قصد کیا۔ اس زمانہ میں دمشق اور حلب، علوم وفنون کے مرکز تھے۔

ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۷۸ھ میں جب دمشق کا سفر کیا تو خاص شہر میں ۲۰ بڑے بڑے دار العلوم موجود تھے۔

"حلب" میں سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے الملک

الظاہر رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی ابوالمحاسن رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے ۵۹۱ھ میں بڑے بڑے مدرسے قائم کیے۔ چنانچہ اس زمانہ سے حلب بھی دمشق کی طرح مدینۃ العلوم بن گیا۔

مولانا نے اول حلب کا قصد کیا۔ اور مدرسہ حلاویہ کی دار الاقامہ (بورڈنگ) میں قیام کیا۔ اس مدرسہ کے مدرس، کمال الدین ابن عدیم رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کا نام عمر بن احمد بن ہبۃ اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وہ محدث حافظ، مؤرخ، فقیہ، کاتب، مفتی اور ادیب تھے۔ ''حلب'' کی تاریخ جو انہوں نے لکھی ہے اس کا ایک ٹکڑا یورپ میں چھپ گیا ہے۔''

(۱) (مناقب العارفین) ص/۵۲

(۲) (سفرنامہ ابن جبیر) ذکر دمشق

(۳) (وفیات الاعیان) ابن خلکان، ترجمہ، قاضی بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ

(۴) (سپہ سالار) ص/۲۹

بحوالہ (۵) (سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۶

حلب اور دمشق میں تحصیلِ علم:

''مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ''مدرسہ حلاویہ'' کے سوا حلب کے اور مدرسوں میں بھی علم کی تحصیل کی۔ طالبعلمی ہی کے زمانہ میں عربیت، فقہ، حدیث، اور تفسیر اور معقول میں یہ کمال حاصل کیا کہ جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا اور کسی سے حل نہ ہوتا تو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے۔

دمشق کی نسبت یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس مدرسہ میں رہ کر تحصیل کی۔ ''سپہ سالار'' نے ایک ضمنی موقع پر لکھا ہے کہ:

''وقتیکہ خداوندگار ما، در دمشق بود در مدرسہ برانیہ در حجرہ کہ متمکن بودند''

لیکن ہم کو مدرسہ برانیہ کے کچھ حالات معلوم نہیں۔ مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ مولانا نے سات برس تک دمشق میں رہ کر تحصیل کی۔ اور اس وقت مولانا کی عمر ۴۰ برس کی تھی۔''

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ) ص/۷

علوم درسیہ (عقلیہ ونقلیہ) میں آپ کی مہارت تامہ اور تبحرِ علمی:

یہ امر قطعی ہے کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تمام ''علوم درسیہ'' میں نہایت اعلیٰ درجہ کی مہارت پیدا

کی تھی۔ ''جواہر مضیہ'' میں لکھا ہے کہ:

''کان عالماً بالمذاهب

واسع الفقه، عالماً بالخلاف وانواع العلوم''

خود ان کی ''مثنوی'' اس کی بہت بڑی شہادت ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے جو کچھ پڑھا تھا اور جن چیزوں میں کمال حاصل کیا تھا۔ وہ اشاعرہ کے علوم تھے۔

''مثنوی'' میں جو تفسیری روایتیں نقل کی ہیں۔

''اشاعرہ'' یا ''ظاہریوں'' کی روایتیں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے قصص وہی نقل کیے ہیں جو عوام میں مشہور تھے معتزلہ سے ان کو وہی نفرت ہے۔ جو اشاعرہ کو ہے چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

ہست این تاویل اہل اعتزال

وای آنکس کو ندارد نورِ حال

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ) ص ۸/۷

حضرت مولانا کا حضرت مولانا سید برہان الدین سے استفادہ:

''مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے جب وفات پائی تو سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن ترمذ میں تھے۔ یہ خبر سن کر ترمذ سے روانہ ہوئے اور قونیہ میں آئے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس وقت ''لارند'' میں تھے۔ سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا اور اپنے آنے کی اطلاع دی۔

مولانا اسی وقت روانہ ہوئے۔ قونیہ میں شاگرد استاد کی ملاقات ہوئی دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور دیر تک دونوں پر بیخودی طاری رہی۔ افاقہ کے بعد سید رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا امتحان لیا۔ اور جب تمام علوم میں کامل پایا تو کہا کہ علم باطنی رہ گیا ہے اور یہ تمہارے والد رحمۃ اللہ علیہ کی امانت ہے جو میں تم کو دیتا ہوں۔

چنانچہ نو برس تک طریقت اور سلوک کی تعلیم دی۔ بعضوں کا بیان ہے کہ اسی زمانہ میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان کے مرید بھی ہو گئے۔

چنانچہ ''مناقب العارفین'' میں ان کے تمام واقعات کو بہ تفصیل لکھا ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''مثنوی'' میں جا بجا سید موصوف کا اسی طرح نام لیا ہے۔ جس طرح ایک مخلص مرید پیر کا نام لیتا ہے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن مولانا پر اب تک ظاہری علوم کا رنگ ہی غالب تھا۔ ''علوم دینیہ'' کا درس دیتے تھے۔ وعظ کہتے تھے۔ فتویٰ لکھتے تھے۔ سماع وغیرہ سے احتراز کرتے تھے۔''

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ) ص ۹/

حضرت خواجہ مولانا شیخ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات:

ہمیں ایسا لگتا ہے کہ حضرت مولانا شیخ برہان الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے علمی استفادہ کرنے اور ازاں بعد جو تصوف وسلوک کے میدان میں معرکہ آراء مسائل پر تبادلہ خیالات کرنے نیز نو سال کے مسلسل زہد وعبادت اور تصوف وسلوک وحقیقت ومعرفت کی بیش از بیش منازل ومقامات کرنے کے بعد بھی حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جذب وشوق کی وہ چنگاری نہ اٹھی تھی کہ جو مقام تجلی عین پر یک بہ یک شعلۂ جوالہ بن کر اچانک بھڑک اٹھے۔

حضرت مولانا سید برہان الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں آپ کو تصوف وسلوک سے بیش از بیش مناسبت تو ہو چکی تھی مگر ابھی اس کوچہ میں رہ نوردی باقی تھی کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا شیخ برہان الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کو تصوف و سلوک کے اس مرتبہ پر فائز نہ ہونے دیا تھا کہ آپ پر حالت جذب طاری ہو جائے اور مجذوبانہ حیثیت کے باوصف مسند درس وارشاد سے بھی یکسر قطع تعلق کر بیٹھیں۔ اور آپ پر ''حالت صحو'' کو قائم رہنے دیا تا کہ دینی ودنیاوی امور میں انقطاع عن الخلق نہ ہونے پائے۔

جیسا کہ ازاں بعد حضرت مولانا شیخ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ملاقات و تعارف کے باوصف حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ پر حال جذب طاری ہو کر رہا اور پھر کافی عرصہ تک مسند درس وارشاد سے یکسر انقطاع ہو کر رہا۔

تو ہم کچھ یوں کہہ سکتے ہیں کہ خشک پنبہ میں آگ بھڑک اٹھنے کے لئے فقط ایک چنگاری کافی تھی۔ (نعمانی)

حضرت مولانا شیخ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی دعا:

علامہ محمد شبلی نعمانی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

> ''ایک دفعہ مناجات کے وقت دعا مانگی کہ الٰہی کوئی ایسا خاص بندہ ملتا، جو میری صحبت کا متحمل ہو سکتا۔
>
> عالم غیب سے اشارہ ہوا کہ! روم جاؤ! اسی وقت چل کھڑے ہوئے۔''

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ) ص ۱۲/

(سوانح حیات حضرت شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ)

از پیر غلام دستگیر صاحب نامی رحمۃ اللہ علیہ ص ۹/۱۰

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات وتعارف:

قدیم اور مشہور تذکرہ نویس حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شیخ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے مابین ملاقات اور تعارف کا واقعہ بدیں الفاظ نقل کرتے ہیں کہ:

سفر قونیہ (روم):

''(مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ) آخر حال میں ہمیشہ سفر کرتے تھے، کالا نمدا پہنے رہتے تھے۔ جہاں جاتے کاروانسرائے میں ٹھہرتے .... کہتے ہیں کہ مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ ۶۴۲ھ میں مسافرت کی حالت میں قونیہ میں پہنچے۔ ''شکرریزان'' کی سرائے میں اترے۔''

ملاقات وتعارف:

''مولانا (روم) اس زمانہ میں تدریسِ علوم میں مشغول تھے۔ ایک دن آپ فضلاء کی ایک جماعت کے ساتھ مدرسہ سے باہر نکلے اور ''شکرریزان'' کی سرائے کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ سامنے سے آئے اور مولانا کی سواری کی باگ پکڑی اور کہا:

یا امام المسلمین رحمۃ اللہ علیہ! بایزید رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگ ہیں، یا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟''

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ:

مولانا نے کہا:

''اس سوال کی ہیبت سے گویا ساتوں آسمان ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور زمین پر گر پڑے اور بڑی آگ میرے دل سے دماغ تک لگی اور وہاں سے میں نے دیکھا کہ دھواں عرش کے ساق تک نکلا۔ اس کے بعد میں نے جواب دیا کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام جہان کے لوگوں سے بزرگ تر ہیں چہ جائیکہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ۔''

مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ:

انہوں نے کہا کہ:

پس اس کا کیا مطلب ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ:

(مَا عَرِفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ)؟

اور ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

(سُبْحَانِي مَا اَعْظَمُ شَأْنِي وَاَنَا سُلْطَانُ السَّلَاطِيْن)؟

یعنی میں پاک ہوں میری بڑی شان ہے اور میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ:

آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ:

میں نے جواب دیا کہ ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کی پیاس ایک گھونٹ سے بعد ہوگئی۔ اس لیے سیرابی کا دم مارنے لگے۔ ان کے ادراک کا کوزہ اس سے بھر گیا تھا۔ اس لیے آپ نے پیاس کا دم مارا، وہ نور اس کے گھر کے سوراخ کے برابر تھا۔"

(نفحات الانس)

از مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، بعنوان (۴۹۲۔ مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داؤد التبریزی رحمۃ اللہ علیہ)

ص ۴۸۹/۴۹۰

"ولیکن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑی پیاس تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ مبارک (الم نشرح لك صدرك....) یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سینہ نہیں کھول دیا۔ کے مطابق خدا کی بڑی فراخ زمین بنا ہوا تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیاس کا دم مارا اور ہر روز قرب کی زیادتی کا تقاضا کیا۔"

(نفحات الانس)

از مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، بعنوان (۴۹۲۔ مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داؤد التبریزی رحمۃ اللہ علیہ)

ص ۴۹۰

مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ حالت جذب میں:

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ آگے خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:۔

''مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے نعرہ مارا اور گر پڑے۔ مولانا خچر سے اتر آئے اور شاگردوں کو حکم دیا کہ ان کو پکڑ لیں اور مدرسہ میں لے جائیں۔

جب تک ان کو ہوش نہ آیا تھا ان کا سر مبارک زانو پر رکھا تھا۔
اس کے بعد ان کے ہاتھ کو پکڑا اور روانہ ہو گئے۔ تین مہینہ برابر دن رات صوم وصال کے ساتھ خلوت میں بیٹھے اور ہرگز باہر نہ آئے۔ کسی کو طاقت نہ تھی کہ خلوت میں ان کے پاس آئے۔

ایک دن مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا معشوق کی درخواست کی۔ مولانا اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر سامنے لے آئے۔
آپ نے فرمایا:
وہ میری جانی بہن ہے۔ مجھے ایک نازنین لڑکا چاہیے۔
اسی وقت اپنے فرزند سلطان ولد کو سامنے لائے۔
آپ نے فرمایا:
یہ میرا فرزند ہے۔
اب اگر قدرے شراب ہاتھ لگے تو مزہ دیتی۔

مولانا (روم) باہر آئے اور آتش پرستوں کے محلہ سے ایک گھڑا شراب کا بھرا ہوا لے آئے۔
شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

میں، تو مولانا کے فراخ مشرب کی طاعت کی قوت کا امتحان کرتا تھا۔ جس قدر لوگ کہتے ہیں اس سے وہ بڑھ کر ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ میں ان مشائخ سے پوچھتا ہوں کہ (لی مع اللہ وقت) یعنی اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے۔
کیا ایسا وقت ہمیشہ رہتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہمیشہ نہیں رہتا۔
مقصودِ مولانا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ رہتا ہے اور یہ نادر ہے۔
فرمایا کہ ایک شخص نے امت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک

درویش کو یہ دعا دی اور کہا کہ:

خدائے تعالیٰ تجھ کو جمعیت خاطر دے۔

اس نے کہا کہ:

ہے ہے یہ دعا مت کر! بلکہ میرے لئے یہ دعا مانگ کہ:

اے رب! اس سے جمعیت خاطر لے لے۔ خدایا اس کو تفرقہ دے کہ میں جمعیت سے عاجز آ گیا ہوں۔

فرماتے ہیں، ایک نے کہا کہ:

غسل خانہ میں خدا کا نام نہ لینا چاہیے۔ قرآن نہیں پڑھنا چاہیے، مگر آہستہ،

میں نے کہا:

میں یہ کیسے کرسکتا ہوں۔ اس کو اپنے سے جدا نہیں کرسکتا۔ بادشاہ گھوڑے سے نیچے نہیں اترتا، گھوڑا بے چارہ کیا کرے۔"

(نفحات الانس

از مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اُردو ترجمہ،

بعنوان (۴۹۲۔

مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داؤد التبریزی رحمۃ اللہ علیہ)

ص/۴۹۰/۴۹۱

روایات میں اختلاف:

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے واقعات میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

چنانچہ قدیم تذکرہ نویس حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں ایک واقعہ بھی نقل فرماتے ہیں کہ:

بعض کہتے ہیں کہ:

جب مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ قونیہ میں پہنچے اور مولانا کی مجلس میں آئے تو مولانا حوض کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ چند کتابیں اپنے پاس رکھی تھیں۔

مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ:

پوچھا: یہ کیسی کتابیں ہیں؟

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ:

مولانا نے کہا کہ:
ان کو قیل وقال کہتے ہیں؟ آپ کو اس سے کیا مطلب؟

مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ:

مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ بڑھایا اور تمام کتابوں کو حوض میں ڈال دیا۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ:

مولانا (جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ) بڑے افسوس سے کہتے ہیں کہ:
ہے ہے درویش! تم نے یہ کیا کیا؟ ان میں سے بعض میرے والد کے فوائد تھے کہ اب وہ میسر نہیں ہو سکتے۔

مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ:

مولانا (شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ) نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور ایک ایک کتاب کو باہر نکالا۔ پانی کا اثر ذرا بھی نہ ہوا۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ:

مولانا (جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا کہ: یہ کیا بھید ہے؟

مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ:

شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ ذوق وحال ہے تجھ کو اس کی کیا خبر۔
اس کے بعد دونوں ایک دوسرے کے پاس آتے رہے، جیسا کہ گذرا ہے۔ (ملخصاً)

(نفحات الانس) از مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، بعنوان (۴۹۲۔ مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داؤد التبریزی رحمۃ اللہ علیہ) ص/۴۹۱

چھٹی صدی ہجری کے مشہور و عظیم مسلم سیاح ابن بطوطہ نے اپنی کتاب ''الرحلۃ'' بھی ایک معروف واقعہ نقل کیا ہے۔ ابن بطوطہ بعنوان (قونیہ) حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بدیں الفاظ کرتے ہیں کہ:

سلسلہ جلالیہ:

''اسی شہر میں الشیخ الامام الصالح القطب جلال الدین المعروف بمولانا کا مزار مبارک ہے۔ آپ بہت بڑے مرتبہ والے شخص تھے۔ سرزمین روم میں ایک گروہ ہے جو اپنے آپ کو آپ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور آپ ہی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انہیں ''الجلالیۃ'' کہتے ہیں۔ جس طرح ''الاحمدیہ'' عراق میں اور ''الحیدریۃ'' خراسان میں مانا جاتا ہے۔

آپ کے مزار مبارک پر ایک بڑا زاویہ ہے جہاں سے ہر وارد و صادر کو کھانا ملتا ہے۔''

(سفرنامہ ابن بطوطہ) از ابن بطوطہ، اردو ترجمہ، ص ۳۵۳/۳۵۴

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''کہتے ہیں کہ آپ اپنے ابتدائی زمانہ میں بہت بڑے فقیہہ مدرس تھے۔ قونیہ میں ایک مدرسہ تھا وہاں آپ کے پاس طالبعلم جمع ہوا کرتے تھے۔

ایک دن ایک شخص مدرسہ میں آیا جو حلوہ بیچتا تھا۔ اس کے سر پر حلوے کی سینی تھی۔ اور اس میں ٹکڑے تھے ایک ٹکڑا ایک پیسہ کا بیچتا تھا جب وہ مجلس تدریس میں آیا تو شیخ نے فرمایا:

''اپنی سینی ادھر لاؤ''۔

اس نے ایک ٹکڑا دے دیا۔ آپ نے لیا اور نوش فرما گئے۔ جب وہ حلوہ فروش چلا تو شیخ اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ اور درس دینا ترک کر دیا۔

جب کئی سال کے بعد آپ پھر واپس آئے تو عشق الٰہی سے مدہوش تھے اور سوائے ایسے فارسی اشعار کے کچھ نہ بولتے تھے جن کے متعلقات فہم عام سے باہر تھے طلبہ پیچھے پیچھے رہتے اور جو کچھ آپ کی زبان

سے بصورت اشعار نکلتا قلمبند کر لیتے۔ یہی مجموعہ مثنوی کے نام سے مشہور ہے۔ ان بلاد کے لوگ اس کتاب کی بڑی عظمت کرتے ہیں اور اس کا کلام معتبر جانتے ہیں اور اسے پڑھاتے ہیں اور جمعہ کی راتوں کو پڑھتے ہیں۔" (ملخصاً)

(سفرنامہ ابن بطوطہ) از ابن بطوطہ، اردو ترجمہ، ص ۳۵۴

بہر کیف، ہوسکتا ہے کہ آپ کے ایام حیات میں مختلف ادوار میں یہ واقعات شدہ شدہ پیش آئے ہوں اور بعد میں آنے والے اصحاب تذکار نویس نے ان واقعات میں تسلسل و ربط پیدا کرنے کے لئے انہیں یکے بعد دیگرے پیش آنا ظاہر کر دیا ہو۔ امتداد زمانہ سے تاریخی واقعات کے تسلسل و ربط پیدا کرنے میں ایسا عموماً ہو جایا کرتا ہے۔ چہ جائیکہ ان واقعات میں کسی قدر امتداد زمانہ ہی کیوں نہ پایا جاتا ہو۔ (نعمانی)

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق:

ان مذکورہ بالا واقعات کی صحت کے بارے میں علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"جو روایتیں نقل ہوئیں ان میں سے بعض نہایت مستند کتابوں میں ہیں۔ (مثلاً، جواہر مضیہ) بعض اور تذکروں میں منقول ہیں۔ بعض زبانی متواتر روایتیں ہیں لیکن ایک بھی صحیح نہیں نہ صرف اس لحاظ سے کہ خارج از قیاس ہیں بلکہ اس لئے کہ جیسا کہ آگے آتا ہے صحیح روایت کے خلاف ہیں۔

اس سے تم قیاس کر سکتے ہو کہ صوفیہ کبار رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں کس قدر دور از کار روایتیں مشہور ہو جاتی ہیں اور وہی کتابوں میں درج ہو کر سلسلہ بہ سلسلہ پھیلتی جاتی ہیں۔"

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۱

مختصر یہ کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مسند نشینی فقر کا آغاز ۶۴۲ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت خواجہ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ دمشق میں:

علامہ شبلی نعمانی مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

"سپہ سالار" کا بیان ہے کہ چھ مہینے تک برابر دونوں بزرگ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ میں چلہ کش رہے۔ اس مدت میں آب و غذا قطعاً متروک تھی۔ اور بجز صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے اور کسی کو حجرہ میں آمد و رفت کی مجال نہ تھی۔

مناقب العارفین میں اس مدت کو نصف کر دیا ہے۔ اس زمانہ سے مولانا کی حالت میں ایک نمایاں تغیر جو پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ اب تک سماع سے محترز تھے۔ اب اس کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔

چونکہ مولانا نے درس و تدریس اور وعظ و پند کے اشغال چھوڑ دیئے اور حضرت شمسؒ کی خدمت سے دم بھر کے لیے جدا نہیں ہوتے تھے۔ تمام شہر میں ایک شورش مچ گئی۔ لوگوں کو سخت رنج تھا کہ ایک دیوانہ بے سروپا نے مولانا پر سحر کر دیا کہ وہ کسی کام کے نہیں رہے۔ یہ برہمی یہاں تک پھیلی کہ خود مریدان خاص اس کی شکایت کرنے لگے۔

شمس کو ڈر ہوا کہ یہ شورش فتنہ انگیزی کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ چپکے گھر سے نکل کر، دمشق کو چل دیئے۔ مولانا کو ان کے فراق کا ایسا صدمہ ہوا کہ سب لوگوں سے قطع تعلق کر کے عزلت اختیار کی۔ مریدان خاص کو بھی خدمت میں بار نہیں مل سکتا تھا۔

مدت کے بعد شمس نے مولانا کو دمشق سے خط لکھا اس خط نے شوق کی آگ اور بھڑکا دی۔ مولانا نے اس زمانہ میں نہایت رقت آمیز اور پر اثر اشعار کہے، جن لوگوں نے شمس کو آزردہ کیا تھا ان کو سخت ندامت ہوئی۔ سب نے مولانا سے آ کر معافی کی درخواست کی چنانچہ اس واقعہ کو مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی میں درج کیا۔

۱	ہمہ گریاں، بہ تو بہ گفتہ کہ وائے	عفو ما کن ازیں گناہ، خدائے
۲	قدر او ازعمی نہ دانستیم	کہ بداو پیشوانہ دانستیم
۳	طفل راہ بودہ ایم، خردہ مگیر	یا رب انداز در دل آن پیر
۴	کہ کند عذر ہائے مارا او...	عفو کلی ازیں شدیم دو تو
۵	پیش شیخ آمدند، لابہ کناں	کہ بہ بخشامکن دگر ہجراں....
۶	تو بہ ہامی کنیم، رحمت کن	گردگر این کنیم لعنت کن...
۷	شیخِ شاں چونکہ دید ازیشان ایں	راہ شان داد و رفت از اوآن کین

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۴/۱۵

ہم یہاں قارئین کتاب کی سہولت کی خاطر مذکورہ بالا فارسی اشعار کا ترجمہ کیے دیتے ہیں۔

ترجمہ فارسی اشعار:

۱۔ یہ کہ تمام لوگ آبدیدہ ہوئے۔ انہوں نے توبہ وانابت کے ساتھ التجاء کی کہ ہائے افسوس! اے خدا! ہمارے اس گناہ سے درگزر فرما۔

۲۔ یہ کہ ہم عمیٰ (جہالت، نادانی) کے سبب سے ان کے مقام (قدر و منزلت) کو نہ سمجھ پائے، یہ کہ ہم اس کے سوا کوئی پیشوا نہ جان سکے۔

۳۔ یہ کہ ہم تو اس راہ (تصوف و سلوک) کے طفل تھے۔ (بدیں سبب) گرفت نہ کیجئے۔ اے رب ان پیشوا (پیر) کے قلب میں یہ بات ڈال دیجئے۔

۴۔ یہ کہ وہ ہماری تمام عذر خواہی کو تمام طور پر درگزر (عفو) فرمائیں، کہ اس (نادانی کے) سبب ہم آپ سے جدا ہو چکے ہیں۔

۵۔ یہ کہ ہم حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حضور میں منت سماجت (خوش آمدید) کہتے ہوئے حاضر ہوئے ہیں۔ یہ کہ آپ درگزر سے کام لیجئے اور دوسروں سے جدائی اختیار نہ کیجئے۔"

۶۔ یہ کہ ہم (بصدق قلب) توبہ وانابت کر چکے ہیں آپ ہم پر مہربانی فرمایئے۔ اگر ہم دوسری بار ایسا کریں تو لعنت کیجئے۔

۷۔ یہ کہ جب ان (لوگوں) کے شیخ نے ان کے (طرز عمل سے) یہ لغزش ملاحظہ کی۔ ان کو اپنی راہ پر چھوڑ دیا اور اس کینہ کی بناء پر ان سے جدا ہو گئے۔

(از راجہ طارق محمود نعمانی ایڈووکیٹ، جہلم)

آگے علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

اب رائے یہ قرار پائی کہ سب مل کر دمشق جائیں اور شمس کو منا کر لائیں۔ سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ اس قافلہ کے سپہ سالار بنے۔ مولانا نے شمس کے نام ایک منظوم خط لکھا اور سلطان ولد کو دیا کہ خود پیش کرنا۔ خط یہ تھا۔

حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب منظوم بزبان فارسی:

بہ خدا یکہ در ازل بودہ است	حیی و دانا و قادر قیوم
نور او شمع ہای عشق، افروخت	تا بشد صد ہزار سر معلوم
از یکے حکم او، جہاں پر شد	عاشق وعشق و حاکم و محکوم
در طلسمات شمس تبریزی	گشت گنج عجائبش مکتوم
کہ از آن دم کہ تو سفر کردی	از حلاوت جدا شدیم چو موم

همه شب، همچو شمع مے سوزیم ‏ ‏ ‏ زآتشی جفت وانگبیں محروم
در فراق جمال تو مارا ‏ ‏ ‏ جسم ویراں و جاں همچو موم
آن عناں را بدیں طرف بر تاب ‏ ‏ ‏ زفت کن پیل عیش را خر طوم
بے حضورت، سماع نیست حلال ‏ ‏ ‏ همچو شیطان طرب شده مرجوم
یک غزل بے تو، هیچ گفته نشد ‏ ‏ ‏ تارسد آن بہ مشرقہ مفهوم
بس بذوقِ سماع نامۂ تو ‏ ‏ ‏ غزلی پنج و شش بشد منظوم
شام از نورِ صبح روشن باد ‏ ‏ ‏ ای بتو فخرِ شام وارض و روم

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

ص/۱۵/۱۶

ہم یہاں قارئین کتاب کی سہولت کی خاطر مذکورہ بالا فارسی اشعار کا ترجمہ کیے دیتے ہیں کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے بزبان پارسی منظوم کے مفہوم کو ہمارے اردو وبان قارئین بھی بخوبی طور پر سمجھ سکیں۔ (نعمانی)

ترجمہ فارسی اشعار:

۱۔ یہ کہ خدائے بزرگ و برتر کے نام کے ساتھ کہ جو ازل سے ہے۔ وہ حیی و دانا و قادر قیوم ہے۔

۲۔ یہ کہ اس (خدائے بزرگ و برتر) کے نور نے عشق کے چراغ روشن فرما دیئے۔ یہاں تک کہ صد (۱۰۰) ہزار اسرار نہاں وا ہو گئے۔

۳۔ یہ کہ اس (خدائے بزرگ و برتر) کے ایک ہی حکم و فرمان سے (یہ) جہان عاشق و معشوق و حاکم و محکوم سے پر ہو گیا۔

۴۔ یہ کہ شمس تبریزی کے عجیب و غریب کھیل ہیں۔ اس (خدائے بزرگ برتر) کے عجائب کا خزانہ ودیعت ہوا۔

۵۔ یہ کہ اس وقت جبکہ آپ نے سفر کیا (جدائی اختیار کر لی) تو ہمارا حال کچھ یوں ہو گیا کہ گویا ہم شہد سے موم کی طرح جدا ہو گئے۔

۶۔ یہ کہ ہم تمام لوگ (آپکی جدائی سے) تمام شب شمع کی طرح جلتے رہتے ہیں۔ تیرے فراق (جدائی) کی آتش (صدمے) سے دوئی ہو چکی ہے اور ہم شہد (کی حلاوت سے) محروم ہو چکے ہیں۔

۷۔ یہ کہ (اے شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ) تیرے جمال کے فراق سے ہمارا جسم ویران ہو چکا ہے

اور جان ہماری موم کی طرح (خستہ حال) ہو چکی ہے۔

۸۔ یہ کہ آپ اپنی توجہ کو اس جانب مبذول فرمائیے۔ شتابی کیجئے۔ مست ہاتھی کی سونڈ کو مضبوط کیجئے (یعنی عزم سفر کیجئے)۔

۹۔ یہ کہ آپ کے بغیر، سماع کا سننا حلال نہیں ہے۔ کہ جیسے شیطان مسرت انگیز کہ جو مرجوم (رجم شدہ) ہو۔

۱۰۔ یہ کہ آپ کے بغیر ایک غزل تک بھی نہیں کہی جاتی۔ جب تک کہ (آپ کے فیض سے) اس کا مضمون خیال روشن و واضح نہ ہو۔

۱۱۔ یہ کہ بس! آپ کے نامہ کے سماع سے پانچ چھ عدد غزلیں منظوم ہوئی ہیں۔

۱۲۔ یہ کہ اے (مرشد من) آپ اپنی ملاقات (وصال) کے نمود سے صبح کو روشن کیجئے، کہ آپ شام، ارض اور روم کے لئے باعث فخر و نازش ہیں۔

مذکورہ منظوم خط کہ جو حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنے فرزند ارجمند حضرت مولانا سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا کہ منظوم اقتباس سے ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ان کے قلب مصفیٰ میں کس قدر عظمت وجلالت پر مبنی تھا اور ان کے قلب و ذہن پر آپ کی روحانیت اور اسرار نہانی کے فیوض و برکات کا کس قدر غلبہ تھا کہ مرشد روحانی سے بعد اور دوری نے حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب سے جذب وسلوک وحقیقت ومعرفت کے الٰہی اسرار وغوامض کو کچھ عرصہ تک کے لئے مکتوم کر دیا اور آپ کے قلب و ذہن اس قدر متاثر ہو گئے کہ آپکی لسان حق ترجمان پر سے متصوفانہ مضامین کہ جو جذب وشوق سے پر تھے ان میں رکاوٹ پڑ گئی اور فکر سخن کا یارا نہ رہا۔

یہاں سے ہمیں حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے بے لاگ روحانی مقام کا واضح قطعی اور بخوبی علم ہو جاتا ہے۔

حضرت خواجہ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا واپس قونیہ میں وُرود:

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم ومغفور رقمطراز ہیں کہ:

''ان اشعار کے علاوہ ایک غزل بھی ۱۱۵ اشعار کی لکھی تھی جس کے دو شعر دیباچہ مثنوی میں نقل کیے ہیں۔

بروید، اے حریفان بکشید، یار مارا ۔۔۔ بمن آورید، حالا صنم گریز پارا

اگر او بوعدہ گوید، کہ دم دگر بیاید ۔۔۔ مخو رید مکر اورا، بفریبد او شمارا

سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ قافلہ کے ساتھ دمشق پہنچے، بڑی مشکل سے شمس کا پتہ لگا، سب سامنے جا کر آداب و تسلیم بجالائے اور پیشکش جو ساتھ لائے تھے نذر کر کے مولانا کا خط دیا۔ شمس مسکرائے کہ "ع بدام ودانہ نگیرند مرغ دانا را"

پھر فرمایا کہ:

ان خزف ریزوں کی ضرورت نہیں! مولانا کا پیام کافی ہے۔

چند روز تک اس سفارت کو مہمان رکھا پھر دمشق سے سب کو لے کر روانہ ہوئے۔ تمام لوگ سواریوں پر تھے۔ لیکن سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ کمال ادب سے شمس کے رکاب کے ساتھ دمشق سے قونیہ تک پیادہ آئے۔ مولانا کو خبر ہوئی تو تمام مریدوں اور حاشیہ بوسوں کو ساتھ لے کر استقبال کو نکلے۔ اور بڑے تزک واحتشام سے لائے۔ مدت تک بڑے ذوق وشوق کی صحبتیں رہیں۔"

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ ص ۱۶/

حضرت خواجہ مولانا شمس الدین تبریز کا مناکحت (شادی) فرمانا:

چند روز کے بعد حضرت شمسؒ نے مولاناؒ کی ایک پروردہ کے ساتھ جس کا نام "کیمیا" تھا، شادی کر لی۔ مولانا نے مکان کے سامنے ایک خیمہ نصب کرا دیا کہ حضرت شمسؒ اس میں قیام فرمائیں۔

مولاناؒ کے ایک صاحبزادے جن کا نام علاؤالدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ تھا جب مولانا سے ملنے آتے تو حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ کے خیمہ میں سے ہو کر جاتے، شمس کو ناگوار ہوتا، چند بار منع کیا۔ لیکن وہ باز نہ آئے۔ علاؤالدین نے بزرگوں سے شکایت شروع کی۔ حاسدوں کو موقع ملا۔ سب نے کہنا شروع کیا کہ کیا غضب ہے۔ ایک بیگانہ آئے اور یگانوں کو گھر میں نہ آنے دے۔

یہ چرچا بڑھتا گیا یہاں تک کہ شمس نے اب کی دفعہ عزم کر لیا کہ جا کر پھر کبھی نہ آئیں گے۔ چنانچہ دفعۃً غائب ہو گئے۔ مولانا نے ہر طرف آدمی دوڑائے لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر تمام مریدوں اور عزیزوں کو ساتھ لے کر خود تلاش کو نکلے دمشق میں قیام کر کے ہر طرف سراغ رسانی کی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر مجبور ہو کر قونیہ کو واپس چلے گئے۔

حضرت خواجہ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی دوبارہ گمشدگی:

یہ تمام واقعات "سپہ سالار" نے بہ تفصیل لکھے ہیں۔ مناقب العارفین میں کیمیا سے شادی کرنے کا واقع منقول نہیں۔ لیکن اس قدر لکھا ہے کہ حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ کیمیا خاتون تھیں۔ وہ بے اجازت باہر چلی گئی تھیں۔ اس پر حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ سخت ناراض

ہوئے۔ وہ اسی وقت بیمار ہوئیں اور تین دن کے بعد مر گئیں۔ ان کی وفات کے بعد حضرت دمشق کو چلے گئے۔

'مناقب العارفین' کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ شمس، اول دفعہ جب ناراض ہو کر چلے گئے تو اپنے وطن تبریز پہنچے اور مولانا خود جا کر ان کو تبریز سے لائے۔ چنانچہ خود مثنوی میں اس واقعہ کی طرف ان اشعار میں شارہ کیا ہے۔

ساربانا! بار بکشاز اشتران شورِ تبریز است وکوی دلستان
فر فردوس ست ایں پایزرا شعشعہ عرش ست این تبریز را
ہر زمانے موجِ روح انگیز جان از فرازِ عرش بر تبریزیاں

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ ص ۱۷/۱۸

ترجمہ فارسی اشعار:

۱۔ یہ کہ اے ساربان! اونٹوں سے سامان کو کھول دے، تبریز کا مشورہ (ارادہ) ہے جو کہ محبوبوں کا کوچہ ہے۔

۲۔ یہ کہ یہ باغ فردوس بریں کی شان رکھتا ہے۔ یہ تبریز (شہر) عرش کی کرن ہے۔

۳۔ یہ کہ ہر دور میں مہکتی خوشبو کی لپک ہے جو کہ جان کو (یعنی روح کو) بھڑکا دینے والی ہے اور یہ عرش کی بلندی سے تبریزیوں پر (فیضان) ہے۔

حضرت مولانا خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی گمشدگی یا قتل (؟):

حضرت مولانا خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی گمشدگی یا واقعہ قتل آج تک ایک معمہ اور چیستان کی حیثیت رکھتا ہے۔ قدیم مسلم تذکرہ نگاروں میں سے حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

ایک رات شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ مولانا کی خدمت میں خلوت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے دروازہ کے باہر شیخ کو اشارہ کیا کہ: باہر آئیے۔

فی الحال اٹھ کھڑے ہوئے۔ مولانا سے کہا:

''مجھے قتل کے لئے بلاتے ہیں''!

بہت توقف کے بعد مولانا نے فرمایا:

''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ''

ترجمہ: ''دیکھو! اسی کے لئے خلق اور امر ہے۔ وہ اللہ رب العالمین بابرکت ہے۔''

سات آدمی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے گھات میں کھڑے تھے۔ انہوں نے چھری چلائی۔ شیخ نے نعرہ مارا۔ چنانچہ وہ جماعت بے ہوش ہوگئی۔ اور گر پڑی۔ ان میں سے ایک علاؤالدین محمد رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ جو مولانا کا فرزند تھا اور اس داغ سے داغ دار تھا۔ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ۔ یعنی بے شک وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے۔

جب وہ جماعت ہوش میں آئی تو سوائے خون کے چند قطروں کے اور کچھ نہ دیکھا۔ اس روز سے اب تک سلطان معنیٰ کا نشان ظاہر نہیں ہے۔

اور یہ واقعہ ۶۴۵ھ میں ہوا تھا۔

وہ سب نالائق، ایک ایک بلا میں مبتلا ہوئے اور ہلاک ہوگئے۔ علاؤالدین محمد کو عجب قسم کی بیماری ہوئی انہیں دنوں میں فوت ہوگیا۔ اور مولانا ان کے جنازہ پر حاضر نہ ہوئے۔

بعض کہتے ہیں کہ شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ، ان نالائقوں نے آپ کے بدن مبارک کو کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔ ایک رات سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ:

شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا کہ میں فلاں کنوئیں میں سوتا ہوں۔ تب آدمی رات کو محرم دوستوں کو جمع کیا اور مولانا کے مدرسہ میں بانی مدرسہ امیر بدرالدین کے پہلو میں دفن کر دیا۔ واللہ اعلم

(نفحات الانس) از حضرت شیخ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ اردو ترجمہ بعنوان (۴۹۲۔ مولانا شمس الدین محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ بن ملک داؤد التبریزی رحمۃ اللہ علیہ)

ص ۴۹۱/۴۹۲

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق:

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

"یہ عجیب بات ہے کہ سپہ سالار نے جو بقول خود ۴۰ برس تک مولانا کی خدمت میں رہے۔ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت صرف اس قدر لکھا ہے کہ وہ رنجیدہ ہو کر کسی طرف نکل گئے اور پھر ان کا پتہ نہ لگا۔

لیکن اور تمام تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ ان کو اسی زمانہ میں جب کہ وہ مولانا کے پاس مقیم تھے۔ مولانا کے بعض مریدوں نے حسد کی وجہ سے قتل کر دیا۔

(جواہر مضیہ)

''نفحات الانس'' میں ہے کہ:

خود مولانا کے صاحبزادے علاؤالدین محمد نے یہ حرکت کی۔

'نفحات الانس' میں شمس رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کا سال ۶۴۵ھ لکھا ہے۔ غرض شمس رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت یا غیوبت کا زمانہ ۶۴۴ھ اور ۶۴۵ھ کے بیچ بیچ میں ہے۔'' (ملخصا)

(سوانح مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا گم یا قتل) ص/۱۸

مولوی ہرگز نشد مولائے روم　　تا غلام شمس تبریزی نشد

(حضرت مولانا رُوم رحمۃ اللہ علیہ)

سوانحِ حیات

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

بسلسلہ

سوانح حیات شمس المعارف

حضرت شیخ مولانا شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

(حصہ پنجم)

مشتمل بر عناوین:

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری، شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی مجالست اور صحبت، شیخ حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی علالت اور وفات، آپ کی اولاد و امجاد، آپ کی تصنیفات، مثنوی وغیرہ وغیرہ۔

باب ۲۵

حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری

تمہید:

جیسا کہ قارئین کرام نے اس کتاب کے حصہ چہارم کے آخری صفحات میں شمس المعارف، حضرت مولانا خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی گمشدگی یا قتل (؟) کے واقعہ کو ملاحظہ کیا ہے تو اس سلسلہ میں حضرت شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے نہایت درجہ تاسف اور رنج والم کا ایک مقام تو یہ تھا کہ ایک جانب تو انہیں اپنے محبوب و محترم شیخ مولانا خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے ہمیشہ کے لئے مفارقت اور جدائی کا پہلو نکل آیا اور اس لحاظ سے زندگی کے آخری مرحلہ میں انہیں از حد رنج وافسردہ خاطری کا سامنا کرنا پڑا نیز شیخ مرحوم کی جدائی سے رواں طبیعت میں تصوف وسلوک وحقیقت ومعرفت پر مبنی خیالات ولافکاروہ تو اردکہ جو توجہ شیخ اور جذب پر مبنی تھا اس میں تعطل سا ہو گیا۔

دوسرے یہ کہ طبیعت ومزاج تسلیہء خاطر اور قلب کے انقباض کو دور کرنے کے لئے اور طبیعت کے تعطل کو دور کرنے کے لئے ایک نئی شخصیت سے ہمکنار ہونا پڑا۔ وہ شخصیت تھی شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ کی۔

شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ کی مجالست وصحبت نے بالآخر حضرت مولانائے روم کی طبیعت مزاج کو پھر سے رواں کر دیا کہ انقباض قلب کہ جس کا حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مشاہدہ کر رہے تھے بالآخر اس مجالست وصحبت سے ختم ہوا۔

آپ حصہ چہارم کے آخری صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ جب پہلی مرتبہ حضرت مولانا خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے گمشدہ ہو کر دمشق پہنچنے پر حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فرزند ارجمند سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ بالمشافہ ایک منظوم خط بزبان فارسی، حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا تھا اور اس میں آپ کے قدوم میمنت

لزوم دوبارہ قونیہ میں رنجہ فرمانے کی استدعا کی تھی تو اس وقت آپ نے اپنے ''منظوم خط'' میں اپنے انقباض قلب اور طبیعت اور مزاج کے تعطل کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں درج ذیل اشعار بھی قلمبند فرمائے تھے۔

یک غزل بے تو، ہیچ گفتہ نشد   تار سد آن بہ مشرقہ مفہوم
بس بذوق سماع نامہ تو   غزلی پنج و شش بشد منظوم

ترجمہ:

۱۔ یعنی یہ کہ، آپ کی مفارقت کے بعد ایک غزل تک بھی نہ ہو سکی، تاوقتیکہ وہ روشن مفہوم تک رسائی نہ پاسکے۔

۲۔ بس! آپ کے سماع نامہ کے ذوق کے حوالے سے پانچ و چھ عدد غزلیں منظوم ہو سکی ہیں۔

اس شعر میں ''بذوق سماع نامہ'' سے مراد حضرت شیخ خواجہ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا وہ والا نامہ (خط) ہے جو آپ نے جناب مولانا حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب دمشق سے روانہ فرما کر دمشق میں اقامت و موجودگی کی اطلاع دی تھی۔

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں محبت شیخ، طلب صدق مروّت و وفا کے جو جذبات اپنے شیخ محترم کے لئے ودیعت تھے اور آپکی نگاہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا جو روحانی مقام عظمت و جلالت واقع ہوا تھا چنانچہ آپ اپنے حضرت شیخ کی روحانی عظمت و جلالت اور مقامِ رشد و ہدایت و فیوضِ باطنی کا کشادہ دلی سے بے میل قلب سے بدیں الفاظ فرماتے ہیں کہ:

شام از نور صبح روشن باد   ای بتو فخر شامؔ وارمن و روم

ترجمہ: یہ کہ تیری ہدایت و فیضان کے نور صبح سے نادانی کی شب دیجور ہمیشہ روشن ہو جائے۔ (یا روشن رہے) اے تو جو کہ شام وارمن وروم کے لئے باعث فخر و نازش ہے۔

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

ان اشعار کے علاوہ ایک غزل بھی ۱۵ اشعار کی لکھی تھی جس کے دو شعر دیباچہ مثنوی میں نقل کئے ہیں۔

اشعار:

بروید، اے حریفانِ بکشید، یار مارا   بمن آورید، حالا صنم گریز پارا
اگر او بوعدہ گوید، کہ دم دگر بیاید   مخور مکر اورا، بفریبد او شمارا

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۶/

ترجمہ اشعار:

۱۔ اے دوستو! تم چلے جاؤ اور میرے یار (محبوب) کو میرے پاس لے آؤ۔ کہ ابھی میرا محبوب مجھ سے بے اعتنائی (گریز) کرتا ہے۔

۲۔ یہ کہ، اگر وہ تم سے وعدہ سے کہے کہ وہ دوسری ہی گھڑی چلا آتا ہے۔ تو پھر تم اس کے مکر وفریب میں (ہرگز) نہ آنا۔ وہ تو (اس حال میں) تم سے فریب سے کام لیتا ہے۔

بہرکیف اپنے شیخ کے ساتھ اس قدر بے تابانہ محبت کے باوصف جیسے ہی آپ کو حضرت خواجہ مولانا شیخ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے دمشق سے قونیہ قدم رنجہ فرمائی کی اطلاع ہوئی تو اس فرحت وانبساط پر مبنی اطلاع سے حضرت مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت اور جذبہ کا کیا حال تھا تو سنئے۔

''مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو خبر ہوئی تو تمام مریدوں اور حاشیہ بوسوں کو ساتھ لے کر استقبال کو نکلے اور بڑے تزک واحتشام سے لائے۔ مدت تک بڑے ذوق وشوق کی صحبتیں رہیں۔''

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۶/

تو یہ تھا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قلبی ربط وضبط یقیناً آپ شیخ کی محبت والفت میں وفا کے پتلے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے اچانک اٹھ جانے سے، تصور شیخ، روحانی ربط وتعلق، کیفیات باطنی میں اچانک اور یکسر خلاء واقع ہونے پر حضرت شیخ کے جو اسرار مشرقہ (روشن) تھے وہ مکتوم ہو گئے۔

بس! پھر کیا تھا حضرت مولانائے جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت مضطربانہ اور انقباض کا شکار ہو کر رہ گئی۔ تو اس سلسلے میں ہمیں دو شخصیات نظر آتی ہیں۔ کہ جن کی مجالست اور مصاحبت کے باوصف حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیات باطنی میں کافی حد تک افاقہ واقع ہوا تو وہ شخصیات یہ ہیں۔

۱۔ شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ شیخ حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام حیات کا یہ وہی دور ہے کہ جس میں آپ کے مضامین تصوف وسلوک وحقیقت ومعرفت کے اسرار نہانی پر مبنی شاعری پروان چڑھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بام عروج تک پہنچ کر آپ کے عظیم شاہکار ''مثنوی معنوی اور ''دیوان'' کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔

چنانچہ حضرت مولانا خواجہ شیخ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی یکلخت جدائی سے حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی قلبی وروحانی کیفیات پر جو سکتہ کا عالم طاری ہو چکا تھا وہ اندر

ہی اندر چنگاری کی طرح سلگتا چلا جاتا تھا لیکن انقباض قلب وفکر کے کشاد کے لئے شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ اور پھر شیخ حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیات نے آپ کے لئے آئندہ کے لئے تحریک کا کام کیا اور ایک مرتبہ پھر آپ کی طبیعت رواں ہو کر رہ گئی۔ تو آیئے ہم موجودہ کتاب کے اس مختصر حصہ میں حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے آخری ایام حیات کے اس اہم دور کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں کہ جو صاحب علم وفضل، روحانیت پیشہ صوفیانِ باصفا اور صاحب عقل ودانش حضرات کے ہاں نیز فارسی زبان کی علمی وادبی گہرائیوں اور وسعتوں کا دور ہے۔

حضرت شیخ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری:

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے حوالے سے ''مثنوی مولوی معنوی'' کو علمی دنیا بخوبی طور پر جانتی ہے اور اسی طرح (مثنوی مولوی معنوی) کے باوصف معاً حضرت مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ کا تصور ذہن میں ابھرنے لگتا ہے۔

حضرت مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ کی ''مثنوی'' کے حوالے سے جب آپ کی شاعری اور شاعرانہ حیثیت زیر بحث آجاتی ہے تو معاً آپ کی شاعری کے آغاز کا دور بھی بحث وتمحیص کا عنوان بن جاتا ہے۔

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (مولانا کی شاعری کی ابتداء) رقمطراز ہیں کہ:

> ''تذکرہ نویسوں نے گو تصریح نہیں کی لیکن قرائن صاف بتاتے ہیں کہ شمس رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات سے پہلے مولانا کے شاعرانہ جذبات اسی طرح ان کی طبیعت میں پنہاں تھے جس طرح پتھر میں آگ ہوتی ہے۔ شمس کی جدائی گویا چقماق تھی اور شرارے، انکی پرجوش غزلیں، مثنوی کی ابتداء اسی دن سے ہوئی۔''

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص/۱۸

شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی مجالست وصحبت:

حضرت شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق قدیم مسلم تذکرہ نویس حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''آپ شروع میں سید برہان الدین محقق ترمذی کے مرید تھے۔ ایک دن زرکوبوں کے محلّہ سے گزر رہے تھے۔ ان کی ضرب کی آواز سے ان میں حال ظاہر ہو گیا۔ چکر کھانے لگے، شیخ صلاح الدین الہام

کے ساتھ دکان سے باہر کود پڑے اور مولانا کے قدم پر سر رکھ دیا۔ مولانا نے اس کو بغل میں لے لیا اور بڑی مہربانی کی۔ ظہر کی نماز سے لے کر عصر تک مولانا سماع میں تھے اور یہ غزل فرمائی۔''

یکے گنجے پدید آمد درایں دکان زرکوبی — زہے صورت زہے معنیٰ زہے خوبی زہے خوبی

شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''دوکان لوٹ لو اور دونوں جہان سے آزاد ہو گئے۔ مولانا کی صحبت میں روانہ ہو گئے۔ مولانا وہی عشق بازی کہ شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رکھتے تھے۔ ان سے شروع کی، دس سال آپس میں انس و محبت رہی۔ ایک دن مولانا سے سوال کیا گیا کہ:

''عارف کون ہوتا ہے؟''

کہا: ''وہ جو تیرے دل کی باتیں کہے اور تم خاموش بیٹھے رہو، اور ایسا مرد صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ ہے۔''

جب سلطان ولد بلوغت کے درجہ تک پہنچے، تو مولانا صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کی دختر نیک اختر کو ان کے لیے منسوب کیا اور چلپی رحمۃ اللہ علیہ عارف اس دختر سے پیدا ہوئے تھے۔ شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ ''قونیہ'' میں مولانا بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں فوت ہو گئے۔''

(نفحات الانس) از حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ
اردو ترجمہ بعنوان (۴۹۳۔ شیخ صلاح الدین فریدوں القونیوی المعروف بزرکوب رحمۃ اللہ علیہ
ص ۴۹۲/

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

مولانا کو صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت سے بہت کچھ تسلی ہوئی۔ نو ۹ برس تک متصل ان سے صحبت گرم رہی۔ جس بات کے لئے مولانا شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو ڈھونڈتے پھرتے تھے ان سے حاصل ہوئی۔ چنانچہ بہاؤ الدین ولد رحمۃ اللہ علیہ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں کہ:

قطب ہفت آسمان و ہفت زمین — لقب شان بود صلاح الدین
نور خور از رخش خجل گشتے.... — ہر کہ دیدیش، ز اہل دل
چوں ورا دید، شیخ صاحب حال — بر گذیدش ز جملہ ابدال

روبرو کرد جملہ را بگذاشت ، غیر اورا خطا و سہو آنگاشت
گفت، آن شمسِ دین کہ می گفتیم باز آمد بما، چرا خفتیم
گفت از روئے مہرباں یاران نیست پروا بے کس مرابہ جہان
من ندارم سر شما بروید از برم، باصلاح دین گروید
شورش شیخ گشت ازو ساکن وان ہمہ رنج و گفتگو ساکن
شیخ بااوچنانکہ با آن شاہ شمسِ تبریز خاصۂ اللہ
خوش در آمیخت، ہمچو شیر و شکر کار ہر دو زہمد گر شدزر

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۰/۲۱

اُردو ترجمہ اشعار:

۱۔ یہ کہ ہفت آسمان و ہفت زمین کے قطب، ان کا لقب صلاح الدین ہے۔

۲۔ کہ سورج کی روشنی ان کے چہرے (کی آب) سے شرمندہ ہو، جو کہ اس کو دیکھے تو وہ صاحب دل ہو جائے۔

۳۔ جب اس کو ایک شیخ صاحب حال نے ایک نظر سے دیکھا تو وہ تمام ابدال سے بھی برگزیدہ ہو گیا۔

۴۔ (چنانچہ) اس نے خود کو اس کے روبرو کر دیا اور باقی تمام کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس کے سوا نظر کرنا خطا و سہو کا بیج بونا ہے۔

۵۔ اس نے کہا کہ مجھے شمسِ دین کہتے ہیں۔ تم ہم سے واپس لوٹ جاؤ۔ کیونکہ ہم محوخواب ہیں۔

۶۔ اس نے کہا کہ مہرباں دوستوں کی جانب سے مجھے کچھ بھی پرواہ نہیں۔ میرا اس جہان میں کون ہے۔

۷۔ یہ کہ میں تمہارے بھید سے ناواقف ہوں، پس تم مجھ سے واپس لوٹ جاؤ اور صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلق رکھ لو۔

۸۔ (تو شیخ شمس) کے اس کلام سے شیخ کی پریشانی خاطر ساکن ہو گئی۔ (پرسکون ہو گئی) اور وہ تمام رنج و قیل وقال (گفتگو) ساکن ہو گئی۔

۹۔ یہ کہ شیخ اس کے اس کلام سے کہ وہ شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے مقربان خاص میں تھے۔

۱۰۔ ان (شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ) سے بخوبی ملا جلا، کہ جیسے شیر شکر آمیختہ ہو (یعنی دودھ

اور شکر) ملے ہوئے ہوں۔ تو پھر ہر دو کا کام اس باہمی محبت والفت سے زر خالص کی طرح ہو گیا۔

(راجہ طارق محمود نعمانی)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ کا مقام:

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ آگے رقمطراز ہیں کہ:

مولانا، صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں نہایت ذوق وشوق کی غزلیں اور اشعار لکھتے تھے، ایک غزل میں فرماتے ہیں کہ:

اشعار:

مطربا! اسرارِ مارا بازگو — قصہ ہائے جان فزارا باز گو

ما دہان بر بستہ ایم از ذکر او — تو حدیثِ دلکشا را بازگو

چوں صلاح الدین صلاحِ جان ماست — آن صلاحِ جان ہارا، باز گو

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۱/

اردو ترجمہ اشعار:

۱۔ اے مطرب! (سازندے) میرے راز ہائے دروں کو پھر سے سنا، حکایات جانفزاء کو پھر سے کہہ سن۔

۲۔ ہم ان راز ہائے دروں کے ذکر سے خاموش ہو چکے، (اب) تو ہی دلکش بات (حکایت) کو کہہ سن لے۔

۳۔ جبکہ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ (زرکوب) میری جان (میرے قلب) کے لئے نیکی وبھلائی کا باعث ہے۔ تو تم اس صلاح جان ہا (جانوں رقلوب) کی صلاح کرنے کو پھر سے کہہ سن لے۔

(راجہ طارق محمود نعمانی)

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ:

''مولانا کے پرانے رفیقوں نے یہ دیکھا کہ ایک زرکوب جس کو لکھنا پڑھنا تک نہیں آتا تھا مولانا کا نہ صرف ہمدم وہمراز بن گیا ہے بلکہ مولانا اس سے اس طرح پیش آتے ہیں جس طرح مرید پیر کے ساتھ، سخت شورش برپا کی اور شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بری طرح پیش آنا

چاہا۔"

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۲

لیکن جب حریفوں کو معلوم ہوا کہ مولانا کا تعلق ان سے منقطع نہیں ہوسکتا تو اس خیال سے باز آئے مولانا نے اپنے صاحبزادے سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ کا شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے عقد کردیا تھا کہ اختصاص باطنی کے ساتھ ظاہری تعلقات بھی مستحکم ہوجائیں۔

شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات:

"سپہ سالار رحمۃ اللہ علیہ" نے لکھا ہے کہ دس برس تک مولانا اور شیخ کی صحبتیں گرم رہیں۔ بالآخر ۶۶۲ھ میں شیخ بیمار ہوئے اور مولانا سے درخواست کی کہ دعا فرمایئے کہ اب طائرِ روح قفس عنصری سے نجات پائے، تین چار روز بیمار رہ کر وفات پائی۔

مولانا نے تمام رفقاء اور اصحاب کے ساتھ ان کے جنازہ کی مشایعت کی اور اپنے والد کے مزار کے پہلو میں دفن کیا۔ مولانا کو ان کی جدائی کا نہایت سخت صدمہ ہوا، اسی حالت میں ایک غزل لکھی ہے جس کا مطلع یہ ہے:

ای زہجران درفراقت آسمان بگریستہ　　　دل میانِ خون نشتہ، عقل و جان بگریستہ

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۲/۲۳

اُردو ترجمہ شعر:

اے صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ! جو کہ آسمان تیری جدائی کے صدمہ سے ماتم کناں (روتا) ہے۔ دل خون ہوچکا ہے۔ عقل و جان ماتم کناں (روتے) ہیں۔

شیخ حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ سے مولانا کی مصاحبت:

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (۴۹۴......شیخ حسام الدین جسی بن محمد بن الحسن بن اخی ترک رحمۃ اللہ علیہ) بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"جب شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرماگئے تو مولانا کی خدمت کی مہربانی اور ان کی خلافت چلپی حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منتقل ہوگئی اور عشق بازی کی بنیاد ان سے رکھی۔ مثنوی کی نظم کا باعث وہ ہوئے۔ کیونکہ جب چلپی حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اصحاب کا میلان خاطر "الٰہی نامہ" حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ اور "منطق الطیر" شیخ عطار اور ان کے

''مصیبت نامہ'' کی طرف دیکھا تو مولانا سے درخواست کی کہ غزلیات کے اسرار بہت ہو گئے ہیں۔''

اگر ایسی کتاب جس کی طرز الٰہی نامہ سنائی یا منطق الطیر کی ہو، نظم کی جائے تا کہ دوستوں کے لئے یادگار رہے تو نہایت مہربانی ہوگی۔ مولانا نے اسی وقت اپنی دستار کے سرے سے ایک کاغذ چلپی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دیا جس پر اٹھارہ بیت اول مثنوی کے لکھے ہوئے تھے۔ اس شعر سے:

بشنو از نے چوں حکایت می کند ۔ وز جدائیہا شکایت می کند

سے لے کر شعر تک:

''پس سخن کوتاہ باید والسلام''

بعد ازاں مولانا نے فرمایا، پہلے اس سے کہ تمہارے دل میں یہ خواہش پیدا ہو۔ عالم غیب سے میرے دل میں یہ بات القاء کی گئی تھی کہ اس قسم کی کتاب نظم کی جائے۔ تب پورے اہتمام سے ''مثنوی'' کی نظم شروع کر دی۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ اول شب سے طلوع فجر تک مولانا تصنیف کرتے اور چلپی حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے جاتے تھے۔ اس کے مجموعہ کو بلند آواز سے مولانا کی خدمت میں پڑھتے تھے۔ جب پہلی جلد ختم ہو چکی تو چلپی حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی فوت ہو گئیں اور اسی درمیان میں سستی آ گئی۔ دو سال کے بعد چلپی حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا کی خدمت میں بڑی عاجزی سے بقیہ مثنوی کو پورا کرنے کے لئے درخواست کی چنانچہ دوسری جلد کے شروع میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد ۔ مہلتے بایست تا خون شیر شد

بعد ازاں، آخر تک مولانا فرماتے تھے، اور چلپی حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے جاتے تھے۔

ایک دن چلپی حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ:

''جس وقت اصحاب ''مثنوی مخدومی'' کو پڑھتے ہیں اور اہل حضور اس کے نور میں مستغرق ہو جاتے ہیں تو میں دیکھتا ہوں کہ ایک غیبی جماعت ہاتھوں میں تلواریں لیے ہوئی دور باش کرتی ہوئی حاضر ہوتی ہے جو شخص اخلاص سے اس کو نہیں سنتے ان کے ایمان کی جڑوں اور دین کی شاخوں کو کاٹتے ہیں اور کشاں کشاں دوزخ کے گڑھے میں لے جاتے ہیں۔''

مولانا نے فرمایا کہ:

ہاں! ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے دیکھا ہے۔

دشمن ایں حرم ایں دم در نظر ۔ شد مثل سرنگوں اندر سقر

اے حسام الدین تو دیدی حال او ۔ حق عوذت پاسخ افعال او

(نفحات الانس) از حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ۔ اردو ترجمہ، ص ۴۹۲/۴۹۳

علامہ محمد شبلی نعمانی مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ کو جو معتقدان خاص میں تھے، ہمدم و ہمراز بنایا اور جب تک زندہ رہے انھی سے دل کو تسکین دیتے رہے۔ مولانا ان کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے کہ لوگوں کو گمان ہوتا تھا کہ شاید ان کے مرید ہیں۔

وہ بھی مولانا کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ پورے دس برس کی مدت میں، ایک دن بھی مولانا کے وضوخانہ میں وضو نہیں کیا، شدت کے جاڑے پڑتے ہوتے اور برف گرتی ہوتی لیکن گھر جا کر وضو کر آتے۔ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ ہی کی درخواست اور استدعا پر مولانا نے مثنوی لکھنی شروع کی۔''

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۳

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی علالت اور وفات:

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم و مغفور رقمطراز ہیں کہ:

''۶۷۲ھ میں قونیہ میں بڑے زور کا زلزلہ آیا اور متصل ۴۰ دن تک قائم رہا۔ تمام لوگ سراسیمہ و حیران پھرتے تھے۔ آخر مولانا کے پاس آئے کہ یہ کیا بلائے آسمانی ہے۔''

مولانا نے فرمایا کہ:

زمین بھوکی ہے، لقمہ تر چاہتی ہے۔ اور انشاء اللہ کامیاب ہوگی۔ اسی زمانہ میں مولانا نے یہ غزل لکھی:

بااین ہمہ مہر و مہربانی	دل می دہدت کہ خشم رانی
وین جملہ شیشہ خانہارا	درہم شکنے بہ لن ترانی
در زلزلہ است دار دنیا	کز خانہ تو، رخت می کشانی
نالان ز تو صد ہزار رنجور	بے تو نہ زیند ہین تودانی

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۴

اُردو ترجمہ اشعار:

۱۔ یہ کہ باوجود اس تمام محبت و مہربانی کے (میں) دل تجھ کو دیتا ہوں کہ تو غصہ میں ہانکتا ہے۔

۲۔ اور یہ (دنیا) تمام تر شیشہ کا گھر ہے، لن ترانی کی شکن سے تو توڑ پھوڑ دینے والا ہے۔

۳۔ یہ کہ دنیا کے گھر میں زلزلہ (طاری) ہے، یہ کہ اپنے خانہ (گھر) سے تو مال و اسباب کھینچ لے جاتا ہے۔

۴۔ یہ کہ تجھ سے نالاں ہیں اور لاکھوں رنجور ہیں، کہ تیرے بغیر یہ ہستی نہیں ہے تو جانتا ہے۔

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''چند روز کے بعد مزاج ناساز ہوا۔ اکمل الدین رحمۃ اللہ علیہ اور غضنفر رحمۃ اللہ علیہ کہ اپنے زمانے کے جالینوس تھے۔ علاج میں مشغول ہوئے۔ لیکن نبض کا یہ حال تھا کہ ابھی کچھ ہے۔ ابھی کچھ ہے۔ آخر تشخیص سے عاجز آئے اور مولانا سے عرض کی کہ آپ خود مزاج کی کیفیت سے مطلع فرمائیں۔ مولانا مطلق متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ لوگوں نے سمجھا کہ اب کوئی دن کے مہمان ہیں۔

بیماری کی خبر عام ہوئی تو تمام شہر عیادت کے لئے ٹوٹا، شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ محی الدین اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ اور روم و شام میں مرجع عام تھے تمام مریدوں کو ساتھ لے کر آئے۔''

مولانا کی حالت دیکھ کر بے قرار ہوئے اور دعا کی کہ:

خدا! آپ کو جلد شفاء دے۔

مولانا نے فرمایا:

شفاء آپ کو مبارک ہو، عاشق اور معشوق میں بس ایک پیرہن کا پردہ رہ گیا ہے۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہ بھی اٹھ جائے اور نور نور میں مل جائے۔

شیخ روتے ہوئے اٹھے، مولانا نے یہ شعر پڑھا:

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشین دارم　　رخ زرین من منگر، کہ پای آہنین دارم

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۴/۲۵

اُردو ترجمہ شعر:

یہ کہ تو کیا جانتا ہے کہ (میرے) باطن میں کون سا بادشاہ میرا ہمنشین ہے؟ تم میرے

چہرے کے رخ زریں کومت دیکھو کہ میں اپنے پاؤں میں بیڑیاں رکھتا ہوں۔

شہر کے تمام امراء، علماء، مشائخ اور ہر طبقہ و درجہ کے لوگ آتے تھے اور بے اختیار چیخیں مار مار کر روتے تھے۔ایک شخص نے پوچھا کہ:

''آپ کا جانشین کون ہوگا؟

اگرچہ مولانا کے بڑے صاحبزادے سلطان بہاؤالدین ولد رحمۃ اللہ علیہ، سلوک اور تصوف میں بڑے پایہ کے شخص تھے لیکن مولانا حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا۔لوگوں نے دوبارہ، سہ بارہ پوچھا، پھر یہی جواب ملا، چوتھی دفعہ سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ کا نام لے کر کہا کہ ان کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

ارشاد ہوا کہ:

''وہ پہلوان ہے۔اس کو وصیت کی حاجت نہیں۔

مولانا پر ۵۰ دینار قرضہ تھا مریدوں سے فرمایا کہ:

جو کچھ موجود ہے ادا کر کے باقی قرض خواہ سے بحل (معاف کروانا) کروالو۔لیکن قرض خواہ نے کچھ لینا گوارا نہ کیا۔مولانا نے فرمایا کہ:

'الحمدللہ اس سخت مرحلہ سے رہائی ہوئی'۔

چلپی حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ: آپ کے جنازہ کی نماز کون پڑھائے گا؟

فرمایا: مولانا صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ۔

یہ وصیتیں کر کے جمادی الثانی ۶۷۲ھ کو پانچویں تاریخ یکشنبہ کے دن غروب آفتاب کے وقت انتقال کیا۔''

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص/۲۵

مولانا کی تجہیز و تکفین:

علامہ محمد شبلی نعمانی مرحوم و مغفور رحمۃ اللہ علیہ تحریر کرتے ہیں کہ:

''رات کو تجہیز اور تکفین کا سامان مہیا کیا گیا۔صبح کو جنازہ اٹھا، بچے جوان، بوڑھے، امیر غریب، عالم، جاہل ہر طبقہ اور فرقہ کے آدمی جنازہ کے ساتھ تھے اور چیخیں مار مار کر روتے جاتے تھے۔ہزاروں آدمیوں نے کپڑے پھاڑ ڈالے، عیسائیوں اور یہودیوں تک جنازہ کے آگے آگے انجیل اور توریت پڑھتے اور نوحہ کرتے جاتے تھے۔''

بادشاہ وقت جنازہ کے ساتھ تھا اس نے ان کو بلا کر کہا کہ:

''تم کو مولانا سے کیا تعلق؟

''بولے کہ یہ شخص اگر تمہارا احمد ﷺ تھا تو ہمارا موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام تھا۔''

صندوق جس میں تابوت رکھا تھا، راہ میں چند دفعہ بدلا گیا اور اس کے تختے توڑ کر تبرک کے طور پر تقسیم کیے گئے، شام ہوتے ہوتے جنازہ قبرستان میں پہنچا، شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ آخر میں قاضی سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھائی، ۴۰ دن تک لوگ مزار کی زیارت کو آتے رہے۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۶/

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار آج بھی زائرین کے لئے مرجع خاص و عام ہے۔ چنانچہ چھٹی صدی ہجری کے مشہور مسلم سیاح ابن بطوطہ نے بھی اپنے مشہور و معروف سفر نامہ میں آپ کے مزار واقع قونیہ کا ذکر بدیں الفاظ کیا ہے:

''اسی شہر میں الشیخ الامام الصالح القطب جلال الدین المعروف بمولانا کا مزار مبارک ہے۔ آپ بہت بڑے مرتبہ والے شخص تھے۔ سرزمین روم میں ایک گروہ ہے جو اپنے آپ کو اپنے کی طرف منسوب کرتا ہے اور آپ ہی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

انہیں ''الجلالیہ'' کہتے ہیں۔ جس طرح 'الاحمدیہ' عراق میں اور ''الحیدریہ'' خراسان میں مانا جاتا ہے۔ آپ کے مزار مبارک پر ایک بہت بڑا زاویہ ہے جہاں سے ہر وارد و صادر کو کھانا ملتا ہے۔''

(سفرنامہ ابن بطوطہ) ابن بطوطہ اردو ترجمہ

بعنوان (شہر قونیہ) صاحب مثنوی کا وطن، مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا وطن،

زاویہ اور حالات، ص ۳۵۳/۳۵۴

آپ کی اولاد و امجاد:

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد و امجاد میں دو فرزند تھے۔

۱۔ علاؤ الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ

علاؤالدین محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ مرحوم ومغفور رقمطراز ہیں کہ:

علاؤالدین محمد رحمۃ اللہ علیہ کا نام صرف اس کارنامہ سے زندہ ہے کہ انہوں نے شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کیا تھا۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۷

سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

آپ نے سید برہان الدین محقق رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی لائق خدمتیں کی ہیں اور شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جو کہ ان کی بیوی کے باپ تھے اچھا عقیدہ رکھتے تھے۔ گیارہ سال تک چلپی حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا قائم مقام اور باپ کا خلیفہ بنایا تھا۔ کئی سال تک اپنے والد کا کلام، فصیح بیان سے تقریر کیا کرتے تھے۔ ان کی ایک مثنوی ہے جو کہ حدیقہ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ کے وزن پر ہے۔ بہت سے معارف واسرار اس میں لکھے ہیں۔ بارہا مولانا ان کو خطاب کرتے:

اِنَّ اَشْبَہَ النَّاسَ بِیْ خَلْقًا وَّ خُلُقًا

ترجمہ: یعنی، تم مجھ سے خَلق اور خُلق میں بہت مشابہ ہو، ان سے بہت محبت کرتے،

کہتے ہیں کہ آپ نے موٹے قلم سے مدرسہ کی دیوار پر لکھ رکھا تھا کہ:

''ہمارا بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ نیک بخت ہے۔ خوش زندگی اور خوش چلتا ہے۔'' واللہ اعلم

(ملخصا)

(نفحات الانس) از حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ، بعنوان (۴۹۵۔ سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ) ص ۴۹۳ تا ۴۹۵

علامہ شبلی نعمانی مرحوم ومغفور رحمۃ اللہ علیہ خامہ فرسائی کرتے ہیں۔

''مولانا کی وفات پر سب کی رائے تھی کہ انھی کو سجادہ نشین کیا جائے۔ لیکن ان کی نیک نفسی نے گوارہ نہ کیا، انہوں نے حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ:

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں آپ ہی خلافت کی خدمات انجام دیتے تھے۔ اس لئے آج بھی آپ ہی اس مسند کو زینت دیجئے۔

حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ نے ۶۸۴ھ میں انتقال کیا۔ ان کے بعد سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ اتفاق عام سے مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

ان کے زمانہ میں بڑے بڑے علماء وفضلاء موجود تھے لیکن

جب وہ حقائق واسرار پر تقریر کرتے تو تمام مجمع ہمہ تن گوش بن جاتا، ان کی تصنیفات میں سے خاص قابل ذکر ایک مثنوی ہے جس میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اور واردات لکھے ہیں اور اس لحاظ سے وہ گویا مولانا کی مختصر سوانح عمری ہے۔

انہوں نے ۷۱۲ھ میں ۹۶ برس کی عمر میں انتقال کیا چار صاحبزادے تھے۔ چلپی رحمۃ اللہ علیہ عارف جن کا نام جلال الدین فریدون رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ چلپی عابد، چلپی زاہد، چلپی واجد۔

چلپی عارف رحمۃ اللہ علیہ، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی حیات میں پیدا ہوئے تھے اور مولانا ان کو نہایت پیار کرتے تھے۔ سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد، باپ کے سجادہ پر بیٹھے اور ۷۱۹ھ میں انتقال کیا۔ ان کے بعد ان کے بھائی چلپی عابد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند فقر کو زینت دی۔ ان کے بعد یہ سلسلہ قائم رہا۔ لیکن نہ ان کے تفصیلی حالات ملتے ہیں۔ نہ ان کا ذکر مولانا کے سوانح نگار کا کوئی ضروری فرض ہے۔"

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۲۷/۲۸

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ تصوف وسلوک:

طریقہ الجلالیہ:

چھٹی صدی کے مشہور ومعروف مسلم سیاح ابن بطوطہ رحمۃ اللہ علیہ شہر قونیہ کے حالات بیان کرتے ہوئے بدیں الفاظ رقمطراز ہیں کہ:

"اسی شہر میں الشیخ الامام الصالح القطب جلال الدین المعروف بمولانا کا مزار مبارک ہے۔ آپ بہت بڑے مرتبہ والے شخص تھے۔ سرزمین روم میں ایک گروہ ہے جو اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرتا ہے اور آپ ہی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ انہیں "الجلالیہ" کہتے ہیں۔ جس طرح 'الاحمدیہ' عراق میں اور "الحیدریہ" خراسان میں مانا جاتا ہے۔"

(سفرنامہ ابن بطوطہ) ابن بطوطہ اردو ترجمہ

بعنوان (شہر قونیہ) صاحب مثنوی کا وطن، مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا وطن،

زوایہ اور حالات، ص ۳۵۳/۳۵۴

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

مولانا کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ:

''ان کے فرقے کے لوگ ''جلالیہ'' کہلاتے ہیں۔ چونکہ مولانا کا لقب جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ تھا اس لیے ان کی انتساب کی وجہ سے یہ نام مشہور ہوا ہوگا لیکن آج کل ایشیائے کوچک، شام، مصر اور قسطنطنیہ میں اس فرقہ کو ''مولویہ'' کہتے ہیں۔''

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص/۲۸

ذکر و شغل:

میں نے سفر کے زمانہ میں اس فرقہ کے اکثر جلسے دیکھے ہیں۔ یہ لوگ نمد کی ٹوپی پہنتے ہیں۔ جس میں جوڑ یا درز نہیں ہوتی، مشائخ رحمۃ اللہ علیہ اس ٹوپی پر عمامہ بھی باندھتے ہیں۔ خرقہ یا کرتہ کے بجائے ایک چنٹ دار جامہ ہوتا ہے۔ ذکر و شغل کا یہ طریقہ ہے کہ حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں۔ ایک شخص کھڑا ہو کر ایک ہاتھ سینہ پر اور ایک ہاتھ پھیلائے ہوئے رقص شروع کرتا ہے، رقص میں آگے یا پیچھے بڑھنا یا ہٹنا نہیں ہوتا بلکہ ایک جگہ جم کر (اینٹی کلاک وائز) متصل چکر لگاتے ہیں۔ سماع کے وقت دف اور نے بھی بجاتے ہیں۔ لیکن میں نے سماع کی حالت نہیں دیکھی۔

چونکہ مولانا پر ہمیشہ ایک وجد اور سکر کی حالت طاری رہتی تھی اور جیسا کہ آگے آئے گا وہ اکثر جوش کی حالت میں ناچنے لگتے تھے۔ مریدوں نے تقلیداً اس طریقہ کو اختیار کیا۔ حالانکہ یہ ایک غیر اختیاری کیفیت تھی جو تقلید کی چیز نہیں۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص/۲۹

سلسلہ الجلالیہ (مولویہ) میں داخلہ کی شرائط:

صاحب دیباچہ نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں جب کوئی شخص داخل ہونا چاہتا ہے تو قاعدہ یہ ہے کہ ۴۰ دن چارپایوں کی خدمت کرتا ہے۔ چالیس دن فقراء کے دروازے پر جھاڑو دیتا ہے۔ ۴۰ دن آب کشی کرتا ہے۔ ۴۰ دن فراشی، ۴۰ دن ہیزم کشی، چالیس دن طباخی، چالیس دن بازار سے سودا سلف لانا، ۴۰ دن فقراء کی مجلس کی خدمتگاری، ۴۰ دن داروغہ گری، جب یہ مدت تمام ہو چکتی ہے تو غسل دیا جاتا ہے اور تمام محرمات سے توبہ کرا کر حلقہ میں داخل کر لیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ خانقاہ سے لباس (وہی جامہ) ملتا ہے اور اسم جلالی کی تلقین کی جاتی ہے۔ —

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص/۲۹

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے رُوم کے معاصر علماء اور ارباب مجالست وصحبت:

اگر چہ ساتویں صدی ہجری کا دور دنیائے اسلام کے لئے قیامت خیز اور طوفان حوادث سے پر تھا، فتنہ تاتار یکلخت آندھی کی طرح اٹھا اور پھر تند و تیز بگولہ کی طرح اس نے تقریباً دنیائے اسلام کے مشرقی حصہ خلافت کے تمام ممالک کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سینکڑوں ہزاروں شہر اجڑ کر ملبہ کا ڈھیر ہو گئے۔

کم از کم ۹۰ لاکھ آدمی قتل کر دیئے گئے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بغداد جو تاریخ اسلام کا تاج تھا، اس طرح برباد ہوا کہ آج تک سنبھل نہ سکا۔ یہ سیلاب ۶۱۵ھ میں تاتار سے اٹھا اور ساتویں صدی کے اخیر تک برابر بڑھتا گیا۔

یہ سب کچھ ہوا لیکن اسلام کا علمی دربار اسی اوج و شان کے ساتھ قائم رہا۔ محقق طوسی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محیی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، صدر الدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ، یاقوت حموی رحمۃ اللہ علیہ، شاذلی رحمۃ اللہ علیہ، ابن الاثیر مؤرخ رحمۃ اللہ علیہ ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ، عبد اللطیف بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، نجم الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ، سکا کی رحمۃ اللہ علیہ، سیف الدین آمدی رحمۃ اللہ علیہ، شمس الآئمہ کردری رحمۃ اللہ علیہ، محدث ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ، ابن النجار مورخ بغداد رحمۃ اللہ علیہ، ضیاء الدین بن بیطار رحمۃ اللہ علیہ، ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ، ابن القفطی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تاریخ الحکماء، خونجی منطقی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ، زملکانی رحمۃ اللہ علیہ ...... وغیرہ اسی پر آشوب عہد کے یادگار ہیں۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۰

سلطنتیں اور حکومتیں مٹی جاتی تھیں لیکن علم و فن کے حدود وسیع ہو جاتے تھے، اسی زمانہ میں محقق طوسی نے ریاضیات کو نئے سرے سے ترتیب دیا، یاقوت حموی نے قاموس الجغرافیہ لکھی، ضیاء الدین بیطار رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی نئی دوائیں دریافت کیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے غزل کو معراج پر پہنچایا۔ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے اصول حدیث کو مستقل فن بنا دیا۔ سکا کی نے فن بلاغت کی تکمیل کی۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۰

ارباب مجالست وصحبت:

جب ہم حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت کے بارے میں مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں بخوبی طور پر اس بات کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین علماء اور اصحاب تصوف و سلوک و زہد و تکشف میں سے اکثر و بیشتر کے

معاصرانہ تعلقات و مراسم تھے اور آپ کے تعلقات ان حضرات سے دینی، علمی و روحانی طور پر وابستہ تھے اور آپ ان سے علمی و دینی و روحانی طور پر تبادلہ خیالات اور محاضرات میں مصروف رہتے تھے۔

مثلاً، سپہ سالار کے بیان کے مطابق:

جب مولانا تحصیل علم میں مصروف تھے اور ان کی عمر چالیس برس کی تھی۔ مولانا جس زمانہ میں دمشق میں تھے محی الدین، شیخ سعد الدین حموی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عثمان رومی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ اور صدر الدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ سے اکثر صحبتیں رہیں، جو حقائق و اسرار ان صحبتوں میں بیان کیے گئے ان کی تفصیل میں طول ہے۔

صدر الدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص اور ان کی تصنیفات کے مفسر تھے، وہ قونیہ میں رہتے تھے اور مولانا سے بڑا اخلاص تھا ان کی پر لطف صحبتوں کا ذکر آگے آئے گا۔

نجم الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ مشائخ کبار میں تھے۔ ایک دفعہ وہ اور مولانا اور شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ شریک صحبت تھے نماز کا وقت آیا تو انہی نے امامت کی اور دونوں رکعتوں میں قُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ پڑھی، چونکہ دونوں میں ایک ہی سورت پڑھنا غیر معمولی بات تھی۔

مولانا نے شیخ صدر الدین کی طرف خطاب کر کے کہا کہ:

''ایک دفعہ میرے لئے پڑھی اور ایک دفعہ آپ کے لئے''۔

۱۔(سپہ سالار) ص ر۱۴

۲۔(نفحات الانس) از مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ تذکرہ نجم الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ

بحوالہ: ۳۔(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ر۳۱

سر زمین ہندو پاک کے مشہور و معروف صوفی بزرگ حضرت شاہ بو علی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ایک مدت تک حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم صحبت رہے اور ان سے مستفید ہوتے رہے۔

ملاحظہ کیجئے (ریاض العارفین)

بحوالہ: (سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر تھے ان سے بھی مولانا کی صحبتیں رہیں۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا گزر اکثر بلاد روم میں ہوا ہے۔ بوستان میں ایک درویش کی ملاقات کی غرض سے روم کے سفر کا خود ذکر کیا ہے۔ اس سے اگرچہ قیاس ہوتا ہے کہ ضرور مولانا سے ملے ہوں گے لیکن روایتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

''مناقب العارفین'' میں لکھا ہے کہ:

ایک دفعہ والی شیراز، شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ سعدی کو رقعہ لکھا کہ:

ایک صوفیانہ غزل بھیج دیں، تاکہ میں اس سے غذائے روحانی حاصل کروں، یہ بھی لکھا کہ کسی خاص شاعر کی قید نہیں چاہے کسی کی ہو۔ اسی زمانہ میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نئی غزل قوالوں کے ذریعہ سے پہنچی تھی، شیخ نے وہی غزل بھیج دی اس کے چند شعر یہ ہیں:

ہر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست	مابہ فلک میرویم، عزم تماشا کراست
مابہ فلک بودہ ایم، یار ملک بودہ ایم	باز ہمان جارویم باز، کہ آں شہر ماست
ماز فلک برتریم وز ملک افزوں تریم	زین دوچرا نگذریم، منزل ما کبریاست

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۳۱/۳۲

اُردو ترجمہ اشعار:

۱۔ یہ کہ ہر سانس میں دائیں و بائیں جانب سے صدائے عشق پہنچتی ہے۔ ہم فلک میں چلے جاتے ہیں عزم نظارۂ شوق اس کی قیمت ہے۔

۲۔ ہم فلک میں پہنچ چکے، ملک کے دوست ہو چکے، ہم پھر وہاں چلے جاتے ہیں، کہ وہ ہمارا ہی ملک ہے۔

۳۔ ہم تو فلک سے بھی برتر ہیں اور ملک سے بھی افزوں تر ہیں، ان ہر دو سے ہم کس لئے نہ گزر جائیں کہ ہماری منزل کبریا (وصول الی اللہ) ہے۔

شیخ نے یہ بھی لکھا کہ بلاد روم میں ایک صاحب حال پیدا ہوا ہے۔ یہ غزل اسی کے ترانہ حقیقت کا ایک نغمہ ہے۔ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے غزل دیکھی تو عجب حالت طاری ہوئی خاص اس غزل کے لئے سماع کی مجلسیں منعقد کیں اور بہت سے ہدیے اور تحفے دے کر شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا کی خدمت میں بھیجا، چنانچہ شیخ قونیہ میں آئے اور مولانا سے ملے۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۳۲

''علامہ قطب الدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ'' محقق طوسی کے شاگرد رشید تھے۔ درۃ التاج ان کی مشہور کتاب ہے جس میں انہوں نے فلسفہ کے کل اجزاء فارسی میں نہایت جامعیت سے لکھے ہیں وہ مولانا کی خدمت میں امتحان لینے کی غرض سے آئے اور حلقہ بگوش ہو کر گئے۔ ان کی ملاقات کی روایتیں مختلف ہیں۔'' ''جواہر مضیہ'' میں لکھا ہے کہ:

''وہ مولانا کے پاس گئے، تو مولانا نے ایک حکایت بیان کی، جس سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ تم امتحان لینے آئے ہو، چونکہ درحقیقت وہ اسی نیت سے آئے تھے، شرمندہ ہو کر

چلے گئے''۔

ارشقی نے ''مدینۃ العلوم'' میں لکھا ہے کہ:

وہ اخلاص کے ساتھ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی نصیحت سے برکت حاصل کی۔

''مناقب العارفین'' میں خود قطب الدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے نقل کیا ہے کہ:

''وہ دس بارہ مستعد علماء کے ساتھ مولانا کے پاس گئے سب نے آپس کے مشورہ سے چند نہایت معرکۃ الآراء مسائل ٹھہرا لیے تھے کہ مولانا سے پوچھیں گے لیکن جوں ہی مولانا کے چہرہ پر نگاہ پڑی یہ معلوم ہوا کہ گویا کبھی کچھ پڑھا ہی نہ تھا تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے خود حقائق اور اسرار پر تقریر شروع کی۔

جس کے ضمن میں وہ تمام مسائل بھی آ گئے جو امتحان کی غرض سے یہ لوگ یاد کر کے گئے تھے، بالآخر سب کے سب مولانا کے مرید ہو گئے۔''

واقعہ کی یہ تفصیل صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اس قدر یقینی ہے کہ:

''علامہ قطب الدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ بھی مولانا کی زیارت کرنے والوں میں ہیں اور اس سے مولانا کے رتبہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔''

(مناقب العارفین) ص ۲۵۴

بحوالہ: (سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۳۳

مولانا کے اخلاق و عادات:

ایک انسان اپنے اخلاق و عادات سے بہتر طور پر پہچانا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و عادات پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> ''مولانا جب تک تصوف کے دائرے میں نہیں آئے ان کی زندگی عالمانہ جاہ و جلال کی شان رکھتی تھی، ان کی سواری جب نکلتی تھی تو علماء اور طلباء بلکہ امراء کا ایک بڑا گروہ رکاب میں ہوتا تھا۔ مناظرہ اور مجادلہ جو علماء کا عام طریقہ تھا، مولانا اس میں اوروں سے چند قدم آگے تھے۔ سلاطین اور امراء کے دربار سے بھی ان کو تعلق تھا لیکن سلوک میں داخل ہونے کے ساتھ یہ حالت بدل گئی۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ ان کی صوفیانہ زندگی کس تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن اس قدر مسلم ہے کہ وہ بہت

پہلے سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ محقق کے مرید ہو چکے تھے اور نو دس برس تک ان کی صحبت میں فقر کے مقامات طے کیے تھے۔

مناقب العارفین وغیرہ میں ان کے کشف و کرامات کے واقعات اسی زمانہ سے شروع ہوتے ہیں جب وہ تحصیل علم کے لئے دمشق تشریف لے گئے تھے لیکن جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، مولانا کی صوفیانہ زندگی شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات سے شروع ہوتی ہے درس و تدریس، افتاء اور افادہ کا سلسلہ اب بھی جاری تھا لیکن وہ پچھلی زندگی کی محض ایک یادگار تھی، ورنہ وہ زیادہ تر تصوف کے نشے میں سرشار رہتے تھے۔"

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۴/۳۵

ریاضت ومجاہدہ:

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"ریاضت ومجاہدہ حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ سپہ سالار برسوں ساتھ رہے ہیں، ان کا بیان ہے کہ میں نے کبھی ان کو شب خوابی کے لباس میں نہیں دیکھا بچھونا اور تکیہ بالکل نہیں ہوتا تھا، قصداً لیٹتے نہ تھے، نیند غالب ہوتی تو بیٹھے بیٹھے سوجاتے، ایک غزل میں فرماتے ہیں:

چہ آساید، بہر پہلو کہ خسپد | کسی کز خار دارد، اونہالیں

سماع کے جلسوں میں مریدوں پر جب نیند غالب ہوتی تو اس کے لحاظ سے دیوار سے ٹیک کر زانو پر سر رکھ لیتے کہ وہ لوگ بے تکلف ہو کر سو جائیں وہ لوگ پڑ کر سو جاتے تو خود اٹھ بیٹھتے اور ذکر و شغل میں مصروف ہوتے،

ہمہ خفتند، ومن دل شدہ را خواب نبرد | ہمہ شب دیدہ، من برفلک استادہ شمرد

خوابم از دیدہ چناں رفت، کہ ہرگز ناید | خواب من زہر فراق تو بنوشید و بمرد

روزہ اکثر رکھتے تھے۔ آج تو لوگوں کو مشکل سے یقین آئے گا لیکن معتبر رواۃ کا بیان ہے کہ متصل دس دس، بیس بیس دن کچھ نہ کھاتے تھے، نماز کا وقت آتا تو خود قبلہ کی طرف مڑ جاتے اور چہرہ کا رنگ بدل جاتا، نماز میں نہایت استغراق ہوتا تھا۔ سپہ سالار کہتے ہیں کہ بارہا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اول عشاء کے وقت نیت باندھی اور دو رکعتوں میں صبح ہو گئی۔ مولانا نے ایک غزل میں اپنی نماز کی کیفیت بیان کی ہے۔ مقطع لکھتے ہیں۔

بہ خدا خبر ندارم چو نماز میگذارم | کہ تمام شد رکوعی کہ امام شد فلانی

ایک دفعہ جاڑوں کے دن تھے، مولانا نماز میں اس قدر روئے کہ تمام کا تمام چہرہ اور

داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، جاڑے کی شدت کی وجہ سے آنسو جم کر یخ ہو گئے لیکن وہ اسی طرح نماز میں مشغول رہے۔ حج، والد کے ساتھ ابتدائے عمر میں کر چکے تھے۔ اس کے بعد غالباً اتفاق نہیں ہوا۔"

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۳۵/۳۶

زہد و قناعت:

مزاج میں انتہاء درجہ کا زہد و قناعت تھی۔ تمام سلاطین و امراء، نقدی اور ہر قسم کے تحائف بھیجتے تھے لیکن مولانا اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے۔ جو چیز آتی اسی طرح صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ یا چلپی حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھجوا دیتے۔

کبھی کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ گھر میں تنگی ہوتی اور مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ اصرار کرتے تو کچھ رکھ لیتے۔

جس دن گھر میں کھانے کا کچھ سامان نہ ہوتا بہت خوش ہوتے اور فرماتے کہ آج ہمارے گھر میں درویشی کی بو آتی ہے، معمول تھا کہ ہمہ وقت منہ میں ہلیلہ رکھتے تھے۔ اصلی سبب معلوم نہیں، لوگ طرح طرح کے قیاس لگاتے تھے۔

چلپی سے لوگوں نے پوچھا، تو انہوں نے کہا:

"مولانا ترک لذات کی وجہ سے یہ بھی نہیں چاہتے کہ منہ کا مزا بھی شیریں رہے"۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ قیاس صحیح نہیں۔ استغراق اور محویت اور چیز ہے لیکن مولانا کے حالات اور واقعات سے ان کی رہبانیت کی شہادت نہیں ملتی۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۳۶

فیاضی اور ایثار پیشگی:

فیاضی اور ایثار کا یہ حال تھا کہ کوئی سائل سوال کرتا تو عبا یا کرتہ جو کچھ بدن پر ہوتا اتار کر دے دیتے۔ اسی لحاظ سے کرتہ عبا کی طرح سامنے سے کھلا ہوتا تھا کہ اتارنے میں زحمت نہ ہو۔

تواضع و انکساری:

باوجود عظمت و شان کے نہایت درجہ بے تکلف متواضع اور خاکسار تھے۔ ایک دفعہ جاڑوں کے دن میں حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے چونکہ ناوقت ہو چکا تھا دروازے سب بند تھے وہیں ٹھہر گئے۔ برف گر گر کر سر پر جمتی جاتی تھی لیکن اس خیال سے کہ لوگوں کو زحمت نہ ہو،

نہ آواز دی، نہ دروازہ کھٹکھٹایا، صبح کو بواب نے دروازہ کھولا تو یہ حالت دیکھی، حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ کو خبر کی، وہ آکر پاؤں میں گر پڑے اور رونے لگے مولانا نے گلے سے لگا لیا اور ان کی تسکین کی۔

بے نفسی:

''قونیہ'' میں گرم پانی کا چشمہ تھا۔ مولانا کبھی کبھی وہاں غسل کے لیے جایا کرتے تھے۔ ایک دن وہاں کا قصد کیا، خدام پہلے جا کر ایک خاص جگہ متعین کر آئے لیکن قبل اس کے کہ مولانا پہنچیں، چند جزامی پہنچ کر نہانے لگے، خدام نے ان کو ہٹانا چاہا، مولانا نے خدام کو ڈانٹا اور چشمہ میں اسی جگہ سے پانی لے کر اپنے بدن پر ڈالنا شروع کیا، جہاں جذامی نہا رہے تھے۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۳۸/۳۹

غرضیکہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت علم و عمل، روحانیت و تدین و تقویٰ و للّٰہیت میں اپنی مثال آپ تھی۔ اب ہم مولانا سے رخصت ہوتے ہیں۔ (نعمانی)

ہم انہیں سطور پر باب ۲۵ اور کتاب کے حصہ پنجم کو ختم کرتے ہیں۔

سوانح حیات

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

بسلسلہ

سوانح حیات شمس المعارف

حضرت شیخ مولانا شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

(حصہ ششم)

مشتمل بر عناوین:

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات:

''دیوان''، ''مثنوی مولوی معنوی''، ''ملفوظات''، ''فیہ مافیہ'' وغیرہ وغیرہ پر مختصر تبصرہ

باب ۲۶

حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات

حضرت مولانا روم اور علم وفن:

علم وفن میں پختگی کے لئے اکتساب علم وفن جس قدر اعلیٰ پایہ پر ہوگا اور پھر ریاضت نفس میں جہاں تک عمر کا حصہ بسر ہوگا اسی قدر علم وفن میں جولانئ طبع کا عنصر پیدا ہوتا ہے۔ کوئی بھی علم، فنی پختگی کے لئے سعی وجدوجہد و ریاضت نفس چاہتا ہے تاکہ اعلیٰ درجہ کی بصیرت فراہم ہو سکے۔ چنانچہ علی وجہ البصیرت جو کچھ کہا جاتا ہے اس میں الا ماشاء اللہ سرمو تفاوت نہیں نکلتا۔

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

پئے علم چوں شمع باید گداخت　　　　که بے علم نتواں خدارا شناخت

چنانچہ جب ہم حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال وسوانح کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یقینی طور پر اس بات کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ آپ بچپن ہی میں صاحب کشف و کرامات تھے اور آپ نوامیس روحانیہ کے مشاہدات فرمایا کرتے تھے چنانچہ موجودہ کتاب کے گذشتہ حصص میں حالات وسوانح کے سلسلے میں ہم ان کو مشہور تذکرہ نویس حضرت مولانا شیخ عبد الرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اول جناب حضرت سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے، علی وجہ البصیرت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تدین وتقویٰ، تصوف و سلوک اور بلند علمی وروحانی مقامات آپ کے خون میں ہی سرایت کیے ہوئے تھے۔

آپ ایک بلند پایہ، عظیم القدر شخصیت اور فاضل شہیر جناب مولانا بہاؤ الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے چنانچہ آپ کے والد گرامی قدر حضرت مولانا بہاؤ الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل، تدین وتقوی اور مقامات وروحانی اور پھر سب سے بڑھ کر مجتہدانہ بصیرت کا یہ عالم تھا، بقول علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ 'مولانا' کے والد کا لقب بہاؤ الدین اور بلخ وطن تھا۔ علم وفضل میں

یکتائے روزگار گنے جاتے تھے، خراسان کے تمام دور دراز مقامات سے انہی کے ہاں فتوے آتے تھے۔ (ملخصا)

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
بعنوان (مولانا کے والد شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ) ص ۱

۶۱۰ھ میں جب مولانا بہاؤ الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور پہنچے تو:

خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملنے کو آئے، اس وقت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی عمر چھ برس کی تھی لیکن سعادت کا ستارہ پیشانی سے چمکتا تھا، خواجہ صاحب نے شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ:

''اس جوہر قابل سے غافل نہ ہونا، یہ کہہ کر اپنی مثنوی اسرار نامہ مولانا کو عنایت کی''۔
(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

''جب آپ مکہ معظمہ گئے، نیشاپور میں شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں پہنچے تھے، شیخ نے کتاب اسرار نامہ ان کو دی تھی جس کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے''۔
(نفحات الانس) از حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ
اردو ترجمہ، بعنوان (۴۹۱۔ مولانا جلال الدین محمد البلخی رحمۃ اللہ علیہ) ص ۴۸۵

تو ان مذکورہ بالا حالات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا بہاؤ الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فرزند ارجمند کی تربیت اس خورد سالگی ہی میں نہایت عمدہ پیمانے پر کر رہے تھے کہ جب وقت کی ایک عظیم علمی، دینی و روحانی شخصیت حضرت مولانا شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بلند پایہ مثنوی ''اسرار نامہ'' حضرت مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے بچپن میں عطا فرمائی اور آپ ہمیشہ اس علمی و فنی تحفہ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

یعنی آپ کے والد محترم آپ کی صغر سنی کی تعلیم و تربیت اور تہذیب اخلاق نہایت عمدہ پیمانہ پر فرما رہے تھے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و سوانح سے بخوبی طور پر یہ علم ہوتا ہے کہ والد محترم کی معیت میں رہ کر آپ کو تقریباً ابتدائی عمر کے چوبیس برس تک ان سے استفادہ کا بیش از بیش موقع ملا یہ وہ وقت تھا کہ جب آپ کے والد محترم حضرت مولانا بہاؤ الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے علم و فضل، تقویٰ، ورع و علوم باطنی میں اپنی مثال آپ تھے۔ تو سب سے اول اول آپ نے اپنے والد محترم سے زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

"مولانا بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور سے روانہ ہو کر بغداد پہنچے، یہاں مدتوں قیام رہا۔ روزانہ شہر کے تمام امراء و روساء و علماء ملاقات کو آتے تھے اور ان سے معارف وحقائق سنتے تھے۔ اتفاق سے انھی دنوں بادشاہ روم کیقباد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف۔ سے سفارت کے طور پر کچھ لوگ بغداد میں آئے ہوئے تھے یہ لوگ مولانا بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں شریک ہو کر مولانا کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ واپس جا کر علاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ سے حالات بیان کیے وہ غائبانہ مرید ہو گیا۔"

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ر۵

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ شیخ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ محقق بڑے پایہ کے فاضل تھے۔ مولانا کے والد نے مولانا کو ان کی آغوش تربیت میں دیا۔

وہ مولانا کے اتالیق بھی تھے اور استاد بھی، مولانا نے اکثر علوم وفنون انھی سے حاصل کیے، ۱۸، ۱۹ برس کی عمر میں جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، اپنے والد کے ساتھ قونیہ آئے، جب ان کے والد نے انتقال کیا تو اس کے دوسرے سال یعنی ۶۲۹ھ میں جبکہ ان کی عمر ۲۵ برس کی تھی تکمیل فن کے لئے شام کا قصد کیا۔

اس زمانہ میں دمشق اور حلب، علوم وفنون کے مراکز تھے۔ ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۷۸ھ میں جب دمشق کا سفر کیا تو خاص شہر میں ۲۰ بڑے بڑے دارالعلوم موجود تھے۔

حلب میں سلطان صلاح الدین کے بیٹے الملک الظاہر نے قاضی ابوالمحاسن رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے ۵۹۱ھ میں متعدد بڑے بڑے مدرسے قائم کیے چنانچہ اس زمانہ سے حلب بھی دمشق کی طرح مدینۃ العلوم بن گیا۔

۱۔ (ایضا........) ص ر۶

بحوالہ: ۲۔ (مناقب العارفین) ص ر۵۲

۳۔ (سفرنامہ ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ) ذکر دمشق

مولانا نے اول حلب کا قصد کیا اور مدرسہ حلاویہ کی دارالاقامۃ (بورڈنگ) میں قیام کیا۔ اس مدرسہ کے مدرس، کمال الدین ابن عدیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ان کا نام عمر بن احمد بن ہبۃ اللہ ہے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ وہ محدث، حافظ، مورخ، فقیہ، کاتب، مفتی اور ادیب تھے۔ حلب کی تاریخ جو انہوں نے لکھی ہے اس کا ایک ٹکڑا یورپ میں چھپ گیا ہے۔

مولانا کا تبحر علمی:

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''مولانا نے ''مدرسہ حلاویہ'' کے سوا حلب کے اور مدرسوں میں بھی علم کی تحصیل کی، طالبعلمی ہی کے زمانہ میں عربیت، فقہ، حدیث اور تفسیر اور معقول میں یہ کمال حاصل کیا کہ جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا اور کسی سے حل نہ ہوتا تو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے۔ دمشق کی نسبت یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس مدرسہ میں رہ کر تحصیل کی۔ سپہ سالار نے ایک ضمنی موقع پر لکھا ہے کہ:

''وقتیکہ خداوندگار ما، در دمشق بوددر مدرسہ برانیہ درحجرہ کہ متمکن بودند''

لیکن ہم کو ''مدرسہ برانیہ'' کے کچھ حالات معلوم نہیں۔ مناقب العارفین میں لکھا ہے کہ مولانا نے سات برس تک دمشق میں رہ کر علوم کی تحصیل کی اور اس وقت مولانا کی عمر ۴۰ برس کی تھی۔''

۱۔(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۶/۷

۲۔(مناقب العارفین) ص ۵۵/۵۶

علم وفن میں مولانا کی مہارت تامہ:

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ چالیس برس تک کی عمر میں آپ کی اکتساب علوم وفنون کی تڑپ اور لگن نے آپ کو بے مثال مجتہدانہ بصیرت سے ہم کنار کر دیا تھا اور آپ کو تمام علوم درسیہ میں قطعی طور پر مہارت تامہ ہو چکی تھی۔

جواہر مضیہ میں لکھا ہے کہ:

''كَانَ عَالِمًا بِالْمَذَاهِبِ، وَاسِعُ الْفِقْهِ عَالِمًا بِالْخِلَافِ وَأَنْوَاعِ الْعُلُوْمِ''

خود ان کی مثنوی اس کی بہت بڑی شہادت ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ انھوں نے جو کچھ پڑھا تھا اور جن چیزوں میں کمال حاصل کیا تھا وہ اشاعرہ کے علوم تھے۔ ''مثنوی'' میں جو تفسیری روایتیں نقل کی ہیں اشاعرہ یا ظاہریوں کی روایتیں ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے قصص وہی نقل کیے ہیں جو عوام میں مشہور تھے معتزلہ سے ان کو وہی نفرت ہے جو اشاعرہ کو ہے، چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ہست این تاویل اہل اعتزال وای آنکس کو ندارد نور حال

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۸/۷

اُردو ترجمہ شعر:

یہ کہ یہ اہل اعتزال کی تاویل ہے، افسوس ہے اس شخص پر کہ جو نور باطن سے عاری ہے۔

''مولانا کے والد نے جب وفات پائی تو سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن ترمذ میں تھے۔ یہ خبر سن کر ترمذ سے روانہ ہوئے اور قونیہ میں آئے۔ مولانا اس وقت لارند میں تھے۔ سید برہان الدین نے مولانا کو خط لکھا اور اپنے آنے کی اطلاع دی۔ مولانا اسی وقت روانہ ہوئے، قونیہ میں شاگرد استاد کی ملاقات ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور دیر تک دونوں پر بے خودی کی کیفیت رہی۔ افاقہ کے بعد سید نے مولانا کا امتحان لیا اور جب تمام علوم میں کامل پایا تو کہا کہ صرف علم باطنی رہ گیا ہے اور یہ تمہارے والد کی امانت ہے۔ جو میں تم کو دیتا ہوں۔ چنانچہ نو برس تک طریقت اور سلوک کی تعلیم دی۔''

بعضوں کا بیان ہے کہ:

اسی زمانہ میں مولانا ان کے مرید بھی ہو گئے، چنانچہ مناقب العارفین میں ان تمام واقعات کو بہ تفصیل لکھا ہے۔ مولانا نے اپنی مثنوی میں جا بجا سید موصوف کا اسی طرح نام لیا ہے جس طرح ایک مخلص مرید پیر کا نام لیتا ہے۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۸/

معاصر علماء کرام اور مشائخ عظام کے ساتھ علمی محاضرات اور مجالست:

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''اکثر تذکروں میں لکھا ہے کہ ''مولانا اپنے زمانہ کے ان مشاہیر میں سے اکثر سے ملے، لیکن تفصیلی حالات نہیں ملتے''۔ جس قدر پتہ لگتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

''شیخ محی الدین اکبر رحمۃ اللہ علیہ سے دمشق میں ملاقات ہوئی اور یہ وہ زمانہ ہے جب مولانا دمشق میں تھے۔ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعد الدین حموی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عثمان رومی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ اور

شیخ صدرالدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ سے اکثر صحبتیں رہیں۔ جو حقائق واسرار ان صحبتوں میں بیان کیے گئے، ان کی تفصیل میں طول ہے۔

صدرالدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محی الدین اکبر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید خاص اور ان کی تصنیفات کے مفسر تھے۔ وہ قونیہ میں رہتے تھے اور مولانا سے بڑا اخلاص تھا۔ ان کی پر لطف صحبتوں کا ذکر آگے آئے گا۔ نجم الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ، مشائخ کبار میں تھے۔ ایک دفعہ وہ اور مولانا اور شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ شریک صحبت تھے۔ نماز کا وقت آیا تو انہی نے امامت کی اور دونوں رکعتوں میں (قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ) پڑھی، چونکہ دونوں میں ایک ہی سورۃ پڑھنا غیر معمولی بات تھی مولانا نے شیخ صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ:

ایک دفعہ میرے لیے پڑھی اور ایک دفعہ آپ کے لئے۔ شاہ بوعلی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جن کو تمام ہندوستان جانتا ہے مدت تک مولانا کی صحبت میں رہے اور ان سے مستفید ہوئے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر تھے ان سے بھی مولانا کی صحبتیں رہیں۔"

(ایضاً........) ص ۳۰/۳۱/۳۲

درج ذیل مشاہیر رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر علماء و مشائخ کرام میں سے تھے۔ محقق طوسی، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ، صدر الدین قونوی رحمۃ اللہ علیہ، یاقوت حموی رحمۃ اللہ علیہ، شاذلی رحمۃ اللہ علیہ، ابن الاثیر مورخ رحمۃ اللہ علیہ، ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ، عبد اللطیف بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، نجم الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ، سکاکی رحمۃ اللہ علیہ، سیف الدین آمدی رحمۃ اللہ علیہ، شمس الائمہ کردری رحمۃ اللہ علیہ، محدث ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ، ابن النجاز مورخ بغداد رحمۃ اللہ علیہ، ضیاء ابن بیطار رحمۃ اللہ علیہ، ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ، ابن القفطی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تاریخ الحکماء، خونجی منطقی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ، زملکانی رحمۃ اللہ علیہ......وغیرہ اسی پرآشوب عہد کے یادگار ہیں۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۳۰

علامہ قطب الدین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ، شاگرد محقق طوسی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کا واقعہ ہم اوراق گذشتہ میں مفصل بیان کر چکے ہیں۔

تو یہ تمام حالات وواقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ:

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ علامہ عصر، فرید الدہر تھے۔ علم وحکمت، تدین و زہد وورع اور تصوف وسلوک ومیدان حقیقت ومعرفت کے بے نظیر شاہسوار تھے۔ وقت کے بڑے بڑے علماء ومشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہ آپ کی چوکھٹ کی دہلیز پر شاگردانہ اقامت اختیار کرنا اپنے لئے باعث فخر ونازش سمجھتے تھے۔ سلاطین وقت کے ساتھ آپ کے مخلصانہ روابط تھے اور وہ غائبانہ بھی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہونا اپنے لیے سعادت مندی کی دلیل سمجھتے تھے۔

فیضان حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں جو جامعیت واکملیت تھی اس کا کچھ ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں، حضرت مولانا سید برہان الدین محقق رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اور مجالست میں کامل نو ۹ برس رہ کر علمی، دینی وروحانی فیوض وبرکات حاصل کرنے کے باوجود طبیعت میں ابھی تشنگی باقی تھی اور اس تشنگی کو بجھانے کیلئے ابھی ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی کہ جو آپ کو نگاہ عشق ومستی سے ہمکنار کرتے ہوئے مقام تجلی عین سے ہمکنار کردے۔

ہمیں ایسا لگتا ہے کہ درحقیقت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا طائر پرواز بہت بلند تھا اور یہ طائر بلند ہمت حضرت مولانا خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے کمند الفت محبت ونگاہ عشق ومستی کا ہی اسیر ہو سکتا تھا۔ حضرت مولانا شیخ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی ملاقات کا واقعہ اور آپ کے ساتھ صحبت ومجالست کے واقعات ہم گزشتہ اوراق میں مفصل طور پر بیان کر چکے ہیں۔ قارئین کرام وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی متصوفانہ زندگی کا آغاز:

درحقیقت حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی متصوفانہ زندگی کا آغاز حضرت شیخ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات سے شروع ہوتا ہے۔

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''مولانا کی صوفیانہ زندگی شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات سے شروع ہوتی ہے۔ درس و تدریس، افتاء اور افادہ کا سلسلہ اب بھی جاری ہے لیکن وہ پچھلی زندگی کی محض ایک یادگار تھی ورنہ زیادہ تر تصوف کے نشہ میں سرشار رہتے تھے۔ ریاضت اور مجاہدہ حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ سپہ

سالار برسوں ساتھ رہے ہیں ان کا بیان ہے کہ میں نے کبھی ان کو شبخوابی کے لباس میں نہیں دیکھا، بچھونا اور تکیہ بالکل نہیں ہوتا تھا، قصداً لیٹتے نہ تھے نیند غالب ہوتی تو بیٹھے بیٹھے سو جاتے۔ ایک غزل میں فرماتے ہیں۔

چہ آساید، بہر پہلو کہ خسپد   کسی کز خار دارد، او نہالین

اُردو ترجمہ شعر:

یہ کہ جس شخص کے قلب میں (عشق کا خاردار) پودا ہو وہ کسی بھی پہلو سوئے اس کو کیا آسائش ہو سکتی ہے۔ (طارق محمود نعمانی)

سماع کے جلسوں میں مریدوں پر جب نیند غالب ہوتی تو ان کے لحاظ سے دیوار سے ٹیک کر زانو پر سر رکھ لیتے کہ وہ لوگ بے تکلف ہو کر سو جائیں۔ وہ لوگ پڑ کر سو جاتے تو خود اٹھ بیٹھتے اور ذکر و شغل میں مصروف ہوتے۔ ایک غزل میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ:

ہمہ خفتند، و من دل شدہ را خواب نہ برد   ہمہ شب دیدہ من برفلک استادہ شمرد

خوابم از دیدہ من چناں رفت، کہ ہرگز ناید   خواب من زہر فراق تو بنوشید و بمرد

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) ص ر ۳۵

اُردو ترجمہ اشعار:

۱۔ یہ کہ تمام لوگ سوئے پڑے (غافل پڑے) ہیں اور مجھ دل از دست گرفتہ کو خواب (نیند) تک نہ آئی، تمام شب (تیرے فراق میں) فلک کی جانب ٹکٹکی باندھے پردہ کی جانب نگاہ کیے رہیں۔

۲۔ میری نیند میری آنکھوں سے اس طرح اڑ کر رہ گئی کہ نہیں آتی، (تو گویا) میری نیند نے تیرے فراق کا زہر پی لیا ہے اور وہ (نیند) مر گئی ہے۔"

(طارق محمود نعمانی)

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ مقامِ فنافی الذات پر فائز تھے:

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال وظروف سے یہ بات اظہر کالشمس معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مولانا شیخ خواجہ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی مجالست وصحبت سے آپ کو حقائق اور معرفت ذات حق تعالیٰ شانہٗ کا وہ مقام حاصل ہو چکا تھا کہ جس کا اگلا قدم "فنافی الذات" کا مقام کہا جاتا ہے۔

'تجلی ربانی' یا تجلی عین ذات حق تعالیٰ یا پھر مقام عینیت پر فائز ہونے کیلئے سب سے اوّل درج ذیل مراتب کا حاصل ہونا ضروری ہے۔

۱۔ طلب صدق

۲۔ شیخ کامل

۳۔ فنافی الشیخ و ریاضت نفس

۴۔ فنافی الذات کا مقام فنافی الشیخ کے باوصف طلب صدق سے ملتا ہے۔

اور اس سے درج ذیل مراتب درجہ اولیٰ ملتے ہیں۔

☆ علم الیقین

☆ عین الیقین

☆ حق الیقین

یہ ہر سہ مراتب ''فنافی الذات'' سے حاصل ہوتے ہیں۔

اور ان ہر سہ مقامات کے باوصف بارگاہ خداوندی سے علم لدنی کا حصول ہوتا ہے۔ بہر کیف، یہ وہ مقام ہے کہ جس میں ہر طالب ذات حق تعالیٰ کو اپنے اپنے ظرف کے مطابق نوازا جاتا ہے۔ بقول شاعر:

''دیتا ہے بادہ، ظرف قدح خوار دیکھ کر''

حضرت خواجہ مولانا شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی مجالست و مصاحبت میں چلہ کشی کے باوصف حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ یقیناً مقام فنافی الشیخ اور ازاں بعد مقام فنافی ذات حق تعالیٰ کے جلیل القدر اور عظیم الشان مقام و مرتبہ پر فائز المرام ہو چکے تھے تو سنئے:

(راجہ طارق محمود نعمانی)

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

ریاضت نفس:

نماز کا وقت آتا تو قبلہ کی طرف مڑ جاتے اور چہرہ کا رنگ بدل جاتا، نماز میں نہایت استغراق ہوتا تھا۔

''سپہ سالار'' کہتے ہیں کہ:

''بارہا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اول عشاء کے وقت نیت باندھی اور دو رکعتوں میں صبح ہو گئی۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک غزل میں اپنی نماز کی کیفیت بیان کی ہے، مقطعہ میں لکھتے ہیں۔

به خدا خبر ندارم چو نماز میگذارم　　　　که تمام شد رکوعی که امام شد فلانی

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) ص ۳۵

اُردو ترجمہ شعر:

یہ کہ (مجھ کو فنافی الذات کا وہ مقام حاصل ہے) کہ جب میں نماز ادا کرتا ہوں تو (محویت و استغراق میں) رکوع تمام ہو جاتا ہے کہ میرے آگے فلاں ....تھا۔" (طارق محمود نعمانی)

درحقیقت حضرت مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ پر ہر وقت محویت اور استغراق و انجذاب الی اللہ کی کیفیت طاری رہتی تھی۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اور مقام فنافی الشیخ:

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ درحقیقت "فنافی الشیخ" کے عظیم المرتبت مقام پر فائز تھے اسی نقطہ سے آپ فنافی الذات حق تعالیٰ کے عظیم مقام پر فائز ہوئے تھے۔

آپ کو اپنے شیخ محترم مولانا شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے کس درجہ محبت تھی اور طلب شیخ میں کس قدر خلوص اور محبت کے مقام پر فائز تھے اس کا اندازہ حضرت مولانا کے صاحبزادے حضرت سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی کے اشعار سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو آپ نے حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی اول دفعہ گمشدگی پر تحریر فرمائی تھی اور حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے غم وحزن و ملال کی نہایت درجہ درست عکاسی کی تھی چنانچہ حضرت مولانا سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی کے درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے:

اشعار:

همه گریان، به تو به گفته که وائے　　　　عفو ما کن ازیں گناه، خدائے
قدر اُواز عمی نه دانستیم　　　　که بد او پیشوا نه دانستیم
طفل ره بوده ایم، خرده مگیر　　　　یا رب !انداز در دل آپیر
که کند عذر ہائے مارا او　　　　عفو کلی ازین شدیم دو تو
پیش شیخ آمدند لابه کناں　　　　که به بخشا مکن دگر ہجران
تو به ہامی کلیم رحمت کن　　　　گردگر این کلیم لعنت کن
شیخ شان چونکه دیداز یشان این　　　　راه شان داد و رفت ازوآں کین

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۴/۱۵

ہم اشعار مذکورہ بالا کا اردو ترجمہ پیشتر ازیں ہدیہ قارئین کر چکے ہیں یہاں پر دوبارہ ترجمہ کی حاجت نہیں ہے۔

اب رائے یہ قرار پائی کہ سب مل کر دمشق جائیں اور شمس کو منا کر لائیں۔ سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ اس قافلہ کے سپہ سالار بنے مولانا نے شمس کے نام ایک منظوم خط لکھا اور سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ کو دیا کہ خود پیش کرنا، خط یہ تھا۔

بہ خدا ئیکہ درازل بودہ است	حیی ودانا و قادر قیوم
نور اوشمع ہائے عشق، افروخت	تابشد صد ہزار سر معلوم
ازیکے حکم او، جہاں پر شد	عاشق و عشق و حاکم و محکوم
در طلسمات شمس تبریزی	گشت گنج عجائبش مکتوم
کہ از آن دکہ تو سفر کردی	از حلاوت جدا شدیم چوموم
ہمہ شب،ہمچو شمع مے سوزیم	زآتش جفت و انگبین محروم
آن عناں رابدین طرف بر تاب	زفت کن پیل عیش را خرطوم
بے حضورت، سماع حلال نیست	ہمچو شیطان طرب شدہ مرجوم
یک غزل بے تو، ہیچ گفتہ نشد	تار سد آن بہ مشرقہ مفہوم
بس بذوق سماع نامہ تو	غزلی پنج و شش بشد منظوم
شام از نور صبح روشن باد	ای بتو فخر شام وارمن و روم

مذکورہ بالا ''منظوم خط'' کا ترجمہ ہم حصہ پنجم کے حوالے سے پیش کر چکے ہیں۔ قارئین وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اشعار مذکورہ بالا کے علاوہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک غزل بھی ۱۵ اشعار کی ترتیب دی تھی۔ کہ جس کے دو شعر ''دیباچہ مثنوی'' میں بھی نقل کیے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

بروید، اے حریفاں بکشید، یار مارا	بمن آورید، حالاصنم گریز پارا
اگر اوبوعدہ گوید، کہ دم دگر بیاید	مخور مکر اورا، بفریبد او شمارا

ترجمہ اشعار حصہ پنجم میں پیش کیا جا چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

دیباچہ مثنوی میں تحریر ہے کہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ اول مرتبہ جب ناراض ہو کر چلے گئے تو اپنے وطن تبریز پہنچے تو اس پر حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ، بذات خود جا کر ان کو

تبریز سے لائے چنانچہ مثنوی میں اسی واقعہ کی جانب اشارہ ہے۔اشعار ملاحظہ کریں۔

ساربانا! بار بکشاز اشتران　　شور تبریز است وکوی دلستان
فر فردوس است،این پالیزرا　　شعشعۂ عرش ست این تبریز را
ہر زمانے موج روح انگیز جان　　از فراز عرش بر تبریزیان

ان اشعار کا اردو ترجمہ کتاب کے حصہ پنجم میں ملاحظہ کریں۔(نعمانی)

مختصر یہ کہ حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ، تصور شیخ میں 'فنافی الشیخ'' کے مقام پر بدرجہ اولی فائز تھے۔مذکورہ بالا اشعار سے شیخ سے محبت، دلی لگاؤ، طلب صادق اور خلوص و وفا ٹپکتے ہیں۔درحقیقت حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے تصوف وسلوک وحقیقت ومعرفت کے حوالے سے جو روحانی منازل طے فرمائی تھیں ان کا کچھ علم دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ ''مثنوی روم'' اور ''فیہ مافیہ'' (ملفوظات رومی رحمۃ اللہ علیہ) کے مندرجات سے بخوبی طور پر ہوسکتا ہے۔

آپ کی ان تصانیف اور اشعار سے ہمیں طلب صادق، ریاضت نفس اور خلوص و وفا للّٰہیت اور اللہ رب العزت ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا درس ملتا ہے اور یقیناً آپ کی زندگی میں اسی امر کی جانب رہنمائی ہوتی ہے کہ یہ مادی دنیا درحقیقت مجازی ہے اور ہمیں اصلاح عقائد اور اصلاح احوال باطنی سے اپنی روحانی وسعتوں میں اضافہ کرتے رہنا چاہیے اور درحقیقت وصول الی اللہ کا بہترین طریقہ اور ذریعہ بھی یہی امر ہے۔

اب ہم یہاں پر حضرت شیخ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف:

۱۔دیوان ۲۔مثنوی ۳۔فیہ مافیہ (ملفوظات رومی) وغیرہ وغیرہ پر مختصراً تبصرہ ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ:

آج تک یہ بات معمہ بنی چلی آتی ہے کہ دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ بذات خود حضرت شیخ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے حقائق وواردات روحانی وتصوف وسلوک ومعرفت وحقائق اور روحانی کمالات کے حوالے سے رشحات قلم کا نتیجہ ہے یا کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے روحانی تاثرات کو غزل کا جامہ پہنایا ہے اور پھر اس مجموعہ غزلات کو دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے موسوم کرتے ہوئے آپ کے نام سے معنون فرمایا دیا۔

لیکن سب سے اول یہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا حضرت مولانا الشیخ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیات مبارکہ میں کبھی کوئی تالیفی یا تصنیفی کام کیا تھا؟ اگر کوئی علمی کام کیا تھا تو وہ

کونسا تھا؟ اس کے دلائل وشواہد کیا ہیں؟ تو ہمیں حالات وواقعات سے کچھ یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے بذات خود کوئی علمی تالیفی یا تصنیفی کام نہیں کیا تھا۔

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی بعنوان (مولانا شمس الدین محمد بن علی بن ملک داؤد التبریزی رحمۃ اللہ علیہ) رقمطراز ہیں کہ:

"کہتے ہیں کہ اس وقت جبکہ مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ، بابا کمال الدین جندی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں تھے۔ شیخ فخر الدین عراقی بھی شیخ بہاؤالدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق وہیں رہتے تھے جو فتح اور کشف فخر الدین عراقی کی ہوتی تھی اس کو نظم ونثر کے لباس میں ظاہر کرتے تھے اور بابا کمال الدین جندی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں گذارتے تھے۔ شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ اظہار نہ کرتے تھے۔

ایک دن بابا کمال الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا:

اے فرزند شمس الدین! جو اسرار وحقائق کہ فرزند فخر الدین عراقی ظاہر کرتا ہے تجھ پر ان میں سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔

کہا: اس سے بڑھ کر مشاہدہ ہوتا ہے لیکن اس وجہ سے کہ وہ بعض اصطلاحات اختیار کرتا ہے وہ ایسا کر سکتا ہے کہ ان کو اچھے لباس میں جلوہ دے لیکن مجھے اس کی طاقت نہیں۔

دیوان کے انتساب کا سبب:

بابا کمال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

حق سبحانہٗ تعالیٰ تم کو مصاحب نصیب کرے کہ اولین وآخرین کے معارف وحقائق تمہارے نام پر ظاہر کردے اور حکمت کے سرچشمے جو اس کے دل سے زبان پر جاری ہوتے ہیں اور حرف اور آواز کے لباس میں آتے ہیں اس لباس کا نقش تیرے نام پر ہوگا۔"

(نفحات الانس) از حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ۔ اردو ترجمہ رص ۴۸۹

چنانچہ حضرت بابا کمال الدین جندی رحمۃ اللہ علیہ کی دعائے پُر تاثیر کے مصداق حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دیوان حضرت شیخ مولانا شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کے اسم مبارک کے ساتھ منسوب ہوکر "دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ" کہلایا۔

(طارق محمود نعمانی)

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بعنوان ''دیوان'' بدیں الفاظ نقد و تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

''دیوان میں اگر چہ کم و بیش ۵۰ ہزار شعر ہیں لیکن صرف غزلیں ہی غزلیں ہیں قصیدہ یا قطعہ وغیرہ مطلق نہیں۔ مولانا کی شاعری کا دامن، مدح کے داغ سے بالکل پاک ہے۔

حالانکہ ان کے معاصرین میں سے عراقی اور سعدی تک جو ارباب حال میں بھی نامور ہیں اس عیب سے نہ بچ سکے۔ ایران میں شاعری کی ابتدا اگر چہ رودکی کے زمانہ سے ہوئی جس کو تین سو برس سے زیادہ گزر چکے تھے لیکن شاعری کی اصناف میں سے غزل نے بالکل ترقی نہیں کی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ ایران میں شاعری کی ابتدا مداحی اور بھیٹی سے ہوئی اور اس لئے اصناف سخن میں سے صرف قصیدہ لے لیا گیا لیکن چونکہ عرب کا تتبع پیش نظر تھا اور عربی قصائد کی ابتدا تشبیب یعنی غزل سے ہوئی تھی اس لئے فارسی میں بھی قصائد، غزل سے شروع ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ غزل کا حصہ الگ کر لیا گیا، چنانچہ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ، انوری رحمۃ اللہ علیہ، خاقانی رحمۃ اللہ علیہ، ظہیر فاریابی رحمۃ اللہ علیہ، کمال اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی غزلیں لکھیں اور نہایت کثرت سے لکھیں لیکن یہ امر عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ:

مولانا کے زمانہ تک غزل نے کسی قسم کی ترقی نہیں کی تھی اور کر بھی نہیں سکتی تھی۔ غزل دراصل سوز و گداز کا نام ہے اور اس وقت تک جو لوگ شعر و شاعری میں مشغول تھے صرف وہ تھے جنہوں نے معاش کی ضرورت سے اس کو فن بنایا تھا۔ عشق و عاشقی سے ان کو سروکار نہ تھا، چنانچہ اس زمانہ کے جس قدر شعراء ہیں ان کے کلام میں صنائع لفظی اور الفاظ کی مرقع کاری کے سوا، جوش اور اثر نام کو بھی نہیں پایا جاتا۔ انوری رحمۃ اللہ علیہ، خاقانی رحمۃ اللہ علیہ، عبدالواسع جبلی رحمۃ اللہ علیہ، مسعود سعد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی غزلیں آج بھی موجود ہیں۔ ان میں سوز و گداز کا پتہ تک نہیں۔'' (ملخصاً)

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۴۹

آگے رقمطراز ہیں کہ:

''ایران کی شاعری میں درد اور اثر کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ارباب حال یعنی حضرات صوفیہ میں بعض بالطبع شاعر تھے عشق و محبت کا

سرمایہ ان کو تصوف سے ملا۔ ان دونوں کے اجتماع نے ان کے کلام میں جوش اور اثر پیدا کیا۔

سلطان ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ، حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ، اس خصوصیت کے موجد اور بانی ہیں لیکن ان حضرات نے درد دل کا اظہار زیادہ تر رباعیات، قصائد اور مثنویات کے ذریعہ سے کیا تھا۔ غزلیں اب تک سادگی کی حالت میں رہیں۔

ساتویں صدی ہجری میں دولت سلجوقیہ کے فنا ہونے سے صلہ گستری اور فیاضی کا بازار سرد ہو چکا تھا اس لئے شعراء کی طبیعتوں کا زور قصائد سے ہٹ کر غزل کی طرف متوجہ ہوا، ان میں سے بعض فطری عاشق مزاج تھے۔ اس لیے ان کے کلام میں خود بخود وہ بات پیدا ہوگئی جو غزل کی جان ہے۔

تمام اہل تذکرہ متفق ہیں کہ جن لوگوں نے غزل کو غزل بنایا وہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ، عراقی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس لحاظ سے مولانا کے دیوان پر ریویو کرتے ہوئے ہمارا فرض تھا کہ سعدی اور عراقی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا موازنہ کیا جاتا۔

تینوں بزرگوں کی غزلوں کے نمونے دکھائے جاتے اور ہر ایک کی خصوصیات بیان کی جاتیں اور چونکہ مولانا ہمارے ہیرو ہیں اس لیے مذاق حال کے موافق خوامخواہ بھی ان کو ترجیح دی جاتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا، واقعہ نگاری کے فرض کے بالکل خلاف ہے۔"

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۴۹/۵۰

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ اور صنف غزل:

ہم گذشتہ حصہ میں یہ تحریر کر چکے ہیں کہ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے حلب اور دمشق میں بھی علوم عقلیہ و نقلیہ کی مروجہ اعلیٰ تعلیم پائی تھی اور کئی سال تک وہاں رہ کر باکمال اساتذہ سے اکتساب فیض فرمایا تھا۔

حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کو عربی و فارسی نظم و نثر پر یکساں عبور حاصل تھا اور درحقیقت آپکی دینی و علمی تعلیم بھی اسی نہج پر واقع ہوئی تھی۔ دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کہ جو درحقیقت حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا متغزلانہ کلام ہے اور تقریباً ہر قسم کے اوصاف غزل سے مملو

ہے آج بھی اس کے اشعار ایران وعرب کی سرزمین ہی نہیں بلکہ اسلامی تہذیب وتمدن وثقافت و کلچر سے متعلقہ ممالک میں ''دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ'' کے صوفیانہ تغزل کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔

غزل:

غزل: اسے ''نسیب'' اور ''تشبیب'' بھی کہتے ہیں۔

جاہلی دور کے اصناف سخن میں سب سے اہم اور ممتاز صنف غزل ہے اور اس غزل کا موضوع اور محور ''عورت'' تھی کیونکہ غزل کے معنی ہیں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا آپس کی بات چیت اور عورتوں سے لطف اندوزی اور ان سے حسن اور محبت کی باتیں کرنا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ:

عرب قبائل اور خاص طور سے جزیرہ عرب کے شمال کے عرب بدوی زندگی گزارتے تھے اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے چارہ اور پانی کی تلاش میں ادھر ادھر آیا جایا کرتے تھے اس طرز زندگی میں مختلف قبائل اور ان کے افراد، لڑکے لڑکیوں، بڑے بوڑھوں کو آپس میں ملنے جلنے کے مواقع بھی ملتے تھے۔

زندگی فطری تھی اور فراغت کے اوقات بہت زیادہ اور جذبات کی فراوانی، اس لیے حسن وعشق کے قصوں کو پروان چڑھنے کے خاصے مواقع حاصل تھے، چنانچہ تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس معاشرہ میں بھی دلوں کی دنیائیں آباد ہوتیں اور اس کا مرکز ومحور عورت ہوتی جو فطری بات تھی کیونکہ عورت اس معاشرہ میں صرف دل کی دنیا ہی آباد نہیں کرتی تھیں بلکہ وہ مردوں کے دوش بدوش کارگاہ حیات میں شریک اور ساتھی بھی تھی اور اس وجہ سے صحیح معنوں میں زندگی کی النصف الجمیل تھی۔

جب تک یہ خوبصورت نصف زندگی نہ مل جاتی زندگی نامکمل، سونی اور ویران تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عربی ادب میں جان غزل، شان غزل اور مرکز غزل ہمیشہ سے ہی عورت رہی ہے۔

امرؤالقیس سے لے کر عمر بن ابی ربیعہ اور جمیل سے لے کر قیس اور اس کے ہم مشرب شاعروں کی دنیائے دل کی ملکہ، ان کی شاعری کا سرچشمہ یہی عورت تھی۔ اس لیے اس کی خاطر سب کچھ لٹا دینے سے شاعر دریغ نہیں کرتا تھا۔

(تاریخ عربی ادب) از ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی صاحب۔ جلد اول رص ر ۱۴۰

ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی صاحب بعنوان (غزل) حاشیہ رص ر ۱۴۰ پر مزید خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

لغوی اعتبار سے غزل، نسیب، تشبیب میں بہت تھوڑا فرق ہے اور ان سب کے الفاظ کے معنی ہیں۔

''حَدِیْثُ الْفِتْیَانِ وَ الْفِتْیَاتِ وَاللّھْوِ مَعَ النِّسَاءِ وَ مَغَاذِ لَتِھِن''

لسان العرب، جلد ۴ ابن سلام الجمحی نے ''طبقات الشعراء'' میں لکھا ہے کہ:

یُعْتَبَرُ الْغَزْلَ وَالنَّسِیْبَ وَ التَّشْبِیْبَ کَلِمَاتٌ مُتَرَادِفَۃٌ

یعنی غزل، نسیب اور تشبیب ہم معنی الفاظ ہیں مگر بعض علماء نے غزل اور نسیب میں تھوڑا سا فرق کیا ہے اور کہا ہے وہ غزل جس کے الفاظ، معنی و مطالب پاک صاف ہوں جس میں شاعر اپنی محبوبہ کا نام نہ لے اور حرف اظہار شوق کرے وہ نسیب کہلاتا ہے۔

(تاریخ عربی ادب) از ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی صاحب

جلد اول بعنوان (زمانہ جاہلیت) تحت عنوان، غزل۔ حاشیہ ص ۱۴۰

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بعنوان ''غزل'' رقمطراز ہیں کہ:

''.......غزل قدماء کے زمانے تک کوئی مستقل چیز نہ تھی، سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے غزل کو غزل بنادیا۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی غزل گوئی پر تقریظ کرنی ہو تو صرف یہ کہنا کافی ہے کہ وہی خمخانہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی شراب ہے جو دوبارہ کھنچ کر تیز ہوگئی ہے۔

''غزل'' کی جان کیا ہے؟ درد، سوز و گداز، جذبات، معاملات عشق، عجز و نیاز اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ یہ جذبات اور معاملات جس زبان میں ادا کیے جائیں، وہی زبان ہو جس میں عاشق، معشوق سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے، یعنی سادہ ہو، بے تکلف ہو، نرم ہو، لطیف ہو، نیاز آمیز ہو، اس کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ چھوٹی چھوٹی بحریں ہوں۔ جملوں کی ترکیبوں میں نام کو بھی الجھاؤ نہ ہو، قریب الفہم خیالات ہوں۔ اس حد تک امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے دوش بدوش ہیں۔

لیکن وہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں۔ انہوں نے غزل کی اصلیت کے علاوہ کمال شاعری کی بہت سی چیزیں اضافہ کیں اور ایجادات اور اختراعات کے چمن کھلا دیئے۔'' (ملخصاً)

(شعر العجم) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ) حصہ دوم

بعنوان (غزل) ص ۱۷۷/۱۷۸

بہترین عمدہ مناسب وموزوں غزل کے لئے درج ذیل محاسن کلام کا ہونا اسے منہاج کمال پر لے جاتا ہے مثلاً۔

☆ بحروں کی موزونی
☆ سوز وگداز
☆ جدت اسلوب........(جدت طرازی سخن)
☆ ایہام (یعنی ذومعنی الفاظ سے عجیب عجیب نکات پیدا کرنا)
☆ واقعہ گوئی اور معاملہ بندی
☆ روزمرہ اور عام بول چال
☆ تسلسلِ مضامین
☆ مضمون آفرینی
☆ صنائع بدائع......وغیرہ وغیرہ

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ پر ''ریویو'' کرتے ہوئے بدیں الفاظ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

تمام اہل تذکرہ متفق ہیں کہ جن لوگوں نے غزل کو غزل بنایا وہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ، عراقی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اس لحاظ سے مولانا کے ''دیوان'' پر ریویو کرتے ہوئے ہمارا فرض تھا کہ سعدی اور عراقی سے ان کا موازنہ کیا جاتا۔ تینوں بزرگوں کی غزلوں کے نمونے دکھائے جاتے اور ہر ایک کی خصوصیات بیان کی جاتیں اور چونکہ مولانا ہمارے ہیرو ہیں اس لئے مذاق حال کے موافق خواہ مخواہ بھی ان کو ترجیح دی جاتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا، واقعہ نگاری کے فرض کے بالکل خلاف ہے۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ / ص ۵۰

غزل کی صنف میں حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا حصہ:

جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں یہ تحریر کر چکے ہیں کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان تقریباً پچاس ہزار اشعار پر مشتمل ہے اور یہ تمام طور پر ''غزلات'' پر مشتمل ہے۔ قصیدہ یا قطعہ وغیرہ مطلق نہیں۔

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (دیوان) خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''مولانا کی شاعری کا دامن، مدح کے داغ سے بالکل پاک

ہے، حالانکہ ان کے معاصرین میں سے عراقی اور سعدی رحمۃ اللہ علیہ تک جو ارباب حال میں بھی ناموز ہیں، اس عیب سے نہ بچ سکے۔ ایران میں شاعری کی ابتدا اگرچہ رودکی، کے زمانہ سے ہوئی جس کو تین سو برس سے زیادہ گزر چکے تھے لیکن شاعری کی اصناف میں سے غزل نے بالکل ترقی نہیں کی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ ایران میں شاعری کی ابتدا مداحی اور بھیٹی سے ہوئی اور اس لئے اصناف سخن میں سے صرف قصیدہ لے لیا گیا۔

لیکن چونکہ عرب کا تتبع پیش نظر تھا اور عربی قصائد کی ابتداء تشبیب یعنی غزل سے ہوئی تھی اس لئے فارسی میں بھی قصائد، غزل سے شروع ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ غزل کا حصہ الگ کر لیا گیا۔ چنانچہ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ، انوری رحمۃ اللہ علیہ، خاقانی رحمۃ اللہ علیہ، ظہیر فاریابی رحمۃ اللہ علیہ، کمال اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی غزلیں لکھیں اور نہایت کثرت سے لکھیں لیکن یہ امر عموماً تسلیم کیا جاتا ہے کہ:

مولانا کے زمانہ تک غزل نے کسی قسم کی ترقی نہیں کی تھی اور کر بھی نہیں سکتی تھی۔ غزل دراصل سوز و گداز کا نام ہے اور اس وقت تک جو لوگ شعر و شاعری میں مشغول تھے صرف وہ تھے جنہوں نے معاش کی ضرورت سے اس کو فن بنایا تھا۔ عشق و عاشقی سے ان کو سروکار نہ تھا، چنانچہ اس زمانہ کے جس قدر شعراء ہیں ان کے کلام میں صنائع لفظی اور الفاظ کی مرقع کاری کے سوا، جوش اور اثر نام کو بھی نہیں پایا جاتا۔ انوری رحمۃ اللہ علیہ، خاقانی رحمۃ اللہ علیہ، عبدالواسع جبلی رحمۃ اللہ علیہ، مسعود سعد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کی غزلیں آج بھی موجود ہیں لیکن انہیں سوز و گداز کا پتہ تک نہیں۔''

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ بعنوان (دیوان) ص ۴۸/۴۹

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ شعر و شاعری کو ذاتی طور پر وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے:

درحقیقت ایسا لگتا ہے کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ شعر و شاعری کو فی نفسہ یا یوں کہہ لیجئے کہ ذاتی طور پر وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ غزل کو ترقی دینے والوں کی فہرست سے مولانا کا نام خارج نہیں کیا جا سکتا لیکن انصاف یہ ہے کہ غزل گوئی کی حیثیت سے مولانا کا سعدی رحمۃ اللہ علیہ اور عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

سپہ سالار نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے کہ:

مولانا نے بہ ضرورت اور بہ جبر شاعری کا شغل اختیار کیا تھا۔

وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ:

ہمارے وطن (بلخ) میں یہ فن نہایت ذلیل سمجھا جاتا تھا لیکن چونکہ ان ممالک میں شعر کے بغیر لوگوں کو دلچسپی نہیں ہوتی اس لیے مجبوراً یہ شغل اختیار کیا ہے۔''

مولانا کے الفاظ یہ ہیں:

''از بیم آنکہ ملول نہ شوند شعری گویم، واللہ کہ من از شعر بیزارم، در ولایت ما و قوم ما از شاعری ننگ تر کارے نہ بود۔''

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۵۰

ترجمہ: اس نقطہ نگاہ کے پیش نظر کہ لوگ ملول خاطر نہ ہوں میں شعر کہہ لیتا ہوں، بخدا! میں (بذات خود) شعر کہنے سے بیزار ہوں (اس کا سبب کچھ یہ ہے کہ) ہمارے وطن میں اور ہماری قوم میں شاعری سے زیادہ ذلت آمیز کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔

(راجہ طارق محمود نعمانی)

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی غزل کی فنی حیثیت کیا ہے؟

غزل کے لئے خاص قسم کے مضامین، خاص قسم کے الفاظ، خاص قسم کی ترکیبیں، مقرر ہیں، جن لوگوں نے غزل گوئی کو اپنا فن قرار دیا ہے وہ کبھی کسی حالت میں اس محدود دائرہ سے نہیں نکلتے بخلاف اس کے مولانا اس کے مطلق پابند نہیں، وہ ان غریب اور ثقیل الفاظ تک کو بے تکلف استعمال کرتے ہیں جو غزل یا قصیدہ میں بھی لوگوں کے نزدیک بار پانے کے قابل نہیں۔

غزل کی عام مقبولیت اور دلآویزی کا بہت بڑا ذریعہ یہ ہے کہ اس میں مجاز کا پہلو غالب رکھا جائے اور اسی قسم کے حالات اور معاملات بیان کیے جائیں جو ہوس پیشہ عشاق کو اکثر پیش آیا کرتے ہیں۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۵۱

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی غزل میں حقیقت کا عنصر:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے متغزلانہ کلام میں حقیقت کا عنصر کس قدر ہے تو سنیئے!

''مولانا کے کلام میں حقیقت کا پہلو اس قدر غالب ہے کہ رندوں اور ہوس بازوں کو جو غزل کی اشاعت اور ترویج کے نقیب ہیں، اپنے مذاق کے موافق بہت کم سامان ہاتھ آتا ہے۔ فک اضافت، جو شاعری کی شریعت میں ''ابغض المباحات'' ہے اس کو مولانا اس کثرت سے برتتے ہیں کہ جی گھبرا جاتا ہے۔

تاہم مولانا کی غزلوں میں جو خصوصیات بجائے خود پائی جاتی ہیں، ہم ان کو بدفعات ذیل بیان کرتے ہیں۔

انکی اکثر غزلیں، کسی خاص حالت میں لکھی گئی ہیں اور اس وجہ سے ان غزلوں میں ایک ہی حالت کا بیان چلا جاتا ہے۔ عام غزلوں کی طرح ہر شعر الگ نہیں ہوتا۔''

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۵۱/۵۲

مثلاً! آپ جوش و مستی میں ایک خاص حالت کے باوصف اکثر تمام رات جاگا کرتے تھے۔

۱۔ نماز کی حالت میں بے خودی طاری رہتی تھی۔

۲۔ توحید کی حقیقت میں اکثر مسلسل غزلات ترتیب دی ہیں۔

۳۔ مولانا کے کلام میں وجد، جوش اور بے خودی کا جو عنصر پایا جاتا ہے وہ عنصر دیگر شعراء کے کلام میں نہیں پایا جاتا۔

وہ فطرتاً پر جوش طبیعت رکھتے تھے، شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے اس نشہ کو اور تیز کر دیا تھا۔ ان کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ:

ایک شخص محبت کے نشہ میں چور ہے اور اس حالت میں جو کچھ منہ میں آتا ہے، کہتا جاتا ہے۔ کسی موقع پر ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جو قناعت اور وقار کے خلاف ہیں۔ (ملخصاً)

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۵۳

عشق و محبت کے عالم میں کیفیات و واردات قلب کی درست عکاسی متغزلانہ انداز میں جو مولانا کے کلام میں پائی جاتی ہے وہ اور کہیں نہیں نظر آتی۔

تصوف و سلوک، حقیقت و معرفت کی روحانی رفعتوں اور بلندیوں کے باوصف آپ

کے ہاں جو اظہار حقیقت پایا جاتا ہے وہ دوسروں کے ہاں نظر نہیں آتا۔

تصوف کے مقامات میں دو مقام آپس میں متقابل ہیں فنا و بقا، مقام فنا میں سالک پر خضوع، مسکینی اور انکسار کی کیفیت غالب ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے بقا میں سالک کی حالت جلال اور عظمت سے لبریز ہوتی ہے۔

مولانا پر یہ نسبت زیادہ غالب رہتی تھی۔ اس لیے ان کے کلام میں جو جلال، ادعا، بیباکی اور بلند آہنگی پائی جاتی ہے، صوفیہ میں سے کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتی۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص/۵۵/۵۶

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ''عشق'' (طلب صدق میں محبوب سے محبت کا پر خلوص جذبہ) زندۂ جاوید حقیقت ہے:

حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی غزل کے درج ذیل اشعار حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مقام عشق و محبت و جذبہ شوق اور کیفیات و واردات قلب کے رجحانات کی بہترین عکاسی کرتے ہیں۔

زنور عشق شمع جان برافروز — زبور عشق از جاناں درآموز
حدیث عشق وردعاشقاں ساز — دل و جان در ھوای عاشقاں باز
جہاں پر شحنہ سلطان عشق است — زماھی تاںماہ ایوان عشق است
دوعالم سایہ خورشید عشق است — دوگیتی حضرت جاوید عشق است

(اسرار نامہ) از شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ۔ المقالۃ الخامسۃ

ص/۳۴/۳۷، مطبوعہ تہران

بحوالہ: (کلیات دیوان شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ) ملاحظہ کیجئے۔

مقدمہ ص/ا/ محمد عباسی از انتشارات: نشر طلوع/ایران

اُردو ترجمہ اشعار:

۱۔ تو نور عشق سے جان کی شمع کو روشن کر! عشق کی کتاب (کہانی و حکایت) کو محبوب کے ساتھ میل جول سے سیکھ۔

۲۔ عشق کی باہمی بات چیت کو عاشقوں کا ورد و وظیفہ بنا دے، تو اپنے دل و جان کو عاشقوں کی محبت کے کھیل میں لگا دے۔

۳۔ جہاں میں (محبت کی) دنیا میں سلطان کا کوتوال عشق ہی تو ہے، مچھلی (ماہی) سے ماہ (چاند) کا شاہی محل عشق ہی تو ہے۔

۴۔ یہ کہ ہر دو عالم میں (محبت کے) خورشید (آفتاب) کا سایہ عشق ہی تو ہے، ہر دو عالم میں ہمیشہ کی بزرگی عشق کو حاصل ہے۔

ہم نے "دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ" کے نمونہ کلام کو، یہاں پر نقل نہیں کیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ کتاب کے حصہ ہفتم میں ہم "دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ" کے مختصر نمونہ کلام کو ہدیہ قارئین کرام کریں گے۔ ہم انہیں سطور پر دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ پر ریویو کو ختم کرتے ہوئے عنوان مذکورہ بالا پر اپنی نگارشات کو ختم کرتے ہیں۔

مثنوی:

"مثنوی" مولوی معنوی کے بارے میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہی وہ تصنیف ہے کہ جس نے حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کو فارسی زبان وادب نیز اسلامی تصوف وسلوک و حقیقت و معرفت کے مشکل اور پیچیدہ اور معرکۃ الآراء بحث کے حل کرنے اور سلجھانے میں لازوال شہرت کا حامل بنادیا۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن درزبان پہلوی

فارسی شاعری کی ابتدا، سلاطین کی مداحی اوران کی تفریح خاطر سے ہوئی اور یہی وجہ تھی کہ اصناف سخن میں سب سے پہلے، قصائد وجود میں آئے کیونکہ عربی زبان میں قصائد مدح وثنا کے لئے ایک مدت سے مخصوص ہو چکے تھے۔

قصائد کی ابتداء غزل سے کی جاتی ہے جس کو تشبیب کہتے ہیں، اتنے تعلق سے غزل گوئی کا بھی آغاز ہوا لیکن اسی قسم کی سادہ غزل جو قصائد کی تمہید کے لئے زیبا تھی۔ سلاطین میں سے آل سامان اور سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ذوق پیدا ہوا کہ ان کے آباء واجداد یعنی شاہان عجم کے کارنامے نظم میں ادا ہوں تا کہ ضرب المثل کی طرح زبانوں پر چڑھ جائیں۔ اس بناء پر مثنوی ایجاد ہوئی جو واقعات تاریخی کے ادا کرنے کے لئے اصناف نظم میں سب سے بہتر صنف تھی۔

فردوسی نے اس صنف کو اس قدر ترقی دی کہ آج تک اس پر اضافہ نہ ہوسکا لیکن مثنوی بلکہ کل اصناف شاعری کی ترقی اس وقت تک جو کچھ ہوئی تھی، واقعہ نگاری اور خیال بندی وصنائع و بدائع کے لحاظ سے تھی، ذوق اور کیفیت کا وجود نہ تھا۔

حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ نے رباعی میں تصوف اور طریقت کے خیالات ادا کیے اور یہ پہلا دن تھا کہ فارسی شاعری میں ذوق اور وجد و مستی کی روح آئی۔ دولت غزنویہ کے

اخیر زمانہ میں حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیقہ لکھی جو نظم میں تصوف کی پہلی تصنیف تھی۔

حدیقہ کے بعد خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مثنویاں تصوف میں لکھیں جن میں سے ''منطق الطیر'' نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ جس پر ہم تقریظ لکھنا چاہتے ہیں، اسی سلسلہ کی خاتم ہے۔ اس امر کی بہت سی شہادتیں موجود ہیں کہ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات مولانا کے لئے دلیل راہ بنیں۔

تمام تذکروں میں ہے کہ مولانا کے والد جب نیشاپور پہنچے تو خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ سے ملے اور انہوں نے اپنی کتاب اسرار نامہ نذر کی، اس وقت مولانا کی عمر چھ برس کی تھی۔ خواجہ صاحب نے مولانا کے والد سے کہا کہ:

''اس بچہ کو عزیز رکھیے گا۔ یہ کسی دن تمام عالم میں ہل چل ڈال دے گا''۔

مولانا خود ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

ہفت شہد عشق را عطار گشت ماہمان اندر خم یک کوچہ ایم

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ:

عطار روح بود سنائی دو چشم ما ما از پس سنائی و عطار آمدیم

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۶۰/ ۶۱

''مثنوی'' کے اصل محرک شیخ حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ تھے:

مثنوی کی فنی حیثیت:

ہم عنوان مذکورہ بالا کی جانب توجہ کو مبذول کرنے سے قبل یہاں پر مثنوی کی فنی حیثیت کا مختصر طور پر بیان کرتے ہیں۔

مثنوی کے لغوی معنی تو دو والا ہیں۔ اصطلاح میں اس نظم کو مثنوی کہا جاتا ہے جس کے ہر شعر میں دو قافیے ہوں۔ ایک پہلے مصرع میں ایک دوسرے مصرع میں۔

(مقدمہ مثنوی مولوی معنوی رحمۃ اللہ علیہ) اردو ترجمہ جناب مولانا قاضی سجاد حسین صاحب ص ۹/

''مولانا کی اس مثنوی کو، مثنوی معنوی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں عالم معنی اور احوال باطن کے اسرار و معارف کا تذکرہ ہے۔ مسائل تصوف اور اسرار و معارف کے بیان میں سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کی رباعیات بھی مشہور ہیں۔ حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حدیقہ'' لکھا جو تصوف میں پہلی منظوم کتاب ہے۔

خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے موضوع پر مختلف مثنویاں تحریر فرمائیں جن

میں ''منطق الطیر'' کو زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ لیکن اب اس موضوع پر سب سے زیادہ اہمیت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی کو حاصل ہے۔''

(ایضاً......) ص ۹

اس مثنوی کی تصنیف کا سبب مولانا کے مرید حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ بنے ہیں۔ چنانچہ مولانا نے دفتر اول کے علاوہ ہر دفتر میں ان کا ذکر کیا ہے۔ دفتر اول ختم ہوا تو حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔ اس حادثہ سے حسام الدین اس درجہ متاثر ہوئے کہ دو برس تک افسردہ خاطر اور پریشان رہے۔

مولانا بھی اس عرصہ خاموش رہے اور مثنوی کا کام رک گیا پھر جب خود حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے استدعا کی تو مولانا نے مثنوی کے دوسرے دفتر کی ابتداء کی اور فرمایا

مدتے این مثنوی تاخیر شد مہلتے بایست تاخون شیر شد
ایک مدت تک مثنوی لکھنے میں تاخیر ہوگئی وقت چاہیے تا کہ خون سے دودھ بنے
چوں ضیاء الحق حسام الدین عناں باز گر دانید ز اوج آسمان
جب ضیاء الحق حسام الدین نے آسمان کی بلندی سے باگ موڑی
چوں بمعراج حقائق رفتہ بود بے بہارش غنچہ ہانشگفتہ بود
چونکہ وہ حقائق کی معراج میں گئے ہوتے تھے ان کی بہار کے بغیر غنچہ نہ کھلاتھا

تیسرے دفتر کے شروع میں فرمایا:

اے ضیاء الحق حسام الدین بیار ایں سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار
اے ضیاء الحق حسام الدین تیسرا دفتر لا کیونکہ تین مرتبہ (وضو میں) (اعضاء دھونا) سنت ہے

چوتھے دفتر کا آغاز فرمایا تو کہا:

اے ضیاء الحق حسام الدین توئی کہ گذشت ازمہ بنورت مثنوی
اے ضیاء الحق حسام الدین تو ہی ہے، جسکے نور کی وجہ سے مثنوی چاند سے بھی زیادہ بڑھ گئی ہے

پانچواں دفتر اس طرح سے شروع کیا:

شہ حسام الدین کہ نور انجم است طالب آغاز سفر پنجم است
حسام الدین جو ستاروں کا نور ہیں، پانچویں کتاب کی ابتدا کے طالب ہیں۔

چھٹے دفتر کی ابتداء ہے:

اے حیات دل حسام الدین بسے میل میجوشد بقسم سادسے
اے دل کی زندگی حسام الدین، چھٹی قسم کی طرف دل کا بہت میلان ہوگیا۔

(مقدمہ مثنوی مولوی معنوی) اردو ترجمہ از جناب قاضی سجاد حسین صاحب ص ۹/۱۰

یہ بات یاد رہے کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے ہی مثنوی کو ہر طرح کی مقبولیت حاصل رہی ہے اور مثنوی کی دینی، علمی، ادبی اور متصوفانہ حیثیت کو یہاں تک تسلیم کیا گیا کہ ایران کا دینی وعلمی وادبی وشعری ومتصوفانہ ذخیرہ تصنیف وتالیف مثنوی کے مقابلہ میں بے وزن سا ہوکر رہ گیا کہ لوگوں میں مثنوی کے بارے میں یہ تاثر قائم ہوگیا۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے کل اشعار کی تعداد ۲۶۶۶ دو ہزار چھ صد اور چھیاسٹھ ہے۔

مثنوی معنوی کا وہ نسخہ کہ جو پروفیسر نیکلسون (نیکلسن) صاحب کے زیر ادارت ۱۹ اگست ۱۹۳۳ء میں کیمبرج سے انگریزی ترجمہ اور حل لغات کے ساتھ شائع ہوا تھا، وہ مثنوی کے چھ دفاتر میں شائع ہوا تھا۔

مثنوی کا وہ نسخہ کہ جو پروفیسر نیکلسون (نکلسن) صاحب نے فارسی متن کی صورت میں شائع کیا تھا اب وہ فارسی متن تہران سے بیست ونہم مہر ماہ ۱۳۷۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ یہ فارسی زبان میں چھ دفاتر پر مشتمل ہے اور اس میں (۴۹۱۵) اشعار ہیں۔

مثنوی کا ساتواں دفتر:

حضرت مولانا قاضی سجاد حسین صاحب بزبان اردو شارح ومترجم مثنوی بعنوان (مثنوی) خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

''.................اس مثنوی کے کل اشعار کی تعداد ۲۶۶۶ ہے۔ مشہور یہ ہے کہ مولانا نے چھٹا دفتر ناتمام چھوڑ دیا تھا اور فرمادیا تھا۔

باقی ایں گفتہ آید بے زباں در دل ہر کس کہ دارد نور جاں

جس شخص کی جان میں نور ہوگا، اس مثنوی کا بقیہ حصہ اس کے دل میں خود بخود آجائے گا۔

چنانچہ اس پیشن گوئی کا مصداق بننے کے لئے ہندوستان کے ارباب علم وفضل نے بھی مثنوی کے طرز پر دفتر ہفتم لکھا ہے۔ ہمارے علم میں مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا دفتر ہفتم اور مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا دفتر ہفتم ہے، جو اسی بحر اور طرز میں منظوم کیا گیا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ خود مولانا ہی نے کچھ عرصہ بعد دفتر ششم مکمل کر کے دفتر ہفتم تحریر فرمایا ہے۔

(مقدمہ مثنوی مولوی معنوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ

از جناب قاضی سجاد حسین صاحب رص ۹/

آگے رقمطراز ہیں کہ:

"جیسا کہ اوپر گذرا تحقیق یہی ہے کہ چھٹا دفتر مولانا نے خود مکمل فرمایا اور اس کے بعد ساتواں دفتر بھی تحریر فرمایا ہے۔"

شیخ اسماعیل قیصری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ساتواں دفتر ۸۱۴ھ میں دستیاب ہوا اور انہوں نے تحقیق سے ثابت کیا کہ یہ خود مولانا ہی کا تحریر کردہ ہے اور شام و روم کے اہل علم نے اس کو تسلیم کیا ہے، جس کی ابتداء حسب ذیل شعروں سے کی ہے۔

اے ضیاء الحق حسام الدین فرید	دولت پایندہ فقرت بر مزید
اے یکتا ضیاء الحق حسام الدین	تیری دولت ہمیشہ رہے، تیرے فقر میں اضافہ ہو
چونکہ از چرخ ششم کردی گزر	بر تر از چرخ ہفتم کن سفر
جبکہ تو چھٹے آسمان سے آگے بڑھ گیا ہے	ساتویں آسمان کی بلندی کا سفر کر

(مقدمہ مثنوی مولوی معنوی رحمۃ اللہ علیہ) اردو ترجمہ

از جناب قاضی سجاد حسین صاحب/ص/۱۰

مثنوی کی مقبولیت کا سبب:

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

مثنوی کو جس قدر مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی فارسی کی کسی کتاب کو آج تک نہیں ہوئی۔ صاحب مجمع الفصحاء نے لکھا ہے کہ:

"ایران میں چار کتابیں جس قدر مقبول ہوئیں کوئی کتاب نہیں ہوئی۔ "شاہ نامہ"، "گلستان"، "مثنوی روم"، "دیوان حافظ"۔

ان چاروں کتابوں کا موازنہ کیا جائے تو مقبولیت کے لحاظ سے مثنوی کو ترجیح ہوگی۔ مقبولیت کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ علماء و فضلاء نے مثنوی کے ساتھ جس قدر اعتناء کی اور کسی کتاب کے ساتھ نہیں کی۔ جس قدر شرحیں لکھی گئیں۔

ان کا ایک مختصر سا نقشہ ہم اس موقع پر درج کرتے ہیں۔ یہ نقشہ "کشف الظنون" سے ماخوذ ہے۔ کشف الظنون کے بعد اور بہت سی شرحیں لکھی گئیں۔ جن کا ذکر کشف الظنون میں نہیں ہے اور نہ ہوسکتا تھا۔ مثلاً، شرح محمد افضل الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ، ولی محمد رحمۃ اللہ علیہ، عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ بحر العلوم و محمد رضا رحمۃ اللہ علیہ...... وغیرہ۔

نام شارح	سنہ وفات	کیفیت
مولوی مصطفےٰ بن شعبان رحمۃ اللہ علیہ	۹۶۹ھ	چھ جلدوں میں ہے
سودی رحمۃ اللہ علیہ	تقریباً ۱۰۰۰ھ	// // //
شیخ اسماعیل انقروی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۴۲ھ	// // //
کمال الدین خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ	۸۴۰ھ	اس کا نام کنوز الحقائق۔
عبداللہ بن محمد رئیس الکتاب، درویش علمی	// //	جلد اول کی شرح ہے۔ یوسف المتوفی سنہ ۹۵۳ھ نے مثنوی کا خلاصہ کیا تھا، یہ اس کی شرح ہے۔
ظریفی حسن چلپی رحمۃ اللہ علیہ		اس کا نام کاشف الاسرار ہے، بعض اشعار کی شرح ہے۔
علاؤالدین مصنفک رحمۃ اللہ علیہ، حسین واعظ رحمۃ اللہ علیہ	۸۷۵ھ	خلاصہ مثنوی کی شرح ہے اس کے دیباچہ میں دس مقالے ہیں۔ جس میں اصطلاحات تصوف اور فرقہ مولویہ کے مشائخ کے حالات ہیں۔
شیخ عبدالحمید سیواسی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰۴۹ھ	سلطان احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے تصنیف کی۔
علائی بن یحییٰ واعظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ، اسماعیل دده رحمۃ اللہ علیہ		اس کا نام ازہار مثنوی ہے صرف احادیث و آیات قرآنی و الفاظ مشکلہ کی شرح ہے۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۶۵/۶۶/۶۷

۱۔ اردو زبان میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح ''کلید مثنوی'' کامل چوبیس مجلات میں شائع ہو چکی ہے کہ جس میں سید الطائفہ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات بھی شامل ہیں۔

۲۔ علاوہ ازیں مرزا محمد نذیر عرشی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے ۱۳۴۴ھ میں ''مفتاح العلوم'' کے نام سے ایک شرح سترہ مجلات میں تحریر فرمائی ہے۔

۳۔ قبل ازیں مولانا احمد حسین کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کی شرح بصورت حواشی شائع ہو چکی تھی۔

۴۔ جناب تلمذ حسین صاحب نے ''مراۃ المثنوی'' تحریر فرمائی۔

۵۔ جناب ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''تشبیہاتِ رومی''، ''حکمت رومی'' تحریر فرما کر مثنوی کے موضوع پر داد تحقیق دی ہے۔

جناب مولانا قاضی سجاد حسین صاحب بعنوان (مثنوی پڑھنے والوں کے لئے چند مفید باتیں) رقمطراز ہیں کہ:

''موسیقی سے متعلق بعض اہل دل اس نظریہ پر پہنچے ہیں کہ ایک خاص قسم کی موسیقی کے ذریعہ روح اپنی ماہیت اور ماہیت حیات و کائنات میں غوطہ زن ہوتی ہے اور موسیقی انسان کو اسی جسمانی واسطہ سے روحانی عالم میں پہنچا دیتی ہے۔

روحانی موسیقی بعض مذاہب میں جزو عبادت تک شمار ہوئی ہے اور اس کو غذائے روح قرار دیا گیا ہے۔

مسلمانوں میں سماع کے مسئلہ پر اکابر صوفیاء اور علماء نے بہت بحثیں کی ہیں اور جواز و عدم جواز کو ثابت کیا ہے۔ جہاں تک مولانا کا تعلق ہے وہ سماع راست کو جائز اور سماع ناراست کو ناجائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

بر سماع راست ہر کس چیر نیست	طعمہ ہر مرغکے انجیر نیست
صحیح سماع پر، ہر شخص قادر نہیں ہے	انجیر ہر پرندہ کی خوراک نہیں ہے

سماع راست کی شرائط اکابر صوفیاء کے ملفوظات میں مذکور ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ سننے والا عالی جذبات کا حامل اور سافل جذبات سے عاری ہو اور عالی جذبات کی نشو و نما کے لئے روحانی غذا کا طالب ہو۔

موسیقی اس قسم کی ہو جو حیوانی جذبات کو نہ ابھارے اور روح کو اسفل سے اعلیٰ کی طرف لے جائے۔ مولانا نے مثنوی بانسری کے بیان سے شروع کی ہے اور بانسری کے ذریعہ اسرار و معارف کے جو مضامین پیدا کیے ہیں وہ کسی اور ساز سے پیدا نہ ہو سکتے تھے۔

بانسری کا تعلق روحانیت اور الوہیت سے ہندوؤں کے یہاں بھی مسلم ہے۔ چنانچہ ''کرشن جی'' کے ساتھ بانسری کا تصور اسی حقیقت کو واضح کرتا ہے۔ مولانا نے بھی بانسری کی تشبیہ سے روح کی ماہیت اور اس کے جذبات کو دلنشیں اور دلسوز طریقہ پر پیش فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح بانسری کے دلسوز نغمے اس بناء پر ہیں کہ وہ اپنی اصل سے جدا ہو گئی ہے اور اس کے نغموں کا سوز و گداز نیستاں سے جدا ہو جانے کی بنیاد پر ہے۔

اسی طرح روح انسانی چونکہ روح الارواح ہستی مطلق سے جدا ہو کر اس عالم شہود میں آئی ہے لہٰذا اس کا اضطراب اور بے چینی بھی اسی بنیاد پر ہے اور جب تک وہ اپنی اصل کی طرف

واپس نہ جائے گی اس کو سکون حاصل نہ ہوگا وہ **یاایتھاالنفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربك راضیۃ مرضیۃ** کی منتظر ہے اور جب تک اس کو یہ پیغام نہ مل جائے گا اس کو سکون اور چین نصیب نہ ہوگا اور وہ بانسری کی طرح اپنے درد وفراق کا اظہار کرتی رہے گی۔ یہی مضمون جو مولانا نے شروع کیا ہے مولانا کی پوری مثنوی میں پھیلا ہوا ہے۔

(مقدمہ مثنوی مولوی معنوی) اردو ترجمہ

از جناب قاضی سجاد حسین صاحب رص را ا

علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بعنوان (مقبولیت کا سبب) رقمطراز ہیں کہ:

کسی کتاب کی مقبولیت دو طریقوں سے ہوتی ہے، کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ سادگی اور صفائی اور عام دلآویزی کی وجہ سے پہلے وہ کتاب عوام میں پھیلتی ہے پھر رفتہ رفتہ خواص بھی اس کی طرف توجہ کرتے ہیں اور مقبول عام ہو جاتی ہے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ کتاب عوام کی دسترس سے باہر ہوتی ہے اس لیے اس پر صرف خواص کی نظر پڑتی ہے، خواص جس قدر زیادہ اس پر توجہ کرتے ہیں اس قدر اس میں زیادہ نکات اور حقائق پیدا ہو جاتے ہیں۔

خواص کی توجہ اور اعتنا و تحسین کی وجہ سے عوام میں بھی چرچا پھیلتا ہے اور لوگ تقلیداً اس کے معتقد اور معترف ہوتے ہیں، رفتہ رفتہ یہ دائرہ تمام ملک کو محیط ہو جاتا ہے۔ مثنوی کی مقبولیت اسی قسم کی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس قسم کی مقبولیت اور کسی کتاب کو بھی حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔

فارسی زبان میں جس قدر کتابیں نظم یا نثر میں لکھی گئی ہیں کسی میں ایسے دقیق، نازک اور عظیم الشان مسائل اور اسرار نہیں مل سکتے جو مثنوی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ فارسی پر موقوف نہیں اس قسم کے نکات اور دقائق کا عربی تصنیفات میں بھی مشکل سے پتہ لگتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر علماء اور اربابِ فن نے مثنوی کی طرف تمام اور کتابوں کی نسبت زیادہ توجہ کی۔ اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ مصرعہ:

ہست قرآن در زبان پہلوی تو کچھ تعجب کی بات نہیں

(ملخصا)

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۶۸/۶۹

مختصر یہ کہ "مثنوی" مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ میں درج عناوین پر نہایت عمدہ، مشکل اور دقیق مسائل کے مباحث پائے جاتے ہیں اور نہایت خوبی اور مہارت سے ان کو حل بھی کر دیا ہے،

مثلاً:

۱۔ الٰہیات

ذات باری

صفات باری

نبوت

وحی کی حقیقت

مشاہدہ ملائکہ

نبوت کی تصدیق

۲۔ معجزہ

معجزہ دلیل نبوت ہے یا نہیں

۳۔ روح

۴۔ معاد

۵۔ جبر وقدر

۶۔ تصوف

۷۔ توحید

۸۔ وحدۃ الوجود

۹۔ مقامات سلوک وفنا

۱۰۔ عبادات

۱۱۔ نماز

۱۲۔ روزہ

۱۳۔ حج

۱۴۔ جدید فلسفہ وسائنس کے مباحث

۱۵۔ تجاذب اجسام

۱۶۔ تجاذب ذرات

۱۷۔ تجدد امثال

۱۸۔ مسئلہ ارتقاء

وغیرہ وغیرہ!

ملاحظہ کریں: (سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ رص ۱۰۵ تا ۱۹۹!

ہم انہیں سطور پر مثنوی پر تبصرہ کو ختم کرتے ہیں۔ [نعمانی]

فِیہِ مَا فِیہِ (ملفوظات رومی)

''فیہ مافیہ'' (ملفوظات رومی رحمۃ اللہ علیہ) یہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ (مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ) کے ان خطوط کا مجموعہ ہے کہ جو مرشد رومی نے اپنے ایک مرید / متوسل، شیخ معین الدین پروانہ رحمۃ اللہ علیہ کو وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے تھے۔ کچھ عرصہ قبل فیہ مافیہ کو ایک نایاب کتاب سمجھا جاتا تھا، جیسا کہ علامہ محمد شبلی نعمانی رقمطراز ہیں کہ:

> ''فیہ مافیہ'' یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مولانا نے وقتاً فوقتاً معین الدین پروانہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھے۔ یہ کتاب بالکل نایاب ہے۔ سپہ سالار نے اپنے رسالہ میں ضمناً اس کا تذکرہ کیا ہے۔ مولانا کے دیوان کا ایک مختصر سا انتخاب ۱۳۰۹ھ میں امرتسر میں چھپا ہے۔ اس کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ اس کتاب میں تین ہزار سطریں ہیں۔

(سوانح مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ) از علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حصہ دوم، بعنوان (تصنیفات) ص/۴۶

مشہور مستشرق پروفیسر نکلسن صاحب جو کہ کیمبرج یونیورسٹی میں فارسی زبان و ادب و تحقیق و نشریات کے ایک بلند پایہ استاد و سکالر تھے۔ آپ، مقدمہ انتخاب دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ کیمبرج کے ص/۴۷ پر خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

> ''جلال الدین نثر کے بھی ایک رسالہ کے مصنف ہیں جس کا نام ''فیہ مافیہ'' ہے۔ یہ رسالہ تین ہزار شعروں پر مشتمل ہے، اس میں زیادہ تر معین الدین پروانہ سے رومی رحمۃ اللہ علیہ کا خطاب ہے، اس رسالہ کے قلمی نسخے نایاب ہیں۔''

بحوالہ: (پیش لفظ) اردو ترجمہ: فیہ مافیہ (ملفوظات رومی)

ص/۳۲ / اردو ترجمہ، عبدالرشید تبسم صاحب

''فیہ مافیہ'' کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں، یہ دراصل مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، آپ کے تبحر علمی کی شہرت آپ کے حین حیات ہی میں دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ نزدیک و دور سے اہل علم آپ کی مجلس میں کھنچے آتے اور اپنے اپنے مسائل پیش کرتے، مولانا ان مسائل پر روشنی ڈالتے جس سے نہ صرف سائل ہی مطمئن ہوتا بلکہ دوسرے حاضرین مجلس بھی بہت کچھ استفادہ کرتے۔

ان علمی مجالس میں مولانا جو ارشادات فرماتے آپ کے صاحبزادے سلطان بہاؤ

الدین رحمۃ اللہ علیہ انہیں محفوظ کر لیتے۔ فیہ ما فیہ انہی ارشادات گرامی کا مجموعہ ہے، ان ملفوظات میں مولانا کا تخاطب زیادہ تر آپ کے ایک خاص مرید معین الدین پروانہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہے جو وزیر سلطنت تھے لیکن ان کے علاوہ دوسروں کی طرف بھی روئے سخن ہے۔

مولانا جلال الدین روم رحمۃ اللہ علیہ ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ کو تولد ہوئے اور ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ کو رحلت فرما گئے۔ سلطان بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فیہ ما فیہ کی تسوید ۴ رمضان ۷۱۱ھ کو مکمل کی۔

بحوالہ: (پیش لفظ) اردو ترجمہ: فیہ ما فیہ (ملفوظات رومی رحمۃ اللہ علیہ)
ص ۴/ اردو ترجمہ، عبدالرشید تبسم صاحب

فیہ ما فیہ کی اشاعت ہندوستان میں:

جناب عبدالرشید تبسم صاحب رقمطراز ہیں کہ:

"سب سے پہلے اسے کتابی صورت میں شائع کرنے کا سہرا مولانا عبدالماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے۔ انہوں نے اسے ۱۹۲۸ء میں اعظم گڑھ میں چھاپا، اس کے بعد پروفیسر بدیع الزمان انفر رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۵۰ء میں نسخ ٹائپ میں تہران سے شائع کیا، گویا اس وقت "فیہ ما فیہ" کے دو مختلف ایڈیشن بازار میں موجود ہیں، ایک ہندی ایڈیشن اور دوسرا ایرانی ایڈیشن۔"

بحوالہ: (پیش لفظ) اردو ترجمہ: فیہ ما فیہ (ملفوظات رومی)
ص ۵/ اردو ترجمہ، عبدالرشید تبسم صاحب

آگے رقمطراز ہیں کہ:

"مولانا عبدالماجد دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایڈیشن کا جو دیباچہ لکھا اس سے ہندی ایڈیشن کی یہ ہسٹری معلوم ہوتی ہے کہ ۱۹۲۰ء میں ریاست رام پور کے سرکاری کتب خانہ میں فیہ ما فیہ کا ایک بوسیدہ اور کرم خوردہ نسخہ ان کی نظر سے گزرا، اس سے ان کے دل میں تجسس پیدا ہوا۔

۱۹۲۳ء میں انہیں حیدر آباد دکن میں دو نسخے ہاتھ آ گئے، ان میں ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ کا تھا، تینوں نسخوں کا باہم مقابلہ کیا تو کتب خانہ آصفیہ والا نسخہ زیادہ صحیح نکلا، انہوں نے اس باب میں پروفیسر نکلسن

سے خط و کتابت کی اور کتب خانہ آصفیہ والی نقل انہیں ارسال کردی،
پروفیسر نکلسن نے وہ نقل اپنے ذی علم دوستوں کے پاس قسطنطنیہ بھیج دی
جنہوں نے وہاں اس پر ریسرچ کی اور ۱۹۲۴ء میں رسالہ مذکور کی ایک
نہایت خوشخط اور صحیح نقل قسطنطنیہ سے مولانا دریابادی کے پاس پہنچ گئی۔
یہ نقل قسطنطنیہ کے چار قلمی نسخوں سے مقابلہ کے بعد تیار ہوئی
تھی۔ مزید تسلی کے لئے مقابلہ وتصحیح میں مولانا دریابادی رحمۃ اللہ علیہ نے سات
علماء سے مدد لی، جن میں سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالرزاق ملیح
آبادی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔''

بحوالہ: (پیش لفظ) اردو ترجمہ: فیہ مافیہ (ملفوظات رومی)
ص ۵/اردو ترجمہ، عبدالرشید تبسم صاحب

ایرانی ایڈیشن کی سرگزشت بھی تقریباً ایسی ہی ہے، ایران کے پروفیسر بدیع الزمان فیروز انفر رحمۃ اللہ علیہ جب مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا منظوم کلام، مثنوی اور دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ مطالعہ کرتے تو انہیں سمجھنے کے لئے قرآن کے معنی قرآن ہی سے پوچھو کے مصداق مولانا روم ہی کے ملفوظات یعنی فیہ مافیہ کی طرف رجوع کرتے۔ ان کے پاس خط نسخ میں لکھا ہوا فیہ مافیہ کا ایک نسخہ تھا جس کی صحت کے متعلق وہ متردد رہتے۔

آخر انہیں کتب خانہ ملی سے ایک معتبر نسخہ مل گیا جس کی کتابت ۸۸۸ھ کی تھی۔ آقائے ڈاکٹر محمد معین رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے دو نسخوں کا مقابلہ کرایا تو خط نسخ والے نسخہ میں بہت تحریف و اضافہ عبارات پایا۔

انہوں نے آقائے تقی تفضلی سے جو کتاب خانہ مجلس شوریٰ ملی سے متعلق تھے۔ مزید تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ:

استنبول میں تین نسخے موجود ہیں۔ یہ وہی نسخے تھے جن سے مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ نے پروفیسر نکلسن کی وساطت سے کتب خانہ آصفیہ والے نسخہ کا مقابلہ کرایا تھا۔

بہر حال پروفیسر غانلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جدوجہد سے پروفیسر بدیع الزمان فروزانفر رحمۃ اللہ علیہ کو ان استنبولی نسخوں کے برعکس مل گئے، ان نسخوں سے پروفیسر صاحب نے نسخہ ملی کا مقابلہ کیا اور نتیجہ کے طور پر موجودہ ایرانی ایڈیشن معرض وجود میں آیا۔

پروفیسر صاحب نے کل آٹھ نسخوں سے نسخہ ملی کا مقابلہ کیا لیکن زیر نظر ایرانی ایڈیشن کی بنیاد استنبولی نسخوں ہی پر رکھی۔

اوپر بیان کردہ واقعات سے ظاہر ہے کہ ہندی ایڈیشن اور ایرانی ایڈیشن کے متن

استنبولی نسخوں پر مبنی ہیں۔ اس اعتبار سے ان دو ایڈیشنوں کے متن میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔
لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے متن میں جا بجا اختلاف موجود ہے یہاں تک کہ بعض جگہ ایک متن کے صفحوں کے صفحے دوسرے متن سے نہیں ملتے اور بعض مقامات پر تو ان کا مطلب ایک دوسرے کی ضد ہو کر رہ گیا ہے۔

بحوالہ: (پیش لفظ) اردو ترجمہ: فیہ مافیہ (ملفوظات رومی)
ص ۶/۵/ اردو ترجمہ، عبدالرشید تبسم صاحب

فیہ مافیہ کا اندازِ تحریر:

جناب عبدالرشید تبسم صاحب خامہ فرسائی کرتے ہیں کہ:

"............ فیہ مافیہ مولانا روم کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔
مولانا جو رموز و اسرار اپنی علمی مجلسوں میں مریدوں سے بالمشافہ بیان فرماتے یا مریدوں کے سوالات پر تشریحات کرتے وہ محفوظ کرلی جاتیں ان اسرار ورموز کے اردو ترجمہ یعنی ملفوظات رومی کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گا کہ فیہ مافیہ میں بیان کردہ مسائل تقریباً وہی ہیں جنہیں مولانا نے اپنی ضخیم مثنوی میں زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے پھر دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ میں جو تغزل ہے وہ بھی انہیں رموز و اسرار سے مملو ہے۔
یہ تمام صورت حال اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ مثنوی مولانا روم اور دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھنے کے لئے فیہ مافیہ کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔ یہی نہیں بلکہ لوگ مولانا کے بنیادی تصورات سے بڑی حد تک روشناس ہو سکتے ہیں۔

فیہ مافیہ کی اہمیت اس وجہ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ جہاں مولانا کا منظوم کلام مختلف اصناف میں ہزار ہا ابیات اور کئی جلدوں پر مشتمل ہے وہاں یہ مولانا کی واحد نثر ہے۔ اس کے علاوہ مولانا کی کوئی نثر موجود نہیں۔ بالفاظ دیگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص نے فیہ مافیہ کو نہیں پڑھا مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس کا مطالعہ ادھورا اور نامکمل ہے۔
لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ، فیہ مافیہ کے سہارے فارسی اور عربی متن کو سمجھ سکنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں بلکہ بعض فقروں کو سمجھ سکنا شاید کسی کے لئے بھی ممکن نہیں، مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان

چند علم دوست بزرگوں میں ہے جن کا مطالعہ نہایت وسیع تھا اور جو فارسی، عربی ادبیات پر پورا عبور رکھتے ہیں۔"

ان کا کہنا ہے کہ:

"اصل کتاب میں متعدد فقرے ایسے ہیں جن کا کوئی مطلب میں نہیں سمجھ سکا ہوں"۔

(فیہ مافیہ ص/۷)

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں شارٹ ہینڈ یا زودنویسی کی کوئی ترکیب موجود نہ تھی۔ نوٹ لینے والے صاحبان محض اپنی یادداشت کے لئے اپنی سمجھ کے مطابق مقرر کردہ بعض خاص خاص الفاظ جلدی میں نوٹ کر لیتے ہونگے جنہیں لمبا عرصہ گزرنے کے بعد اگر مربوط عبارت میں پیش کرنا مقصود ہوتا ہوگا تو اچھی خاصی دقت ہوتی ہوگی۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات ہی کو لے لیجئے:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۶۷۲ھ میں ہوا اور سلطان بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان ملفوظات کو جو ان کے ذہن میں یا مختصر نوٹوں کی صورت میں ہوں گے ۷۱۱ھ میں مسودہ کی صورت میں منتقل کیا۔ فیہ مافیہ کی عبارت کئی مقامات پر ٹیلیگرافک قسم کی عبارت ہے جس کا مفہوم واضح نہیں پھر یہ ٹیلیگرافک قسم کی عبارت بھی مرتب کو جس حال میں میسر آئی وہ یہ تھا۔

"ہر فصل کی عبارت کو مختلف پیراگرافوں میں توڑنے کی جرأت بھی میں نے ہی کی ہے ورنہ ہر نسخہ میں ہر فصل کی عبارت مسلسل تھی اور ہندی نسخوں میں تو فصلیں ہی نہ تھیں، فصلیں صرف استنبولی نسخہ میں تھیں۔

(فیہ مافیہ، ہندی ایڈیشن/ص/۶)

بحوالہ: (پیش لفظ) اردو ترجمہ: فیہ مافیہ (ملفوظات رومی)

ص/۱۰/۱۱/اردو ترجمہ، عبدالرشید تبسم صاحب

آگے رقمطراز ہیں کہ:

"فیہ مافیہ کے ایرانی ایڈیشن میں کل ۷۴ فصلیں ہیں۔ ان میں سے ۶۸ فصلیں فارسی میں ہیں اور چھ فصلیں عربی میں، بعض فصلوں کی عبارت کسی خاص مسئلہ سے تعلق نہیں رکھتی یا ایسے مبہم اشارات و کنایات پر مشتمل ہے کہ معلوم ہوتا ہے حاضرین مجلس کو اصل مسئلہ کا علم تھا مولانا نے اشارات میں اس مسئلہ کے کسی پہلو پر رائے زنی کر دی جس سے حاضرین کو فائدہ پہنچ گیا ہوگا۔

مگر سات سو سال کے بعد جب وہ عبارت ہم تک پہنچی تو ہمارے لئے ایک معمہ ثابت ہوئی۔ فیہ مافیہ کی ایسی عبارتوں کو سامنے رکھ کر اگر کسی سے پوچھا جائے کہ ان میں کیا مطلب پوشیدہ ہے تو جواب دینے والا بہت کچھ سر کھجانے کے بعد عربی زبان میں زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکے گا کہ فیہ مافیہ یعنی اس میں وہی کچھ ہے جو ہے۔

غالباً مطالب کی یہی ژولیدگی فیہ مافیہ کی وجہ تسمیہ ہے۔

اس کتاب میں شروع سے لے کر آخر تک جو بات ادبی مذاق پر بہت گراں گزرتی ہے وہ یہ کہ اکثر فقروں کے آدھے حصہ میں مخاطب کو تو کہہ کر خطاب کیا گیا اور آدھے حصہ میں ''شما'' سے خطاب ہے۔ اسی طرح فقرہ کے آدھے حصہ میں متکلم ''من'' اور آدھے میں ''ما'' ہے۔

فیہ مافیہ کے بعض مقامات پر فارسی اور عربی عبارت کی بے ربطی، ژولیدگی اور مطالب کے فقدان سے قارئین کا دل منغض نہیں ہونا چاہیے اس لئے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو انتقال فرمائے ٹھیک سات سو برس ہو چکے ہیں، کیا یہ غنیمت نہیں کہ ان کے ملفوظات کا تبرک کسی حالت میں سہی اتنے انقلابات زمانہ کے باوجود ہمارے ہاتھوں تک پہنچ گیا؟ آخر کتاب کے بہت بڑے حصہ کی عبارت صاف ہے اور اس کے مطالب واضح ہیں۔'' (ملخصاً)

بحوالہ: (پیش لفظ) اردو ترجمہ: فیہ مافیہ (ملفوظات رومی)
ص ۱۲/۱۱ اردو ترجمہ، عبدالرشید تبسم صاحب

فیہ مافیہ کے عناوین و موضوعات کو ملاحظہ کرنے کے بعد ایسا معلوم و محسوس سا ہونے لگتا ہے کہ جسمانی عالم سے ماوراء، روحانی عالم کے دریچے وا ہو چکے ہیں۔ آپ نے جن موضوعات پر تقریر و کلام فرمایا ہے ان کا تعلق ٹھیٹ عالمانہ، صوفیانہ، نیز متکلمانہ اور حکیمانہ ہے۔

آپ نے ایک متصوف کے لئے قرآن و سنت اور کلام حضرات صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہ سے جا بجا استشہاد فرمایا ہے اور درحقیقت فیہ مافیہ کے موضوعات، عناوین اور مندرجات ایک صوفی کامل کے لیے نتائج فکری کو عالم مثال میں مشاہدہ کرنے کیلئے کامل رہنما کا حکم رکھتی ہے۔

اگرچہ اس کے بعض مندرجات گو ادق و پیچیدہ ہی کیوں نہ ہوں مگر ظرف اپنا اپنا ہے سبو اپنا اپنا ہے۔

''دیتا ہے بادہ، ظرف قدح خوار دیکھ کر''

فیہ مافیہ میں تقریباً ضروری موضوعات پر عناوین و نگارشات مطالعہ میں آتی ہیں درحقیقت یہ بات درست ہے کہ مثنوی مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ اور دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھنے کے لیے فیہ مافیہ کا مطالعہ بے حد مفید اور ضروری ہے بلکہ ناگزیر ہے۔

فیہ مافیہ کے مطالعہ اور تفکر و تدبر کے بعد حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے دینی و علمی، روحانی اور متصوفانہ رجحانات اور احساسات کا بخوبی طور پر اندازہ کیا جاسکتا ہے ہم یہاں پر بخوف طوالت فیہ مافیہ کے مندرجات پر سیر حاصل گفتگو کرنے اور مندرجات کے حوالہ سے بحث و تمحیص سے گریز کرتے ہیں۔

(نعمانی)

مولوی ہر گز نشد مولائے رومؒ   تا غلام شمس تبریزی نشد
(حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ)

مختصر انتخاب

دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

(از: مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

(حصہ ہفتم)

مشتمل بر عناوین:

دیوان شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی مختلف عناوین پر مشتمل غزلیات کا اُردو ترجمہ
نیز متصوفانہ تشریحات مع فارسی متن!

نہ اُٹھا پھر کوئی رومیؒ عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ویراں وہی تبریز ہے ساقی

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

نگارشات

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم:

تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں
میری انتہائے نگارش یہی ہے

بصد شکر و امتنان این بندۂ ناچیز بدرگاہِ ایزدی عرض کناں ہے کہ:

حمد بے حد مر خدائے پاک را
آنکہ ایمان داد مشتِ خاک را

ہم نے قارئین کرام کی خدمت میں حیات شمس المعارف، حضرت خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ (مرشد رُومی رحمۃ اللہ علیہ) کے حوالے سے موجودہ کتاب کے چھ حصص کو مختلف عنوانات و نگارشات کے حوالہ سے پیش کیا ہے فقیر حقیر، ہیچمدان نے کہاں ٹھوکر کھائی وہ اللہ تعالیٰ رب العزت ہی بہتر جانتے ہیں اور کہاں راہ صواب تھی یہ اس کی کرم نوازی کا حاصل ہے۔

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

بہر کیف جو کچھ بھی ہو سکا اسی خدائے ایز دمتعال کے احسان کے حوالے سے ہوا ورنہ

''من آنم کہ من دانم'' اب موجودہ کتاب کا یہ حصہ ہفتم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ حصہ ہفتم موجودہ کتاب کے گزشتہ حصص کی طرح کم دلچسپ نہ ہوگا۔ ہم نے کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر رینالڈ اے، نکلسن صاحب (Reynold A. Nichlson) کے مشہور انتخاب دیوان شمس تبریز (Selcted poems, Divani Shams Tabriz) میں سے مختصر انتخاب حسب موقع عناوین کے ساتھ ہدیہ قارئین کرام کیا ہے تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو سکے کہ حضرت مولانا شمس المعارف، شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی بھرپور اور گھمبیر شخصیت کے حوالے سے حضرت مولانا شیخ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے تغزل کے اسلوب و کیفیات وارادت روحانی میں کہاں تک حضرت مولانا خواجہ شمس الدین تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و دینی و روحانی کیفیات کی جھلک نمایاں ہے اور ان کا حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیات و ارادت روحانی پر کسی قدر گہرا تاثر ہے۔

والسلام

ہیچمدان:

راجہ طارق محمود نعمانی ایڈووکیٹ

غزل

اگر تو عاشق عاشقی و عشق راجویا
بگیر خنجر و ببر گلوی حیا

بدان کہ سد عظیم است در روش ناموس
حدیث بی غرضست این قبول کن بصفا

ہزار گو نہ جنون ازچہ کرد آں مجنون
ہزار شید برآورد آں گزین شیدا

گہی قبا بدرید و گہی بکوہ دوید
گہی ززھر چشید و گہی گزید فنا

چو عنکبوت چنین صید ھای زفت گرفت
بہ بین کہ تاچہ کند دام "ربی الاعلیٰ"

چوں عشق چہرہ لیلیٰ ھمی بدیں اززید
چگونہ باشد اسریٰ بعبدہ لیلا

اُردو ترجمہ:

عشقِ خداوندی

۱۔ اگر تُو کسی کے عشق کا عاشق اور عشق کا متلاشی ہے۔
تو پھر تو ایک تیز خنجر کو پکڑ لے اور اسے حیا کے گلے پر چلا دے۔

۲۔ تو یہ جان لے کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ (ظاہر داری) عظیم حجاب ہے۔
تو پھر تو راہ صفا میں بے لوث طریقہ کو اختیار کر لے۔

۳۔ یہ کہ ایک مجنون (طالب) نے اپنی کد و کاوش میں ایک جنون سے ہزار جنون کا ارتکاب کیا۔
یہ کہ اس نے مکر و فریب سے اپنی فریفتگی کا اسیر بنالیا۔

۴۔ کبھی تو اس نے اپنی قباء کو پھاڑ ڈالا اور کبھی پہاڑ پر بھاگ کھڑا ہوا۔
کبھی تو اس نے زہر پی لیا اور کبھی فنا (موت) کا متلاشی ہوا۔

۵۔ یہ کہ جیسے عنکبوت (مکڑی) اپنے جال میں شکار کے لئے کئی پھندے رکھتی ہے۔
تو پھر تو بھی نگاہ کر کہ "ربی الاعلیٰ" کا دام (پھندہ/تدبیر) کیا کرتا ہے۔

۶۔ یہ کہ جب چہرہ لیلیٰ کی فریفتگی کے دام اس قدر ارزان ہو جاتے ہیں۔
تو پھر "اسری العبدہ لیلا" کے مقام کا کیا حال ہوگا۔

غزل

ندیدهٔ تو دواوین ویسه و رامین
نخواندهٔ تو حکایات وامق و عذرا

تو جامهٔ گرد کنی تاز آب تر نشود
هزار غوطه ترا خوردنیست در دریا

طریق عشق همه پستی آمد و مستی
که سیل پست رود کی رود بسوی علا

میان حلقه عشاق چو نگین باشی
اگر تو حلقه بگوش نگینی ای مولا

چنانکه حلقه بگوش است چرخ را این خاک
چنانکه حلقه بگوش است روح را اعضاء

بیا بگو چه زیان کرد ازین پیوند
چه لطفها که نکردست عقل بااجزاء

دهل بزیر گلیم ای پسر نشاید زد
علم بزن چودلیران میانه صحرا

بگوش جان بشنو از غریو مشتاقان
هزار غلغله در جوف گنبد خضرا

اُردو ترجمہ:

گزشتہ سے پیوستہ

۱۔ یہ کہ تو نے ولیسہ اور رامین کے دواوین (دیوانوں) کو نہیں دیکھا؟
یہ کہ تو نے وامق وعذرا کے افسانے نہیں پڑھے؟

۲۔ یہ کہ تو نے اپنے جامہ کو سمیٹ لیا کہ وہ پانی سے تر نہ ہو جائے۔
یہ کہ تمہارا ہزار مرتبہ سمندر میں غوطہ زنی کرنا کچھ بھی نہیں ہے۔

۳۔ یہ کہ راہ عشق (معاملات عشق) میں تمام تر عاجزی اور مستی ہے۔
یہ کہ پستی کے رُخ بہنے والے (پانی کا) ریلا بلندی کی جانب کیسے جاسکتا ہے۔

۴۔ یہ کہ تو اپنے عشاق (عاشقوں چاہنے والوں) کے درمیان نگینے کی طرح ہے۔
یہ کہ اگر اے مولا! تو مجھے اپنے غلاموں میں سے بنالیتا۔

۵۔ یہ کہ یہ جسم خاکی اس طرح قدرت کا حلقہ بگوش ہے۔
کہ جیسے اعضائے جسمانی رُوح کے حلقہ بگوش (تابع فرمان) ہیں۔

۶۔ آ اے محبوب! تو یہ بتلا تو سہی کہ اس تعلق سے جسم خاکی نے تیرا کیا بگاڑا ہے؟
یہ کہ عقل نے ان اجزاء سے اتصال سے کون سے لطف نہیں اٹھائے ہیں۔

۷۔ یہ کہ اے پسر (طالب صادق) گدڑی کے نیچے ڈھول نہ پیٹنا چاہیے۔
یہ کہ تمہیں دلیر (بہادر) کی طرح علم ہاتھ میں لے کر میدان میں نکل جانا چاہیے۔

۸۔ یہ کہ اے (طالب صادق) گوش ہوش سے سن لو مشتاقان دید کے غلغلہ کو
کہ اس نیلے آسمان کے گنبد کی فضا میں ہزاروں شور و غلغلے سنائی دیتے ہیں۔

غزل

چو بر کشاید بندِ قبا زمستیٔ عشق
تو های وهوی فلک بین و حیرت جوزاء

چه اضطراب که بالا وزیر عالم است
زعشق کوست منزه زوير و از بالا

چو آفتاب برآید کجا بماند شب
رسید رعیش غایت کجا بماند عنا

خموش کردم ای جان جان جان تو بگو
که ذره ذره ز شوقِ رخ تو شد گویا

اُردو ترجمہ:

طریق عشق

۱۵۔ یہ کہ جب مستی عشق سے (اپنا) بند قبا کھول دیتا ہے۔
تو پھر تو فلک کے شور و غوغا اور جوزاء کی حیرت و استعجاب کو دیکھ لے۔

۱۶۔ یہ کہ اس میں پریشان خاطر ہونے کی کیا بات ہے کہ جہان (اس کے سامنے) زیر و زبر ہے۔
یہ کہ کون (سا انسان) ہے کہ جو بلندی و پستی میں عشق سے منزہ ہو!

۱۷۔ یہ کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو پھر وہ شب بھر کہاں ہوتا ہے؟
یہ کہ جب وہ (محبت میں) مشغول ہوا تو پھر احساس مشقت کب رہا؟

۱۸۔ یہ کہ اے محبوب کے محبوب میں نے تو خاموشی اختیار کر لی ہے (اب) تو ہی کچھ کہہ سن!
یہ کہ ذرّہ ذرّہ تیرے (حسین چہرے کی) دید کے شوق میں (زبان حال سے) گویا ہو چکا ہے۔

غزل

کناری ندارد بیاباں ما　　قراری ندارد دل و جان ما
جہاں در جہاں نقش صورت گرفت　　کدامست ازیں نقشہا آن ما
چو در رہ ببینی بریدہ سری　　کہ غلطاں رود سوی میدان ما
ازو پرس ازو پرس اسرار دل　　کزو بشنوی سر پنہاں ما
چہ بودی کہ یک گوش پیدا شوی؟　　حریف زبانہای مرغان ما؟
چہ بودی کہ یک مرغ پرّان شدی؟　　بر و طوق سر سلیمان ما؟
چہ گویم چہ دانم کہ این داستان؟　　فزوں است ازحد و امکان ما؟
چگونہ زنم دم کہ ھر دم بدم؟　　پریشانتر است این پریشان ما؟
چہ کبکان چہ بازان ھمی پرند؟　　میان ہوای کہستان ما؟
نہ ھفت آسمان کان زعرش است زیر　　از آن سوے عرش است جولان ما
چہ جای ھوا ھای عرش و فلک　　بگلزار و صلست سیران ما
ازیں داستان بگذر از ما مپرس　　کہ درھم شکستست دستان ما
صلاح الحق و دین نماید ترا　　جمال شہنشاہ سلطان ما

اُردو ترجمہ:

وارداتِ عشق

۱۔ یہ کہ (عشق الٰہی میں) کیفیات و ارادت روحانی کے باوصف میرا بیابان ناپیدا کنارہے۔
یہ کہ (عشق الٰہی کی کیفیات وارادت روحانی کے باوصف میرے دل وجان کو قرار نہیں ہے۔

۲۔ یہ کہ جہاں در جہاں میں تیری صورت کا نقش مرتسم ہے۔
تو پھر کہاں تک میرے حاشیہ خیال میں وہ سما سکتا ہے۔

۳۔ یہ کہ جب تم نے (گرفتار عشق ومحبت) کا سرِ راہ بریدہ سر دیکھا۔
تو پھر غلطاں و پیچاں (پیچ وتاب کھائے ہوئے) تم میرے میدان کی طرف جاتے ہو۔

۴۔ یہ کہ تم اس سے ہی پوچھ لو! اس سے ہی استفسار کرلو میرے دل کے بھید کو لو۔
یہ کہ اس سے ہی (ہمارے عشق ومحبت کے) سرِ نہاں کو پوچھ لو۔

۵۔ یہ کہ کس طرح تو نے (محبت کی روش میں) تمام کائنات کو ایک رنگ میں پیدا کیا۔
یہ کہ اس (عشق ومحبت) کی پرواز میں تمام ہمارے حریف ہیں۔

۶۔ یہ کہ کس طرح تو نے ایک مرغ (پرندہ) کو محوِ پرواز کردیا۔
کہ اس پر ہمارے سلیمان کے پیام (راز) کے طوق کو باندھ دیا۔

۷۔ یہ کہ میں (تیری محبت کے اس انداز) کو کیسے کہوں؟ میں کیا جانوں
یہ کہ داستان (پرشوق) ہماری سمجھ و امکان سے بلند ہے۔

۸۔ یہ کہ میں کیسے خامشی اختیار کرلوں، جبکہ ہر لحہ
ہماری پریشانی، پریشان سے پریشان تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

۹۔ یہ کہ کیا چکور اور کیا باز اکٹھے محو پرواز ہیں۔
یہ کہ ہماری محبت کے کوہستان میں ان کی پرواز ایک جیسی ہی ہے۔

۱۰۔ یہ کہ (اس خواہش محبت) کے بھی سات (آسمان) ہیں۔
کہ وہ اپنی بلندی میں ہمارے زحل جیسی بعد مسافت رکھتا ہے۔

۱۱۔ یہ کہ ہماری (محبت کی پرواز) نہ تو سات آسمانوں میں سماتی ہے اور نہ ہی عرش کے نیچے
بلکہ ہماری محبت کا جذبہ عرش سے بھی پرے ہے (یعنی مقصود صاحب عرش ہے)

۱۲۔ یہ کہ ہمارے (جذبہ عشق ومحبت) کی حرص وہوا کے سامنے عرش وفلک کی کیا حیثیت ہے؟
یہ کہ تیرے وصال کی جنت میں ہماری خواہش محبت رواں دواں ہے۔

۱۳۔ یہ کہ تو اس داستان (محبت والفت) کو چھوڑ دے۔ تو مجھ سے مت پوچھ
یہ کہ ہماری داستان محبت والفت تمام تر اس راہ (تجلی ربانی میں) حجاب ہے۔

۱۴۔ یہ صلاح الحق و دین تمہارے لئے وضاحت کرے گا۔
کہ ہمارے سلطان کے شہنشاہ کا جمال کیسا ہے۔

غزل

دوش من پیغام کردم سوی تو استاره را
گفتمش خدمت رسان از من تو آن مه پاره را

سجده کردم گفتم آن خدمت بدآن خرشید بر
کو بتابش زر کند مر سنگهای خاره را

سینه خود باز کردم زخمها بنمودمش
گفتمش از من خبر کن دلبر خون خواره را

سو بسو گشتم که تا طفل دلم ساکن شود
طفل خسپد چون بجنباند کسی گهواره را

طفل دلرا شیرده مارا زگر یه اش وار هان
ای تو چاره کرده هردم صد چومن بیچاره را

شهر وصلت بوده است آخر ز اول جای دل
چند داری در غریبی این دل آواره را

من خمش کردم و لیکن از پی دفع خمار
ساقیا سرمست گردان نرگس خماره را

اُردو ترجمہ:

پیامِ محبت وخمارِ محبت

۱۔ یہ کہ میں نے اپنے پیامبر کو اے محبوبہ (مہ پارہ) تیری جانب بھیجا۔
میں نے اس سے کہا کہ: تو میری جانب سے اس مہ پارہ کو پیغام پہنچادے۔

۲۔ یہ کہ میں سجدہ (شکر بجالایا) میں نے کہا کہ: اے پیغامبر! تو اس چندآفتاب چند ماہتاب کو میرا پیغام (نامہ) پہنچادے۔
وہ کون ہے کہ جس نے (تیرے چہرے کی) تابناکی سے اس سخت پتھر (قلب) کو محبت کی چاشنی سے سونا بنادیا (روشن کردیا)؟

۳۔ یہ کہ (پیغامبر) کو میں نے سینہ کھول کر زخم دکھادیئے۔
تو (پھر) میں نے اس سے کہا کہ: اس دل کا خون کردینے والے دلبر کو ایسے ہی بتادینا۔

۴۔ یہ کہ میں جابجا گھوما پھرا تاکہ میرے قلب کے طفل (آرزو) کو سکون ہوسکے۔
جیسا کہ کوئی جھولا جھلائے تو وہ طفل محوِخواب ہوجاتا ہے۔

۵۔ یہ کہ میرے قلب کے طفل (آرزو) کو دیدار کا دودھ پلادے تاکہ میں اس کے رونے سے نجات مل جائے۔
اے کہ تو ہردم چارہ گر ہے میری طرح سینکڑوں تیری دید کی راہ میں پڑے ہیں۔

۶۔ یہ کہ (میرا دِل) اول تا آخر تیری محبت کا شہر ہے (یعنی اسیر ہے)۔
یہ کہ اس کسمپرسی کی حالت میں کتنے عرصہ سے یہ محبت کا (مارا) دل تیری دید کا مشتاق رہا ہے۔

۷۔ یہ کہ میں نے معاملات (محبت) میں کچھ کہنا سننا بند کردیا ہے، لیکن یہ دفع خمار (یعنی ہوش میں آنے) کے لئے کیا ہے۔
تو اے ساقی! تو مجھے اس (مہ پارہ) کی نرگسی آنکھوں کی دید کا ایک اور جام پلادے۔

غزل

داؤد علیہ السلام گفت ای پادشا چون بی نیازی تو زما
حکمت چہ بود آخر بگو در خلقت ھر دوسرا

حق گفتش ای مرد زماں گنجی بدم من در نہاں
جستم کہ تا پیدا شود آن گنج احساں وعطا

آئینہ کردم عیاں رویش دل و پشتش جہان
پشتش شود بہتر زرو گر تو ندانی روی را

چون کاہ جفت گل بود آئینہ کی مقبل بود
چون کاہ جدا کردی زگل آئینہ گردد باصفا

شیرہ نگردد می اگر درخم نجوشد مدتی
خواہی کہ دل روشن شود اندک عمل باید ترا

جانی کہ بیرون شد زتن گوید بدو سلطان من
زین سان کہ رفتی آمدی آثار کوز آلای ما

میشود آمد این کہ مس از کیمیا زر میشود
این کیمیای نادرہ کر دست مس را کیمیا

نہ تاج خواھد نہ قبا این آفتاب از فیض حق
زدھست صد گلرا کلہ وزبھردہ عریان قبا

بھرتواضع بر خری بلشت عیسی ای پسر
ورنہ سواری کہ کند بر پشت خر باد صبا

ای روح اندر جست وجو سر ساز ہچوں آب جو
وی عقل بھر آن بقا دائم برو راہ فنا

چندان ہمی کن یادحق کز خود فراموشت شود
تامحود درمد عوشوی بی ریب داعی و دعا

اُردو ترجمہ:

حکمت تخلیق

۱۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے (بارگاہ خداوندی میں) عرض کیا کہ: اے بادشاہ جبکہ آپ ہم سے بے نیاز ہیں۔
تو آپ مجھے یہ بتا دیجئے کہ: ہر دوسرا کی تخلیق میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟

۲۔ اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: اے مرد زمان! میں ایک مخفی خزانہ کی مانند تھا۔
میں نے یہ سوچا کہ: اس احسان وعطا کے خزانہ کو پیدا (ظاہر) کر دیا جائے۔

۳۔ یہ کہ میں نے اس کے قلب کے چہرہ کے سامنے اپنی شخصیت کے پرتو کا آئینہ رکھ دیا۔
یہ کہ اس کی پشت (دوسری جانب) اس کے چہرہ سے بہتر ہے، اگر تو اس کے چہرہ کو نہیں پہچانتا۔

۴۔ یہ کہ جب گھاس زمین کے ساتھ اگی ہوتی ہے تو پھر یہ آئینہ (حیات) کب کامیاب ہو سکتا ہے۔
جب تم گھاس سے زمین (کی مٹی) کو جدا کر دیتے ہو تو پھر آئینہ (حیات) روشن ہو جاتا ہے۔

۵۔ یہ کہ شیرہ انگور ہر گز شراب نہیں بن سکتا جب تک کہ برتن میں اس کو دیر تک کے لئے خمیر

نہ دیا جائے۔
اگر تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارا قلب (حقیقت کے نور سے) روشن ہو جائے تو پھر تجھے کچھ عمل کی (مشقت) اٹھانی چاہیے۔

۶۔ یہ کہ وہ جان (روح) کہ جو جسم (فانی) سے نکل جاتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ:
اے میرے بادشاہ! آپ کس شان کے ساتھ جلوہ گر ہوئے ہیں آپ کتنے اچھے محسن ہیں۔

۷۔ یہ بات مشہور ہے کہ تانبا (مس) عمل کیمیائی سے سونا بن جاتا ہے۔
آپ کے اس نادر عمل کیمیائی نے (میرے) مس کو کندن بنا دیا ہے۔

۸۔ یہ وہ آفتاب ہے کہ فیض حق کی نوازش سے اسے نہ تو تاج کی ضرورت ہے اور نہ کسی قبا کی۔
اس کی تاب (چمک) ہزاروں بے نواؤں کے سر کی زینت اور قبا ہے۔

۹۔ اے فرزند ار جمند! ازراہ تواضع وانکسار حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گدھی پر سواری فرمائی۔
وگرنہ بادسبک رفتار کے سوار کو گدھی پر سواری کی کیا ضرورت تھی۔

۱۰۔ اے رُوح! تو اپنی جستجو میں، آب جو (ندی کے پانی) کی سی محنت دکھا۔
اور اے عقل! اس بقا کی زندگی کے لئے کہ جو ہمیشہ کے لئے ہے کے حصول کی کوشش میں لگی رہ۔

۱۱۔ یہ کہ تو اپنے ربّ (جل وعلا) کے ساتھ وہ رشتہ استوار کر لے کہ تو خود کو بھول جائے۔
تا کہ (حالت جذب وفنا) میں تو کسی کے کہنے سننے سے بے نیاز ہو جائے۔

غزل

چمنی که تا قیامت گل او بہار بادا
صنمی که بر جمالش دو جہاں نثار بادا

زپگاہ میر خوبان بشکار می خرامد
که بتیر غمزہ او دل ما شکار بادا

بدو چشم من زچشمش چه پیامهاست هر دم
که دو چشم از پیامش خوش و پر خمار بادا

در زاهدی شکستم بدعا نمود نفرین
که برو که روز گارت همه بیقرار بادا

نه قرار ماند نه دل بدعای او زیاری
که بخون ماست تشنه که خداش یار بادا

تن من بماه ماند که زعشق می گدازد
دل من چو چنگ زهره که گسسته تار بادا

بگداز ماه منگر بگسستگی زهره
تو حلاوت غمش بین که یکی هزار بادا

چہ عروسیست درجان کہ جہان زعکس رویش
چو رو دست نو عروسان تر وپر نگار بادا

بعد از جسم منگر کہ بپوسد و بریزد
بعد از جان نگر کہ خوش وخوش گوار بادا

تن تیرہ ہچو زاغی وجہان تن زمستان
کہ برغم این دو ناخوش ابداً بھار بادا

کہ قوام این دو ناخوش بہ چہار عنصر آمد
کہ قوام بندگانت بجز ایں چہار بادا

اُردو ترجمہ:

حسن فطرت

۱۔ یہ کہ یہ ایسا چمن ہے کہ جس کے پھولوں کی بہار (رعنائی) زندگی بخش ہے۔
وہ ایسا محبوب ہے کہ جس کے (بے مثال) حسن پر دونوں جہانوں (کی رعنائی) قربان ہے۔

۲۔ یہ کہ صبح دم محبوبوں کے شہزادہ پریشان طور پر شکار کے لئے محوخرام ہوئے۔
یہ کہ اس (شہزادہ حسن) کی نظر کے ایک اشارہ سے میرا قلب دست از گرفتہ ہوگیا۔

۳۔ یہ کہ اس (شہزادہ حسن) نے اپنی ہر دو آنکھوں میں (نہ جانے) کیا اشارہ کیا کہ اس کی کیفیت ہر دم طاری ہے؟
یہ کہ میری دونوں آنکھیں اس کے اشارہ نظر (پیام) سے خوش کن ہوگئیں اور اس (منظر) سے وہ پرخمار (ہو کر کھو) گئیں۔

۴۔ یہ کہ میں نے زاھد (خشک) کے دروازہ کو توڑ دیا، محبت کے اس جذبہ سے کہ جس سے اس نے مجھے یہ کہتے ہوئے روک دیا۔
کہ تم جاؤ! کہ اس (محبت کی لگن کے سبب) تمہاری تمام زندگی پریشان کن رہے۔

۵۔ یہ کہ اس (شہزادہ حسن یعنی خدا) کی یاد میں نہ تو دل کو قرار ہے اور نہ ہی اس کی پکار سے سکون آتا ہے۔
اس (خدائی) محبت کی پیاس میں (یا خوف میں) خون خشک ہو چکا۔ کہ خدا اس کا دوست ہے۔

۶۔ یہ کہ میرا جسم (میری روح) چاندی کی سی ہے کہ جو اس کی محبت میں پگھلتی چلی جاتی ہے۔
میرا قلب زھرہ کے ساز کے تاروں کی مانند ہے کہ (محبت کے داغ میں) جس کے تار ٹوٹ چکے ہوں۔

۷۔ یہ کہ تو اپنی چاند جیسی (پیاری جان) کے فکر کو چھوڑ دے اور زہرہ کے ساز کے تاروں کی شکستگی کو نہ دیکھ
تو اس (شہزادہ حسن) کی محبت کی مٹھاس (حلاوت) پر غور کر! کہ یہ ایک بمنزلہ ہزار کے ہے۔

۸۔ یہ کہ میری (روح کے تصور میں) وہ ایک نوبیاہتا دلہن کی طرح مزین ہے کہ تمام جہان اس کے چہرے کے عکس سے روشن ہے۔
کہ جیسے اس کے دست قدرت نوبیاہتا دلہن کے (مہندی لگے ہاتھوں کی طرح) تازہ سجے ہوئے ہوں۔

۹۔ یہ کہ تو (گوشت و پوست) کے جسم کے خدوخال کو شمار میں نہ لا! کہ جو بگڑ جاتا ہے اور گل سڑ کر خراب ہو جاتا ہے۔
(بلکہ) تو (محبوب روحانی کے) خدوخال پر نگاہ کر! کہ وہ کس قدر دلکش اور لائق محبت ہے۔

۱۰۔ یہ کہ جسم فانی کی یہ تاریک ہیت (فانی ہے) اور اس جسم کا جہان سرد ہے۔
کہ ان ہر دو کے ماسوا کہ جو ناخوشی کا سبب ہیں۔ بہار ابدی ہے۔

۱۱۔ یہ کہ ان ہر دو (ناپسندیدہ عوالم) پر چار عناصر مبنی ہیں۔
کہ تیرے ان بندگان کی (حیات ابدی) ان چار کے ماسوا پر مبنی ہے۔

غزل

ای کہ بہنگام درد راحت جانی مرا
ای کہ بتلخی فقر گنج روانی مرا

آنچہ نبردست وھم آنچہ ندیدست فھم
از تو بجان میر سد قبلہ از آنی مرا

از کرمت من بناز می نگرم در بقا
گر نفر بید شہا دولت فانی مرا

نعمت آنکس کہ او مژدہ تو آرد او
گرچہ نخوانی بود بہ ز آغانی مرا

در رکعات نماز ھست خیال تو شہ
واجب ولازم چنانک سبع مثالی مرا

درگنہ کافران رحم و شفاعت تراست
مھتر و سرور سنگدلانی مرا

گر کرم لایزال عرضہ کند ملکھا
پیش نھد ھر چہ ھست گنج نھانی مرا

سجدہ کنم من زجان روی نھم من بخاک
گویم ازینھا ہمہ عشق فلانی مرا

عمر ابد پیش من ھست زمان وصال
ز آنکہ نگنجد در او ھیچ زمانی مرا

عمر اوا نیست وصل شربت صافی درآن
بی تو چہ کار آیدم رنج اوانی مرا

بیست ہزار آرزو بود مرا پیش ازیں
در ہوسش خود نماند ہیچ امانی مرا

از مدد لطف او ایمن گشتم از آنک
گوید سلطان غیب جان جہانی مرا

گوہر معنی اوست پر شدہ جان و دلم
اوسگ کو گفت ونیست ثالث و ثانی مرا

وقت وصالش بروح جسم نکرد التفات
گرچہ مجرد زتن گشت عیانی مرا

پیر شدم از غمش لیک چو تبریز را
نام بری باز گشت جملہ جوانی مرا

اُردو ترجمہ:

تو سامان راحت ہے!

۱۔ یہ کہ اے! جو کہ بوقت کرب تو میری جان کی راحت ہے۔
اے جو کہ تلخی فقر میں میرے لئے روحانی خزانہ ہے۔

۲۔ یہ کہ تو وہ ہے کہ جو ہمارے وہم اور حاشیہ خیال کی دسترس سے بالا ہے۔
تو وہ ہے کہ میری روح تیری جانب متوجہ رہتی ہے اور وہ تیری عبادت کے لئے تیری جانب رخ کرتی ہے۔

۳۔ یہ کہ تیرے (بے مثال) حسن و جمال نے میں عالم بقا میں تجھ پر عاشقانہ نگاہ جمائے ہوئے ہوں۔
اور بادشاہ سلامت! اگرچہ کہ دنیائے فانی مجھے دھوکہ میں نہ ڈال دے

۴۔ یہ کہ میرے لئے کسی کی وہ نعمت ہے کہ جو تمہارے لئے پرجوش محبت پرمبنی ہے۔
اگرچہ کہ تو ملتفت نہ ہو تو یہ دنیا کے نغمات سے زیادہ خوش کن ہے۔

۵۔ اے بادشاہ سلامت! رکعت نماز (مراقبہ) تیرے ہی خیال کی ہیت ہے۔
تو یہ (حضور قلب) میرے لئے لازم اسی طور پر ہے کہ جیسے سبع مثانی (سورۃ فاتحہ) کا پڑھنا۔

۶۔ یہ کہ کافروں (کفران نعمت کے مرتکب بندوں پر) رحمت وشفاعت تیری ہے۔
بزرگی وسرداری تو تیرے لیے روا ہے اور سنگدلی میرے لیے ہے۔

۷۔ اگر آپ اپنے ابدی کرم وبخشش سے مجھے ہمیشہ کی بادشاہی بخش دیں!
اگرچہ علاوہ اس کے تمام طور پر ایک گنج مخفی بھی عطا کر دیا جائے۔

۸۔ یہ کہ میں اپنی روح سے سجدہ کروں اور (اے محبوب)!
میں اپنی پیشانی تیرے سامنے خاک آلود کر دوں۔

۹۔ یہ کہ حیات ابدی میرے نزدیک تیرے ساتھ وصال کا زمانہ ہے۔
چونکہ اس میں میرے لئے وقت کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔

۱۰۔ یہ کہ عمر (کے اوقات تو وہ ہیں) کہ جس میں وصال کی شراب خالص سے ہمکنار ہوں۔
یہ کہ تیرے وصال کے بغیر اس گھڑی کے رنج سے مجھے کیا غرض؟۔

۱۱۔ یہ کہ (تجھ سے ہمکنار ہونے کے قبل) اس دنیا میں میری بیس ہزار خواہشات تھیں۔
یہ کہ اس کے وصال کے نشہ (خواہش) میں میں تو خود بھی باقی نہ رہا تو خواہش کہاں رہتی۔

۱۲۔ یہ کہ اس کے لطف (بے پایان) کی مدد سے میں محفوظ ہو گیا۔
چونکہ سلطان من کہ جو پوشیدہ ہے نے مجھے جہان کی جان کہہ دیا۔

۱۳۔ یہ کہ معنی کیا جان (لب لباب) وہی تو ہے کہ جو میرے دل اور جان میں سمایا ہوا ہے۔
کوچہ کا کتا بھونکتا ہے اور نہ تو میرا کوئی دوسرا شریک ہے اور نہ کوئی تیسرا شریک ہے۔

۱۴۔ یہ کہ تجھ سے وصال (یعنی موت کے وقت) جسم روح کے ساتھ متوجہ نہیں ہوتا (یعنی قائم نہیں رہتا)۔
اگرچہ کہ میری جان جسم سے مجرد (علیحدہ) ہو جاتی ہے۔

۱۵۔ یہ کہ (مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں کہ) میں اس یعنی (مرشد تبریزیؒ) کی جدائی (فراق) کے غم میں ضعیف وناتواں ہو چکا۔
لیکن جیسے ہی (تبریز سے) پیغام واپس آیا، تو میری تمام ترجوانی (رعنائی) لوٹ آئی۔

غزل

باز آمد آن مهی که ندیدش فلک بخواب
آورد آتشی که نمیرد بهیچ آب

بنگر بخانه تن و بنگر بجان من
از جام عشق او شده این مست و آن خراب

میر شرابخانه چوشد بادلم حریف
خونم شراب گشت زعشق ودلم کباب

چوں دیده پر شود زخیالش ندا رسد
کاحسنت ای پیاله وشاباش ای شراب

چنگال عشق از بن وازبیخ بر کند
هر خانه کا ندر افتد از عشق آفتاب

دریای عشق را چودلم دید نا گهان
از من بجست دروی و گفتا مرا بیاب

خرشیدروی مفخر تبریز شمس دین
اندر پیش روان شده دلهای چوسحاب

اُردو ترجمہ:

طلب صدق میں مرشد کا حقیقی مقام

مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ کے نقطہ نگاہ سے

۱۔ یہ کہ (وہ چندے آفتاب چندے ماہتاب) کہ جس کو فلک نے کبھی خواب میں بھی نہ مشاہدہ کیا ہوگا، پھر واپس لوٹ آیا۔

اور وہ (روحانی محبت کی) وہ آگ (لگن) لے کر آیا کہ جسے پانی بھی نہیں بجھا سکتا۔

۲۔ یہ کہ تو (اس چاند/محبوب کی جدائی میں) میرے ناتواں جسم کو دیکھ اور پھر میری جان (میرا جانب بہ لب ہونا) دیکھ۔

۳۔ یہ کہ میرا شراب خانہ (ساقی) جب (محبت و عشق کی راہ میں) میرے دل کا حریف ہو گیا (یعنی اس طرح محبت روحانی کے تعلقات میں اتصال ہو گیا)۔

کہ اس کی (محبت کے جذبہ میں) میرا خون خشک ہو گیا اور میرا دل (محبت کی آگ سے بھن کر) کباب ہو گیا۔

۴۔ یہ کہ جب اس کی (محبت کے تصور) میں میری آنکھیں خمار آلود ہو گئیں تو (یک بہ یک) ایک ندا پہنچی۔

اوہ جام محبت تو نے تو بہت اچھا کیا اور پھر اے شراب (وصال محبوب) تجھ پر شاباش ہے۔

۵۔ یہ کہ محبت و عشق کے چنگل (پنجہ گرفت) نے (لذت دنیوی وخواہشات کو) دل سے بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکا۔

یہ کہ ہر اس گھر میں سے کہ جس میں سورج کی شعاعیں پڑتی ہیں۔

۶۔ یہ کہ جب ناگہاں (اچانک) میرے قلب (کیفیات قلب) نے محبت کے سمندر کا نظارہ کیا۔

تو (میری قلبی کیفیات نے بھی) میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور محبت کے سمندر میں یہ پکارتا ہوا کود پڑا! کہ تو مجھ سے ہمکنار ہو جا۔

۷۔ یہ کہ حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ (کے روحانی احوال کے چہرے) کی شان و شوکت چمکتے سورج کی مانند ہے۔

کہ جس کی پیروی میں قلوب کے بادل (کیفیات قلبی کے نقوش و تاثرات) تیرتے پھرتے ہیں۔

غزل

مردِ خدا مست بود بی شراب — مردِ خدا سیر بود بی کباب
مردِ خدا والہ وحیران بود — مردِ خدا را نبود خورد خواب
مردِ خدا شاہ بود زیرِ دلق — مردِ خدا گنج بود در خراب
مردِ خدا نیست ز باد و زخاک — مردِ خدا نیست زنارو ز آب
مردِ خدا بحر بود بی کران — مردِ خدا بارد دربی سحاب
مردِ خدا دارد صد ماہ وچرخ — مردِ خدا دارد صد آفتاب
مردِ خدا عالم از حق بود — مردِ خدا نیست فقیہ از کتاب
مردِ خدا زآں سوی کفرست ودین — مردِ خدا راچہ خطاو صواب
مردِ خدا گشت سوار ازعدم — مردِ خدا آمد عالی رکاب
مردِ خدا ھست نہاں شمس دین — مردِ خدارا توبجوی وبیاب

اُردو ترجمہ:

''مردِ خدا'' کے اوصاف!

۱۔ یہ کہ مردِ خدا (مردالست) مست ہوتا ہے بغیر شراب پیئے۔
کہ مردِ خدا (صوفی) بغیر کباب (بغیر لذات دنیوی) کے سیر ہوتا ہے۔

۲۔ یہ کہ مردِ خدا (حال مستی میں) جذب میں دنیا سے غیر متوجہ ہوجاتا اور مقام حیرت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔
یہ کہ ایک مردِ خدا طعام وشراب (لذت دنیوی) اور خواب (عیش وآرام) سے مستغنی ہوجاتا ہے۔

۳۔ یہ کہ ایک مردِ خدا اپنے خرقہ (تصوف) میں بادشاہ ہوتا ہے (یعنی خدا تعالیٰ کے ساتھ قلبی لگاؤ کے سبب بے نیاز ہوجاتا ہے)
یہ کہ مردِ خدا ویرانے میں ایک خزانے کی مانند ہوتا ہے۔

۴۔ یہ کہ مردِ خدا ہوا اور خاک (یعنی اس جسم فانی) سے متعلق نہیں رہتا۔
مردِ خدا آگ و پانی سے نہیں ہوتا۔

۵۔ یہ کہ مردِ خدا (حالت جذب الی اللہ) کے باوصف بحرِ ناپیدا کنار کی مانند ہو جاتا ہے
یہ کہ مردِ خدا (کے علم و حکمت کی شان یہ ہے کہ وہ) بغیر بادل کے (حکمت کے موتی) برساتا ہے۔

۶۔ یہ کہ مردِ خدا (حالت جذب الی اللہ کی وجہ سے) یک صد ماہتاب اور آسمانوں (کی بلندی) کا حامل ہوتا ہے۔
یہ کہ مردِ خدا (جذب الی اللہ کے باوصف) اپنے اندر یک صد آفتاب کے مقامات کا حامل ہوتا ہے۔

۷۔ یہ کہ مردِ خدا (حالت بے نفسی وانجذاب الی الحق کے باوصف) حق تعالیٰ اور اس کی حکمت کا شناور ہوتا ہے۔
یہ کہ مردِ خدا (صرف) کتاب ہی کا فقیہ نہیں ہوتا بلکہ روحانیت کا شناور ہوتا ہے۔

۸۔ یہ کہ مردِ خدا (تزکیہ نفوس و باطن کے باوصف) کفر و مذہب سے بے نیاز ہوتا ہے۔
یہ کہ مردِ خدا کے پیشِ نظر خطا و صواب یکساں ہوتے ہیں۔

۹۔ یہ کہ مردِ خدا (اس دنیا میں) سوئے عدم کا شہسوار ہوا کرتا ہے۔
یہ کہ مردِ خدا عالی شان شہسوار ہوتا ہے۔

۱۰۔ یہ کہ "شمس دین رحمۃ اللہ علیہ" ایک پوشیدہ مردِ خدا ہے۔
یہ کہ تجھ پر لازم ہے کہ اس کی جستجو اور تلاش میں رہ۔

غزل

ھر نفس آواز عشق میرسد از چپ وراست
ما بفلک میرویم عزم تماشا کراست

ما بفلک بوده ایم یار ملک بوده ایم
باز ھما نجا رویم خواجہ کہ آن شھر ماست

خود ز فلک برتر یم وز ملک افزو نتریم
زین دو چرا نگذر یم منزل ما کبریاست

عالم خاک از کجا گوھر پاک از کجا
گرچہ فرود آمدیم باز دویم این چہ جاست

بخت جوان یار ما دادن جان کار ما
قافلہ سالار ما فخر جہاں مصطفیٰ ﷺ ست

بوی خوش این نسیم از شکن زلف اوست
شعشہ این خیال از رخ چون والضحیٰ ست

از رُخ اومہ شکافت دیدن اوبر نتافت
ماہ چنین بخت یافت او کہ کمینہ گداست

در دل ما در نگر ھر دم شق قمر
کز نظر آن نظر چشم توزآن سو چراست

آمد موج الست کشتی قالب شکست
باز چو کشتی شکست نوبت وصل لقاست

خلق چوں مرغابیان زادہ زدریای جان
کی کند اینجا مقام مرغ کزین بحر خاست

بلکہ بدر یا دریم جملہ در او حاضر یم
ورنہ ز دریای جان موج پیاپی چراست

نوبت وصل لقاست نوبت حسن بقاست
نوبت لطف و عطاست بحر صفا در صفا ست

موج عطا شد پدید غرش دریا رسید
صبح سعادت دمید صبح نہ نور خداست

صورت تصویر کیست این شہ واین میر کیست
این خرد پیر کیست این ھمہ روپو شہاست

چارہ روپو شھا ہست چنین جو شھا
چشمہ این نوشھا در سرو چشم شماست

درسر خود ھیچ لیک ھست شمارا دو سر
این سرخاک اززمین وآن سرپاک ازسماست

ای بس سرھای پاک ریختہ در زیر خاک
تاتو بدانی کہ سر ز آن سر دیگر بپاست

آن سر اصلی نهاں دین سر فرعی عیان
زآنکہ پس ازاین جہان عالم بی منتہاست

مشک بند ای سقامی براز خم ما
کوزہ ادرکہا تنگتر از تنگناست

ازسوی تبریز تافت شمس حق و گفتمش
نور توھم متصل باھمہ وھم جدا ست

اُردوترجمہ:

حضرت محمد ﷺ کا مقام اور آپ ﷺ کا فیضان

۱۔ یہ کہ ہر لحہ، دائیں بائیں سے صدائے عشق آتی ہے۔
یہ کہ ہم تو فلک (جنت کے باسی ہین) میں جاتے ہیں، کیا کسی میں عزم نظارہ ہے؟

۲۔ یہ کہ اے خواجہ (بزرگ) ہم پھر اس جگہ (جنت) میں گئے اور پھر فرشتوں کے ہم سر (دوست) ہوئے ہیں۔
یہ کہ اے خواجہ (بزرگ) ہم پھر لوٹ کر وہیں جاتے ہیں وہ ہمارا مستقر (شہر) ہے۔

۳۔ یہ کہ ہم (بذات خود) فلک (جنت) سے زیادہ عظمت والے ہیں اور پھر فرشتوں سے تو زیادہ عظمت وجلالت والے ہیں۔
تو پھر (اے خواجہ) ہم ان ہر دو مقامات سے زیادہ بزرگی والے کیسے نہ ہوں ہماری منزل تو کبریا ہے۔

۴۔ یہ کہ (اے خواجہ) عالم خام (دنیا) کہاں، اور پھر گوھر پاک کو اس سے کیا نسبت؟
یہ کہ اگرچہ ہم کمتر مقام (دنیا) میں چلے آئے ہیں۔ آؤ واپس چلیں! یہ ٹھہرنے کی کون سی جگہ ہے؟

۵۔ یہ کہ خوش قسمتی ہمارا ساتھی ہے، اور جان کو قربان کر دینا ہمارا کام ہے۔
(تو جان لے) کہ ہمارے قافلہ سالار فخر جہاں حضرت محمد ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔

۶۔ یہ کہ (اے خواجہ) اس خوشبو سے معطر (بادصبا) کی لپٹ آپ ﷺ کی زلف کی شکن

سے ہے۔

یہ کہ اس خیال کی چمک دمک (روشنی) آپ ﷺ کے رخ انور سے ہے کہ جو والضحیٰ ہے۔

۷۔ یہ کہ (اے خواجہ) آپ ﷺ کے رخ انور سے ماہ (چاند) دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور آپ ﷺ کے نظارہ کے آگے ماند پڑ گیا۔

(لیکن) چاند اسی بناء پر خوش قسمت ہو گیا کہ اس نے آپ ﷺ سے چمک دمک (روشنی) کی بھیک مانگ لی۔

۸۔ یہ کہ (اے خواجہ) آپ ﷺ کی نگاہ (کی چمک دمک سے) ہمارے دل کا چاند ہر دم دو ٹکڑے ہوا رہتا ہے۔

کہ اس کی نگاہ، آپ ﷺ کی نگاہ چشم سے اس دنیا کے ماوراء کیسے چلی گئی۔

۹۔ یہ کہ (اے خواجہ) جب موج الست (یعنی کیا میں نہیں ہوں) اس نے جسم عنصری فنا کر دیا۔

تو پھر جب یہ جسم عنصری فنا ہوا تو تجھ سے وصال کا مقام یا وقت تھا۔

۱۰۔ یہ کہ (اے پروردگار عالم) تیرے دریائے وحدت (جان کی) وسعت میں یہ مخلوق (تیرتی) مرغابیوں کی مانند ہے۔

یہ کہ (موت اس سبب سے ہے) تا کہ یہ مرغ آبی اس بحر میں تیرتے پھریں کہ یہی انکا مقام ہے۔

۱۱۔ یہ کہ (اے خواجہ) ہم اس کے (دریائے وحدت) سمندر کے موتی ہیں کہ جو اس میں سمائے ہوئے ہیں۔

وگرنہ (عالم عاقبت کی جانب) روحوں کی امواج در امواج کی جولانی کس لئے ہے؟

۱۲۔ یہ کہ (اے خواجہ) اب تو ملاقات کا (مقام اتصال الی اللہ) وقت ہے تو یہ تو ہمیشہ کے حسن کا مقام ہے (وقت ہے)۔

یہ تو (خداوندی) الطاف و بخشش کا وقت ہے یہ بحر صفا در صفا ہے۔

۱۳۔ یہ کہ (اے خواجہ)، (الطاف خداوندی) کی موج ظاہر ہو گئی اور سمندر کا طغیان آ پہنچا۔

یہ کہ صبح اُمید (صبح سعادت) نکل آئی، (لیکن) یہ صبح (کی روشنی نہیں ہے) بلکہ نور خدا کی رونق ہے۔

۱۴۔ یہ کہ (اے خداوند بزرگ و برتر) یہ تصویر کس شہنشاہ کی ہے؟ یہ کون سے امیر ہیں۔

یہ عظیم حکمت کیا ہے۔ اوہو! یہ تمام تر حجابات ہیں۔

۱۵۔ یہ کہ (اے خواجہ) ان حجابات کا علاج اسی طرح کی جہد و جہد (ہوش و خرد) چاہتا ہے۔
یہ کہ اس (مستی کے لذیذ خوشگوار گھونٹ) تمہارے سر اور تمہاری ہر دو آنکھوں میں ہیں۔

۱۶۔ یہ کہ (اے خواجہ) اس سر میں ہی نہیں بلکہ آپ کے دو سر ہیں۔
(ایک تو) یہ خاک کا سر (مادی سر) مٹی میں سے ہے اور (دوسرا وہ) پاک سر، کہ جو (روحانی ہے) اور جنت سے متعلق ہے۔

۱۷۔ اے جو کہ بہت پاک سر (پاکیزہ انسان) کہ جو خاک کے نیچے چلے گئے۔
تا کہ تو یہ جان لے کہ یہ سر کسی (دیگر روحانی سر) پر بنی ہے۔

۱۸۔ یہ کہ (اے خواجہ) یہ کہ سر اصلی (اصلی روحانی دنیا) پوشیدہ ہے اور یہ سر فرعی (محدود دنیا) ظاہر و عیاں ہے۔
یہ اس لئے کہ اس جہاں کے بعد ایک دنیائے لامنتہا (لامحدود دنیا) ہے۔

۱۹۔ یہ کہ (اے ساقی) تو اس مشک کو بند کر دے (یعنی محدود پرانی زندگی کو ختم کر دے) اور ہمارے (وحدت) کے جام سے لے آ۔
اس کا سبب یہ ہے کہ، (اس ماوراء کے ادراک کی عقل مادی محدود تر ہے جو کہ محدود سے بھی محدود تر ہے۔

۲۰۔ یہ کہ (خواجہ) تبریز کی سمت سے سچائی کا سورج چمکا! (یعنی نامہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ آ پہنچا)۔
اور میں نے کہا کہ، تمہاری (دید، ملاقات اور فیض کی) روشنی اچانک سب کے ساتھ جلوہ گر ہوگی اور پھر تمام سے جدا ہوگی (اور میرے لئے ہو جائے گی)۔

غزل

چہ گوھری کہ کسیرا بکف بھای تو نیست — جہاں چہ دارد در کف کہ آن عطای تو نیست
سزای آنکہ زید بی رخ توزآن بتراست — سزای بندہ مدہ گرچہ از سزای تو نیست
میان موج حوادث ھر آنکہ افتادست — باشناند ھد چونکہ آشنای تو نیست
بقا ندارد عالم وگر بقا دارد — فناش گیر چو او محرم بقای تو نیست
چہ فرخ است شھی کاو رخ ترا ماتست — چہ خوش لقا بود آنکس کہ بی لقای تو نیست
نثار پای تو خواھم بھر دمی دل وجان — کہ خاک بر سر جانی کہ خاکپای تو نیست
مبارک کست ھوای تو بر ھمہ مرغان — چہ نامبارک مرغی کہ در ہوای تو نیست
زخم تو نگر یزم کہ سخت خام بود — دلی کہ سوختہ آتش بلای تو نیست
کرانہ نیست ثنا و ثنا گران ترا — کدام ذرہ کہ سرگشتہ ثنای تو نیست
نظیر آنکہ نظامی بنظم میگوید — جفا مکن کہ مرا طاقت جفای تو نیست
جمال ومفخر آفاق شمس تبریزیؒ — کدام شاہ کہ از جان ودل گدای تو نیست

اُردو ترجمہ:

''کائنات'' خداوند تعالیٰ کی تعریف کیلئے ہے!

۱۔ یہ کہ (اے پروردگار) کسی کی متاع گراں مایہ تیرے آگے ہیچ محض ہے۔
یہ کہ دُنیا جو کچھ متاع گراں مایہ رکھتی ہے کیا وہ تمہاری ہی بخشش وعطا نہیں ہے؟
۲۔ یہ کہ (اے پروردگار) کسی شخص کیلئے اس سے بدترین سزا اور کیا ہوسکتی ہے۔
کہ وہ تجھ سے ناآشنایانہ زندگی بسر کرتا ہو!
۳۔ یہ کہ (اے پروردگار) (یہ) سزا بندہ کو نہ دے۔
کیونکہ وہ اس کے قابل نہیں ہے۔
۴۔ یہ کہ جو کوئی حوادثات زمانہ کی موج کا شکار ہوا۔
تو پھر جب تک تجھ جیسا دوست (مددگار) نہ ہو تو وہ صرف تیرنے ہی سے نہیں بچ سکتا۔

۵۔ یہ کہ (اے پروردگار) یہ جہان فانی ہے اگرچہ کہ یہ بقا کا حامل ہو بھی۔
یہ کہ تو اس عالم کو فنا پذیر سمجھ لے، کیونکہ اس دنیا میں تمہارے لیئے پائیداری نہیں ہے۔

۶۔ یہ کہ کس قدر خوش قسمت ہے وہ بادشاہ جو کہ تیرا ہمنشین ہے۔
یہ کہ وہ دوستی کہاں اچھی ہوسکتی ہے کہ جس میں تیری ملاقات نہ ہو۔

۷۔ یہ کہ (اے پروردگار) میں ہر دم تیرے لئے دل و جان سے نثار ہوں۔
کیونکہ وہ خاک جو کہ روح کے سر پر ہے تو وہ خاک تیرے قدموں کی خاک نہیں ہے۔

۸۔ یہ کہ تمام مرغان (مخلوق) کہ جو تیرے ہی وہم و خیال میں ہیں مبارک ہیں۔
یہ کہ وہ کس قدر بدنصیب مرغ (مخلوق) ہے کہ جس میں تیرا وہم و خیال نہیں ہے۔

۹۔ یہ کہ (اے پروردگار) میں تیرے زخم سے نہیں فرار اختیار کروں گا۔
یہ کہ کیا کوئی قلب ایسا ہے کہ جو تیری آتش بلاخیز کا سوختہ نہ ہو۔

۱۰۔ یہ کہ (پروردگار) تیری ثنا اور تیرے ثنا خوانوں کی انتہا نہیں ہے۔
کونسا ذرہ ہے کہ جو تیری تعریف و ثنا میں مشغول (سرگشتہ) نہ ہو۔

۱۱۔ یہ کہ اس کی نظیر (مثال) نظامی رحمۃ اللہ علیہ نے نظم میں بیان فرماتے ہیں۔
یہ کہ (اے میرے محبوب) تو مجھ پر جفا نہ کر کہ مجھ میں تیری جفا کی سکت نہیں ہے۔

۱۲۔ یہ کہ (اوہ) شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ تیرے (روحانی) حسن و شان و شوکت شہرہ آفاق ہیں۔
یہ کہ وہ کونسا بادشاہ ہے کہ جو بدل و جان تیرا گرویدہ نہیں ہے۔

❀......❀......❀

ختم شد

یہ کہ ہم انہیں سطور پر کتاب کے حصہ ہفتم
''مختصر انتخاب دیوانِ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ (از: مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ)'' اور
کتاب ''حیات شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ'' کو ختم کرتے ہیں!

وما علینا اِلّا البلاغ المبین. آمین!

ہیچمدان

راجہ طارق محمود نعمانی ایڈووکیٹ

کتابیات

☆ قرآنِ مجید
☆ بخاری شریف
☆ سنن ابن ماجہ شریف
☆ صحیح مسلم شریف
☆ شعب الایمان
☆ حلیۃ الاولیاء
از: شیخ ابونعیم اصفہانی
☆ ملفوظاتِ رُومی ترجمہ فِیہِ مَا فِیہِ
از جناب مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ
☆ سوانح مولوی رُوم رحمۃ اللہ علیہ
از جناب علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
☆ نفحات الانس
از حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ
☆ سفینۃ الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ
از جناب شہزادہ دارا شکوہ حنفی قادری صاحب
☆ سوانح حیات حضرت شمس تبریز صاحب رحمۃ اللہ علیہ
از جناب مولانا پیر غلام دستگیر صاحب نامی رحمۃ اللہ علیہ

☆ تذکرہ اولیائے ملتان

از سید محمد اولاد علی گیلانی صاحب

☆ اخبار الصالحین

☆ خزینۃ الاصفیاء

از مولانا مفتی غلام سرور لاہوری صاحب

☆ جواہر مضیئہ

از حافظ عبدالقادر قریشی

☆ انوار اصفیاء

مرتبہ ادارہ تصنیف وتالیف: شیخ غلام علی اینڈ سنز......لاہور

☆ انگریزی مقدمہ انتخاب دیوانِ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ

از جناب مستشرق پروفیسر نکلسن صاحب......مطبوعہ کیمبرج

☆ کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون

حاجی خلیفہ المشہور (ملا کاتب چلپی رحمۃ اللہ علیہ)

☆ مثنوی مولوی معنوی (از رُومی نسخہ)

رینلڈ نیکلسن......از مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ......مطبوعہ: ایران

☆ کلیاتِ دیوان شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ

از مولانا جلال الدین محمد بلخی مولوی

بزبان پارسی......مطبوعہ: ایران

☆ کشف المحجوب (از جناب حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)

ترجمہ مولوی فیروز الدین رحمۃ اللہ علیہ

☆ کتاب اللمع

از جناب حضرت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ

☆ عوارف المعارف

از جناب حضرت عمر بن شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

☆ مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

☆ انفاس العارفین

از جناب حضرت امام شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

☆ کلیات امدادیہ
از حضرت سید الطائفہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

☆ انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم (تاریخ عمومی)
از جناب ولیم ایل لینگر صاحب
اردو ترجمہ و تہذیب: جناب مولانا غلام رسول مہر صاحب

☆ ایران شناسی
از جناب پروفیسر ڈاکٹر ظہور الدین احمد صاحب

☆ ایران صدیوں کی تاریخ کے آئینے میں
از جناب ڈاکٹر امرت لعل عشرت صاحب (مطبوعہ لکھنؤ)

☆ میراث ایران
از جناب پروفیسر اے جے آربری صاحب
مترجم سید عابد علی عابد صاحب

☆ تاریخ ساسانیان
از جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر صاحب (پنجاب یونیورسٹی)

☆ ایران بجہت ساسانیان
از ڈاکٹر دار مسٹیٹر فرنچ مستشرق
اُردو ترجمہ شائع کردہ انجمن ترقی اردو

☆ تاریخ یونان قدیم
از جناب ایڈولف ہولم صاحب

☆ تاریخ عمومی
اُردو ترجمہ: مولانا غلام رسول مہر صاحب

☆ The civilization of Greek
By: Francois Chamoux

☆ ایرانِ قدیم
از حسن پیرینا

☆ مروج الذہب و معادن الجوہر للمسعودی (تاریخ المسعودی)
از امام ابی الحسن علی ابن الحسین بن علی المسعودی رحمۃ اللہ علیہ (۳۴۶ھ۔۹۵۷ء)
عربی ایڈیشن...... مطبوعہ (مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات) بیروت لبنان

☆ الاخبار الطوال
ازابوحنیفہ الدینوری رحمۃ اللہ علیہ

☆ تاریخ الیعقوبی
ازاحمد بن یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح عباسی رحمۃ اللہ علیہ
مطبوعہ موسسۃ الاعلمی المطبوعات (بیروت لبنان)

☆ مقدمہ ابن خلدون
ازرئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ المغربی

☆ تاریخ ابن خلدون
ازرئیس المورخین علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ المغربی

☆ الکامل فی التاریخ
الابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ ......عربی ایڈیشن

☆ ایران بعہد ساسانیان
ازڈاکٹر وارمسٹیٹر فرنچ متشرق
اردو ترجمہ ازجناب ڈاکٹر پروفیسر محمد اقبال (پنجاب یونیورسٹی لاہور)

☆ Ancient Persian and Iranian
By Huart

☆ ایران نامہ
ازعباس شوستری

☆ البرامکہ
ازجناب مولانا عبدالرزاق کانپوری صاحب

☆ کتاب التنبیہ والاشراف للمسعودی

☆ ہفت قلزم (تذکرہ)
ازامین رازی رحمۃ اللہ علیہ

☆ کتاب التیجان

☆ قدیم ایران کا پیغمبر زوراسٹر
ازاے، وی، ویلز جیکسن، مطبوعہ نیویارک ۱۸۹۹ء

☆ شاہنامہ فردوسی
ازحکیم فردوسی رحمۃ اللہ علیہ

☆ دبستان مذاہب
ام اُردستانی رحمۃ اللہ علیہ
☆ کتاب الملل والنحل
ازللشہرستانی
☆ تاریخ کامل اثیر رحمۃ اللہ علیہ
از علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ
☆ مرآۃ البلدان
از صیغ الدولہ محمد حسن خان رحمۃ اللہ علیہ
☆ لٹریری ہسٹری آف پرشیا
از جناب پروفیسر براؤن صاحب (انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا)
☆ الفہرست
ابن الندیم
☆ اصل واصول شیعہ
از محمد حسین آل کاشف الغطاء ترجمہ سید ابن حسن لاہور ۱۹۵۷ء
☆ کلید مناظرہ
از برکت علی شاہ
☆ اسلامی مذاہب ترجمہ (المذاہب الاسلامیہ)
از جناب ڈاکٹر شیخ محمد ابوزہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ
☆ فجر الاسلام
از جناب ڈاکٹر احمد امین مصری صاحب رحمۃ اللہ علیہ
☆ الفصل والملل
للامام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ
☆ برہان قاطع
از حسین بن خلف مرتبہ۔ دکتر محمد معین طہران
☆ سبک شناسی
از محمد تقی بہار، تہران ۱۳۲۱
☆ خط وتحول آں در شرق باستان
از علی سلعی

☆ سخندان پارس
از مولانا محمد حسین آزاد صاحب

☆ فرہنگ ایران باستان
از پورداؤد بحوالہ

☆ میراثِ ایران
از پروفیسر اے۔ جے۔ آربری صاحب

☆ تاریخ اسلام
از جناب مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ

☆ تاریخ اسلام
از مولانا محمد اکبر شاہ خان نجیب آبادی رحمۃ اللہ علیہ

☆ تاریخِ اسلام
از جناب جسٹس سید امیر علی صاحب مرحوم، مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ کراچی

☆ اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو
از جناب ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی صاحب مرحوم

☆ دعوت اسلام
از جناب سر تھامس آرنلڈ صاحب

☆ کتاب الخراج
جناب الامام ابو یوسف القاضی رحمۃ اللہ علیہ

☆ تاریخ عرب
از جناب موسیو سیدیو فرانسیسی صاحب

☆ تمدن عرب
از ڈاکٹر گستاؤلی بان صاحب

☆ المنجد
از لوئیس معلوف صاحب

☆ القاموس المحیط
للفیروز آبادی رحمۃ اللہ علیہ

☆ مصباح اللغات
للفیومی رحمۃ اللہ علیہ

☆ نہایۃ
لابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ

☆ تاریخِ افکار وعلوم اسلامی
از جناب علامہ راغب الطباخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

☆ الغزالی
از شمس العلماء علامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

☆ ح اۃ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
از راجہ طارق محمود نعمانی ایڈووکیٹ

☆ الرسائل القشیر یہ
از حضرت الامام القشیر ی رحمۃ اللہ علیہ

☆ کتاب اللمع فی التصوف
از حضرت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ

☆ انوار اولیاء رحمۃ اللہ علیہ
مرتبہ ومؤلفہ: جناب سید رئیس احمد جعفری ندوی رحمۃ اللہ علیہ

☆ ایرانی تصوف اور اسلام
از کبیر احمد جائسی صاحب

☆ جنید بغداد
از جناب ڈاکٹر علی حسن عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

☆ Studies in Islamic Mysticism
By: Reynold Alleyne Nicholson. Litt.D,LL.D

☆ سفینۃ الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ
از جناب شہزادہ دارا شکوہ قادری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ
اُردو ترجمہ: محمد علی لطفی صاحب
مطبوعہ: نفیس اکیڈیمی اردو بازار کراچی

☆ تاریخ ایران (ابتداء سے عصر حاضر تک)
از جناب سید اصغر علی شاہ جعفری صاحب۔ ایم اے، ایم او ایل، ایل ایل بی

☆ مسلمان شاہی خاندان
از جناب لین پول صاحب

☆ فتوح البلدان

از علامہ احمد بن یحییٰ بن جابر الشہیر البلاذری رحمۃ اللہ علیہ

☆ جغرافیۂ خلافتِ مشرقی

جناب جی۔ لی۔ اسٹرنج صاحب

☆ سفرنامہ ابن بطوطہ

از ابن بطوطہ

☆ اسلامی انسائیکلو پیڈیا

از جناب سید قاسم محمود صاحب

☆ انوار اولیاء کامل

از جناب مولانا رئیس احمد جعفری ندوی رحمۃ اللہ علیہ

☆ تذکرۃ الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ

از حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

☆ مدینۃ العلوم

للآرنیقی رحمۃ اللہ علیہ

☆ مثنوی مولوی معنوی

مترجم اردو: مولانا قاضی سجاد حسین صاحب

☆ انوار اصفیاء

مرتبہ ادارہ تصنیف وتالیف

شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

☆ سلاجقہ روم رحمۃ اللہ علیہ

از ابن بی بی علامہ یحییٰ بن محمد رحمۃ اللہ علیہ

☆ سفرنامہ ابن جبیر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ

از محمد ابن جبیر اندلسی رحمۃ اللہ علیہ

☆ مناقب العارفین

☆ وفیات الاعیان

از علامہ ابن خلکان۔ ترجمہ، قاضی بہاؤ الدین رحمۃ اللہ علیہ

☆ سپہ سالار

(حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے متوسل اور سوانح نگار)

☆ الجواهر المضیئه
ازحافظ عبدالقادر قرشی رحمۃ اللہ علیہ

☆ شعرالعجم
ازعلامہ محمد شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

☆ اسرارنامہ
ازشیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ۔ مطبوعہ تہران

☆ کلیات دیوان شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ
ازانتشارات: نشر طلوع۔ ایران

☆ فیہ مافیہ (ملفوظات رومی رحمۃ اللہ علیہ)
اُردوترجمہ: عبدالرشید تبسم صاحب

☆ مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ
ازقاضی تلمذ حسین صاحب

وغیرہ وغیرہ......!!

''دیوانِ شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ'' کے قدیم نسخے کا ایک عکس

الشجرة النبوية

تبرّکاتِ نبوی ﷺ

کی تاریخی دستاویز

جس میں امام الانبیاء ﷺ کا شجرہ نسب اور آپ ﷺ
کے عزیز و اقارب کے مختصر حالات بیان کئے گئے ہیں

تالیف: یوسف بن عبد الہادی مقدسی رحمہ اللہ

تحقیق و تخریج: ابو ادیب محی الدین دیب

ترجمہ: نوید احمد ربانی نظر ثانی: پروفیسر سیما میر کھوکھر

بُک کارنر

شوروم: بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977 موبائل 0323-5777931

پرنٹرز۔ پبلشرز۔ کمپوزرز۔ ڈیزائنرز۔ بک سیلرز۔ ہول سیلرز اینڈ لائبریری آرڈر سپلائرز

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جتنے نبی گزرے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو ایسے معجزات سے نوازا گیا جن کو دیکھ کر لوگ اُن پر ایمان لائے، مجھ کو جو معجزہ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے وہ ﴿ قرآن ﴾ ہے۔ (اس کا اثر قیامت تک رہے گا) اس لئے مجھے اُمید ہے کہ روزِ قیامت میرے پیروکار (دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے فرمانبرداروں کی نسبت) زیادہ ہوں گے۔ (الحدیث)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب "فضائل القرآن" کا پہلا اُردو ترجمہ

فضائل القرآن

اُردو ترجمہ

معجزۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

تالیف:

امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: نوید احمد ربانی — زائد تحقیق و تخریج: علامہ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

نظرثانی: مفتی و شیخ الحدیث ابو عبدالسلام محمد اکرم جمیل

ناشران

بُک کارنر

شوروم: بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان

فون نمبر 0544-614977 موبائل 0323-5777931

پرنٹرز۔ پبلشرز۔ کمپوزرز۔ ڈیزائنرز۔ بُک سیلرز۔ ہول سیلرز اینڈ لائبریری آرڈر سپلائیرز

امام ابوبکر احمد بن عمرو بن ابی عاصم شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآرا تصنیف

کتاب الاوائل

اردو ترجمہ

دنیا میں سب سے پہلے وقوع پذیر ہونے والے واقعات کا حسین گلدستہ

ترجمہ: ابو صالح محمد سلیمان نورستانی

فوائد تحقیق وتخریج: نوید احمد ربانی
افادات: ڈاکٹر محمد بن ناصر عجمی

ناشران: بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان

مشہور و معروف قلم کار حافظ ناصر محمود کی معرفت و تصوف پر شاہکار تصانیف

عاشق رسول ﷺ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات، واقعات، تعلیمات، اوصاف اور کمالات کا تذکرہ، جو اقلیم عشق کے امام، تاریخ فقر و عرفان میں یکتائے روزگار اور فنافی الرسول ﷺ کے بلند مقام پر فائز ہو کر حیات جاوداں پا گئے

دوسری صدی ہجری کی شہرۂ آفاق عارفہ کی سوانح حیات، واقعات، فرمودات، مناجات، تعلیمات، کرامات، اوصاف اور کمالات کا تذکرہ

Masnavi i Ma'navi

TEACHINGS OF RUMI

THE SPIRITUAL COUPLETS OF
MAULANA JALALU-'D'DIN MUHAMMAD *Rumi* رحمۃ اللہ تعالیٰ.

Translated & abridged by **E.H. Whinfield, M.A**

فیہ ما فیہ

ملفوظاتِ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

DISCOURSES OF RUMI

BASED ON THE ORIGINAL TRANSLATION BY
A. J. ARBERRY

Published by:
BOOK CORNER SHOWROOM
JHELUM, PAKISTAN

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و معروف تصنیف "مثنوی"
سے دلچسپ اور نصیحت آموز حکایات کا حسین انتخاب......ایک نئے انداز میں!

حکایاتِ رومی

مع درسِ حیات

نایاب تاریخی تصاویر کے ساتھ

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تدوین: صوفی آصف محمود (ایم۔اے)

پکچرز سلیکشن: گگن شاہد۔ امر شاہد

نفیس طباعت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بائنڈنگ

بُک کارنر شوروم
بالمقابل اقبال لائبریری، بک سٹریٹ، جہلم پاکستان
Ph: 0544-614977-0321-5440882-0323-5777931
WWW.BOOKCORNER.COM.PK

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ
"یادرکھو! اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف طاری ہوتا ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوتے ہیں۔" (القرآن)
تذکرہ اولیائے جہلم
سرزمین جہلم اور ملحقہ علاقوں کے اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے سوانح حیات
مُصنّف
انجم سلطان شہباز
نیا اضافہ شدہ ایڈیشن
بک کارنر
شوروم: بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان
فون نمبر 0544-614977 موبائل 0323-5777931
پرنٹرز۔ پبلشرز۔ کمپوزرز۔ ڈیزائنرز۔ بک سیلرز۔ ہول سیلرز اینڈ لائبریری آرڈر سپلائرز

ائمہ تلبیس

یعنی ان مشہور دجالوں کے حالاتِ زندگی جنہوں
نے عہد رسالت سے لے کر آج تک الوہیت،
نبوت، مسیحیت، مہدویت اور اس قسم کے
دوسرے جھوٹے دعوے کر کے ملت اسلامیہ میں
رخنہ اندازیاں کیں اور اسلام کے حق میں
مارہائے آستین ثابت ہوئے۔

تالیف: ابو القاسم مولانا محمد رفیق دلاوری

تصحیح و تخریج: نوید احمد ربانی تقدیم: پروفیسر سید امیر کھوکھر

نفیس طباعت، اعلیٰ کاغذ، خوبصورت سرورق اور مضبوط بائنڈنگ

ناشران: بک کارنر شوروم بالمقابل اقبال لائبریری بک سٹریٹ جہلم پاکستان